ماہنامہ
کرن
اکتوبر 2013
اس شمارے کے ساتھ
کرن کتابچہ

بیادِ محمود بابر فیصل

انٹرویو

ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
پاکستان (سالانہ) ------ 600 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ ---- 5000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا --- 6000 روپے

مستقل سلسلے

اکتوبر 2013
جلد 36 شمارہ 7
قیمت 50 روپے

خط و کتابت کا پتہ
کرن
37- اردو بازار کراچی

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872
Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

مدیرہ

کرن اکتوبر کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

10 ذی الحج وہ مبارک اور تاریخی دن ہے جس میں امت مسلمہ کے مورث اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی دانست میں اللہ تعالیٰ کا حکم و اشارہ پا کر اپنے لخت جگر حضرت اسماعیلؑ کو اللہ کی رضا مندی کے لیے اس کے حضور میں پیش کر کے اپنے بیٹے کے گلے پر چھری رکھ کر اپنی سچی وفاداری اور کامل تسلیم و رضا کا ثبوت فراہم کیا تھا۔

اطاعت و فرماں برداری کسی ایک شعبے تک محدود نہیں بلکہ وہ انسان کی پوری انفرادی و اجتماعی زندگی کا احاطہ کرتی ہے۔ ایثار و قربانی کا جذبہ ہی قربانی کی اصل روح ہے۔ اور قربانی کا مفہوم اسی صورت پورا ہو سکتا ہے جب ہم اس جذبے کی روح کو سمجھیں۔ قربانی کو نمود و نمائش کا ذریعہ نہ بنائیں۔ قربانی کے گوشت کی تقسیم میں ان لوگوں کو یاد رکھیں جو اس کے حق دار ہیں۔ تب ہی ہم اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کی رضا کو حاصل کر سکتے ہیں۔

قارئین کرام کو ادارہ کرن کی جانب سے عید الاضحیٰ مبارک ہو۔

محمود بابر فیصل،

کچھ لوگ دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں لیکن اپنے پیچھے کتنی خوش گوار یادیں چھوڑ جاتے ہیں کہ اگر انہیں بھولنا بھی چاہیں تو انہیں بھلانا ممکن نہیں ہوتا۔ محمود بابر فیصل ایسی ہی دلکش اور سحر انگیز شخصیت کے مالک تھے۔ انہوں نے مختصر سی زندگی میں کئی کارہائے نمایاں انجام دیے۔ انہوں نے اپنی زندگی محبتیں اور خوشیاں بانٹنے کے مشن پر صرف کر دی۔

محمود بابر فیصل 25۔ اکتوبر 1993ء کو دنیا سے رخصت ہو کر ہزاروں لوگوں کو اشکبار کر گئے۔ 25۔ اکتوبر کو ان کی برسی کے موقع پر بہنوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلا مقام سے نوازے۔ (آمین)

اس شمارے میں،

- جنید خان نیازی سے شاہین رشید کی ملاقات،
- "میری بھی سنیے" میں نور حسن قارئین کے روبرو،
- نیا سلسلہ "باتیں ڈراموں کی"
- "مقابل ہے آئینہ" میں انیقہ انا کے جوابات،
- فوزیہ یاسمین اور نبیلہ عزیز کے سلسلے وار ناولز،
- فاخرہ گل کا طویل مکمل ناول "میرے ہمنوا کو خبر کرو"،
- بشریٰ سیال کا مکمل ناول "فصل امید!"،
- رخشندہ کوکب، روشنی بخاری، نفیسہ سعید اور ریحانہ امجد بخاری کے دلکش ناولٹ،
- دیناز سحر سلیم، ام تمامہ، حمیرہ خان، ظل ہما اور آسیہ ریاض کے افسانے،
- اور مستقل سلسلے،

مفت،

عید الاضحیٰ کے پرمسرت موقع پر گوشت کے پکوانوں پر مشتمل کرن کتاب "عید الاضحیٰ اسپیشل" کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیش خدمت ہے۔

حمد باری تعالیٰ

ترے کرم سے ہی قائم ہے زندگی کا چمن
ہر اک جمال کا تیرا ہی عکس پیراہن

ترے خیال سے رنگینیاں زمانے میں
ترے ہی ذکر سے رعنائیاں فسانے میں

ہر ایک رنگ میں تیرا کمال ہے ہر سو
ہر اک کلی میں، ہر اک پھول میں ہے تو ہی تو

ترے بغیر میں خود سے بھی آشنا نہ رہوں
کہوں تو تیرے سوا کس سے دل کی بات کہوں

تو کائنات کا مسجود، ہر جگہ موجود
لٹا لٹا سا ہے کیوں پھر بھی زندگی کا وجود

ہمیں تو آسرا بس تیری ذات پاک کا ہے
ترے بغیر ہمیں اور واسطہ کیا ہے

نسرین نکہت سبزواری

نعت رسول مقبول

میری چشم آرزو کی جو ہے آرزو مدینہ
مرا حال کچھ نہ پوچھو کہ ہے چار سو مدینہ

مری ہر صدا کا مطلب مری بے خودی الفت
پس گفتگو مدینہ سر گفتگو مدینہ

مرے رہبروں سے کہہ دو کہ مجھے نہ آ کے چھیڑیں
کہ ہے میری جستجو کیا، مری جستجو مدینہ

یہ کمال جستجو ہے کہ کمال آرزو ہے
جہاں بند آنکھ کر لی ہوا روبرو مدینہ

ہوا جب سے عشق احمد مرے دل میں جلوہ افگن
مرے دل کا حال یہ ہے کہ ہے مو بمو مدینہ

ہوں عجیب کشمکش میں کوئی راز یہ بتا دے
کہ مدینہ رو ہے کعبہ کہ ہے کعبہ رو مدینہ

بہزاد لکھنوی

کاش وہ جیتے رہتے

محمود شام

مجھے وہ آنکھیں ہمیشہ یاد رہتی ہیں۔ جن میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ ایک ستارہ سا ہمیشہ چمکتا اور جھانکتا محسوس ہوتا تھا۔

عینک کے پیچھے سے بھی۔ عینک کے بغیر بھی.....

ایک تجسس کی، جستجو کی..... بہت کچھ جاننے کی چمک۔ جانے کس چیز کا تجسس، کس حقیقت کی جستجو کون سے حقائق جاننے کی دھن تھی۔

اپنے جرائد میں ان کی مستقل تحریروں کے بانکپن اور شگفتگی نے انہیں اپنے لاکھوں قارئین میں پہلے ہی بہت مقبول کر رکھا تھا۔ اس عمر میں بلکہ کم عمری میں اتنی مقبولیت کی آرزو ہم میں سے ہر لکھنے والے کو ہوتی ہے۔ یہ مقبولیت حوصلہ بھی بڑھاتی ہے اور بعض شخصیتوں میں رعونت بھی پیدا کر دیتی ہے۔ لیکن بابر میں رعونت نہیں بلکہ انکسار پیدا ہوا تھا۔ لیکن یہ مقبولیت اتنی کم عمری میں حاصل ہو جائے تو اس کا ایک خطرناک پہلو بھی ہوتا ہے کہ یہ عمر کم کر دیتی ہے۔ انگریزی کے مشہور اور مقبول شاعر جان کیٹس بھی کم عمری میں مقبول ہوئے کم عمری میں چل بسے.....

محمود بابر فیصل بھی ہم سے ایسی عمر میں جدا ہوئے جو مرنے کی نہیں جینے کی عمر ہوتی ہے۔ انہوں نے اگرچہ کم عمری میں بہت سی منزلیں پالی تھیں لیکن ابھی بہت سی منزلیں ان کے قدم چومنے کے لیے بے تاب تھیں۔

محمود ریاض میرے دوست بھی ہیں اور کرم فرما بھی یہ رشتہ ہمارا انشاجی کے زمانے سے شروع ہوتا ہے اور انشا جی سے ہمارا تعلق ظاہر لاہور سے شروع ہوتا ہے۔ میں ہفت روزہ "قندیل" سے وابستہ تھا۔ ساتھ ساتھ تعلیم بھی حاصل کر رہا تھا۔ قندیل کے ایڈیٹر شیر

محمد اختر مرحوم اپنے زمانے کے نفسیات کے ماہرین میں شمار ہوتے تھے۔ ان سے انشاجی کی بہت یاری تھی۔ میرا تعارف بھی انہیں دنوں میں ہوا۔ ہماری نسل انشا جی کو پڑھ کر ہی جوان ہوئی۔ نثر بھی اور ان کی شاعری دونوں ہی اس وقت کے نوجوانوں کو بہت متاثر کرتی تھیں۔ میں لاہور سے ہفت روزہ "اخبار جہاں" جوائن کرنے کے لیے 1967ء میں کراچی آیا تو انشاجی سے نیاز مندی، قربت اور رفاقت میں تبدیل ہو گئی۔ وہ اخبار جہاں کے مستقل کرم فرما تھے۔ ان کا کالم مقبول ترین کالم تھا۔ اس سلسلے میں اکثر ملاقاتیں رہنے لگیں۔

پھر محمود ریاض صاحب سے بھی تعارف ہوا قربت اگرچہ نہیں ہوئی۔ خواتین ڈائجسٹ اور اس خاندان کے دوسرے جرائد کا آغاز ہوتا رہا۔ ہماری خوشیوں میں اضافہ ہوتا رہا کہ پبلشنگ کے میدان میں نئے عزائم کے ساتھ لوگ اتر رہے تھے۔ یہ مقبول عام جرائد تھے۔ قارئین کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔

ملک کے حالات سیاسی طور پر بگڑنے لگے۔ انشاجی کی صحت کے بارے میں خطرناک خبریں آنے لگیں۔ پھر انشاجی ہم سے جدا ہو گئے۔ عمر کی نقدی ختم ہو گئی۔ ہم سب روئے۔ پاپوش نگر کے قبرستان میں ایک قبر کی مٹی میں ہمارے آنسو بھی جذب ہوئے۔ وہ دن بہت ہی ظالم تھے۔ ان دنوں دھوپ بہت تیز ہو گئی تھی۔ سورج کی آنکھ بہت دہکنے لگی تھی۔ انشاجی ہمیں چھوڑ گئے۔ آمریت کے تاریک سائے ہم سب کو اپنی لپیٹ میں لینے لگے۔

"معیار" ہمارا ہفت روزہ بھی مارشل لا کے عتاب کا شکار ہو گیا۔

اداسیوں کے اس موسم میں محمود ریاض صاحب نے کئی بار پیشکش کی کہ میں ان کے لیے کچھ لکھوں۔ کچھ ان کے لیے کام کروں۔ انہی دنوں بابر صاحب سے ملاقات ہونے لگی۔

پھر بابر اے پی این ایس کے پلیٹ فارم پر سرگرم ہوئے۔ تو ہماری زیادہ ملاقاتیں ہوئیں۔ مجھے یہ نوجوان ایک سراپا تجسس نظر آتا تھا۔ وہ آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ ماہنامہ صحافت کی تنگناؤں سے نکل کر ہفت روزہ صحافت کی ندیوں میں تیرنا چاہتا تھا۔ روزنامہ صحافت کے دریاؤں میں اپنی جولانی طبع کا مظاہرہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ کسی وقت بھی روزنامہ نکال کر شوق پورا کر سکتا تھا۔ لیکن اس کی خواہش تھی کہ وہ پہلے تمام ابتدائی مراحل طے کرے۔ رپورٹنگ کرے، جرائم کی رپورٹ دے ڈیسک پر بیٹھ کر خبروں کا ترجمہ کرے پھر وہ اپنا اخبار نکالے۔

میں جب "جنگ" میں خصوصی نمائندے کی حیثیت سے سیاسی رپورٹنگ کرتا تھا تو وہ اکثر آجاتے اور پاس بیٹھے دیکھتے رہتے کہ رپورٹر حضرات کیا کر رہے ہیں۔ ٹیلی فون پر کیسے خبریں لیتے ہیں۔ پھر انہیں کیسے لکھتے ہیں۔ زبان و بیان کی باریکیوں پر بات کرتے۔ خبروں کے ذرائع پر کیسے اعتماد قائم کیا جاتا ہے۔ مجھے اس وقت یہ یقین ہو جاتا تھا کہ خواتین ڈائجسٹ کے گروپ آف پبلی کیشنز سے کبھی نہ کبھی ایک اچھا اور وقیع روزنامہ ضرور نکلے گا۔ روزنامہ تو نکلا لیکن بابر کی عمر نے وفا نہ کی اور گلشن ریاض کا ایک پھول وقت سے بہت پہلے مرجھا گیا۔ ہم ایک بار پھر روئے تھے اور ایک اور قبر میں ہمارے آنسو جذب ہو گئے تھے۔ عمر ہم لوگوں کے جانے کی تھی چلے گئے محمود بابر فیصل، اس جانے اور آنے پر ہم میں سے کسی کا اختیار نہیں۔

باتیں ڈراموں کی

شاہین رشید

ایک زمانہ تھا کہ جب کسی ڈرامے کے لیے کوئی ہیروئین تلاش کی جاتی تھی تو اس کا معیار کچھ یہ ہوتا تھا کہ لڑکی خوب صورت، نازک سی ہو، بے انتہا اسمارٹ اور پڑھی لکھی ہو خاندانی بیک گراؤنڈ بھی بہت اچھا ہو۔۔۔ خاص طور پر جب بجیا اور حسینہ معین کی سیریل شروع ہونے ہوتے تھے تو کئی کئی ماہ قبل اخبارات میں خبریں آنا شروع ہو جاتی تھیں کہ بجیا اور حسینہ معین کو مرکزی کردار کے لیے ایک عدد اچھی سی لڑکی کی تلاش ہے۔ ڈھیروں لڑکیاں آتی تھیں، پھر آڈیشن ہوتے تھے اور بڑی سوچ بچار کے بعد ایک لڑکی کا انتخاب ہوتا تھا۔ اسے باقاعدہ پریس سے دور رکھا جاتا تھا۔ انٹرویو دینے کی اجازت نہیں ہوتی تھی کہ جب تک ڈرامہ سیریل آن ایئر نہیں ہوگا لڑکی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا جائے گا۔۔۔ شوبز میں آنا اتنا آسان نہ تھا جتنا کہ اب ہے۔ اب یہ مثال دی جاتی ہے کہ جس طرح OLX پہ سب بکتا ہے اسی طرح ڈراموں میں سب چلتا ہے۔

جی ہاں اب ضروری نہیں کہ شکل بھی پیاری ہو اسمارٹ اور نازک بھی ہو فنکارانہ صلاحیتیں بھی ہوں اور اچھا خاندانی بیک گراؤنڈ بھی ہو اب تو چھوٹی، لمبی، دبلی یا موٹی جیسی بھی ہو شکل اچھی ہو یا واجبی سب کچھ چلتا ہے۔ آپ سب تو یہ سب کچھ دیکھ ہی رہے ہوں گے۔ کیا کچھ جھوٹ کہا ہم نے؟

پہلے ڈرامے صرف آٹھ بجے ہوا کرتے تھے۔ اب شام سات بجے سے لے کر رات بارہ بجے تک اور پھر ری پیٹ کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ڈرامہ چینل بھی وجود میں آگئے ہیں۔ اب ڈرامہ دیکھنے والوں کی اتنی تعداد نہیں ہے جتنی تعداد میں ڈرامے پیش کیے جا رہے ہیں، پہلے زمانے کے ڈرامے لوگوں کو آج تک یاد ہیں جبکہ آج کے ڈرامے لوگوں کو وقتی طور پر تو یاد رہتے ہیں پھر سب بھول جاتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ کہ پہلے ڈرامے کے رائٹر اور پروڈیوسرز کے نام بھی لوگوں کو یاد رہتے تھے اب صرف ڈرامے کی کہانی لوگوں کو یاد رہتی ہے مگر وہ بھی وقتی طور پر۔۔۔

خیر ایسا بھی نہیں ہے کہ ڈراموں کی دنیا میں اندھیرا چھا گیا ہے ہماری ڈائجسٹ کی رائٹرز تو چھائی ہوئی ہیں اور دھوم ہے ان کے ڈراموں کی۔ عمیرہ احمد، فرحت اشتیاق، سیما مناف، عطیہ داؤد، فائزہ افتخار، نبیلہ ابر راجہ، شگفتہ بھٹی اور دیگر کئی مصنفین کو ہم نے ان رسالوں میں ہی پڑھا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے ڈراموں کا ٹرینڈ تبدیل کیا ہے اور گھریلو مسائل پر لکھ کر لوگوں کے اور خاص طور پر خواتین کے دلوں پر دستک دی ہے اور آئینہ بھی دکھایا ہے اور ڈراموں کو صرف ڈرامہ کی حد تک پیش نہیں کیا بلکہ مسائل کو بڑی خوب صورتی کے ساتھ حل کر کے بھی دکھایا ہے، ویسے آپس کی بات ہے ڈراموں اور فلموں میں مسائل کو حل کرنا آسان ہے اصل زندگی میں بہت مشکل بلکہ کبھی کبھی تو ناممکن ہوتا ہے۔ شاید اس لیے ڈراموں کی فینٹسی کو ہر کوئی دیکھنا چاہتا ہے۔

ایک بڑے معروف مصنف نے کہا کہ میں ڈائجسٹ کی رائٹر کو ڈرامہ رائٹر ہی نہیں مانتا۔۔۔ یہ ان کی سوچ ہے حالانکہ ڈائجسٹ بھی ادب کی دنیا میں ہی

شمار ہوتے ہیں اور بڑے بڑے مصنفین ڈائجسٹ ہی کی وجہ سے سامنے آئے ان کے افسانے اور ان کے ناولز کی ساری دنیا میں جہاں جہاں اردو پڑھنے والے موجود ہوتے ہیں دھوم ہوئی اور لائبریریاں ایسے ہی نہیں بھر جاتیں صرف سجاوٹ کے لیے بلکہ پڑھنے کا ذوق رکھنے والے تو ناولوں اور افسانوں کے تیے جنونی ہوتے ہیں ان کے مکالموں کو لوگ کوٹ کرتے ہیں "فیس بک" اس کی سب سے بڑی مثال ہے اور صرف اردو کی ہی بات نہیں ہر زبان کے مصنفین کی ناولز لائبریریوں کی زینت ہوتے ہیں تو کیا وہ مصنف نہیں ہیں یا ادب کا حصہ نہیں ہیں؟

آج ہر طرح کے موضوعات پر ڈرامے لکھے جا رہے ہیں مگر گھریلو مسائل پہ بہت زیادہ اور دو بہنوں کی کہانیاں تواتر کے ساتھ لکھی جا رہی ہیں۔ جن میں سوائے نفرتوں اور سازشوں کے کچھ نہیں ہوتا۔ اس موضوع کے ابتدا میں تو کچھ ڈرامے پسند کیے گئے مگر اب تسلسل کے ساتھ ایسے ڈرامے ناکام ہو رہے ہیں بہنوں کی چپقلش اور نفرت ایک حد تک تو ہضم ہو سکتی ہے مگر مسلسل نہیں ۔۔۔ گھریلو مسائل کے علاوہ جب کبھی کوئی مصنف معاشرتی مسائل پر ڈرامہ لکھتا ہے تو لوگ اس کی طرف لپکتے ہیں۔ "ننھی" "الو برائے فروخت نہیں" اور "تار عنکبوت" اس کی مثال ہیں۔ یہ ایسے ڈرامے ہیں جن کو دیکھ کر اشفاق احمد، امجد اسلام امجد، منو بھائی اور بانو قدسیہ یاد آجاتے ہیں۔

آج کل بے شمار چینلز منظر عام پر آرہے ہیں۔ جتنے چینلز اتنے ڈرامے مگر کامیاب ان ہی چینلز کے ڈرامے ہوتے ہیں جو بہت مشہور ہیں کیونکہ لوگ دیکھتے ہی مخصوص چینلز کے ڈرامے ہیں۔ مزے کی بات تو یہ ہے کہ کسی چینل پہ نہ دیکھے جانے والا ڈرامہ بھی سال دو سال کے بعد کسی مشہور چینلز سے آن ایئر کر دیا جاتا ہے مثلاً "بانجھ" سال دو سال قبل ایک نجی چینل سے پیش کیا گیا۔ سلطانہ رضوی کی تحریر اور اے اینڈ بی کی پروڈکشن موضوع کے اعتبار سے ایک نئی تحریر۔۔۔ ہر لحاظ سے ایک داد طلب ڈرامہ تھا مگر ناظرین کی توجہ حاصل نہ کر پایا کیونکہ کسی نے اس چینل کو دیکھا ہی نہیں۔ اب یہی ڈرامہ دوسرے نجی چینل سے پیش کیا جا رہا ہے اور لوگ اسے پسند کر رہے ہیں۔ اس طرح اور ڈراموں کے ساتھ بھی ہوتا ہوگا مگر ہم اور آپ کی نظروں سے اوجھل ہوگا کیونکہ ہر شخص سارے چینل نہیں دیکھتا آئیے ایک نظر کچھ اور ڈراموں پر ڈالیں۔

قرض : سیما مناف کی تحریر ہے اور عاطف حسین کی ڈائریکشن، عاطف حسین اپنے ہر سیریل پر بہت محنت کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے سیریل بے حد کامیاب بھی ہوتے ہیں۔ قرض کی کہانی بہت جذباتی کر دینے والی ہے اور آج کے دور میں یہ کہانی ہر دوسرے تیسرے گھر کی کہانی ہے۔ ہم من حیث القوم مردہ پرست قوم ہیں۔ کبھی زندوں کی قدر نہیں کرتے قدم

قدم پہ بے عزت کرتے ہیں مگر وہ جب قبر کی راہ لیتے ہیں تو دھاڑیں مار مار کر روتے ہیں۔ اولاد اور ماں کا رشتہ

بہت خوب صورت ہوتا ہے مگر جب بیٹا ماں کے بجائے بیوی کی سنتا ہے تو پھر قرض جیسے ڈرامے یا کہانیاں جنم لیتی ہیں۔ یہ ہمارے معاشرے کا بہت بڑا المیہ ہے کہ اولاد اپنے ماں باپ سے غافل ہوتی جا رہی ہے اور جب ماں کی کوئی حیثیت نہ رہے تو پھر بہن بھائیوں کو کون پوچھتا ہے۔ کہانی اپنے بہترین موڑ پر ہے دیکھیں کہ انجام کیا ہوتا ہے۔

کدورت : یہ حقیقت ہے کہ جب انسان کے دل میں کسی کے لیے کدورت پیدا ہو جائے تو پھر اسے دل سے نکالنا مشکل ہو جاتا ہے بلکہ کدورت رکھنے والا

انتقام کی آخری حد کو چھونے سے بھی دریغ نہیں کرتا زوبا حسن کی تحریر کو عابس رضا پیش کر رہے ہیں اور صنم سعید کی پرفارمنس دیکھ کر تو ایسا لگ رہا ہے جیسے وہ واقعی اس اداکاری کے ذریعے کدورت نکال رہی ہیں صنم سعید کی زندگی کا یہ بہترین نیگیٹو رول ہے۔ ویسے بھی صنم سعید بہترین پرفارمر ہیں۔

کنکر : آج کے دور کی موسٹ پاپولر رائٹر عمیرہ احمد ہیں ان کا کوئی سیریل ہو اور لوگ مس کر دیں یہ نا ممکن ہے۔ بہت شوق و ذوق کے ساتھ ان کے ڈرامے دیکھے جاتے ہیں۔ "کنکر" ان کا سیریل ہٹ جا رہا ہے مگر معذرت کے ساتھ کہ اس کا آغاز بالکل فلمی انداز میں ہوا' ایک امیر لڑکا اور ایک غریب لڑکی امیر لڑکے کو غریب لڑکی پسند آ گئی اور پھر والدین سے ضد کر کے شادی بھی کر لی۔ ایسا معاشرے میں یقیناً" ہوتا ہو گا مگر چونکہ ایسی کہانیاں فلموں کی ہی ہوتی ہیں اس لیے ایک بڑی رائٹر کے قلم سے کچھ عجیب سی لگی۔ اس فلمی جوڑے کی شادی ہو گئی ہے اور پریکٹیکل لائف کے وہی جھگڑے شروع ہو گئے ہیں کہ بتائے بغیر میکے کیوں گئیں..... اور یہ حقیقت ہے کہ جو لڑکیاں سسرال میں آ کر میکے کا خیال نہیں چھوڑتیں پھر ان کی ازواجی زندگی بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ جب لڑکیوں کو پتا ہوتا ہے کہ ہمارا اصل گھر شوہر کا گھر ہے تو پھر نہ جانے وہ ایسی حماقتیں کیوں کرتی ہیں؟ عمیرہ احمد کی کہانیاں گھریلو اور سبق آموز ہوتی ہیں اس لیے پسند بھی کی جاتی ہیں۔

میرے خوابوں کا دیا : ماہا ملک کی تحریر ہے احمد کامران کی ڈائریکشن ہے ماہا ملک کی تحریروں کی ایک بات تو ہم نے بہت زیادہ نوٹ کی ہے کہ ان کے ڈراموں کی ابتدائی اقساط تو بہت عمدہ اور بہت جاندار ہوتی ہیں۔ مگر آہستہ آہستہ کہانی بے جان ہوتی چلی جاتی ہے یا پھر عجلت کا شکار ہو جاتی ہے مگر احمد کامران جیسے ڈائریکٹر سے یہ امید ہے کہ وہ کہانی کو اسی انداز میں لے کر چلیں گے جس طرح شروع کی ہے۔ "میرے خوابوں کا دیا" دو بہنوں کی کہانی ہے مگر یہ وہ بہنیں نہیں

ہیں جو ایک دوسرے سے جلتی کڑھتی رہتی ہیں بلکہ ایک دوسرے پر جان نچھاور کرنے والی بہنیں ہیں۔

کہانی کی ابتدا میں دکھایا گیا کہ ایک ماں' بڑے بھائی تین بہنوں اور ایک چھوٹے بھائی پر مشتمل یہ فیملی بظاہر اچھی خوشحال زندگی بسر کر رہی ہوتی ہے۔ بہن کی شادی کی تیاریاں ہو رہی ہوتی ہیں کہ اگلے دن گھر کا واحد کفیل بڑا بھائی ایک حادثے میں انتقال کر جاتا ہے۔ بعد میں پتا چلتا ہے کہ بھائی نے تو آفس سے بہن کی شادی کے لیے لون لیا ہوتا ہے اور پھر گھر کی کفالت کرنے والا بھی نہیں ہوتا تو مایوں بیٹھی بہن شادی سے انکار کر کے بھائی کے آفس میں ہی جاب کرنے لگتی ہے اور پھر کہانی آگے بڑھتی ہے ہمارے معاشرے کی جیتی جاگتی ایک حساس کہانی ہے اور گھر کا واحد کفیل کا زندگی سے ناتا ٹوٹ جائے تو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے یہ ہی کہانی کی بنیاد ہے۔ نئی فنکارہ ثنا بہت اچھا پرفارم کر رہی ہیں۔

مجھے اپنے خدا پہ یقین ہے : سیما مناف اور عطیہ داؤد اس کی رائٹر ہیں۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کسی سیریل کو دو رائٹرز لکھیں یقیناً" دونوں میں انڈر اسٹینڈنگ ہو گی تب ہی یہ سیریل وجود میں آیا۔ اس کے ڈائریکٹر برکت صدیقی ہیں جو پہلے بھی کئی کامیاب ڈرامے ڈائریکٹ کر چکے ہیں۔ ایک عالیشان گھر کے چند افراد پر مشتمل یہ کہانی ہے جہاں ایک سازش کے تحت ایک لڑکی جو پہلے جس لڑکے کو پسند کرتی تھی اس کے بڑے بھائی سے شادی کر لیتی ہے۔ سازش کو بیک گراؤنڈ میں تھوڑا تھوڑا کر کے دکھایا جا رہا ہے اس لیے کہانی کھل کر سامنے نہیں آ رہی ابھی تو کہانی بہت ہی روایتی سی لگ رہی ہے اور سازشوں والی کہانی کے انجام عموماً" برے ہی ہوتے ہیں اور اس میں بھی ایسا ہی ہو گا بہت کچھ تو ڈرامے کے ڈائیلاگ سے بھی واضح ہو گیا ہے۔ جو کچھ اس میں دکھایا گیا ہے وہ یقیناً" غریب اور متوسط طبقے کے لوگوں کے دلوں پر چھری کے وار ثابت ہو رہا ہو گا ایسے گھر یا ایسے خاندانوں کے تو ہو سکتے ہیں ہمارے اور آپ کے نہیں اور یہ بھی شاید بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اونچے اور عالیشان محل سکون کا باعث نہیں ہوتے اطمینان اور سکون ہی اصل دولت ہے۔ گلیمر سے بھرپور سیریل کے نمایاں فنکاروں میں میکال' احسن خان' مومل شیخ اور عائشہ خان جونیئر شامل ہیں۔

اور قارئین کرن کے لیے ہمارا یہ پہلا تبصرہ تھا۔ آپ پڑھ کر بتائیں کہ کیسا لگا اور یہ کہ اس سلسلے کو جاری رہنا چاہیے یا نہیں اور یہ بھی کہ کن پروگراموں پر ہمیں زیادہ فوکس کرنا چاہیے شکریہ۔

☆ ☆ ☆

جنید خان سے ملاقات

شاہین رشید

"یہاں پیار نہیں ہے" سے شہرت پانے والے جنید خان کو آج کل آپ ڈرامہ سیریل "کدورت" میں دانیال کے رول میں دیکھ رہے ہیں۔ اگرچہ رول مختصر مگر جاندار ہے "جنید خان" آپ کو ہر دوسرے ڈرامے میں نظر نہیں آئیں گے۔ کیونکہ ان کی خواہش ہوتی ہے کہ یہ بے شک کم آئیں مگر اچھے اور پاور فل رول میں آئیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہر ڈرامے کو ناظرین طویل عرصے تک یاد رکھتے ہیں۔

جنید خان نہ صرف اچھے اداکار ہیں بلکہ بہترین گلوکار بھی ہیں اور ساتھ ہی بہت اچھے انسان بھی۔ اس کا اندازا ہمیں ان سے انٹرویو کر کے ہوا۔ کیونکہ انہوں نے اپنی مصروفیت میں سے وقت نکال کر ہمیں انٹرویو دیا۔

★ "کیسے ہیں جنید خان؟"

* "الحمد للہ۔"

★ "آپ نے سیریل "مدیحہ ملیحہ" اور "یہاں پیار نہیں ہے" کے علاوہ ایک آدھ اور سیریل میں بھی ایک بے وفا شوہر کا رول کیا' یہ بتائیں کہ یہ رول آپ کی نیچر یا آپ کی اصل زندگی کے کتنے قریب ہے؟"

* "جو میرے اردگرد کے لوگ ہیں اور جو مجھے اچھی طرح جانتے ہیں وہ بتائیں گے آپ کو کہ میں ہرگز بھی ایسا نہیں ہوں اور یہ رول بالکل بھی میرے نیچر کے قریب نہیں تھے۔ ہاں البتہ میں نے ان کرداروں کا مشاہدہ ضرور کیا تھا اور میری یہ عادت ہے کہ میں اپنے ہر کردار کا گہری نظر سے مشاہدہ کرتا ہوں۔۔۔ اور نگیٹو کردار کے لیے تو بہت محنت کی ضرورت پڑتی ہے بالکل اپنے اوپر حاوی کرنا پڑتا ہے۔"

★ "جو کردار نیچر کے قریب نہیں ہوتے انہیں کرنے میں مشکل ہوتی ہے یا مزا آتا ہے؟"

* "مشکل تو بالکل بھی نہیں ہوتی۔ بلکہ بہت مزا آتا ہے خاص طور برائی ایسی چیز ہے کہ انسان یہ قبول نہیں کر رہا ہوتا کہ یہ اس کے اندر بھی ہوتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ بالکل ہوتی ہے کیونکہ جب وہ پرفارم کر رہا ہوتا ہے تو بھی اس کے اندر آجاتی ہے میں سمجھتا تھا کہ ایسا نہیں ہوتا لیکن پرفارم کرنے کے بعد اپنے آپ کو دیکھ کر اچھا لگا کہ میں نے ٹھیک پرفارم کیا ہے۔"

★ "لوگوں کا کیا ری ایکشن تھا۔ ہمدردی ہوئی' نفرت ہوئی یا کسی نے سمجھایا کہ ایسا نہ کرو؟"

* "میرے چاہنے والوں کی تعداد ماشاء اللہ بہت زیادہ ہے اور انہوں نے ہمیشہ ہی میری تعریف کی ہے اور مزے کی بات یہ کہ اگر عام لوگوں میں بھی گیا ہوں تو انہوں نے میری پرفارمنس پر تنقید نہیں کی اور نہ ہی میرے رول پہ تنقید کی کہ آپ برا پرفارم کر رہے ہیں یا اچھا۔۔۔ بلکہ یہ کہا گیا کہ آپ اتنے اچھے انسان ہیں ایسے برے رول کیوں کرتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی میری کامیابی ہے۔"

★ "انڈر پروڈکشن کام میں زیادہ تر کیا رول ہیں نگیٹو یا پوزیٹو؟"

* "ملس ہیں اور میں عموماً "مکس ہی کرتا ہوں۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ نگیٹو رول لوگوں کو یاد رہ جاتے ہیں اور پوزیٹو بھول جاتے ہیں۔ ایک سیریل "مجھے روٹھنے نہ دینا" میں میرا پوزیٹو رول تھا جبکہ "متاع جاں" میں میرا ٹھیک ٹھاک نگیٹو رول تھا۔۔۔ اس طرح ایک اور سیریل "کدورت" میں پوزیٹو رول تھا اور اس رول کو بھی لوگوں نے پسند کیا۔"

★ "آپ گلوکاری بھی تو کرتے تھے؟"

* "جی کرتا تھا نہیں بلکہ ابھی بھی کرتا ہوں۔ میرا بینڈ "قول" کے نام سے ہے اور میری دو البم آچکی ہیں اور اپنے بینڈ کے ساتھ نہ صرف پوری دنیا گھومے بلکہ پرفارم بھی کیا اور پاکستان میں بھی بہت زیادہ پرفارم کیا اور برانڈز کے ساتھ نہ صرف پرفارم کیا بلکہ کمرشلز بھی کیے تو میوزک کے ساتھ میرا کافی گہرا تعلق ہے اور ان شاء اللہ رہے گا۔"

★ "گڈ۔۔۔ کچھ اپنے بارے میں بتائیے؟"

* "جی ضرور۔۔۔ میرا پورا نام جنید خان نیازی ہے پیار سے جونی کہتے ہیں 2 نومبر 1981ء میں ملتان میں پیدا ہوا۔ اس لحاظ سے اسٹار اسکارپیو ہے اور تعلیمی

قابلیت ایم بی اے ہے اور ہم دو بھائی اور دو بہنیں ہیں اور میرا نمبر تیسرا ہے اور ماشاء اللہ میری شادی کو تقریباً" ڈھائی سال ہو گئے ہیں۔"

★ "شوبز میں آمد کیسے ہوئی؟"

* "میوزک کے ذریعے ہوئی اور میوزک ویڈیو انٹرنیٹ پہ ریلیز کیا اور وہ بہت مشہور ہوا اور پھر اسے ایک میوزک چینل پہ دیا شان کے نام سے جسے لوگوں نے بہت پسند کیا۔"

★ "پہلا پروگرام کون سا تھا۔ ڈرامے کے حوالے سے بھی بتائیں اور میوزک کے حوالے سے بھی اور شہرت کس نے دی؟"

* "اداکاری میں پہلا پروجیکٹ "کبھی نہ کبھی" تھا اس کے بعد "دل کی لگی" تھا کبھی نہ کبھی ہم ٹی وی سے اور دل کی لگی اے ٹی وی سے آن ایئر ہوا تھا اور بہترین اداکار کے لکس اسٹائل ایوارڈ میں میری نامزدگی بھی ہوئی اور میوزک میں پہلا پروگرام 2003ء میں لاہور میں ہوا اور پھر 2004ء سے لے کر اب تک ہم نے یعنی ہمارے بینڈ نے نہ صرف پاکستان میں بلکہ پاکستان سے باہر بھی بہت پرفارم کیا اور میری وجہ شہرت میرے خیال سے میری میوزک بھی ہے اور میری اداکاری بھی ہے۔"

★ "گھر والوں نے کوئی اعتراض کیا اس فیلڈ میں جب آئے۔ کیونکہ ایم بی اے کر کے بجائے جاب کرنے کے آپ نے یہ لائن منتخب کی؟"

* "ہاں جی..... شروع شروع میں تو فیملی پریشان ہوتی تھی اور ایسا نہیں ہے کہ میں نے جاب نہیں کی مجھے جاب چھوڑے ہوئے کچھ ہی عرصہ ہوا ہے۔ ایک ٹیلی کام کمپنی میں میں جاب کرتا رہا ہوں لیکن جب ڈراموں میں مصروفیات بڑھ گئیں تو پھر میں نے جاب چھوڑ دی۔"

★ "ہر انسان کو اپنی زندگی کی پہلی بات ضرور یاد رہتی ہے تو بتائیے کہ نوکری کی پہلی سیلری کیا تھی اور شوبز کی بھی؟"

* "شوبز میں تو آپ کو پتا ہے کہ سیلری نہیں ہوتی اور پہلی جاب کی سیلری بھی یاد نہیں اتنا زمانہ گزر گیا ہے۔ ہاں یہ ضرور یاد ہے کہ میری کوشش ہوتی تھی کہ میں اپنے والدین سے پیسے نہ لوں بلکہ ان پر خرچ کروں اور میں نے ایم بی اے بھی اپنے ہی پیسوں سے کیا..... اور جس زمانے میں میں تھوڑا کماتا تھا تب بھی میری عادت تھی کہ گھر والوں کو ساتھ لے جا کر باہر کہیں نہ کہیں کھانا کھانے ضرور جاتا تھا۔"

★ "گویا سیلف میڈ تھے آپ..... اور سیلف میڈ ہی زیادہ ترقی بھی کرتے ہیں یہ میرا تجربہ ہے خیر فیوچر کے بارے میں کیا سوچتے ہیں؟"

* "فیوچر کے بارے میں بہت سوچتا ہوں، بہت سی خواہشات بھی ہیں۔ بہت سی پلاننگ ہیں۔ اداکاری میں بہت آگے تک جانا ہے بہت کچھ سیکھنا ہے میوزک کے لیے میرا پلان ہے کہ اپنی سولو البم لے کر آؤں اور عنقریب "کہہ دو" کے نام سے ایک گانا ریلیز کرنے لگا ہوں اور ہو سکتا ہے کہ آپ کے انٹرویو تک ریلیز ہو چکا ہے اور یہ گانا "کہہ دو" یہ پیغام دے گا کہ اپنے پیاروں سے جو کہنا چاہتے ہیں کہہ دیں جیسے ہم اپنے ماں باپ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں مگر جھجکتے ہیں کہ آج نہیں کل کہہ دیں گے تو پھر جب موقع نہیں ملتا تو افسوس ہوتا ہے کہ کہہ ہی دیتے تو اچھا تھا اور والدین ہی نہیں جن سے بھی آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں کہہ دیں اور خوش رہیں۔"

★ "ڈپریشن شاید اس لیے بڑھ رہا ہے کہ ہم اظہار نہیں کرتے؟"

* "نہیں ڈپریشن اس لیے بڑھ رہا ہے کہ ہم اپنے اعصاب پہ کنٹرول نہیں کرتے جو انسان غصہ کرتا ہے اس کا مطلب ہے کہ اسے اپنے اعصاب پہ کنٹرول نہیں ہے۔ لوگ پوزیٹو باتوں پہ کم دھیان دیتے ہیں اور نگیٹو باتوں پہ زیادہ میں تو کہتا ہوں کہ خوش رہا کریں اور اچھی باتوں پہ دھیان دیا کریں۔"

★ "آپ نے ایک دفعہ کہا تھا کہ آپ فلمیں بہت شوق سے دیکھتے ہیں تو خود بھی سلور اسکرین کا حصہ بننا چاہیں گے اور کمرشلز بھی کرتے ہیں آپ؟"

* "بالکل کرنا چاہوں گا اگر بہت اچھی آفرز آئیں تو ..... اور ٹی وی اگر ایک قدم ہے تو فلم دوسرا قدم ہے۔ تو ان شاء اللہ ضرور کروں گا جی کمرشلز کیے ہیں اور میں نے ریمپ پہ بھی ماڈلنگ کی ہے اور میرے خیال میں ایک اداکار کو ہر فیلڈ میں کام کرنا چاہیے۔"

★ "بالکل ..... ویسے پبلک میں جاتے ہیں تو کیسا محسوس کرتے ہیں؟"

* "بہت اچھا لگتا ہے لوگ ملتے ہیں آپ کی تعریف کرتے ہیں آپ کو اہمیت دیتے ہیں تو اپنی ویلیو کا پتا چلتا ہے اتنے لوگوں میں ہم پہچانے جا رہے ہوتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ ہم ان لوگوں سے تھوڑے مختلف ہیں اور مجھ سے مل کر بے ساختہ کہتے ہیں کہ ارے آپ تو چھوٹے سے ہیں، اسکرین پہ بڑے نظر آتے ہیں۔"

★ "کوئی کردار جس کے آپ منتظر ہوں؟"

* "میں ہر اچھے کردار کا منتظر رہتا ہوں۔ پوزیٹو ہو، بہت ہی جذبے والے اور قومی نوعیت کے کردار ہوں جن کو دیکھ کر لوگوں کو سیکھنے کا موقع ملے۔"

★ "آپ بتا رہے ہیں کہ آپ آدھی سے زیادہ دنیا دیکھ چکے ہیں۔ کبھی کسی ملک میں مستقل رہائش کا دل چاہا؟"

* "نہیں ایسا کچھ نہیں..... اپنے ملک سے بہتر کوئی ملک نہیں، دوستی سب سے ہونی چاہیے مگر رہنا اپنے ہی ملک میں چاہیے۔"

★ "باہر اتنا آرام و سکون ہے۔ دل چاہتا ہے کہ آپ پاور میں آجائیں اور سب کچھ ٹھیک کر دیں۔ ویسے اگر پاور مل جائے تو کیا کریں گے؟"

* "ہاں یہ تو ہے کہ باہر بہت آرام و سکون ہے کوئی ذہنی ٹینشن نہیں ہوتی مگر پھر بھی اپنا ملک اپنا ہی ہوتا ہے ہاں اگر میں پاور میں آگیا اور ملک کا صدر بنا دیا گیا تو یقین جانیے کہ سب سے پہلے اپنا احتساب کرتا کیونکہ میرا یہ یقین ہے کہ احتساب کا عمل اوپر سے نیچے ہونا چاہیے۔ عوام حکومت کو الزام دیتی ہے اور حکومت عوام کو تو دونوں کا احتساب ہونا چاہیے پھر جو بنیادی خرابیاں ہیں ان کو ٹھیک کروں گا۔"

★ "حکومت ہو یا ایک عام انسان اپنے سے نیچے والے کو ہمیشہ حقارت کی نظر سے یا ناپسندیدہ نظر سے ہی دیکھتا ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا؟"

* "جو بھی ایسا کرتا ہے سچ مانیے مجھے بہت غصہ آتا ہے۔ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ اگر دو بندے کھڑے ہیں ایک بندہ ذرا کم حیثیت کا ہے تو لوگوں اس پر اتنی توجہ نہیں دیتے جتنی زیادہ حیثیت والے کو دیتے ہیں اور ایسا عموماً" تقریبات میں ہوتا ہے اور میں یہ ضرور سوچتا ہوں کہ لوگ اتنا فرق کیوں رکھتے ہیں۔"

★ "فنکاروں کو عموماً" تعریف سننے کی ہی عادت ہوتی ہے کبھی تنقید کا سامنا ہو جائے تو برا مناجاتے ہیں..... آپ کے ساتھ ایسا ہوا؟"

* "لوگ تعریف بھی کرتے ہیں اور تنقید بھی اور میری کوشش ہوتی ہے کہ کوئی تنقید کر رہا ہے یا مجھے کوئی نصیحت کر رہا ہے تو میں برا نہ مناؤں ہر انسان کا حق ہے کہ وہ اپنی رائے کا اظہار کرے اور جب آپ میڈیا میں آجاتے ہیں تو آپ کو ہر طرح کے فیڈ بیک کے لیے تیار رہنا چاہیے تو اگر کوئی نگیٹو انداز میں تنقید کرتا ہے تو اسے بھی سنتا ہوں اور پوزیٹو انداز میں کوئی تنقید کرے تو اسے بھی سنتا ہوں اور میں سب سے کہوں گا کہ اپنے بارے میں رائے کو تحمل سے سننا چاہیے۔"

★ "ویسے آپ جھوٹ بول لیتے ہیں۔ تعریف یا تنقید کے معاملے میں؟"

* "تعریف اور تنقید کے معاملے میں تو بالکل بھی جھوٹ نہیں بولتا۔ لیکن جہاں مجبوری اور بات نہ بن پا رہی ہو تو پھر جھوٹ بولنا پڑتا ہے اور چونکہ اداکار ہوں تو پھر جھوٹ بولنے میں مشکل پیش نہیں آتی" (قہقہہ)

★ "شوبز میں برائی دیکھتے ہیں؟"

* "میری نظر میں بڑی برائی یہ ہے کہ اس فیلڈ کے لوگ اپنے آپ کو ایک ایسی دنیا میں ڈھال لیتے ہیں جہاں انہیں اپنا آپ شاید بہت اونچا لگ رہا ہوتا ہے اور دوسرے نیچے لگ رہے ہوتے ہیں مگر ایسا سب کے

ساتھ نہیں ہوتا مگر بہت لوگوں کے ساتھ یقیناً" ایسا ہی ہوتا ہے۔"

★ "چھٹی کے دن کیسے گزارتے ہیں؟"

* "اس فیلڈ میں چھٹی کا دن مخصوص نہیں ہوتا اکثر اوقات تو اتوار کے دن بھی کام ہو رہا ہوتا ہے۔ تو جب کبھی چھٹی ہو جائے تو پھر فیملی کے ساتھ کہیں کھانا کھانے ضرور جاتا ہوں باقی وقت گھر میں آرام کر کے گزارتا ہوں۔"

★ "اس فیلڈ میں آکر زندگی بدل جاتی ہے یا انسان نارمل فیل کرتا ہے؟"

* "زندگی بدل جاتی ہے۔ ہر فیلڈ میں بدلتی ہے مگر اس فیلڈ میں اس لیے زیادہ بدلتی ہے کہ فیم مل جاتا ہے۔ میری زندگی بھی تب ہی بدلی جب میڈیا میں قدم رکھا۔ پہلا کنسرٹ کیا لیکن میری کوشش ہوتی ہے کہ میں اپنے آپ کو اس دنیا میں رکھوں.... کیونکہ اصل لائف تو یہی ہے مگر فیم پانا بھی بڑے اعزاز کی بات ہوتی ہے۔"

★ "بے شک دنیا کی اتنی آبادی میں کوئی آپ کو آپ کے کام کے حوالے سے جانتا ہو یہ انسان کے لیے بڑے اعزاز کی بات ہے خیر انسان کو پرکھنا آتا ہے؟"

* "ایسا کوئی خاص تو نہیں مگر مشاہدہ ضرور کرتا ہوں کسی سے پہلی ملاقات ہو تو یہ ضرور مشاہدہ کرتا ہوں کہ یہ میرے بارے میں کیا سوچ رہا ہو گا اور کیا ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

★ "مشہور لوگ جب ملک سے باہر جاتے ہیں تو ملک کے سفیر ہوتے ہیں۔ کیا امیج ہے ہمارا یا آپ کس طرح امیج بناتے ہیں؟"

* "بالکل ٹھیک کہا آپ نے میں جب باہر جاتا ہوں تو بہت گہری نظر سے لوگوں کا مشاہدہ کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ پاکستانیوں کا رویہ کیسا ہے۔ بحیثیت مسلمان کے اور بحیثیت پاکستانی کے اور میں سب کو بڑے فخر سے بتاتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں اور پاکستانی ہوں اور پھر دیکھتا ہوں کہ ان کا ری ایکشن کیا ہے۔ اگر ان کے دماغ میں کوئی Nagativity ہے تو اسے دور کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور اپنے آپ کو اس طرح پیش کرتا ہوں کہ وہ بھی پاکستانیوں کے لیے اچھا سوچنے پر مجبور ہو جائیں۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم لوگوں کے رویوں کو change کریں۔"

★ "اردو بہت صاف ہے۔ ملتان سے آپ کا تعلق ہے۔ یعنی پنجابی ہیں مگر نام کے ساتھ پٹھان.... کچھ وضاحت کریں گے؟"

* "بائے کاسٹ پٹھان ہوں، لیکن پشتو سیکھی نہیں والدین بھی کوئی اتنی زیادہ نہیں بولتے تھے وہ بھی پارٹیشن کے بعد پاکستان آگئے تھے اپنے والدین کے ساتھ۔ ہمارے آباؤ اجداد میں نانا پٹھان نہیں تھے ملتان میں پیدا ہوا مگر پرورش لاہور میں پائی۔"

★ "عروج و زوال کو کتنا مانتے ہیں؟"

* "جی بالکل مانتا ہوں اور میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ شہرت بہت کم عرصے کے لیے ملتی ہے اور شہرت کو زوال ضرور آتا ہے جب شہرت ملے تب ہی سوچ لینا چاہیے کہ یہ جانے والی چیز ہے.... اس لیے میں اس کو سر پر سوار نہیں کرتا اور نارمل رہتا ہوں۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے جنید خان سے اجازت چاہی۔

☆ ☆

نور حسن

شاہین رشید

1 "میرا نام؟"
"نور حسن۔"

2 "پیار کا نام؟"
"نوری بھی کہتے ہیں اور نور بھی کہتے ہیں۔"

3 "پیدائش کا سال؟"
"اس کو رہنے دیں ویسے 16 مئی کو پیدا ہوا۔"

4 "کہاں پیدا ہوا؟"
"لیبیا کے شہر طرابلس میں۔"

5 "پاکستان آنے کی وجہ؟"
"والدین ۔۔۔ جب میں 5 سال کا تھا تو والدین مستقل طور پر پاکستان آ گئے تب سے اب تک میں یہاں ہی ہوں۔"

6 "تعلیم؟"
"یو کے سے ایم ایس سی کیا ہے مارکیٹنگ میں۔"

7 "بہن بھائی؟"
"ایک بڑے بھائی، جو لندن میں رہتے ہیں۔ ایک چھوٹی بہن جس کی شادی ہو چکی ہے، میرا نمبر دوسرا ہے اور میں نے ابھی تک شادی نہیں کی کیونکہ میں ابھی کچھ کرنا چاہتا ہوں اچھی طرح سیٹ ہونا چاہتا ہوں۔"

8 "کیا بننا چاہتا تھا؟"
"یہی جو اب ہوں۔ بہت خواب دیکھے تھے اس فیلڈ میں آنے کے جو شکر ہے کہ پورے ہو رہے ہیں۔"

9 "مجھے دیکھ کر لوگ کہتے ہیں؟"
"وہ دیکھو "خضر" جا رہا ہے۔ میں خضر کے کردار سے باہر آ گیا ہوں مگر لوگ نہیں۔"

10 "ایک کردار جو چیلنج بن گیا؟"
"ہم سفر" کا خضر کا کردار رول نگیٹو تھا اور دوستوں نے اور دیگر لوگوں نے کہا کہ تم یہ کردار نہیں کر سکو گے اور میں نے بڑا دعوا کیا کہ کر کے دکھاؤں گا اور دکھا دیا۔"

11 "میرا اصول ہے کہ؟"
"سال میں ایک یا دو پروجیکٹ کروں اور بہترین کروں۔"

12 "بھوک کو کم کرنے کے لیے کیا کرتا ہوں؟"
"کھیرا کھاتا ہوں۔ ہنسیں مت، یہ بہت کار آمد چیز ہے۔ آزمائش شرط ہے سچ میں بھوک کم ہو جاتی ہے۔"

13 "پریکٹیکل لائف کی پہلی کمائی؟"
"325 روپے ۔۔۔ یہ ریڈیو کی پہلی کمائی تھی اور ٹی وی کی پہلی کمائی 6 ہزار تھی۔ دیکھا آپ نے کتنا فرق ہے۔"

14 "ایک کردار جس کو کرنے سے انکار کر دیا؟"
"ایک فلم میں ایک بڑے کردار کی آفر تھی مگر اسکرپٹ کو پڑھ کر ایسا لگا کہ میرے کردار کے بغیر فلم بن بھی سکتی ہے اور چل بھی سکتی ہے۔ بس اس لیے انکار کیا تھا۔"

15 "کردار ایسا کرنا چاہتا ہوں کہ؟"
"کہ میرے بغیر کہانی آگے نہ بڑھے۔ میں کہانی کی ضرورت بن جاؤں۔"

16 "فقیر کی صدا سے متاثر ہوتا ہوں؟"
"بالکل ہوتا ہوں اگر کوئی واقعی مستحق ہو تو پھر کچھ نہ کچھ ضرور دیتا ہوں۔"

17 "صحافیوں کا کون سا سوال برا لگتا ہے؟"
"کہ آپ شادی کب کر رہے ہیں بھئی یہ میرا پرسنل معاملہ ہے کسی کو فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

18 "زندگی کے بارے میں میری سوچ؟"
"کہ زندگی بہت حسین تحفہ ہے رب کا اسے ہمیشہ بہت اچھے طریقے سے گزاریں۔"

19 "محبت کے بارے میں میرا نظریہ؟"
"کہ یہ رکتی نہیں اس کا سلسلہ چلتا رہتا ہے اور محبت ایک بار نہیں بلکہ بار بار ہوتی ہے۔"

20 "مگر یہ اس وقت رک بھی جاتی ہے؟"
قہقہہ ۔۔۔ جب بندے کی شادی ہو جاتی ہے۔ مطلب ذمہ داریاں جو بڑھ جاتی ہیں۔"

21 "لوگ ڈرامہ کو کس حد تک سمجھتے ہیں؟"
"بہت سمجھتے ہیں اور بڑے شوق سے دیکھتے بھی ہیں "ہم سفر" کا بہت اچھا رسپانس ملا تھا اور اب "اسیر زادی" کو بھی بہت پسند کیا جا رہا ہے۔"

22 "فیلڈ میں میری پہلی پہچان؟"
"بحیثیت وی جے کے لوگ مجھے پہچانتے تھے کیونکہ میں نے دو سال بحیثیت وی جے کے کام کیا اور مجھے بہترین وی جے کا ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔"

23 "میرا پہلا پروگرام؟"
"میوزک کا تھا جو "اے ٹی وی" سے ہوتا تھا اس میں ناظرین کے پسند کے گانے سنواتا تھا۔"

24 "میری فیوچر پلاننگ؟"
"جی میں بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے میرا ساتھ دیا تو چند سال کے بعد میرا شمار بہت اچھے ڈائریکٹرز میں ہو گا کیونکہ جب میں لندن میں تھا تو میں نے ڈائریکٹرز کے کچھ کورسز بھی کیے تھے۔"

25 "مجھے برے لگتے ہیں وہ لوگ؟"
"جو میرے سامنے دوسروں کی غیبت کرتے ہیں۔ یقیناً وہ میری بھی غیبت دوسروں کے سامنے کرتے ہوں گے۔"

26 "برا ترین رویہ میری نظر میں؟"
"دوسروں کو کم تر سمجھنا۔"

27 "نصیب یا قسمت؟"
"میرا خیال ہے کہ نصیب یا قسمت ایک ہی چیز ہے جو نصیب میں ہے، جو قسمت میں لکھا ہے وہ ہی ملتا ہے۔ میری نظر میں ایک فیصد محنت اور 99 فیصد قسمت میں لکھا ہوتا ہے۔"

28 "وقت کہاں گزارنا پسند کرتا ہوں؟"

"صرف اور صرف اپنی ذات کے ساتھ۔"

29 "تقریبات جو مجھے پسند ہیں؟"

"بہت کم جاتا ہوں تقریبات میں۔۔۔ بہت مجبوری ہو تو۔۔۔ ورنہ نہیں' بوریت محسوس کرتا ہوں۔"

30 "میں خوف زدہ ہو جاتا ہوں؟"

"یہ سوچ کر کہ اللہ نے اتنی عزت شہرت دی ہے۔ کبھی وہ ناراض نہ ہو جائے۔ مجھ سے اس لیے بہت احتیاط کے ساتھ قدم بڑھاتا ہوں۔"

31 "میں لاتعلق ہو جاتا ہوں؟"

"جب کوئی میرے اعتماد' میرے بھروسے کو توڑتا ہے اور میرے خلوص اور محبت کا ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔"

32 "شاپنگ میں میری اولین ترجیح؟"

"الیکٹرونک کی چیزیں خریدنا میری اولین ترجیح ہے الیکٹرونک کی چیزیں میری کمزوری ہیں۔"

33 "اپنی ایک عادت جو مجھے پسند ہے؟"

"کہ رحم دل بہت ہوں انسانیت کا بہت درد ہے میرے دل میں اور سب کی عزت کرنا مجھے اچھا لگتا ہے۔"

34 "میری کمزوری یا بری عادت؟"

"مجھے اپنے غصے کا صحیح طرح استعمال کرنا نہیں آتا۔ صحیح جگہ پہ غلط ہو جاتا ہوں۔ جہاں غصہ دکھانا ہوتا ہے دکھا نہیں پاتا۔"

35 "پیسہ کس میں ہے ماڈلنگ یا اداکاری؟"

"اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ اداکاری میں پیسہ زیادہ ہے بہ نسبت ماڈلنگ کے۔"

36 "جب اپنے ڈرامے دیکھتا ہوں تو؟"

"ہنستا بھی ہوں اور افسوس بھی کرتا ہوں۔ ہنستا اس لیے ہوں کہ اپنی پرفارمنس دیکھ کر عجیب سا لگتا ہے کہ یہ میں ہوں اور افسوس اس لیے ہوتا ہے کہ میں تو اس سے بہتر پرفارمنس دے سکتا تھا۔"

37 "گھر آتے ہی کیا دل چاہتا ہے؟"

"کہ اپنی ماں کے گلے لگ کر سارے دن کی روداد بتاؤں۔"

38 "اگر کوئی لڑکی گھورے تو؟"

"تو بہت خوشی ہوتی ہے۔ اچھا لگ رہا ہوتا ہوں تو دیکھتی ہے۔"

39 "مجھ سے مل کر ایک بات جو اکثر لوگ کہتے ہیں؟"

"آپ کے بارے میں تو سنا تھا کہ آپ بڑے نخرے والے ہیں مگر ایسے نظر تو نہیں آرہے۔"

40 "دنیا کی حسین ترین مخلوق؟"

"مخلوق کی بات نہ کریں انسان کی بات کریں تو عورت حسین ترین تخلیق ہے رب کی' مگر عورت نے خود اپنی قدر نہیں کی اور اپنے آپ کو برے انداز میں پیش کیا ہے۔"

41 "موبائل نمبر کب بدلتا ہوں؟"

"جب بہت ہی عام ہو جاتا ہے میرا نمبر یعنی ہر ایک کے پاس آجاتا ہے تو پھر نمبر change کرلیتا ہوں اور ایسا دو تین بار کر چکا ہوں۔"

42 "آدھی رات کو نیند اکھڑ جائے تو؟"

"تو پھر تزکیہ نفس کرتا ہوں۔"

43 "زندگی کب بدلی؟"

"جب شوبز کو جوائن کیا اور پاکستان آیا۔"

44 "24 گھنٹوں میں میرا پسندیدہ وقت؟"

"میں تو سارا دن ہی خوش رہتا ہوں۔ مگر صبح کا وقت بہت اچھا لگتا ہے۔ بہت مزا آتا ہے جب میں صبح کے وقت سیر کرنے جاتا ہوں فریش ہو جاتا ہوں۔"

45 "جھوٹ کب بولتا ہوں؟"

قہقہہ "جھوٹ تو اکثر و بیشتر بولنا ہی پڑتا ہے۔ کبھی مصلحتاً' کبھی دوسروں کو اور کبھی اپنے آپ کو بچانے کے لیے۔"

46 "چھٹی کیسے گزارتا ہوں؟"

"انٹرنیٹ اور فیس بک پہ یا پھر کہیں کبھی دوستوں کے ساتھ چلا جاتا ہوں۔"

47 "مسائل شیئر کرتا ہوں؟"

"صرف اپنی ماں سے۔"

48 "آئینہ کو کتنا وقت دیتا ہوں؟"

"ضرورت کے وقت کھڑا ہوتا ہوں اور پھر رب کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے بہت اچھا بنایا ہے۔۔۔ اپنی آنکھوں کو دیکھ کر خوش ہوتا ہوں کہ مجھے اپنی آنکھیں بہت پسند ہیں۔"

49 "شخصیت میں کیا باتیں نوٹ کرتا ہوں؟"

"اس کے بولنے کے انداز کو' اس کے ڈریس کو اور چہرے کو دیکھتا ہوں اور پھر بات آگے بڑھاتا ہوں ورنہ نہیں۔"

50 "غلطی کرکے پچھتاتا ہوں؟"

"بہت زیادہ پچھتاتا ہوں اور اپنے آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گا مگر انسان ہوں پھر بھی غلطی ہو جاتی ہے۔"

51 "مجھے افسوس ہوتا ہے؟"

"اپنے گرد غریب لوگوں کو دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے دکھ ہوتا ہے کیونکہ یہ اتنی تعداد میں ہیں کہ ہم ان کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکتے۔"

52 "میرا پسندیدہ چینل؟"

"وہ چینل جس میں میرے ڈرامے چل رہے ہوتے ہیں (قہقہہ) — ہر وہ چینل مجھے اچھا لگتا ہے جس پر میرا ریموٹ کنٹرول رک جائے۔"

53 "اپنے آپ میں کیا تبدیلی ضرور سمجھتے ہیں؟"

"ایک تو میرا غصہ کم ہو جائے اور نمبر دو مجھ میں وقت کی پابندی آجائے۔ ان دو باتوں کی وجہ اکثر شرمندگی ہوتی ہے۔"

54 "ایک خواہش جو حسرت نہ بن جائے؟"

"میں پوری دنیا گھومنا چاہتا ہوں کیونکہ مجھے سیاحت کا بہت شوق ہے دنیا کی ثقافت اور خوب صورتی دیکھنا چاہتا ہوں۔"

55 "کمپرومائز نہیں کرتا؟"

"نیند پر۔۔۔ کہ کوئی مجھے گہری نیند سے اٹھا دے کیونکہ مجھے پہلے ہی بہت مشکل سے نیند آتی ہے اور گہری نیند سے اٹھوں تو مجھے چکر آنے لگتے ہیں اور کھانے پر بھی کمپرومائز نہیں کرتا اچھا کھانا میری کمزوری ہے۔"

56 "عورت کے بارے میں میرے خیالات؟"

"عورت خدا کا بہترین تحفہ ہے۔ خدا کی حسین تخلیق بھی عورت ہے اور انسان کا بہترین روپ بھی عورت ہے۔ مگر انسان کا بدترین روپ بھی عورت ہے۔"

57 "کہاں کھانا کھانا پسند کرتا ہوں؟"

"جب گھر کے تمام افراد ایک جگہ پر ہوں تو دل چاہتا ہے کہ بڑا سا دسترخوان بچھے اور ہم سب مل کر کھانا کھائیں۔"

58 "میرا پسندیدہ پروفیشن؟"

"فی الحال اداکاری اور پھر ڈائریکشن ان شاءاللہ۔"

59 "والدین کی ایک بات جو بری لگتی ہے؟"

"جب وہ مجھے سمجھتے ہیں کہ میں بچہ ہوں۔ زندگی کے نشیب و فراز کا مجھے کچھ نہیں پتا اور پھر وہ مجھے بالکل بچوں کی طرح ٹریٹ کرتے ہیں۔"

60 "سکون کہاں ملتا ہے؟"

"اپنے گھر میں' اپنے کمرے میں اور شاید میں ان بہت کم لوگوں میں سے ہوں جن کو کام ختم کرکے گھر آنے کی خوشی ہوتی ہے۔"

61 "میوزک میں میری پسندیدہ شخصیت؟"

"میوزک ڈائریکٹر اے آر رحمن کچھ وقت ان کے ساتھ گزارنے کی شدت سے خواہش ہے۔"

62 "مایوس ہو جاتا ہوں؟"

"جب اپنے ملک کے حالات دیکھتا ہوں۔ بہت خراب حالات ہیں' بہت زیادہ مہنگائی ہے' بہت زیادہ غربت ہے۔ اگر سب کچھ ٹھیک ہو جائے تو اپنے پاکستان سے اچھا کوئی ملک ہی نہیں ہے۔"

63 "کردار نگاری کے لیے کیا کرتا ہوں؟"

"سگنل پہ جب گاڑی رکتی ہے تو سب لوگوں کا جائزہ لیتا ہوں پتا نہیں کون سا کردار کب کرنا پڑ جائے۔"

64 "تہواروں میں میرا پسندیدہ تہوار؟"

"سب تہوار منانے بہت اچھے لگتے ہیں۔ مذہبی تہوار اہتمام سے مناتا ہوں جبکہ مدرڈے خاص طور پر مناتا ہوں بہت جوش و خروش کے ساتھ۔"

انیقہ انا

ادارہ

س : آپ کا پورا نام، گھر والے پیار سے کیا کہتے ہیں؟

ج : اماں ابا نے تو پورا نام انیقہ ثروت رکھا پر ہم نے ثروت بدل کر اپنا قلمی نام انیقہ انا رکھ لیا ——— جنید نے میرے اتنے نام رکھے ہوئے ہیں کہ مت پوچھیں..... (بتانے کے قابل ہی نہیں ہیں) ویسے بھی اہل خانہ میرے پہلے نام کا "الف" کھا جاتے ہیں۔

س : کبھی آپ نے آئینے یا آئینے نے آپ سے کچھ کہا؟

ج : میں اکثر آئینے سے کہتی ہوں "کم بخت! اتنے غور سے کیوں تکتے ہو؟ یعنی اس پیار سے میری طرف نہ دیکھو......" اور آئینہ بزبان میر مجھے کہتا ہے۔

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے!
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

س : اپنی زندگی کے دشوار لمحات بیان کریں؟

ج : دشواریاں اور پریشانیاں تو زندگی کا حصہ ہوتی ہیں۔ لوہے کو کندن بنانے کے لیے (پر میں تو پھر بھی کھوٹا سکہ ہی رہی) ہاں وہ وقت بہت بہت دشوار ہوتا ہے جب میں خود کے ساتھ ہو کر خود کو ہی نہیں مل پاتی۔

میں ابھی خود سے نہیں مل پایا
اور کچھ دن نہ ملا کر مجھ کو

ہر وقت اچھا ہو یا برا، گزر ہی جاتا ہے۔ بقول غالب چچا۔

مشکلیں اتنی پڑیں کہ آسان ہو گئیں.....

ویسے عنقریب (ماضی قریب میں) دشوار ترین لمحہ وہ تھا جب ہوا یوں کہ چھ یا سات ماہ کے انتظار کے بعد میں نے HTC کا نیا سیل فون لیا (19 فروری کو) جو عین میری سالگرہ کے روز (27 مارچ کو) ٹوٹ گیا۔ اف..... مت پوچھیں کہ مجھ جیسی بندی کے لیے وہ کتنا کڑا وقت تھا کہ سیل فون تو میرا جنون تھا..... مجھے یاد ہے اس روز میں ایک طویل ترمدت کے بعد بے تحاشا دھاڑیں مار مار کر روئی تھی۔

س : آپ کے لیے محبت کیا ہے؟

ج : نہ جانے کیوں مگر دیکھو! میرا دل چاہتا ہے کہ وفا کو آگ لگ جائے، محبت بھاڑ میں جائے محبت "زندگی بھی ہے، موت بھی..... مگر محبت کی بہترین تعریف محسن نقوی کے الفاظ میں (میرے خیالات کی عکاس)

چلو چھوڑو.....!
محبت جھوٹ ہے۔
عہد وفا اک شغل ہے بے کار لوگوں کا۔

س : مستقبل قریب کا کوئی منصوبہ، جس پر عمل کرنا آپ کی ترجیح میں شامل ہو؟

ج : ڈھیر سارا پیسہ کمانا اور اپنا لیپ ٹاپ اور ٹیبلٹ خریدنا (ان شاءاللہ)

س : پچھلے سال کی کوئی کامیابی، جس نے آپ کو مسرور و مطمئن کیا ہو؟

ج : پچھلے سال کی بڑی کامیابی (2011) میں، BFC میں ٹیچنگ کے دوران۔ فنکشن میں ڈرامہ لکھا تھا، تو مکالمہ نویسی پر تعریفی خط ملا۔ ایک وہ اور اب اپنا نیا سیل فون گلیکسی نوٹ ۲ خریدنا، میرے لیے ایسی کامیابیاں ہیں جو خوش (بظاہر) کرتی ہیں۔

س : آپ اپنے گزرے کل، آج اور آنے والے کل کو ایک لفظ میں کیسے واضح کریں گی؟

ج : "یقین" (اسی یقین کی بدولت بہت سے خواب آنکھوں میں بسیرا کیے ہوئے ہیں)

س : اپنے آپ کو بیان کریں؟

ج : فارسی کی ایک کہاوت اور تین شعر "انیقہ انا" کی تفسیر کریں گے۔

"من آنم کہ من دانم

سراپا راز ہوں میں کیا بتاؤں کون ہوں کیا ہوں
سمجھتا ہوں مگر دنیا کو سمجھانا نہیں آتا
خدا کا شکر ہے میں خود شناس ہوں ورنہ!
سمجھتا کون یہ عادتیں پراسرار میری
کبھی جھکنے کی تمنا، کبھی سرکش لہجہ
اپنی الجھی ہوئی عادات پہ رونا آیا

س : ایسا ڈر جس نے آج بھی اپنے پنجے آپ میں گاڑے ہوئے ہیں؟

ج : یاد ماضی عذاب ہے یا رب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

اگر میں بنا توبہ کیے مر گئی تو..... تو کیا ہو گا؟ مجھ میں تو عذاب سہنے کی طاقت ہی نہیں۔

س : آپ کی کمزوری اور طاقت کیا ہے؟

ج : میری کمزوری میرا نفس ہے اور میری طاقت میرا وہ یقین ہے جو مجھے اللہ کی ذات پر ہے کہ وہ کبھی مجھے مایوس نہیں لوٹائے گا ان شاءاللہ۔

س : آپ خوشگوار لمحے کیسے گزارتی ہیں؟

ج : اچھے یا برے "تقریباً" سبھی لمحے میں اپنے سیل فون کے ساتھ گزارتی ہوں (یہ میری سہیلی ہے) ویسے دوستوں یا فیملی کے ساتھ یا بہت خوشگوار موڈ ہو تو کوکنگ کرتی ہوں (کوئی نئی چیز)

س : آپ کے نزدیک دولت کی اہمیت؟

ج : اگرچہ ہاتھ کا میل ہے، پر یہ میل بھی میرے لیے اہم ہے۔

س : گھر آپ کی نظر میں؟

ج : ایک مکمل پناہ گاہ..... بھلے آپ اکیلے ہوں یا سب کے ساتھ، ہوتے ایک محفوظ پناہ گاہ میں ہیں۔

س : کیا آپ بھول جاتی ہیں یا معاف کر دیتی ہیں؟

ج : بھول جانا اور معاف کرنا دو الگ الگ باتیں ہیں۔ ہاں یہ بات ہے کہ میں معاف کر دیتی ہوں، پر بھولتی نہیں۔ یہ بھی نہیں کہ دل میں دشمنی رکھوں۔ معاف کر دیا تو دوبارہ وہ بات نہیں دہراتی۔ یاد رکھنے سے مراد ہے کہ یاد اچھی ہو یا بری ذہن میں محفوظ رہتی ہے۔ اس یاد سے متعلقہ لفظ ہر بات سیاق و سباق کے ساتھ یاد کروا دیتا ہے۔ میری یادداشت یوں بھی بہت اچھی ہے بس..... چیزیں رکھ کر بھول جاتی ہوں۔ (ہاہاہا)

س : اپنی کامیابیوں میں کسے حصے دار ٹھہراتی ہیں؟

ج : جس کام میں مجھے کامیابی اگر کسی کے مشورے یا مدد کے ذریعے ملتی ہے میں بخوشی اس کامیابی کا سارا کریڈٹ اس مددگار کو دے دیتی ہوں۔ ہاں جو کامیابی محض میری محنت کا پھل ہو اس کا سارا انعام میں خود کو ہی دیتی ہوں۔ (اس معاملے میں خاصی خود پرست واقع ہوئی ہوں میں)

س : کامیابی کیا ہے آپ کے لیے؟

ج : "توانائی کی گولی" آگے بڑھنے کے لیے کامیابی اہم کردار ادا کرتی ہے۔

س : سائنسی ترقی نے ہمیں مشینوں کا محتاج کر کے کاہل کر دیا ہے، کیا یہ واقعی ترقی ہے؟

ج : کہاں..... مشینوں نے مجھ جیسی ست الوجود کو تو چست ہی کیا ہے۔ اب دیکھیں نا، بلینڈر یا گرائنڈر میں مسالے پیس کر میں اتنی اچھی کوکنگ کر لیتی ہوں۔ اگر جو یہ مشینیں نا ہوتیں تو میں نے کہاں "سل بٹا" یا ہاون دستہ، استعمال کرنا تھا دوسری جانب "سیل فون" جیسی مشین نے مجھے خاصا کاہل بھی کیا ہے۔ اسی کے اندرونی و بیرونی سسٹم کے ساتھ چھیڑ خانیاں کرتی رہتی ہوں..... حاصل بحث یہ کہ ان مشینوں نے کام آسان کیے یہ ترقی ہے۔ لیکن ان ہی مشینوں نے رشتے دور کر دیے، یہ نقصان ہے۔

س : کوئی عجیب خواہش یا خواب؟

ج : آج سے نو سال پیچھے جاؤں تو..... اس وقت میں نے بہت عجیب و غریب خواب پالے ہوئے تھے۔ مجھے آسٹریلوی فاسٹ باؤلر بریٹ لی بہت پسند تھا اور اس سے ملنے کی بڑی خواہش تھی پر..... یہ تب کی بات ہے،

جب آتش جوان تھا۔ (ہاہاہا) اب تو۔۔۔ میں خود ہی عجیب و غریب ہو گئی ہوں تو سارے خواب، ساری خواہشیں بھی عجیب ہیں۔ لیکن ایک خواب، ایک خواہش (عجیب) جس سے میں چاہ کر بھی دستبردار نہیں ہو سکتی۔ وہ یہ کہ "کاش! عمر جہانگیر مجھے مل جائے۔"

حقیقتیں ہیں سلامت تو خواب بتیرے
ملال کیوں جو کچھ خواب رائیگاں نکلے

س : برکھا رت کیسے انجوائے کرتی ہیں؟
ج : اب مجھے کوئی خاص موسم خاص طرح سے خوش نہیں کرتا۔۔۔ بے حس سی ہو گئی ہوں۔ دل خوش تو ہر موسم اچھا ورنہ۔۔۔ برسات میں بھیگنا مجھے نہیں پسند۔ ہاں پر سردیوں کی ہلکی بوندا باندی میں دیر تک بھیگنا جنون کی حد تک پسند ہے۔ علاوہ ازیں بارش انجوائے کرنے کا میرے نزدیک "ہاتھ میں چائے کا کپ اور دیوار سے ٹیک لگا کر دور سے ہی دیکھنا۔" بہترین طریقہ ہے۔

بارش ہوئی تو گھر کے دریچے سے لگ کے ہم
چپ چاپ سوگوار تمہیں سوچتے رہے

س : آپ جو ہیں، وہ نہ ہوتی تو کیا ہوتیں؟
ج : میں پہلے تو یہ سوچ لوں کہ میں ابھی کیا ہوں؟ دل نے کہا "انیقہ! تم ابھی بھی کچھ نہیں" تو جناب جب ابھی کچھ نہیں تو بعد میں کیا پہلے بھی کچھ نہ ہوتی۔
س : آپ بہت اچھا محسوس کرتی ہیں جب؟
ج : جب میں صرف اپنے ساتھ بہت پر سکون وقت گزارتی ہوں، کچھ لکھتی ہوں ادھوری چیزوں کو مکمل کر کے۔
س : آپ کو کیا چیز متاثر کرتی ہے؟
ج : خوب صورت لب و لہجے میں بولی جانے والی اردو اور کوئی خوب صورت تحریر و شعر، مردوں کا رکھ رکھاؤ اور وجاہت، عورت کی نزاکت، ڈوبتا سورج، پورے قد سے کھڑی تیار فصلیں، پھلوں سے لدے درخت (خصوصاً "انگوروں کے گچھوں کی خوب صورتی بہت سحر انگیز کرتی ہے) بچوں (ام ہانی علی اکبر اور ایہا کی بے ریا مسکراہٹ۔ اپنی بھانجی امامہ کی بے تحاشا خوب صورتی اور بھتیجے ہادی، کی ابھی کم عمری میں ہی چھلکتی مردانہ وجاہت اور اور عمران بھائی کے ہاتھ مجھے بہت متاثر کرتے ہیں (اتنی زیادہ چیزیں) ایک آخری چیز۔۔۔ مشتاق بھائی کی آواز میں اعلیٰ حضرت کا کلام۔

یاد میں جس کی نہیں ہوش تن و جاں ہم کو
پھر دکھا دے وہی رخ اے مہر فروزاں ہم کو

مجھے خود سے بھی بے گانہ کر دیتا ہے۔
س : کیا آپ نے اپنی زندگی میں وہ سب کچھ پالیا جو آپ پانا چاہتی ہیں؟
ج : نہیں۔۔۔! ہاں لیکن جو کچھ پانا چاہتی ہوں وہ پا ضرور لیتی ہوں یعنی آدھی چیزیں مل گئیں، آدھی ملنا باقی ہیں تو یقین واثق ہے کہ ان شاءاللہ سب ہی کچھ مل جائے گا دنیا سے اپنے حصے کی ہر چیز لے کر ہی مروں گی ان شاءاللہ۔
س : اپنی خامی یا خوبی؟
ج : اس سوال کے جواب کے لیے۔ بہت لوگوں سے رائے جمع کی۔
طیبہ نے کہا "خوبی یہ کہ آپ اچھا لکھتی ہیں، اچھی لگ بھی ہیں (شاید) "خامیاں" سروے وغیرہ کے جواب لکھتے وقت کچھ اوور ہو جاتی ہوں اور منہ پھٹ ہوں۔" میمونہ نے کہا۔ "مجھے اپنے اندر کی موسموں پر کنٹرول کرنا نہیں آتا (یہ خامی ہے) اور "تو شدت پسند ہے اور جو شدت پسند ہوں وہ وفادار ہوتے ہیں (یہ خوبی ہے) فرح نے کہا غصے پر قابو نہ رکھنا اور مقابل کے منہ پر بات مار دینا اور خوبی یہ ہے کہ بات دل میں نہیں رکھتیں۔"
فائزہ (میری عزیز ترین سہیلی) نے کہا "انیقہ تم جینئیس ہو خامی اس نے وہی بتائی جو باقی لوگوں نے کہ "ضدی اور غصہ ور ہوں۔
اب میں خود بتاؤں تو "بد تمیز، منہ پھٹ، ضدی اور موڈی ہوں، کام وقت پر نہیں کرتی۔
اور ایک خامی کہ جو لوگ میرے دل سے اتر جائیں ان کے لیے میری رائے نہیں بدلتی (یہ سب خامیاں ہیں) مجھے اپنی سب سے اچھی خوبی یہ لگتی ہے کہ میں کسی کے لیے دل میں کینہ نہیں رکھتی، مخلص ہوں، اچھی رازدار ہوں، منافق نہیں ہوں۔ (خوبیاں بہت کم ہیں) میری اردو اچھی ہے (اگر یہ خوبی ہے تو) اور میری تمام کولیگز کی بھی یہی رائے ہے کہ "انیقہ کی اردو اچھی ہے۔"
س : کوئی ایسا واقعہ جو آج بھی آپ کو شرمندہ کر دیتا ہے؟
ج : 2008ء میں بی ایڈ کے دوران، ایک دن کالج میں میم طیبہ نے اسمبلی میں جیولری پہننے پر ٹوکا تو میرے منہ سے بے ساختہ نکلا "تو کیا ہوا؟" انہیں بہت برا لگا تھا میں تمام ٹیچرز میں "منہ پھٹ" مشہور ہو گئی تھی۔ (اس ذرا سی حماقت کی وجہ سے) اپنی فضول گوئی آج بھی مجھے ازحد شرمندہ کر دیتی ہے۔
س : کیا مقابلے کو انجوائے کرتی ہوں یا خوف زدہ ہو جاتی ہوں؟
ج : اگر موڈ اچھا ہو تو بہت انجوائے کرتی ہوں۔ ہارنے کا خوف تھوڑا بہت ہوتا تو ہے لیکن میں ہار کو سر پر سوار نہیں کرتی۔
س : متاثر کن کتاب، مصنف، موویٰ؟
ج : زلف و زنجیر، امر بیل، حدائق بخشش اور سفال گر (کتابیں)
احمد رضا خان، عمیرہ احمد، بشریٰ سعید اور عنیزہ سید (مصنف)
مووی۔۔۔ ہر وہ مووی جس میں ہیرو خوب صورت اور پر کشش ہو۔ ہیرو اچھا نہ ہو تو میں فلم نہیں دیکھتی۔ ویسے وہ فلمیں بھی بہت پسند ہیں جن میں ہیرو مر جائے۔ جیسے ٹائی ٹینک اور ریس۔"
س : آپ کا غرور؟
ج : میرا نام، میرا مذہب، میرا پیارا پاکستان، میرا سیل فون، میرا پین (جس سے میں یہ سوال جواب لکھ رہی ہوں میری کتابیں و رسالے۔" میری اردو، اردو کی لکھائی اور "کرن و خواتین" کی باذوق قاری اور تبصرہ نگار (اہم) ہونے کا احساس" یہ سب چیزیں میرا غرور ہیں اردو زبان کے لیے داغ کا یہ شعر میرے غرور کو بڑھا دیتا ہے۔

اردو کہتے ہیں جسے، ہمیں جانتے ہیں داغ
ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

س : کوئی ایسی شکست جو آج بھی آپ کو اداس کر دیتی ہے؟
ج : محبت۔
س : کوئی شخصیت جس نے آپ کو حسد میں مبتلا کیا ہو؟
ج : ویسے اللہ کا شکر ہے کہ میں حاسد نہیں ہوں۔ لیکن "حنا" سے کبھی کبھی حسد (آپ اسے رشک کہہ سکتی ہیں) محسوس ہوتا ہے کہ کاش۔۔۔ کاش اس کی جگہ میں ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا۔
س : مطالعہ کی اہمیت آپ کی زندگی میں؟
ج : وہی اہمیت ہے جو صحرا نورد کے نزدیک پانی کی ہوتی ہے۔ اگر میں مطالعہ نہ کرتی ہوتی تو آج صرف انیقہ ہوتی انیقہ انا نہیں۔
س : آپ کے نزدیک زندگی کی فلاسفی کیا ہے؟
ج : کچھ بھی نہیں۔۔۔ بس دنیا نامی اسٹیج پر، زندگی نام کا کردار نبھانے کے لیے کٹھ پتلی کی طرح ناچتے ہیں، جب تک جی حضوری کرتے رہے، خوش رہے جہاں حکم عدولی کی، نافرمانی کے کٹہرے میں آ کھڑے ہوئے۔ تو کاہے کی فلاسفی کاہے کی سوچ "زندگی، بس موت کا انتظار ہے۔"

ادھر گھپ اندھیرا، ادھر روشنی ہی روشنی
اسے نام دے کر کیا کروں، رہنے دو اسے بے نام زندگی

س : آپ کی پسندیدہ شخصیت؟
ج : حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، احمد رضا خان اور عمران بھائی۔
س : آپ کا پسندیدہ شعر، کہانی اور کردار؟
ج : شعر۔

تو نے دیکھی ہے وہ پیشانی وہ رخسار، وہ ہونٹ
زندگی جن کے تصور میں لٹا دی ہم نے
تجھ پہ اٹھی ہیں وہ کھوئی ہوئی ساحر آنکھیں
تجھ کو معلوم ہے کہ کیوں عمر گنوا دی ہم نے

کہانی : "امر بیل، بیلی راجپوتاں کی ملکہ، کوہ گراں تھے ہم (جاری)، جو بچے ہیں سنگ سمیٹ لو" اور "دل اک شہر جنوں"

نبیلہ عزیز

دردِ دل

بڑی حویلی کے تمام مکین وقار آفندی سے بڑی عقیدت اور محبت رکھتے ہیں اور علیزے تو اپنے بابا کی شخصیت سے بہت ہی متاثر ہے۔

مدحیہ اور نبیل حیات دو ہی بہن بھائی ہیں' مدحیہ انتہائی بگڑی ہوئی اور خود سر لڑکی ہے' وہ انگلینڈ کی رنگینیوں میں مکمل طور پہ رنگ چکی ہے' جس کے پیش نظر فائزہ بیگم' نبیل کو پاکستان شفٹ ہونے کا مشورہ دیتی ہیں' لیکن مدحیہ پاکستان جانے سے انکار کر دیتی ہے' جس پہ نبیل اور فائزہ بیگم بے حد پریشان ہیں۔

زری کو اپنے بھائی عبداللہ کے دوست سے محبت ہے' مگر وہ کسی کو بھی اس راز میں شامل نہیں کرنا چاہتی اور یہ جذبہ اندر ہی اندر پنپ رہا ہے۔

عدیل کافی عرصہ سے نوکری کی تلاش میں ہے' مگر ہر روز مایوسی اور ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا' بے بسی اور مجبوریوں سے تنگ آ کر خودکشی کرنے کا سوچتا ہے' لیکن ایسے میں ایک روز اسے ڈھابے میں چائے پیتے ہوئے باؤ امتیاز مل جاتا ہے' جو اسے کام کی آفر کرتا ہے' جس پر عدیل کافی خوش ہوتا ہے' اسی خوشی میں وہ کام کی بابت پوچھنا بھول جاتا ہے۔

منصور حسین ایک غریب اور میٹرک پاس آدمی ہے' وہ مبارک خان کے توسط سے بڑی حویلی میں وقار آفندی سے نوکری مانگنے آتا ہے' وقار آفندی کوئی بھی جگہ خالی نہ ہونے کے باعث اسے دوبارہ آنے کا کہہ کر واپس بھیج دیتے ہیں اور وہ مایوسی سے واپس لوٹ جاتا ہے۔

دلاور شاہ کا شمار ملک کے بہترین اور منجھے ہوئے وکیلوں میں ہوتا ہے' وہ اپنے قول و فعل کا بہت پکا آدمی ہے' اس نے کبھی ہارنا نہیں سیکھا' اس کی ماں بتول شاہ کو اپنے بیٹے کی قابلیت اور ذہانت پہ بہت بھروسہ ہے اور اس کا یقین وہ دوسروں کو بھی دلاتی ہیں۔

پینتیسویں قسط

اور یہ بات صرف زری کی ہی بات نہیں تھی کہ صرف وہی منہ کے بل گری تھی۔
بلکہ دیکھا جاتا تو وہاں موجود سبھی افراد ہی منہ کے بل گرے تھے۔
چوٹ بھی سبھی کو آئی تھی اور درد بھی سبھی کو ہوا تھا۔
مگر فرق صرف اتنا تھا کہ زری کا خون بہہ نکلا تھا اور ان سب کے دل و دماغ اندر ہی اندر لہولہان ہو گئے تھے۔۔۔ لیکن اس چوٹ، درد اور خون کا سلسلہ تو دل آور شاہ کے گھر سے لے کر اسپتال پہنچنے تک ہنوز جاری ہی رہا تھا، جس کے باعث وہ سب اپنی اپنی ذات اور اپنی اپنی اذیت میں گم ایک دوسرے سے نظریں چرائے ہوئے انجان کھڑے تھے کسی کو بھی کسی دوسرے کا احساس نہیں تھا سب اپنی اپنی ہی تکلیف میں مبتلا تھے۔
دل آور کا درد اور تھا۔۔۔ نبیل کی چوٹ اور تھی، عبداللہ کے رنج اور تھے۔
وہ تینوں ہی خود کو ایک دوسرے سے نظریں ملانے کے قابل نہیں سمجھ رہے تھے اور اس کرب انگیز عالم میں اچانک ہی ڈاکٹر لودھی آئی سی یو روم کا دروازہ کھول کر باقی ڈاکٹرز اور نرسوں کے ساتھ باہر نکل آئے تھے۔
"مسٹر ملک!" ڈاکٹر لودھی نے سامنے کھڑے عبداللہ کو متوجہ کیا تھا اور وہ یکدم چونک گیا تھا۔
"ہوں۔۔۔! ہاں۔۔۔ ڈ۔۔۔ ڈاکٹر صاحب۔ اب۔۔۔ اب کیسی ہے وہ؟ اسے۔۔۔ اسے ہوش آگیا؟ وہ۔۔۔ وہ ٹھیک تو ہے نا؟ اسے کچھ ہوا تو نہیں؟"
عبداللہ کی آواز جیسے لرز رہی تھی اور اس نے اپنی پریشانی اور بے چینی کے ہاتھوں مجبور ہو کر بے ساختہ اک اضطراب کی سی کیفیت میں ڈاکٹر لودھی کا بازو پکڑ لیا تھا اور اپنے اس اضطراب اور بے چینی میں اس نے ڈاکٹر کا مایوس چہرہ بھی نوٹ نہیں کیا تھا۔
"بتائیں نا ڈاکٹر صاحب! اسے ہوش آیا، یا نہیں؟ وہ۔۔۔ وہ ٹھیک تو ہے نا؟ اسے کچھ ہوا تو نہیں؟" ڈاکٹر کی خاموشی پہ عبداللہ نے کافی گھبرا کے پوچھا تھا اور جواباً ڈاکٹر لودھی نے اپنا بازو پہ رکھے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔
"پلیز ملک صاحب! آپ اللہ پہ بھروسہ اور تسلی رکھیں، وہ ان شاء اللہ جلدی ٹھیک ہو جائیں گی۔" ڈاکٹر لودھی نے اس کے ہاتھ کو تھپکا تھا۔
"وہ۔۔۔ وہ ٹھیک ہو جائے گی؟ مطلب وہ۔۔۔ وہ اب ٹھیک نہیں ہے؟" عبداللہ کو مزید جھٹکا لگا تھا اور تشویش کے مارے اس کا دل تو جیسے مٹھی میں ہی آگیا تھا کیونکہ ڈاکٹر کا دھیما اور سست سا لہجہ ہی بتا رہا تھا کہ بات غیر معمولی ہے۔
"ہوں۔۔۔! اوکے۔۔۔ آیئے میرے ساتھ۔۔۔ بتاتا ہوں آپ کو۔" ڈاکٹر کہہ کر اپنے روم کی طرف بڑھ گئے تھے، اور عبداللہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی آگے یا پیچھے ہٹنے کے قابل نہیں رہا تھا۔
"عبداللہ! کیا سوچ رہے ہیں آپ؟ جایئے نا۔۔۔ ڈاکٹر کے پاس جایئے۔" نگارش اپنے آنسو دوپٹے سے پونچھتی ہوئی اس کے قریب آگئی تھی۔
"ہوں! جا رہا ہوں۔" وہ نگارش کے متوجہ کرنے پہ ایک بار پھر ہمت باندھنے پر مجبور ہو گیا تھا اور جانے سے پہلے بے ساختہ گردن موڑ کر دل آور اور نبیل کی سمت دیکھا جس پہ وہ دونوں چپ چاپ آگے بڑھ کے اس کے ساتھ ڈاکٹر لودھی کے روم میں آگئے تھے۔
"پلیز! تشریف رکھیے۔" ڈاکٹر نے کرسی کی سمت اشارہ کیا تھا۔
"تھینک یو!" دل آور نے بے حد آہستگی سے شکریہ ادا کیا تھا۔
"مس زرین ملک آپ کی سسٹر ہیں؟" ڈاکٹر لودھی کو پہلے ہی پتا تھا لیکن انہوں نے ایک بار پھر کنفرم کرنا چاہا تھا۔
"جی!" وہ بمشکل کہہ پایا تھا۔

"اور یہ؟" ڈاکٹر لودھی نے نبیل اور دل آور کی طرف دیکھا تھا۔
"میرے دوست بھی کہہ سکتے ہیں اور میرے بھائی بھی۔" عبداللہ نے ایک گہری سانس کھینچی تھی اور سر جھکا لیا تھا۔ "مس زرین ملک کے ہزبینڈ یا فیانسی وغیرہ؟" ڈاکٹر کے اگلے سوال پہ عبداللہ نے لب بھینچ لیے تھے اور اس وقت اس کی کنڈیشن کو محسوس کرتے ہوئے بے ساختہ دل آور نے اپنا مضبوط ہاتھ اس کے کندھے پہ رکھ کے اس کا کندھا ملکے سے دبایا تھا، حالانکہ وہ جانتا تھا کہ اس کی یہ تسلی اور یہ ڈھارس عبداللہ کے لیے کتنی کھوکھلی سی ہے۔
"مسٹر ملک!" ڈاکٹر لودھی نے اسے جواب کے لیے اکسایا تھا۔
"نہیں! ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ وہ ان میرڈ ہے۔" عبداللہ نے بڑے صبر اور ضبط سے جواب دیا تھا۔
"تو پھر! کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ ان کے دل و دماغ کو ایسا کون سا صدمہ پہنچا ہے کہ وہ کوما میں چلی گئی ہیں۔" ڈاکٹر لودھی کے اگلے سوال پہ ان تینوں کو یوں لگا تھا کہ جیسے اسپتال کی بلند و بالا عمارت کی چھت ان کے سروں پہ ہی آگری ہو۔ اور انہوں نے ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر ڈاکٹر کے چہرے کی سمت دیکھا تھا۔
"کوما میں۔۔۔؟ یہ۔۔۔ یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔" عبداللہ نے زیر لب دہرا کے پوچھا تھا مگر ان دونوں میں تو اتنی سی بھی سکت نہیں رہی تھی کہ زبان سے کوئی لفظ ہی دہرا لیتے۔
"جی ہاں! وہ کوما میں چلی گئی ہیں، اور یہ سب کسی گہری چوٹ اور کسی گہرے صدمے کی وجہ سے ہوا ہے۔" ڈاکٹر لودھی نے اپنے پورے تجربے اور پورے وثوق سے چیک اپ اور ٹیسٹ کروانے کے بعد انہیں یہ ہولناک خبر سنائی تھی۔
"م۔۔۔ مگر! یہ۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے بھلا؟ وہ۔۔۔ وہ کوما میں کیسے جا سکتی ہے؟ اسے تو بہت معمولی سی چوٹ آئی ہے۔ ورنہ۔۔۔ ورنہ تو وہ بالکل ٹھیک تھی۔" عبداللہ روہانسے لہجے میں پوچھ رہا تھا اور ڈاکٹر لودھی اس کی کم عقلی پہ افسوس سے سر جھٹک کر رہ گئے تھے۔
"آپ سے کس نے کہا کہ انہیں بہت معمولی سی چوٹ آئی ہے۔" ڈاکٹر کا لہجہ کافی استہزائیہ سا ہو چکا تھا۔ اور ذرا سے توقف کے بعد دوبارہ سے بات کا سلسلہ جوڑ لیا تھا۔
"مسٹر ملک! آپ نہیں جانتے۔ آپ کبھی اندازا بھی نہیں کر سکتے کہ انہیں کتنی گہری چوٹ آئی ہے اور کتنا گہرا صدمہ پہنچا ہے۔ وہ اس وقت صدمے کی اس اسٹیج پر ہیں کہ جہاں انسان کا جسم، اس کا دل و دماغ اور اس کی عقل بیک وقت مفلوج ہو کے رہ جاتے ہیں، اور پھر اس اسٹیج سے واپس آنا مریض کے اور ڈاکٹرز کے اختیار میں نہیں رہتا، بلکہ اللہ کی طرف سے ایک معجزہ بن جاتا ہے، اور اب آپ کو بھی اس معجزے کا انتظار کرنا ہو گا، کیونکہ مس زرین ملک کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے وہ کسی گہرے اور بہت بڑے شاک میں ہیں، ورنہ اتنی سی چوٹ یا اتنے سے صدمے سے کوئی بھی پیشنٹ کوما میں نہیں جا سکتا۔ بس آپ لوگوں کی دعا اور اللہ کی نظر کرم ہی کچھ عنایت کر سکتی ہے، جس سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ دو دن میں ہی ہوش کی دنیا میں واپس لوٹ آئیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہیں دو سال بھی ہوش نہ آئے۔"
ڈاکٹر لودھی نے انہیں پوری تفصیل سے آگاہ کیا تھا اور وہ تینوں اپنی اپنی جگہ پہ دم بخود سے بیٹھے رہ گئے اور عبداللہ کو تو یوں لگ رہا تھا کہ جیسے بیٹھے بیٹھے وہ خود بھی مفلوج ہو گیا ہو، اور اس کی عقل بھی پتھرا گئی ہو، کیونکہ اب ان دونوں کے سامنے وہ ڈاکٹر کو کیسے بتاتا کہ اسے کیا صدمہ پہنچا ہے؟ اور اسے کیسی چوٹ لگی ہے؟ وہ تو اتنی دیر سے خود اپنی سوچوں اور اپنے خیالات کی نفی کرتا پھر رہا تھا، لیکن ڈاکٹر لودھی نے اس کی سوچوں اور خیالات پہ تصدیق کی مہر لگا دی کہ وہ جو سوچ رہا ہے، وہ سچ ہے۔
زری منہ کے بل نہیں گری۔۔۔ بلکہ پاش پاش ہو گئی ہے۔۔۔ ٹوٹ گئی ہے۔۔۔ بکھر گئی ہے۔۔۔ لٹ گئی ہے۔۔۔

صرف اور صرف دل آور شاہ کی خاطر۔

صرف اس کی چاہ میں' اس کی محبت میں اور صرف اس کے عشق میں' اور اس کی اس چاہ اور اس عشق نے عبداللہ جیسے آدمی کو بھی توڑ ڈالا تھا وہ ڈاکٹر لودھی کے روم سے اپنے قدموں پہ اپنی لاش گھسیٹتا ہوا باہر آیا تھا۔

☼ ☼ ☼
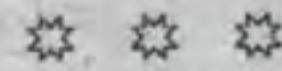
چھ ماہ بعد

باہر موسم بے حد اچھا ہو رہا تھا' ہوا بہت تیز چل رہی تھی اور اس تیز اور ٹھنڈی ہوا میں بھی ہلکی سی نمی محسوس ہو رہی تھی اور بارش کے آثار بھی صاف دکھائی دیتے تھے اسی لیے موسم کا ایسا موڈ اور ایسے تیور دیکھ کر علیزے جلدی سے چھت پہ دھو کر پھیلائے ہوئے اپنے اور دل آور کے کپڑے اتار کر نیچے لے آئی تھی لیکن نیچے آتے آتے بھی ہوا میں رچی نمی کی بدولت اس کا اپنا چہرہ بھی نم آلود سا ہو گیا تھا اور وہ اپنے دوپٹے سے یہ نمی پونچھتی ہوئی کپڑے بازو پہ اٹھائے اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔

حالانکہ پہلے یہ کام گل کی ذمہ داری ہوتے تھے مگر جب سے علیزے کو اس گھر میں بیوی کا درجہ ملا تھا اس نے خود بخود ہی اس گھر کی تمام ذمہ داریوں میں شریک ہونا شروع کر دیا تھا' وہ بیڈ روم اور کچن سے۔ باہر لان تک تمام کام خود کرنے لگی تھی اور یونہی کرتے کرتے ان چھ ماہ میں وہ ہر کام میں طاق ہو گئی تھی۔ برتن دھونے سے کپڑے دھونے تک اور چولہا جلانے سے لے کر دل جلانے تک وہ سب کچھ سیکھ گئی تھی آخر زندگی میں اور کچھ نہیں سیکھا تھا تو پھر یہ تو سیکھنا ہی تھا نا۔

"ارے علیزے بی بی! لائیے یہ کپڑے میں رکھ آتی ہوں۔" گل ٹیرس سے کرسیاں ہٹا کر ادھر ہی آ رہی تھی کہ علیزے کو اتنے کپڑے اٹھائے ہوئے دیکھ کر تیزی سے اس کے قریب آئی تھی۔

"نہیں! تم رہنے دو۔ میں خود رکھ لوں گی۔ بس تم ایسا کرو کہ زلفی یا گلاب خان سے کہو بل ڈوگ کو اس کے روم میں لے جائیں' باہر بارش شروع ہونے والی ہے۔" علیزے نے گل کو نیچے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"جی ٹھیک ہے! کہہ دیتی ہوں۔" گل سر ہلاتی ہوئی آگے بڑھ کے سیڑھیاں اتر گئی تھی اور اتنے میں دل آور بھی سیڑھیاں چڑھ آیا تھا۔

"السلام علیکم!" علیزے نے اس پہ "سلامتی" بھیجی تھی اور وہ محض سر ہلا کے اس کے پاس سے گزر کر بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔

اور ظاہر ہے کہ علیزے نے بھی بیڈ روم میں ہی آنا تھا سو مجبوراً" ڈھیلے ڈھالے قدم اٹھاتی ہوئی اس کے پیچھے ہی آئی تھی۔ دل آور اپنا بریف کیس اور کوٹ صوفے پہ ڈال کر بیڈ پہ ڈھیر ہو گیا تھا' وہ کپڑے لے کر وارڈروب کی سمت بڑھ آئی تھی اور وارڈروب کے درمیانی دونوں پٹ کھول کر اپنے اور اس کے کپڑے تہہ کر کے الگ الگ خانوں میں رکھنے لگی۔

"کپڑے نکال دوں؟ چینج کرنے ہیں؟" علیزے نے بیڈ پہ چاروں شانے چت لیٹے دل آور کو ایک نظر دیکھتے ہوئے وارڈروب کا تیسرا پٹ کھولا تھا جس میں اس کے تمام پریس شدہ کپڑے ہینگ کیے ہوئے تھے۔ "ہوں نکال دو۔" اس نے بے حد آہستگی سے کہہ کر اپنے دونوں ہاتھ بالوں میں پھنسا لیے تھے۔ علیزے اس کا وائیٹ شلوار سوٹ نکال کر واش روم میں رکھ آئی اب اس کا ارادہ کچن میں جانے کا تھا' لیکن دل آور کی آواز پہ اس کے قدم ٹھٹکے تھے۔

"گل سے کہو میرے لیے ایک کپ چائے لے آئے۔ میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔" اس نے پیغام دیا تھا اور

علیزے کچھ بھی کہے بغیر بیڈ روم سے باہر نکل آئی تھی اور یہ تو چھ ماہ سے ہو رہا تھا' دل آور نے جو بھی کام کہنا ہوتا تھا وہ گل کا ہی نام لیتا تھا جبکہ وہی کام علیزے کر کے اس کے سامنے رکھ دیتی تھی۔

اس وقت بھی وہ خود ہی چائے بنا کر لے آئی تھی۔

"ڈرائیور۔" اس نے قریب آ کر آواز دی تھی۔

"ہوں۔" دل آور نے چونک کر دیکھا تھا۔

"چائے۔" علیزے نے کپ سامنے کیا تھا اور وہ بے ساختہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

"تھینک یو۔" اس نے اس کے ہاتھ سے کپ لیتے ہوئے شکریہ ادا کیا تھا۔

اور علیزے اسے کپ تھمانے کے بعد جاتے جاتے پھر رک گئی تھی۔

"زری سے مل کر آئے ہو؟" علیزے کے اچانک سوال پر دل آور نے بھی اچانک سر اٹھا کر دیکھا تھا اس کے چہرے کی رنگت اور اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ علیزے چونکی تھی۔

"نہیں۔ اس نے ہمیشہ کی طرح نفی میں گردن ہلائی تھی۔

"کیوں؟ تم تو کہہ کر گئے تھے کہ اس سے مل آؤ گے۔" اسے تعجب ہوا تھا۔

"یہ تو میں ہمیشہ کہہ کر جاتا ہوں۔" دل آور کے لہجے میں استہزا کا رنگ تھا۔

"تو پھر ملتے کیوں نہیں؟" وہ جھنجلائی تھی۔

"کیونکہ میں ملنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ مجھ میں حوصلہ نہیں ہے کیونکہ میں اس قابل نہیں رہا۔"

وہ اس سے بھی زیادہ جھنجلایا تھا۔

"مگر وہ تو تم سے ملنا چاہتی ہے نا۔" علیزے نے زری کے چاہنے پہ زور دیا تھا۔

"ہونہہ! پھر تو وہ اور بھی بہت کچھ چاہتی ہے؟" دل آور کا لہجہ لہو ٹپکا رہا تھا۔

"تو کر دو نا پوری اس کی چاہت' جو وہ چاہتی ہے۔" وہ بہت سپاٹ اور بہت عجیب سی ہو رہی تھی۔

"علیزے پلیز! جاؤ یہاں سے' مجھے اکیلا چھوڑ دو۔" دل آور نے اپنی فیلنگز سے زچ ہو کر بہت بے بسی سے علیزے کو وہاں سے چلے جانے کا کہا تھا اور علیزے چند سیکنڈ زیونہی کھڑی اسے دیکھتی رہی اور پھر وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

ابھی وہ بیڈ روم سے نکل کر نیچے ڈرائنگ روم میں آئی ہی تھی کہ لینڈ لائن فون کی رنگ بجنے لگی اور علیزے نے گل کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھا۔

"گل۔۔۔ گل کہاں ہو؟ فون بج رہا ہے۔" اس نے گل کو آوازیں دی تھیں مگر وہ شاید آس پاس کہیں نہیں تھی اس لیے مجبوراً" علیزے کو خود ہی کال اٹینڈ کرنا پڑی حالانکہ وہ فون کالز بہت کم اٹینڈ کرتی تھی۔

"ہیلو۔!" اس نے بہت دھیمی آواز میں ہیلو کہا تھا۔

"السلام علیکم میڈم! میں قادر بات کر رہا ہوں صاحب کا منشی۔" دوسری طرف سے چھوٹتے ہی اپنا تعارف کروایا گیا تھا اور علیزے نے پہلے بھی ایک دوبار اس کا نام سن رکھا تھا اس لیے قدرے ریلیکس ہو گئی تھی۔

"وعلیکم السلام! کہیے کیسے فون کیا آپ نے؟" علیزے کا لہجہ تھوڑا نارمل ہو چکا تھا۔

"بس میڈم! مجھے پوچھنا تھا کہ صاحب گھر پہنچ گئے؟" وہ کافی جھجک کے بات کر رہا تھا۔

"جی پہنچ گئے ہیں۔ کیوں خیریت؟ کوئی پیغام وغیرہ ہے ان کے لیے۔" علیزے نے خود ہی اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی۔

"نہیں! کوئی پیغام وغیرہ نہیں ہے۔ بس میں صرف ان کی طبیعت کی وجہ سے پریشان ہو رہا تھا دراصل وہ جب

یہاں سے نکلے تو انہیں بہت تیز بخار تھا اور اس بخار کی حالت میں وہ ڈرائیو کر کے گئے ہیں' اس لیے مجھے پریشانی ہو رہی تھی کہ وہ خیریت سے گھر پہنچے ہیں یا نہیں؟" قادر اپنی پریشانی بتا رہا تھا اور علیزے اپنی بے دھیانی میں تھی۔

"ڈرائیور کو بخار ہے اور اس نے بتایا بھی نہیں۔" وہ ریسیور ہاتھ میں پکڑے سوچ کے رہ گئی۔

"ہیلو!" اس کی طرف سے خاموشی پا کر قادر کو تصدیق کرنے کے لیے ہیلو کہنا ہی پڑا تھا کہ وہ لائن پہ ہے یا نہیں۔

"جی ہاں! سن رہی ہوں۔ وہ خیریت سے گھر پہنچ گئے ہیں۔ آپ نے ان کے لیے اتنی زحمت کی تھینک یو سوچ۔ میں ان کو بتا دوں گی کہ آپ کی کال آئی تھی۔"

علیزے نے ایک سمجھدار اور سلجھی ہوئی بیوی ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے قادر کا شکریہ ادا کیا تھا اور پھر اللہ حافظ کہنے کے بعد فون بند کر دیا تھا۔

اس نے اگر اپنی طبیعت کا نہیں بتایا تو مجھے انوالو ہونے کی کیا ضرورت ہے بھلا۔ بخار ہوتا ہے تو ہوتا رہے' بلکہ میری طرف سے بھاڑ میں جائے۔ اتنے سے بخار سے کون سا مر جائے گا؟

وہ خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑاتی ہوئی اپنے دل میں آنے والی پریشانی کو سر جھٹک کر پیچھے دھکیلتی ہوئی کچن میں آ گئی تھی اور پھر واقعی وہ اپنے کام میں لگ کر اس کی پریشانی بھول گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

ضبط کرتا ہوں تو
ہر زخم لہو دیتا ہے
آہ کرتا ہوں تو
اندیشہ رسوائی ہے
دیکھتا ہوں تو
ہزاروں ہیں میرے دوست مگر
سوچتا ہوں تو
وہی عالم تنہائی ہے!

وہ نبیل حیات، جو ہمیشہ بہت ہی فریش اور رومانٹک موڈ میں رہتا تھا۔
جس کی ڈیسینٹ پرسنالٹی اپنی جگہ ایک متاثر کن اثر رکھتی تھی۔
جس کا سکون اور تحمل قابل رشک سمجھا جاتا تھا۔
جس کی محبت میں بھی ایک ٹھہراؤ تھا، صبر تھا' قناعت تھی۔
جس نے زری کو ہمیشہ چاہا' دل کی گہرائیوں اور شدتوں سے چاہا تھا۔
لیکن اسے جب بھی' جہاں بھی دیکھا۔ ٹھہر ٹھہر اور ڈر ڈر کر دیکھا تھا۔
مگر یہ بات بھی سچ تھی کہ اسے دل میں سجایا بہت تھا۔
کبھی دل کے اس کونے میں رکھا۔ کبھی دل کے اس کونے میں رکھا۔ اور پھر ایک دن آخر اسے اپنا دل ہی بنا ڈالا تھا۔
مگر اسے کیا خبر تھی کہ وہ دل دھڑکے گا بھی تو کسی اور کے لیے۔
طلب کرے گا تو کسی اور کو۔

تڑپے گا تو کسی اور کے لیے۔
اور نبیل حیات اپنے سینے میں اک خلا لے کر رہ جائے گا۔
اس کے پاس کچھ بھی نہیں رہے گا' بالکل خالی ہاتھ ہو جائے گا۔
اس کی محبتیں' اس کی چاہتیں' اس کے خواب اور اس کی خواہش سب کچھ دل کے طاق پر رکھے رہ گئے تھے' اور اسے اک عجیب سی چپ لگ گئی تھی۔

اس کی خاموش محبت نے اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش کر ڈالا تھا۔
سارے اظہار اور ارمان دل میں ہی دم توڑ گئے تھے اور ان مردہ خوابوں اور مردہ ارمانوں کا زہر اس کے دل و دماغ کے ساتھ ساتھ اس کے جسم و جان کو بھی زہر آلود کر رہا تھا۔

وہ دن بہ دن مر رہا تھا۔ زری سے بھی زیادہ نازک حالت اس کی تھی کیونکہ زری تو کوما میں تھی' اور سکون میں تھی مگر وہ ہوش میں تھا' لیکن حواسوں میں نہیں اور اسی وجہ سے درد تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا' چوٹ بھی گہری ہوتی جا رہی تھی اور زخم ہر دن اور ہر رات کے بعد ناسور بن رہا تھا۔

اور ان سب کیفیات کی اذیت سے نبیل کو اکثر اپنی سانس اپنے ہی سینے میں گھٹتی ہوئی محسوس ہوتی تھی' اور وہ اپنی اس حالت پہ بے بس سا ہو کر اکثر ہی پاگلوں کی طرح سڑکوں کی خاک چھاننے نکل کھڑا ہوتا اور جب بری طرح تھک جاتا تو دوبارہ واپس لوٹ آتا تھا۔

مگر یہ تو فائزہ بیگم اور مدحیہ ہی جانتی تھیں کہ وہ واپس لوٹ کر بھی واپس نہیں لوٹا بلکہ باہر ہی کہیں راہوں میں بھٹکتا رہتا' صرف اس منزل کے غم میں جو کسی کا بھی نصیب نہیں تھی۔
جو خود بھی نامراد ٹھہری تھی اور اس کو چاہ کر نبیل حیات بھی بامراد نہیں ہوا۔
وہ اگر عشق کا پیکر تھی تو وہ بھی محبت کا مجسمہ تھا۔
وہ اگر ٹوٹ کر بکھری تھی تو وہ بھی چکنا چور ہو گیا تھا۔
وہ بھی کرچیوں کی صورت کئی حصوں میں بٹ گیا تھا اور اس سے بھی اپنا آپ سمیٹا اور سنبھالا نہیں جا رہا تھا کیونکہ وہ یہ سوچ کر ہی مرجاتا تھا کہ وہ زری کو چاہتا رہا۔ اور زری دل آور کو چاہتی رہی۔ لیکن اپنی اپنی چاہ۔ اور اپنی اپنی طلب میں کسی کو بھی خبر نہیں ہو سکی تھی کہ کون کس کو چاہتا ہے؟ اور کس کے لیے پاگل ہے؟

مگر اس چاہ اس طلب اور اس محبت کی دھن میں اب اور اک ہوا تھا وہ سب ہی ایک دوسرے سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہے تھے۔ کیونکہ ان تینوں کی دوستی کے بیچ اب محبت کی جگہ ندامت حائل ہو چکی تھی۔
اب وہ ایک دوسرے سے مسکرا کر اور قہقہے لگا کر نہیں ملتے تھے بلکہ اب تو وہ نظریں اور سر جھکا کر ملتے تھے۔
اور اپنی جھکی ہوئی نظروں اور جھکے ہوئے سروں کا بوجھ وہ اپنے اپنے دل پہ اٹھائے پچھلے چھ ماہ سے بمشکل سب کچھ نبھاتے پھر رہے تھے حالانکہ اندر سے وہ تینوں ہی کھوکھلے ہو چکے تھے۔

"سر.... ! سر.... ! آپ نے گھر نہیں جانا کیا؟" عدیل نے بڑی مشکل سے اتنی دیر سے اپنے دھیان میں گم بیٹھے نبیل کو متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی اور نبیل بری طرح چونک کر متوجہ ہوا تھا۔

"ہاں.... ! ہاں گھر تو جانا ہی ہے۔" نبیل عجیب سے لہجے میں خود کلامی کے سے انداز میں کہتا اپنی چیئر سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" عدیل کو اس کی کیفیت دیکھ کر تشویش سی ہوئی تھی۔

"ہوں! سب ٹھیک ہے یار سب ٹھیک ہے ڈونٹ وری۔" نبیل کافی تمسخرانہ سے انداز میں کہتے ہوئے اپنی چیئر کی بیک پہ رکھی اپنی جیکٹ اٹھا کر واپس جانے کے لیے دروازے کی سمت قدم بڑھا چکا تھا اور عدیل وہیں کا وہیں اس

کے پیچھے کھڑا اس کی پشت دیکھتا رہ گیا۔
"سنو!" نبیل دروازے کے قریب جا کر پھر پلٹا۔
"جی کہیے؟" عدیل پوری طرح سے متوجہ ہوا تھا۔
"سب کو سیلری پہنچ گئی؟" اس نے تمام ورکرز کے بارے میں پوچھا تھا۔
"جی! پہنچ گئی ہے۔" عدیل نے اثبات میں جواب دیا تھا۔
"اور تمہاری سیلری؟"
"جی! مجھے بھی مل گئی ہے۔"
"کسی اور چیز کی ضرورت تو نہیں ہے نا؟ اگر ہے تو بتا سکتے ہو۔" نبیل ہمیشہ ہر مہینے اس سے یہ سوال پوچھتا تھا اور اسے تسلی بھی دیتا تھا لیکن عدیل کی تنخواہ ماشاءاللہ اتنی تو تھی ہی کہ عدیل کی پریشانیاں کافی حد تک کم ہو گئی تھیں اور وہ پرسکون رہنے لگا تھا۔
"تھینک یو سر! اللہ کا احسان اور مہربانی ہے آپ کی۔ کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔"
عدیل نے دل کی گہرائیوں سے اس کا شکریہ ادا کیا تھا اور نبیل جواباً" سرہلا کر دوبارہ پلٹ گیا۔ مگر عدیل جانتا تھا کہ وہ یہ ساری پوچھ گچھ کرنے کے باوجود بھی ذہنی طور پہ سیٹ نہیں ہے کیونکہ وہ ایسی پچویشن میں تو پچھلے کئی مہینوں سے نظر آرہا تھا اور عدیل بہت چاہ کر بھی نبیل کی ایسی کیفیت اور ایسی حالت کے متعلق نہ نبیل سے کوئی سوال کر سکا تھا اور نہ مدیحہ سے کچھ کہہ سکا تھا کیونکہ اسے یہ سب مناسب نہیں لگتا تھا اس لیے اس وقت بھی وہ اپنے سارے تجسس اور اپنے سارے سوال اپنے ہی ذہن میں لے کر رہ گیا تھا اور نبیل حیات تھکے تھکے قدموں سے چلتا دروازہ کھول کر اپنے آفس سے باہر نکل گیا تھا......!

☼ ☼ ☼

ضبط لازم ہے مگر دکھ ہے قیامت کا فراز
ظالم اب کے بھی نہ رویا تو مر جائے گا

عبداللہ کی خوبصورت بادامی آنکھیں اب ہمہ وقت سرخ ہوئی رہتی تھیں یوں لگتا تھا کہ جیسے ابھی اس کی آنکھوں سے خون چھلک آئے گا...... کیونکہ۔
چھ ماہ کا رت جگا...... اور چھ ماہ کا دکھ اس کی آنکھوں کو زخم زخم کر چکا تھا۔
اس نے چھ ماہ کی راتیں زری کے سرہانے بیٹھ کر اور جاگ کر گزاری تھیں' وہ زری کو دنیا و جہان سے بے خبر پڑے ہوئے دیکھتا تھا تو دل ہی دل میں روتا تھا۔
اس نے اس کے لیے کیا کیا نہ سوچ رکھا تھا کہ وہ اس کی پسند سے اس کا رشتہ طے کرے گا۔ اس کی دھوم دھام سے شادی کرے گا۔ ہر چیز میں اور ہر بات میں اس کی مرضی اس کی پسند کو فوقیت دے گا' جو وہ چاہے گی وہی کرے گا لیکن یہاں تو سب کچھ ہی مٹی میں مل گیا تھا۔
وہ اس شخص کو چاہ بیٹھی تھی جس کے سامنے عبداللہ اپنا دامن پھیلا کر بھیک بھی نہیں مانگ سکتا تھا۔ جس کے پاس دینے کے لیے بھی کچھ نہیں رہا تھا' خود اپنا بھی نہیں رہا تھا' بلکہ کسی اور کا ہو چکا تھا۔ اور جو پہلے ہی کسی اور کا ہو چکا تھا وہ زری کا کیسے ہو سکتا تھا بھلا......؟
اور بے بسی کی حالت میں اکثر وہ اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں اور اپنے لب بھینچ کے رہ جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے ہاتھوں کی اور کنپٹی کی رگیں ابھر آتی تھیں اور نگارش اس کی حالت دیکھ دیکھ کر اندر ہی اندر کڑھتی رہتی تھی

کیونکہ ایسی اذیت بھری صورت حال میں تو اس کی تسلیاں بھی عبداللہ کے دل کو سکون نہیں دے سکتی تھیں۔ کئی مرتبہ تو ایسا بھی ہوتا تھا کہ دو دو دن بات کیے بغیر ہی گزر جاتے تھے۔ اور کبھی کبھی تو عبداللہ دو دو دن بھی اسپتال سے گھر نہیں آتا تھا۔
کبھی کبھی نگارش کے دن اور راتیں زری کے پاس بیٹھے بیٹھے گزر جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ وہ دونوں میاں بیوی بھی ایک دوسرے کے لیے اجنبی سے ہو کے رہ گئے تھے۔ ان کا ذہن زری کے غم سے اور اس کی اذیت سے ہٹ ہی نہیں پا رہا تھا۔ ان کے دل و دماغ تو اس غم نے دیمک کی طرح چاٹ ڈالے تھے۔ ان کی سوچ' ان کے خیال' ان کی فکر زری کے گرد ہی گھومنے لگتی تھی اور ایسے عالم میں وہ باقی سب کچھ بھول کر پس پشت ڈال دیتے تھے کیونکہ ان کے سامنے زری کا بے جان وجود پڑا ہوتا تھا۔
وہ وجود جو عشق کی علامت تھا۔
وہ وجود جو محبت کی کہانی تھا۔
وہ وجود جو ہجر کا آئینہ تھا۔
جسے دیکھ کر' جسے سوچ کر' جسے چھو کر باد صبا بھی مہک مہک جاتی تھی اور آج وہی وجود کسی شجر سے ٹوٹے ہوئے خزاں رسیدہ پتے کی طرح نظر آتا تھا اور دیکھنے والوں کی آنکھیں بھر آتی تھیں۔
"نگارش۔" نگارش عین زری کے سامنے بیٹھی اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑے نم نظروں سے اسے یک ٹک دیکھ رہی تھی جب عبداللہ دروازہ کھول کے اچانک اندر آگیا تھا۔
"آؤ میں تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔" رات گہری ہو رہی تھی اور موسم بھی کچھ اچھا نہیں تھا اس لیے عبداللہ نے سوچا تھا کہ نگارش کو وقت پہ ہی گھر چھوڑ آئے۔
"مگر میرا دل نہیں چاہ رہا گھر جانے کو۔ میں آج زری کے پاس رکنا چاہتی ہوں۔ کیوں زری تم بھی یہی چاہتی ہو نا کہ میں آج یہیں رک جاؤں؟" نگارش نے عبداللہ سے بات کرتے کرتے گردن موڑ کر بے ساختہ زری کو مخاطب کیا تھا اور عبداللہ کا دل جیسے مٹھی میں آگیا۔ اس کے جسم و جان میں کرب کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔
"بتاؤ نا زری! تم بھی یہی چاہتی ہو نا۔ کہ میں آج یہاں ہی رک جاؤں؟" نگارش نے جان بوجھ کر زری کو مخاطب کرنے کی اور اپنی بات میں انوالو کرنے کی کوشش کی تھی۔
"نگارش پلیز! بس کرو چلو میرے ساتھ میں تمہیں گھر چھوڑ کر آتا ہوں۔" عبداللہ تکلیف سے جھنجلایا تھا۔
"کیوں بس کروں عبداللہ؟ آپ...... آپ مجھے بات کیوں نہیں کرنے دیتے؟ یہ...... یہ اتنی لاپروا کیوں ہو گئی ہے مجھ سے؟ کیا اسے ذرا بھی احساس نہیں ہو تا کہ میں کتنی اکیلی ہو گئی ہوں' میں کتنی تنہا ہوں اس کے بغیر۔ میری کوئی بہن' کوئی کزن' کوئی دوست نہیں ہے یہاں اس کے سوا۔ اور یہ...... یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان پڑی ہے۔ اسے خبر ہی نہیں کہ میں گھر میں اکیلی پھرتی ہوں تو روتی ہوں۔ اس کی ڈائری' اس کی شاعری اس کے پرفیوم دیکھتی ہوں تو دل کٹ جاتا ہے میرا۔ دن میں کئی مرتبہ اس کے بیڈ روم کے چکر لگاتی ہوں' اور ہر مرتبہ بیڈ روم خالی دیکھ کر مایوس لوٹ آتی ہوں۔ دل چاہتا ہے یہ پھر سے کوئی نظم پڑھے اور میں اس کے سامنے بیٹھ کر وہ نظم سنوں۔ یہ پھر سے کسی بات پہ تڑپ کر روئے اور میں پھر سے اسے خود سے لگا کر بچوں کی طرح چپ کرواؤں یہ پھر سے بے یقین ہو جائے اور میں پھر سے اسے یقین دلا دلا کر تھک جاؤں کہ زری ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تم نے جو سنا وہ جھوٹ تھا۔ تم نے جو دیکھا وہ خواب تھا اور جھوٹ اور خواب پہ یقین نہیں کرتے۔ تم بھی مت کرو۔ زری پلیز! ہوش میں آجاؤ' لوٹ آؤ۔ کسی اور کو نہ سہی ہمیں ضرورت ہے تمہاری۔"
نگارش اس کو بازوؤں سے پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے ہچکیوں سے رو پڑی تھی اور عبداللہ بمشکل اپنی آنکھوں میں

اڈتے نمکین پانیوں کو ضبط کرتے ہوئے مزید آگے بڑھ آیا تھا۔
"نگارش پلیز! چلو میرے ساتھ۔ وہ تمہاری کوئی بات نہیں سنے گی۔" عبداللہ نے نگارش کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تھا اور زری کی پلکیں اس کی بات پہ لرز کر رہ گئی تھیں۔
مگر افسوس کہ اس کی پلکوں کی یہ لرزش نہ عبداللہ دیکھ سکا تھا اور نہ نگارش کو نظر آئی تھی۔ اگر دیکھ لیتے تو انہیں بھی یہ پتا چل سکتا تھا کہ اسے بھی ان کی تکلیف پہ تکلیف ہوتی ہے' اسے بھی دکھ ہوتا ہے وہ بھی اندر ہی اندر روتی ہے مگر اس کی تکلیف اس کا دکھ' اس کے آنسو کسی کو نظر نہیں آتے۔
وہ سب اپنے اندر کا غبار نکال لیتے ہیں' اور وہ چپ پڑی بس سنتی رہتی ہے۔ اگر سننے کی بجائے بول سکتی تو یقیناً" نگارش کا ہاتھ پکڑ کر اسے روک لیتی۔ مگر افسوس کہ وہ لاچار تھی بے بس تھی' بے جان تھی۔ عشق نے اسے مار ڈالا تھا اور وہ مر گئی تھی۔
عبداللہ نگارش کے انکار کے باوجود بھی اسے گھر چھوڑنے چلا گیا تھا۔ اور زری اسے روک بھی نہ سکی تھی اور اس بات پہ اس کا دل چھم چھم رویا تھا بارش کی طرح۔!

☼ ☼ ☼
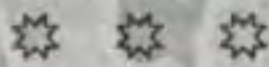
شام ہوتے ہی بارش شروع ہو گئی تھی اور بارش بھی ایسی طوفانی اور موسلادھار برسی تھی کہ دیکھنے اور سننے والوں کے دل ہول اٹھے تھے۔ آسمانی بجلی کی کڑک اتنی زوردار ثابت ہو رہی تھی کہ کچن میں کھڑی روٹیاں بناتی علیزے کے ہاتھ اس کی کڑک دار اور خوف ناک آواز پہ کانپ کانپ گئے تھے اور وہ بمشکل روٹی توے پہ ڈالنے میں کامیاب ہو سکی اور دل ہی دل میں دعا پڑھنے لگی۔
"کیا بات ہے علیزے بی بی؟ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" علیزے کے ہونٹوں کی ذرا سی جنبش سے ہی گل کو اندازا ہو گیا تھا کہ وہ کچھ کہہ رہی ہے۔
"میں کہہ نہیں رہی بلکہ دعا پڑھ رہی ہوں' درود شریف کا ورد کر رہی ہوں۔ سچ ایسی بارش سے تو خوف آرہا ہے۔" علیزے واقعی اندر سے دہل چکی تھی اور اس کا دہلنا اس کے چہرے سے ہی نظر آرہا تھا۔
"ہوں! بی بی جی ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔ مجھے بھی بہت ڈر لگ رہا ہے۔" گل بھی بجلی کی کڑک سے سہم چکی تھی۔
"میرا خیال ہے جلدی جلدی کام ختم کر کے ہم بھی اپنے اپنے بیڈ روم میں جاتے ہیں جاؤ زلفی کو بلاؤ' اور اسے کہو کہ صاحب کو بلا لائے۔ کھانا تیار ہے۔" ان چھ ماہ میں اتنا فرق آیا تھا کہ علیزے نے گھر کے ملازموں کے سامنے اسے "صاحب" کہنا سیکھ لیا تھا البتہ اس کے سامنے وہ اب بھی اسے "ڈرائیور" کہہ کر ہی مخاطب کرتی تھی اور دل آور نے اسے کبھی منع بھی نہیں کیا تھا کیونکہ اسے اس کا ڈرائیور کہنا برا نہیں لگتا تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ واقعی اپنے آپ کو اس کا ڈرائیور ہی سمجھتا تھا۔
"جی! ابھی کہہ دیتی ہوں۔" گل باہر نکل گئی تھی اور گل کی طرف سے پیغام ملتے ہی زلفی دل آور کو بلانے چل دیا تھا' مگر اگلے پانچ چھ منٹ کے بعد وہ یونہی واپس لوٹ آیا تھا۔
"کیوں؟ کیا کہا صاحب نے؟" علیزے سب کاموں سے فارغ ہو کر ہاتھ دھونے کے لیے سنک کی طرف بڑھ چکی تھی۔
"کہنا کیا تھا وہ تو کچھ بولے ہی نہیں۔ بہت گہری نیند میں ہیں۔ میں دو چار آوازیں دینے کے بعد واپس آگیا۔" زلفی نے کندھے اچکائے تھے اور علیزے سر ہلا کے رہ گئی کیونکہ وہ واقعی بھول چکی تھی کہ اسے بخار ہے۔ اور

اس کے منشی قادر نے اسے فون کر کے بتایا بھی ہے۔

"ٹھیک ہے۔ تم لوگ کھانا کھاؤ۔ میں پھر دروازہ بند کر کے چلی جاؤں گی۔" علیزے کو اندرونی دروازہ بند کرنے کی فکر تھی کیونکہ ولی آور روزانہ رات کو یہ ڈور بڑی احتیاط اور بڑے دھیان سے بند کر کے سونے کا عادی تھا۔

"آپ نے کھانا نہیں کھانا کیا؟" گل نے ٹھٹک کر پوچھا تھا۔

"نہیں! ابھی بھوک نہیں ہے بعد میں کھالوں گی۔ فی الحال تم لوگ کھاؤ۔" وہ کہہ کر باہر نکل آئی تھی' اور کچھ دیر بعد وہ لوگ کھانا کھا چکے تو علیزے نے تمام دروازے اور تمام لائٹس بند کرنے کے بعد اوپر اپنے بیڈ روم کی طرف رخ کیا تھا لیکن بیڈ روم میں قدم رکھتے ہی اس کے قدم ٹھٹک کر رک گئے تھے کیونکہ بیڈ روم کی تمام لائٹس آف تھیں اور ہر طرف گہرے اندھیرے کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اور اس اندھے ماحول میں بارش کا شور' بادلوں کی گرج اور آسمانی بجلی کی کڑک دار آوازیں حقیقتاً" اک بھیانک سا تصور پیدا کر رہی تھیں جس کی وجہ سے علیزے کے دل میں ایک خوف کی لہر دوڑ گئی۔ اور اس نے بے ساختہ کافی عجلت سے سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مارا تھا جس سے اچانک بیڈ روم میں کھٹا کھٹ کئی روشنیاں جگمگا اٹھی تھیں اور اس نے بڑی بے تابی سے بیڈ کی طرف دیکھا۔ جہاں وہ اوندھے منہ بے سدھ پڑا نظر آیا۔

"ڈرائیور!" وہ بے ساختہ اس کی طرف بڑھی تھی۔

"ڈرائیور!" اس نے ایک بار پھر اسے پکارا تھا مگر وہ ایسا بے سدھ پڑا تھا کہ اس پہ کوئی بھی آواز اثر نہیں کر رہی تھی۔

"ڈرائیور پلیز اٹھو! مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" علیزے نے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی کیفیت بتائی تھی' مگر وہ کچھ سنتا بھی تو۔

"ڈرائیور پلیز! اٹھو۔" مجبوراً" علیزے کو اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھنا پڑا تھا لیکن اس کے جسم کی حدت سے علیزے کے خوف زدہ سے حواس ٹھکانے پہ آگئے تھے اور وہ بدک کے رہ گئی اس کا جسم آگ کی طرح تپ رہا تھا اور اس آگ نے اسے بے سدھ کر رکھا تھا۔ اتنا تیز بخار؟ وہ اسے اس طرح بخار میں پھنکتے دیکھ کر پشیمان سی ہوئی تھی' کیونکہ اسے تو عصر کے وقت ہی قادر نے فون کر کے بتادیا تھا کہ صاحب کو بہت تیز بخار ہے لیکن علیزے نے ہی پلٹ کر اس کی کوئی خیر خبر نہیں لی۔

"کیوں؟ میں کیوں لیتی اس کی خبر؟ اسے بخار کی بجائے کچھ بھی ہو میری بلا سے۔" اس کے اندر کی نفرت پھنکاری تھی۔ تمہارے خیال میں اگر اس طرح تمہیں کچھ ہو جاتا تو کیا وہ یہ کہہ سکتا تھا کہ اسے بخار کی بجائے کچھ بھی ہو میری بلا سے۔ انسان کے سینے کے اندر موجود دل بنیادی طور پہ سرخ خون سے بنا گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جو انسان کے جذبات احساسات اور حالات کے سرد و گرم کے اثر سے جمتا اور پگھلتا ہے اور وہ اس جمنے اور پگھلنے میں بھی صدیوں اور سالوں کا نہیں بلکہ سیکنڈز کا وقت لیتا ہے' پل میں پگھل بھی سکتا ہے اور پل میں جم بھی سکتا ہے۔

اور کبھی کبھی یہ کام انسان کے کسی ایک خیال' کسی ایک سوچ سے بھی ہو جاتا ہے۔

ادھر کوئی خیال ذہن کو چھو کے گزر جائے اور ادھر دل جیسا لوتھڑا پگھل جائے۔ علیزے کے ساتھ بھی اس وقت یہی ہوا تھا۔

ادھر اس کی نفرت پھنکاری تھی اور ادھر ذہن کے اک خیال اور خیال میں لپٹے سوال نے اس کے دل کو پگھلا کے رکھ دیا تھا آخر وہ اک موم کی گڑیا تھی' اس کا دل پتھر کیسے ہو سکتا تھا؟

وہ پھر سے اس کی طرف متوجہ ہونے پہ مجبور ہو گئی تھی اور اسے متوجہ ہونے کے بعد احساس ہوا تھا کہ وہ اس وقت اسے جس حلیے میں چھوڑ کر گئی تھی وہ ابھی تک اس حلیے میں تھا یہاں تک کہ وہ چینج بھی نہیں کر سکا تھا حالانکہ وہ اس کے کپڑے نکال کے رکھ گئی تھی لیکن پھر بھی وہ بیڈ سے اٹھ نہیں سکا اور اسی چیز کا علیزے کو افسوس ہو رہا تھا اور اس کے اس افسوس اور پشیمانی نے اسے ولی آور کے قریب کر دیا۔

"ڈرائیور!" اس نے دوبارہ اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے اسے پکارا تھا۔ البتہ اب اس پکار میں خوف نہیں تھا بلکہ فکر تھی' تشویش تھی' پریشانی تھی۔

"اف اب کیا کروں۔ اسے تو کچھ ہوش نہیں ہے۔" علیزے کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا وہ اوندھا پڑا تھا اور اسے سیدھا کرنا بھی اس کے لیے محال تھا آخر وہ اتنی ہمت اور اتنی طاقت کہاں سے لاتی مگر اس وقت اپنی ہمت اور اپنی طاقت آزمانے کے سوا اور کوئی چارا بھی تو نہیں تھا۔

اور یہ اس کی ہمت ہی تھی کہ اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کے ولی آور کے گال کو تھپکا تھا' اسے چھوا تھا' اور اسے ہوش میں لانے کی پوری پوری کوشش کی تھی۔

"ڈرائیور! پلیز ہوش میں آؤ۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ پلیز۔۔۔ پلیز آنکھیں کھولو۔"

علیزے نے اس کے چہرے کو اس کے بازو کو اس کے کندھے کو ہلا۔ کے دیکھا تھا مگر جواب ندارد۔ اور جب وہ کسی طور بھی ہوش میں نہ آیا تو اس نے اپنی ہمت کے ساتھ ساتھ اپنی طاقت بھی آزما ڈالی تھی۔ اور اپنے دونوں ہاتھ اس کے کندھے پہ جما کے اسے سیدھا کرنے کی کوشش کی تھی۔

اور کندھے کو پیچھے کی طرف دھکا لگنے پہ ولی آور گہری غنودگی میں ذرا سا کسمسایا تھا اور اس کی اس کسمساہٹ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے علیزے نے اسے فوراً" سیدھا کر لیا تھا۔

جس سے اسے کافی تسلی ہوئی تھی حالانکہ اس تسلی کے چکر میں وہ خود اچھی خاصی ہانپ گئی تھی۔ "ڈرائیور پلیز! کچھ تو کہو۔ میری طرف دیکھو تو سہی۔ میں اکیلی ہوں کیسے سنبھالوں تم کو؟" علیزے اس کے مضبوط ہاتھوں اور کشادہ پیشانی کو چھو چھو کر بخار کی شدت محسوس کرتی مزید پریشان ہو رہی تھی' کیونکہ اس کا جسم حقیقتاً" بہت تیز بخار میں جھلس رہا تھا۔

"ڈرائیور! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ آنکھیں کھولو پلیز۔ تم کچھ کہتے کیوں نہیں؟ پلیز!" اس نے ولی آور کی ایسی نیم بے ہوش اور بے خبری حالت پہ روہانسے لہجے میں کہتے ہوئے اس کی شرٹ کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

"اف میرے اللہ! میں کیا کروں اب؟" وہ بیڈ پہ اس کے پہلو میں بیٹھی اپنا سر تھام کے رہ گئی تھی۔

"بیٹا! جب بہت تیز بخار ہو تو پھر برف کی ٹھنڈی پٹیاں بھگو کر رکھتے ہیں اس سے بخار کی شدت کم ہو جاتی ہے۔" علیزے کی سماعتوں میں آسیہ آفندی کی آواز گونجی تھی بہت عرصہ پہلے عون کو بخار ہوا تھا اور آسیہ آفندی اس کے سرہانے بیٹھی برف کے ٹھنڈے پانی میں پٹیاں بھگو بھگو کر رکھ رہی تھیں جب علیزے نے حیرت سے سوال کیا تھا اور اس سوال کا جواب آج اس کے کام آگیا تھا۔

"برف کی ٹھنڈے پانی کی پٹیاں۔" اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا تھا اور وہ یکدم اٹھ کھڑی ہوئی۔ بڑی تیزی سے بیڈ روم سے نکل کر نیچے کچن میں آئی اور فریج سے برف کے کیوبز نکال کر ایک بڑے سے باؤل میں ڈال کے کپڑے کی دو تین پٹیاں بنا کر اوپر لے آئی تھی اور اپنے پیچھے بیڈ روم کا دروازہ بند کر ڈالا۔ لیکن اس کے ماتھے پہ پٹیاں رکھنے سے پہلے علیزے کی نظر ولی آور کے حلیے کی سمت اٹھی تو اسے بڑی الجھن کا احساس ہوا تھا اس کی شرٹ کے بٹن گریبان تک بند تھے' پینٹ کا بیلٹ بھی ہنوز بندھا ہوا تھا اور بلیک کلر کی جرابیں بھی اس کے پیروں میں جوں کی توں موجود تھیں۔

اور اسے بخار کی حالت میں اس طرح ہر طریقے سے جکڑے ہوئے دیکھ کر علیزے سے برداشت نہیں ہوا تھا

اور اس نے مجبوراً" خود پہ ضبط کرتے ہوئے ٹھنڈے پانی کا باؤل سائیڈ ٹیبل پہ رکھ کر اپنا لرزتا کانپتا ہوا ہاتھ اس کی شرٹ کی طرف بڑھا دیا تھا اور اس نے انتہائی ہمت اور حوصلے سے کام لیتے ہوئے اس کی شرٹ کا پہلا بٹن کھولا تھا، مگر اس ایک بٹن کو کھولتے کھولتے اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی تھی۔

بے شک وہ دونوں میاں بیوی ہونے کے باوجود بھی نازک اور گداز جذبات سے ابھی کوسوں دور تھے، لیکن شرم و جھجک سے تو دور نہیں تھے نا اور اس شرم کے ہاتھوں ایسی سچویشن میں بھی علیزے پہ اک عذاب آن وارد ہوا تھا جس کو عبور کرنا اس کے لیے ایک اور جان جوکھم کا مرحلہ تھا۔ اور اس مرحلے کو طے کیے بغیر اور کوئی چارا بھی نہیں تھا۔

سو علیزے نے اس آزمائش کا بیڑہ بھی اپنے کندھوں پہ اٹھاتے ہوئے ایک ایک کر کے اس کی شرٹ کے سارے بٹن کھول دیئے تھے، مگر اس کے اوپر تقریباً" جھک کر اس کی پینٹ سے بیلٹ کا ہک کھولتے ہوئے اسے دانتوں پسینہ آگیا تھا، شرم اور جھجک نے اس کے چھکے چھڑا دیئے تھے اور ادھر دل تھا کہ بری طرح دھڑک اٹھا تھا کیونکہ اسے آج وہ کام کرنا پڑ رہے تھے جو وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ لیکن پھر بھی اس نے کر ہی لیے تھے، ہمت نہیں ہاری تھی اور ضبط سے کام لیا تھا۔ ورنہ دل آور کے ایسے کام وہ کرتی۔؟ کبھی ہو ہی نہیں سکتا تھا مگر کیا کرتی سینے کے اندر بیٹھا سرخ خون کا لوتھڑا اس وقت پگھلا ہوا تھا اور اسے وہ کام بھی کرنا پڑے تھے جو اس کے لیے انتہائی شرم کا باعث تھے۔

اور وہ بڑی ہمت اور بڑی مشکل سے اس کی پینٹ سے بیلٹ کھینچ کر نکالنے میں کامیاب ہو سکی تھی، اور پھر ہانپتے ہوئے اس نے اک گہری سانس خارج کی تھی۔

لیکن پھر بھی اس کی مشقت کا وقت ختم نہیں ہوا تھا کیونکہ ابھی اس کے پیروں سے جرابیں اتارنا باقی تھا، اس لیے وہ اپنی دھڑکنوں کو اور اپنی سانسوں کو ہموار کرتی ہوئی اس کے پیروں کی سائیڈ پہ آگئی تھی، اور پھر ذرا سا جھک کر اس کی پینٹ کے پائنچے اوپر کرتے ہوئے اس کی جرابیں اتارنے لگی۔

اور اس کی جرابیں اتارتے ہوئے علیزے کے ہاتھ اس کے پیروں سے بھی ٹچ ہوئے تھے۔ جس کی وجہ سے اسے دل آور کے پیروں سے بخار کی شدت سے اک بھاپ سی نکلتی ہوئی محسوس ہوئی تھی اور بخار کی شدت اور گرم بھاپ کے احساس کو کم کرنے کے لیے علیزے نے بے ساختہ اپنے ٹھنڈے ہاتھوں کی جان افزا راحت اس کے پیروں کو سونپ دی تھی۔ جس سے دل آور کے جسم میں ایک لہر سی دوڑتی ہوئی اس کے دل و دماغ اور اس کی روح تک جا پہنچی تھی تو وہ انتہائی گہری غنودگی سے بھی کسمسا گیا تھا۔

"علیزے.....!" اس کے ہونٹوں سے اس کا نام ادا ہوا تھا، غنودگی میں بھی وہ اس کا لمس پہچان گیا تھا۔

"ڈرائیور!" علیزے اس کے پیروں کو سہلاتے سہلاتے اس کی آواز پہ فوراً" اس کے قریب آئی تھی مگر وہ اس کے پکارنے پہ اب بھی کوئی جواب نہیں دے سکا تھا۔

اس لیے علیزے باقی سارے کام چھوڑ چھاڑ کے اس کے قریب بیڈ پہ اس کے پہلو میں ہی بیٹھ گئی تھی اور رفتہ رفتہ اس کے ماتھے پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں بھگو بھگو کر رکھنے لگی۔ اور اس کے اس عمل کو ابھی پندرہ منٹ ہی گزرے تھے کہ اچانک ہی لائٹ چلی گئی، اور اتنے گہرے اور گھپ اندھیرے میں علیزے اپنی جگہ پہ جیسے جوں کی توں جم کے رہ گئی تھی مگر اس کے باوجود اس نے اندھیرے میں ہی ادھر ادھر دیکھنے کی کوشش کی تھی کہ شاید کوئی ایسی چیز نظر آجائے جس سے وہ کوئی تو لائٹ روشن کر سکے۔

شاید اللہ کو اس پہ ترس آگیا تھا کہ اگلے دو سیکنڈ میں دل آور کے موبائل پہ کسی ایس ایم ایس کی مدھم سی بیپ کے ساتھ سائیڈ ٹیبل پہ رکھا موبائل روشن ہو گیا تھا۔ اور علیزے کو امید کی کرن نظر آگئی تھی، اس نے فوراً"

ہاتھ بڑھا کر اس کا موبائل اٹھا لیا تھا۔

اور اس موبائل کی روشنی میں اس نے کینڈل اسٹینڈ ڈھونڈنا شروع کر دیا تھا جو اسے سائیڈ ٹیبل کے سب سے نچلے دراز میں سے دستیاب ہوا اور پھر اس کی سگریٹ کے پیکٹ کے ساتھ رکھے لائٹر سے موم بتی جلا دی تھی، جس کی مدھم سی لو بیڈ روم میں لرزنے لگی اور اس لرزتی ہوئی لو میں وہ دوبارہ دل آور کی طرف متوجہ ہوئی وہ ہنوز بے سدھ پڑا ہوا نظر آرہا تھا۔

"ڈرائیور! آنکھیں کھولو نا۔ پلیز دیکھو لائٹ بھی نہیں ہے مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ اور..... اور باہر بارش بھی بہت تیز ہے۔ اتنی خوف ناک سی آوازیں آرہی ہیں۔"

علیزے اپنے ٹھنڈے ہاتھوں سے اس کے چہرے کو چھو رہی تھی اور موم بتی کی لو کی طرح دل آور کی پلکوں پہ ہلکی سی لرزش ہوئی تھی، جس سے علیزے کو مزید حوصلہ ہوا تھا۔

"ڈرائیور پلیز! اب بس کرو ٹھیک ہو جاؤ۔ دیکھو میں تھک گئی ہوں تمہیں بلا بلا کے ایک بار میری آواز تو سنو میری طرف دیکھو تو سہی۔"

اس نے ایک بار پھر اس کے گالوں کو تھپکا تھا اور اپنے چہرے پہ اس کے نرم ہاتھوں کی تھپک سے دل آور کی پلکوں پہ پھر اک جنبش — ہوئی تھی اور اس نے بڑی مشکل سے آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش کی تھی، مگر اس کوشش میں بھی اس کی آنکھوں میں حیرانی اور بے یقینی تیر گئی تھی۔ موم بتی کی مدھم سی روشنی میں علیزے اس کے بے حد قریب اور عین اس کے سینے کے اوپر جھکی آنکھوں میں ہلکی سی نمی لیے بڑی تشویش اور بڑی فکر سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"علیزے..... تم۔" دل آور کے ہاتھوں میں بھی حرکت ہوئی تھی اور اس نے اپنے چہرے پہ رکھے علیزے کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ کر اس کے ٹھنڈے لمس کو محسوس کیا تھا۔

"ہاں! میں ہی ہوں پلیز ڈرائیور آنکھیں کھولو مجھ سے بات کرو میں، میں بہت پریشان ہوں تمہارے لیے۔ تم اس طرح کیوں پڑے ہو؟ کیوں تھک گئے ہو؟ تم..... تم اس طرح بالکل بھی اچھے نہیں لگ رہے۔ تم اتنے سے بخار سے ہار گئے ہو یا کوئی اور وجہ بھی ہے۔" علیزے نے پھر اس کے چہرے کو تھپکا تھا اور دل آور کے چہرے پہ غنودگی کے باوجود بھی ایک استہزائیہ سے احساس کی لہر دوڑ گئی تھی۔

"میں ہار گیا علیزے! میں سب سے ہار گیا میں تم سے بھی ہار گیا۔" اس نے انتہائی بوجھل آواز میں کہتے ہوئے دوبارہ سے پلکیں موندلی تھیں اور علیزے بے چین ہو گئی تھی۔

"ڈرائیور۔" اس نے بڑے بے چین سے لہجے میں پکارا تھا اور دل آور نے پھر سے آنکھیں کھول دی تھیں اور ایک بار پھر قرب کی انتہا کو چھوتی علیزے کو دیکھا تھا۔

"فکر نہ کرو۔ تمہیں اس طرح چھوڑ کر مروں گا نہیں۔ کیونکہ مجھے پتا ہے کہ آج تم بھی مجھے مرنے نہیں دو گی۔ آج تو میری موت کے فرشتے کو بھی سوچ سمجھ کر آنا ہو گا۔" دل آور نے عجیب بہکے بہکے اور بے ربط سے لہجے میں کہتے ہوئے علیزے کے چہرے کے دائیں بائیں جھولتے بالوں کو آہستگی سے پیچھے ہٹایا تھا۔

"پلیز! ایسی باتیں مت کرو۔ مجھے پہلے ہی بہت ڈر لگ رہا ہے۔" وہ خفگی سے بولی تھی۔

"اور مجھے ڈر بھی لگ رہا ہے اور پیاس بھی لگ رہی ہے۔" دل آور کی نظریں اس کے وجود کی ہوشربا خوبصورتی کو چھو کر رہ گئی تھیں اور علیزے اس مدھم اور ملگجی سی روشنی میں بھی اس کی نظروں کی حدت سے دہک اٹھی تھی اور فوراً" ہی اک جھٹکے سے سیدھی ہو بیٹھی تھی۔ اس کا چہرہ تپ اٹھا تھا۔

"پانی پیو گے۔" اس نے خود کو اس سنسناتے ہوئے احساس سے نکالنے کی کوشش کی تھی۔

"پلادو۔" اس نے بہت ڈھیلے ڈھالے انداز میں کہا تھا اور علیزے بمشکل خود کو سنبھالتی ہوئی گلاس میں پانی انڈیلنے لگی اور پھر اسی مشکل سے اسے پلایا بھی تھا۔

"شکر ہے کہ بخار پہلے سے کم ہو چکا ہے۔" علیزے کو اس کے جسم کی تپش میں ذرا کمی محسوس ہوئی تھی۔

"افسوس کہ کیوں کم ہوا ہے۔" ول آور نے تھک کر اپنا سر دوبارہ تکیے پہ ڈال دیا تھا اور علیزے کی رات یونہی اس کے سرہانے بیٹھے بیٹھے گزر گئی تھی۔

البتہ ول آور کی رات ہوش اور بے ہوشی کے درمیان ڈولتے ہوئے گزری تھی اور اس لیے علیزے کو رات بھر جاگنا پڑا اور اس کی تیمارداری کرنا پڑی۔ لیکن فجر کی اذان ہوتے ہی وہ اس کے پاس سے اٹھ گئی تھی اور اسے اکیلا چھوڑ دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

رات بہت اندھی بارش برسی تھی۔ اس لیے آج کی صبح بہت ٹھنڈی اور بہت تازہ محسوس ہو رہی تھی۔

لیکن اس کے باوجود بھی نجانے کیوں علیزے کو نہ ٹھنڈک محسوس ہو رہی تھی اور نہ تازگی۔ وہ ول آور کے ساتھ صرف اس کی خاطر صرف اس کی فکر میں جاگ کر بہت عجیب سی ہو گئی تھی' اس کا ذہن کسی اور سمت میں بھٹک نکلا تھا اور اس بھٹکے ہوئے ذہن کے ساتھ وہ نماز پڑھنے کے بعد اس کے لیے ناشتا بنا کر لے آئی تھی کیونکہ اسے پتا تھا کہ ول آور نے کل شام سے کچھ نہیں کھایا۔

مگر ناشتے کی ٹرے لے کر بیڈ روم میں داخل ہوتے ہی پورے بیڈ روم میں سگریٹوں کا دھواں بھرا تھا اور باہر کے ٹھنڈے اور تازہ ماحول سے اندر آتے ہی اس کا دم گھٹ گیا تھا' اس لیے ذرا سنبھلتے ہی وہ ہاتھ میں پکڑی ٹرے لے کر ٹیبل کی طرف بڑھ گئی تھی اور ٹرے ٹیبل پہ رکھنے کے بعد ول آور کے قریب آگئی' وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھا سگریٹ پھونکنے میں مشغول تھا۔

"ڈرائیور پلیز! بس کرو تم یہ سگریٹ چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟" اس نے آج دوسری بار ول آور کے ہونٹوں سے سگریٹ چھین لیا تھا اور اس کا ٹکڑا ایش ٹرے میں مسل ڈالا تھا۔

اور ول آور نے بیڈ کے قریب کھڑی علیزے کو دیکھتے ہوئے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ رکھا لائٹر اور سگریٹ کا پیکٹ دوبارہ اٹھا لیا تھا۔ جسے دیکھ کر علیزے کو مزید چبھن ہوئی تھی۔

"ہونہہ! سگریٹ اس لیے نہیں چھوڑتا۔ کیونکہ یہ میرے ساتھ ساتھ جلتا رہتا ہے' سلگتا رہتا ہے۔" اس نے کہتے ہوئے ایک اور سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبا لیا تھا اور اسے ابھی لائٹر سے شعلہ دکھا ہی رہا تھا کہ علیزے نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"پلیز! چھوڑ دو۔" علیزے کا لہجہ اور انداز ہی کچھ ایسا تھا کہ ول آور نے بے ساختہ اس کے چہرے کی سمت دیکھا تھا۔

"چھوڑ دوں۔" وہ اس سے جیسے آخری بار اجازت چاہ رہا تھا۔

"ہاں۔! چھوڑ دو۔" اس نے آہستگی سے سرہلایا تھا۔

"لو چھوڑ دیا۔" ول آور نے بڑے سکون اور بڑے اطمینان سے کہہ کر سگریٹ ہونٹوں سے نکال کر دو ٹکڑے کر کے ایش ٹرے میں ڈال دیا تھا اور پھر لائٹر اور سگریٹ کا پیکٹ اپنی ہتھیلی پہ رکھ کے اس کے سامنے کر دیا علیزے نے اس کا اشارہ سمجھتے ہوئے اس کی ہتھیلی پہ رکھا لائٹر اور سگریٹ کا پیکٹ اٹھا کر پلٹ کے ڈسٹ بن میں ڈال دیا تھا۔

"اور کچھ۔" وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔۔۔

"مانیں گے۔۔؟" علیزے نے بھی جواباً اسے سوالیہ نظروں سے ہی دیکھا تھا۔۔۔

"ہمت ہوئی تو مانوں گا۔ وعدہ نہیں کرتا۔۔۔" اس نے کافی ڈھیلے ڈھالے انداز میں کہا تھا۔۔۔

"پھر ایک بات کہوں تم سے۔۔۔؟" وہ آہستگی سے چلتی ہوئی کھڑکی میں آکھڑی ہوئی تھی اور کھڑکی کے دونوں پٹ کھول دیے تھے اور ول آور نے اپنا سر بیڈ کراؤن سے ٹکاتے ہوئے اپنے اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیے تھے کہ نجانے اب وہ کیا بات کہنے والی ہے کہ جس سے پہلے وہ اس طرح تمہید باندھ رہی ہے۔

"تم ایسا کرو۔ زری کے ہو جاؤ۔" علیزے نے بے حد آہستگی سے اور بے حد دھیمے لہجے میں اتنی بڑی بات کہہ دی تھی کہ ول آور نے یکدم کرنٹ کھا کے اس کے چہرے کو دیکھا تھا مگر وہ اس کی سمت پشت کیے کھڑی تھی اس لیے اس کی نظروں کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔۔۔

"میں جانتی ہوں تمہیں میری بات عجیب لگے گی کہ پہلے میں ہی کہتی تھی کہ مجھے اپنا لو۔۔۔ اور اب میں ہی کہہ رہی ہوں کہ زری کو اپنا لو۔۔۔ مگر یہ سچ ہے۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ مجھے تمہاری نہیں۔ صرف تمہارے نام کی ضرورت تھی۔ جو مجھے مل چکا ہے۔ جبکہ زری کو صرف تمہارے نام کی نہیں۔ بلکہ تمہاری بھی ضرورت ہے اور نہ ہی میرے دل میں کوئی اسپیشل فیلنگز ہیں تمہارے لیے۔۔۔ مگر پھر بھی۔۔۔ پھر بھی محض ایک رات صرف ایک رات تمہیں اس طرح بے ہوشی کی حالت میں دیکھ کر میرا یہ حال ہو گیا ہے کہ میں رات بھر سو نہیں سکی۔ میں کھانا نہیں کھا سکی' یہاں تک کہ اپنے آپ کو تم سے دور بھی نہیں رکھ سکی۔

اور تم۔۔۔ تم تو زری کو چاہتے بھی ہو' تمہیں اس سے محبت بھی ہے' اور تمہارے دل میں اسپیشل فیلنگز بھی ہیں اس کے لیے۔ تو پھر۔۔۔ تو پھر تم اسے بے ہوشی کی حالت میں کیسے دیکھتے ہو گے؟ کیسے برداشت کرتے ہو گے؟ کیسے اپنے آپ کو اس سے دور رکھتے ہو گے؟ میرا تم سے نفرت میں یہ حال ہو گیا ہے تو تمہارا اس سے محبت میں کیا حال ہوتا ہو گا؟ ہے نا ڈرائیور میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا۔" علیزے عجیب بے چین سے لہجے میں کہتی ہوئی اس کی سمت پلٹی تھی۔ مگر ول آور چپ کے سوا کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔

"پلیز ڈرائیور! چپ مت رہو کچھ کہو۔ میں تمہارے منہ سے تمہاری زبان سے اور تمہارے الفاظ سے کچھ سننا چاہتی ہوں اور تم جانتے ہو کہ اس وقت چپ نہیں رہنا چاہیے جب کچھ کہنا ضروری ہو؟"

علیزے نے اسے کچھ کہنے پہ اکسایا تھا۔

"میں تمہارا ہوں علیزے۔" ول آور کا لہجہ اور الفاظ انتہائی دوٹوک سے تھے البتہ آواز کافی گمبھیر ہو رہی تھی۔

"مگر میں تمہاری نہیں ہوں ڈرائیور!" اس کا جواب برجستہ تھا۔

"ہونہہ کون میرا ہے اور کون نہیں؟ یہ سوچنا چھوڑ دیا ہے۔ البتہ میں کس کا ہوں۔ اب صرف یہ سوچتا ہوں۔" ول آور کے سنجیدہ لہجے میں استہزا کی آمیزش تھی۔

"تو پھر تم بہت بڑی غلطی پر ہو۔" علیزے کا لب و لہجہ بھی استہزائیہ ہوا تھا۔

"میں جب بھی ہوتا ہوں "غلطی" پر ہی ہوتا ہوں' اور میں نے آج تک زندگی میں غلطیاں ہی کی ہیں' بہت بڑی غلطیاں کی ہیں اس لیے سمجھ لو کہ ایک غلطی اور سہی۔"

اس نے بڑی لاپروائی سے کہتے ہوئے دوبارہ اپنا سر بیڈ کراؤن سے ٹکا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔

"مگر تم کس کے ہو' اور کس کے نہیں ہو' مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" علیزے اس کی ذات کی نفی کرنے پہ تلی ہوئی تھی۔

"لیکن میں کس کا ہوں اور کس کا نہیں ہوں۔ مجھے اس سے بہت فرق پڑتا ہے۔" وہ اپنی ہی دھن میں تھا۔

"ہاں! سچ کہہ رہے ہو تم۔ فرق پڑتا ہے، تمہیں فرق پڑا ہے۔ اس لیے تو یہ حال بنائے بیٹھے ہو ورنہ یہ سگریٹ یہ دھواں یہ حلیہ کس لیے ہے آخر؟ فرق کے لیے نا کیونکہ تم کسی کے ہو تمہیں اس سے بہت فرق پڑتا ہے۔ بالکل ایسے جیسے زری کو فرق پڑا ہے۔ بس تم دونوں کے فرق میں فرق صرف اتنا ہے کہ وہ بے ہوش بستر پہ پڑی ہے اور تم ہوش و حواس میں ہو کر بھی بستر پہ پڑے ہو۔" علیزے ضبط کرتے کرتے بھی جیسے بھڑک گئی تھی اور اس کی بات پہ بے ساختہ حیران ہوتے ہوئے وہ بیڈ سے اٹھ کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

"ہوں! تو تمہارا خیال ہے کہ میں زری کا غم منا رہا ہوں؟" دل آور نے براہ راست نظریں اس کے چہرے پہ جما دی تھیں اور علیزے خود پہ ضبط کر کے اس کی نظروں کو نظر انداز کرتی ہوئی وہاں سے ہٹ گئی تھی مگر دل آور نے اپنی مضبوط گرفت سے اس کی نازک کلائی دبوچتے ہوئے اسے دوبارہ اپنے سامنے کھڑا کر دیا تھا اور اس افتاد میں علیزے یہ بھی محسوس نہ کر سکی کہ اس کے ہاتھ کی گرفت اب بھی کتنی گرم ہے۔

"جواب دو۔" اب وہ اسے جواب پہ اکسا رہا تھا۔

"میرا خیال نہیں میرا یقین ہے۔" وہ اپنے بیان پہ قائم تھی۔

"تو پھر اس بار تم خود بہت بڑی غلطی پر ہو۔ میں کسی کا بھی کوئی غم نہیں منا رہا۔" اس نے اپنے الفاظ پہ زور دے کر کہا تھا اور علیزے کے ہونٹوں پہ ایک طنزیہ سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"ہاں! یہ بات تو میں بھول ہی گئی تھی کہ تم غم نہیں مناتے۔ تم جشن مناتے ہو۔" اس نے ایک بھرپور طنز کیا تھا۔ اور دل آور نے اس کے طنز پہ لب بھینچتے ہوئے اس کی کلائی چھوڑ کر اپنے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام لیا تھا اور ایک بار پھر براہ راست اس کی گولڈن براؤن آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"آج تک تمہاری ذات پہ تو کوئی جشن نہیں منایا میں نے؟ منایا ہو تو بات کرو۔"

دل آور نے بھی جواباً طنزیہ لہجے میں خاصا چبا کر پوچھا تھا۔

"یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم نے آج تک کس کس کی ذات پہ جشن نہیں منایا؟ نہ منایا ہو تو بات کرو؟" علیزے نے اس کا جملہ بدل کے اسے ہی جواب دیا تھا اور دل آور اس کے جواب پہ جھنجلا گیا تھا۔

"علیزے پلیز! اپنی بات کرو، صرف اپنی بات۔ میں نے کسی کے ساتھ کبھی کچھ نہیں کیا۔ جو بھی کیا ہے تمہارے ساتھ کیا ہے۔ جشن مناؤں گا تو تمہاری ذات کا مناؤں گا۔ غم مناؤں گا تو تمہارا مناؤں گا کیونکہ میں نے اپنی زندگی میں کسی کو اس نظر سے دیکھا ہے تو تمہیں دیکھا ہے۔ کسی کو اس لمس سے چھوا ہے تو تمہیں چھوا ہے۔ میں تم سے چھپا ہوا نہیں ہوں جیسا بھی ہوں تمہارے سامنے ہوں۔ میں مجرم ہوں تو بھی تمہارا ہوں۔ میں مظلوم ہوں تو بھی تمہارا ہوں۔ مجھے سزا دینی ہے تو تم دو۔ مجھے بخشنا ہے تو تم بخشو۔ دوسرے کی بات کیوں کرتی ہو؟ دوسروں کی بات مت کرو۔ میں تمہارا ہوں اور صرف تمہارے سامنے جوابدہ ہوں۔"

اس نے کافی بری طرح سے جھنجلاتے ہوئے علیزے کو ٹوک دیا تھا اور علیزے نے جواباً اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

"تو تم صرف میرے سامنے جوابدہ ہو؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھتے ہوئے دل آور کے ہاتھ اپنے چہرے سے ہٹا دیے تھے۔

"ہاں! صرف تمہارے سامنے۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"تو پھر جواب دو مجھے کہ زری کے ساتھ یہ کیوں کیا تم نے؟" علیزے نے آج اسے اپنی عدالت کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا تھا اور اس کے اس سوال پہ کٹہرے میں کھڑے مجرم نے اک جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

"سنو... وہ نیلے کور والی فائل کہاں رکھی ہے؟" میں نے اپنی مطلوبہ فائل کو جان بوجھ کر فائلوں اور کاغذات میں چھپاتے ہوئے لہجے میں حد درجہ بے زاری بھر کر نیلم کو پکارا مگر وہ ہمیشہ کی طرح میری ایک ہی پکار پر دوڑی نہیں چلی آئی بلکہ مجھے دو تین بار اور اسے پکارنا پڑا۔

"یہ رہی فائل سامنے رکھی چیز بھی نظر نہیں آتی آپ کو" وہ ناراض لہجے میں کہتی فائل میرے ہاتھ میں تھما کر پھر سے کچن کی طرف چلی گئی جہاں وہ ناشتا بنانے میں مصروف تھی۔

"یار کیسے سمجھاؤں اسے۔" میں اس کی بے رخی پر سوچ کر رہ گیا۔ پچھلے ایک ہفتے سے یہی ہو رہا تھا میرے ہزار سمجھانے کے باوجود بھی وہ اپنی ضد پر قائم تھی، واپسی پر اسے منانے کا عہد کرتا اس کا یہ روٹھا روٹھا روپ دل میں بسائے میں آفس کے لیے نکل پڑا۔

ہماری شادی کو لو ارینج شادی کہا جا سکتا تھا۔ یعنی میری طرف سے لو اور اس کی طرف سے ارینج اور اب اس خوب صورت بندھن کو بندھے سات سال ہونے کو تھے ہمارے دو بچوں علی اور ندا نے ہماری دنیا کو مکمل کر دیا تھا اور بلاشبہ ہمارا گھر ہماری جنت تھا مگر یہ اچانک جاب کرنے کا بھوت نہ جانے کہاں سے نیلم کے سر پر سوار ہو گیا تھا اسے لگنے لگا تھا کہ ہم انتہائی قابل رحم زندگی گزار رہے ہیں اور اگر وہ جاب کر لے تو اس سے ہمارے حالات بدل جائیں گے معیار زندگی بلند ہو جائے گا وغیرہ وغیرہ اور آج کل صبح شام اس نے یہی ضد پکڑ رکھی تھی کہ جناب جاب کرنی ہے، میں اسے ہر طرح سے سمجھا سمجھا کر تھک چکا تھا مگر زندگی میں پہلی بار وہ اپنی ضد پر اڑ گئی تھی اور مجھ بے چارے پر ہجر کا خوفناک جن سایہ فگن ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"سچ کہوں نیلم سارے محلے میں ایک بھی تمہارے جیسی خوب صورت اور سمجھدار لڑکی نہیں ہے۔" گھر میں داخل ہوتے ہی میرے کانوں سے یہ اجنبی آواز ٹکرائی، خوب صورت تو وہ ہے ہی مگر سمجھ داری والی بات پر اب مجھے کچھ شک ہونے لگا ہے، میں نے دل ہی دل میں اپنی رائے دی، سامنے والے صوفے پر نیلم بیٹھی تھی اور ان محترمہ کی میری جانب پشت تھی جو نہ جانے کس چکر میں نیلم کو مکھن لگائے جا رہی تھیں۔

"ارے آپ رک کیوں گئے آیئے نا اندر آجائیں یہ کوئی غیر نہیں اپنی مسرت آپا ہیں۔" آخر نیلم کی نظر کرم مجھ پر پڑی اور وہ بہت دن بعد اتنی محبت سے مسکرا کر مجھ سے مخاطب ہوئی نیلم کی آواز پر میں پلٹتے پلٹتے رک گیا اور ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا مسرت آپا کا نام سن کر میں چونکا تھا پچھلے کچھ عرصے سے یہ نام ہمارے گھر میں بڑے تواتر سے لیا جا رہا تھا یہ ہمارے ساتھ والے گھر میں آنے والے نئے ہمسائے تھے چلیے آج ان محترمہ سے بھی شرف ملاقات ہو جائے جن کی آمد ہماری بیگم کے چہرے پر مسکراہٹ لے آئی تھی۔

"السلام علیکم۔" میرے سوال کرنے سے پہلے ہی ان محترمہ نے جن کا نام مسرت آپا بتایا گیا تھا ایک ادا کے ساتھ سلام داغا تو میں منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا نیلم کے برابر صوفے پر ٹک گیا۔ انتہائی بھڑکیلے لباس اور شوخ میک اپ کے ساتھ وہ محترمہ اپنی اداؤں سے کچھ زیادہ ہی برا تاثر دے رہی تھیں، مجھے حیرت اس بات پر تھی کہ اس قسم کی خاتون کے ساتھ نیلم کا تعلق بن کیسے گیا، لیکن یہ حیرت کچھ دیر میں مسرت آپا کی زبان نے دور کر دی اور کوئی خوبی ان میں ہو نہ ہو لیکن وہ لفظوں کا استعمال بڑی خوب صورتی کے ساتھ کرنا جانتی تھیں، کچھ اس انداز میں سامنے والے کی شان میں زمین آسمان کے قلابے ملاتیں کہ وہ بے چارہ کچھ کہنے کے قابل ہی نہ رہتا۔

ان کے شوہر راشد صاحب سے میں سر راہ کئی بار مل چکا تھا اور وہ مجھے انتہائی معقول انسان لگے تھے اسی لیے ان کی فیملی سے میل جول پر میں نے کوئی خاص توجہ نہ دی تھی مگر اب ان محترمہ سے ملاقات کے بعد میں اس تعلق داری کے بارے میں سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"اچھا مسرت آپا مجھے اجازت دیں میں ذرا فریش ہو لوں" کچھ دیر لن ترانیاں سننے کے بعد میں اٹھتے ہوئے بولا اور ساتھ ہی انہیں بھی یہ احساس دلانے کی کوشش کی کہ اب انہیں بھی اپنے گھر کی راہ لینی چاہیے کیونکہ اب میری بیوی کو مجھے کھانا وغیرہ دینا ہو گا۔ میرے آپا کہتے ہی انہوں نے کچھ ایسی شکل بنائی گویا کہ اچانک ان کے دانتوں تلے نیم کی گولیاں آگئی ہوں، مگر جب بولیں تو لہجہ وہی مٹھاس لیے ہوئے تھا۔

"جی ہاں کیوں نہیں میں بھی چلتی ہوں اب پھر کل تم فیصلہ کر کے مجھے بتا دینا اسکول والوں کو جلدی ضرورت ہے ٹیچرز کی" میں نے اپنے پیچھے مسرت آپا کو کہتے سنا۔

"اچھا تو میرا گھر جلانے کو ایندھن سرحد پار سے آ رہا ہے۔" میں نے پرسوچ انداز میں برابر والے گھر کی طرف دیکھا، میں فساد کی جڑ تک تو پہنچ ہی چکا تھا بس اب اس کا خاتمہ کرنا باقی تھا مگر فی الحال بھوک زوروں پر تھی اس لیے فٹافٹ فریش ہونے باتھ روم میں گھس گیا۔

"ندا کے اسکول میں فنکشن ہے اس کے لیے ڈریس بنوانا ہے۔" آفس سے آئے ابھی تھوڑا ہی ٹائم گزرا تھا اور ابھی میں نیلم کو منانے کے لیے کوئی نئی دلیل سوچ رہا تھا کہ وہ میرے پاس آکر بڑے مصروف سے انداز میں کشن کا کور ٹھیک کرتے ہوئے بولی۔

"سامنے والوں کے بیٹے کی شادی بھی اگلے ہفتے ہے وہاں جانے کے لیے بھی سب کے کپڑے وغیرہ لینے ہیں اور کچھ دینے دلانے کو بھی" مجھے خاموشی سے تکتے دیکھ کر اس نے بات آگے بڑھائی گویا مجھ پر ایک اور بجلی گرائی۔ ایک لمحے کو تو میرا میٹر گھوم گیا مہینے کے آخری دنوں میں نوکری پیشہ انسان کے لیے اتنے خرچوں کی لسٹ وہ اتنی فضول خرچ ہرگز نہ تھی محض مجھے زچ کرنے کے لیے ہتھکنڈے آزما رہی تھی۔

"میں کچھ کہہ رہی ہوں" میری مسلسل خاموشی سے تنگ آکر وہ چیختے ہوئے لہجے میں بولتی ہاتھوں میں تھاما کشن صوفے پر پٹختے ہوئے میرے سامنے والے صوفے پر جا بیٹھی۔

"تم جانتی ہو تم کیا فرمائش کر رہی ہو؟" میں نے بھی ذرا سخت لہجہ اپنایا کہ یہی وقت اور حالات کا تقاضا تھا۔

"ہاں جانتی ہوں اچھی طرح جان گئی ہوں کہ میری طرح میرے بچے بھی ترس ترس کر زندگی گزاریں گے کبھی اپنی کوئی خواہش پوری نہ کر سکیں گے۔" بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو لاتے ہوئے اس نے ناشکری کی انتہا کر دی، مگر اس میں سب سے اہم چیز تھے اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو اور اس کے ان آنسوؤں سے تو میں پہلی ملاقات سے ہارتا چلا آ رہا تھا۔

میں نے نیلم کو پہلی بار اپنے بیسٹ فرینڈ آصف کی شادی پر دیکھا تھا ادھر ادھر پھرتی وہ ایسا چاند لگ رہی تھی جو بادلوں کے رحم و کرم پر آسمان کی وسعتوں میں تیر رہا ہو، گولڈن کڑھائی والے پاجامہ فراک کے ساتھ کانوں میں گولڈن آویزے اور دونوں ہاتھوں میں ڈھیر ساری سلور اور گولڈن کانچ کی چوڑیاں پہنے وہ پورے ماحول پر چھائی ہوئی تھی، وہ یقینا" اس گھر میں ایسی حیثیت رکھتی تھی کہ ہر طرف اس کی پکار پڑ رہی تھی بعد میں معلوم ہوا وہ دلہن کی کزن اور بیسٹ فرینڈ تھی اور میری نظریں یوں اس کے چہرے سے چپکی ساتھ ساتھ تھیں گویا وہ کوئی مقناطیس تھی یا اس نے مجھے ہپنا ٹائز کر دیا تھا۔

"آہم" دولہا بنے امجد سے میری یہ چوری چھپی نہ رہ سکی۔ وہ میری طرف جھک کر شرارت سے کھنکھارا تو میں شرمندہ سا ہو کر رہ گیا، اپنے گروپ کا سب سے شرارتی لڑکا ہونے کے باوجود لڑکیوں کے معاملے میں میرا کردار انتہائی شریفانہ رہا تھا مگر آج...

"یار اس لڑکی کو ذرا غور سے دیکھو۔" میں نے امجد کے کان میں سرگوشی کی۔

"توبہ کرو یار کیسے دوست ہو تم شادی کے دن مجھے مرحوم بنانا چاہتے ہو یہ جو ساتھ محترمہ بیٹھی ہیں تمہاری بات اگر انہوں نے سن لی نا تو میرے ساتھ ساتھ تمہاری بھی خیر نہیں" امجد کچھ زیادہ ہی شوخ ہو

رہا تھا۔
"بکواس نہ کر اور میری بات دھیان سے سن' امی کب سے کہہ رہی ہیں کہ شادی کر لو تو میں سوچ رہا ہوں کہ چلو کر ہی لیتا ہوں۔"
"بلے او بلے مبارکاں' یار کیا خیال ہے ابھی ساتھ ہی تجھے بھی نہ نبٹا دوں بعد میں تیرا کیا کہ پھر مکر جائے" میری بات سن کر وہ اتاولا ہوا جا رہا تھا اور میں دل ہی دل میں اپنی بات پر خود ہی حیران بیٹھا تھا اتنی جلدی اتنا بڑا فیصلہ۔
"ہوں... تو محترمہ آپ نے ہمیں جیت لیا" میں اس چاند پر نظریں جمائے بے اختیار مسکراتا چلا گیا۔
"نیلم جو تا چھپائی اور دودھ پلائی اتنی ہی لینی ہے جتنی سوچی تھی' ایک روپے بھی کم نہیں کرنا ہم نے" ایک لڑکی نے اس چاند کو مخاطب کیا تو مجھے اس کا نام معلوم ہوا۔
"نیلم پری" میرے ذہن میں یہ لفظ گونج اٹھا بچپن میں نہ جانے کتنی کہانیوں میں نیلم پری کو ایک نیک دل پری کے روپ میں پڑھا تھا۔
"ڈونٹ وری تم بس دیکھتی جاؤ۔" نیلم پری اس لڑکی کو حوصلہ دیتے ہوئے امجد کی طرف دیکھ کر شرارتی ہنسی کے ساتھ بولی۔
"امجد بیٹا تمہاری خیر نہیں۔"
"کیا مطلب؟" میری بات پر امجد نہ سمجھنے کے انداز میں میری طرف دیکھنے لگا اس سے پہلے کہ میں اسے سمجھاتا نیلم پری اپنی ساتھیوں سمیت رسم کے لیے ہمارے سامنے براجمان ہو چکی تھی۔ میرا پورا وجود صرف آنکھ بن گیا تھا اور اس کے لیے بس ایک ہی نظارہ رہ گیا تھا۔
وہ ہنستی بحث کرتی میرے سامنے ہی تو بیٹھی تھی۔ ایک ایک کر کے ساری رسمیں ختم ہوئیں اور رخصتی کا وقت آن پہنچا اور وہ ہنستی مسکراتی لڑکی ایسا ٹوٹ کے روئی کہ دلہن بے چاری خود اسے چپ کرانے میں لگ گئی اور یہ ایک ایسا منظر تھا کہ سبھی ہنس پڑے اور وہ لڑکی جس سے میں کچھ دیر پہلے ہی واقف ہوا تھا اس کے آنسو مجھے ایسی اذیت دے رہے تھے۔ جس سے میں آج تک ناواقف تھا۔ اس چہرے پر سدا مسکراہٹ قائم رکھنے کا عزم کرتا میں وہاں سے واپس ہوا اور پھر ایک ماہ کے اندر اندر وہ چاند میرے آنگن میں اتر آیا۔
"ممانہ روئیں پلیز" علی کی آواز پر میں چونکا وہ اپنے ننھے منے ہاتھوں سے نیلم کے آنسو پونچھتا اسے چپ کرانے کی کوشش کر رہا تھا میں ماضی کے دھندلکوں میں کھو گیا تھا اور میری اس خاموشی کو لاپرواہی سمجھتے ہوئے وہ کچھ زیادہ ہی زور و شور سے آنسو بہا رہی تھی۔
"اف میرے خدا" مجھے یک دم اپنی غلطی کا احساس ہوا اور علی کو کھیلنے کے لیے باہر بھیجتے ہوئے میں نیلم کے قدموں میں جا بیٹھا اس نے فوراً رخ موڑ کر اٹھنا چاہا مگر میں نے اس کے ہاتھ تھام کر اسے وہیں بیٹھا رہنے پر مجبور کر دیا۔
"تم جانتی ہو ظالم پری نیں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا پھر کیوں ان آنکھوں اور میرے دل پر ظلم کرتی ہو؟" بائیں ہاتھ سے اس کے ہاتھوں کو پکڑ کر رکھتے ہوئے دائیں ہاتھ سے اس کے آنسو صاف کرتا میں بے بسی سے بولا۔ اس کے آنسو حقیقتاً مجھے بے پناہ اذیت سے دوچار کر دیتے تھے اور میرے دل کی مکین وہ ظالم پری میرے دل کی حالت سے باخوبی واقف ہوتے ہوئے جان گئی تھی کہ اب جیت زیادہ دور نہیں اس خیال سے اس کی آنکھوں کی بڑھتی ہوئی چمک میری نظروں سے پوشیدہ نہیں تھی۔
"اوکے ٹھیک ہے جو تمہارا دل کرتا ہے کرو میں اب تمہیں نہیں روکوں گا" آخر میں نے ہار مان لی مجھے لگتا تھا کہ اس لڑکی کے آگے میں کبھی جیت ہی نہ سکتا تھا یا شاید یوں تھا کہ اس سے ہار جانے میں ہی میری جیت پوشیدہ تھی۔
"سچ آپ کو کوئی اعتراض نہیں" میرے الفاظ نے اس پر جادو کا سا اثر کیا تھا اور وہ سب رونا دھونا بھول کر میرے دونوں ہاتھوں کو سختی سے بھینچتے ہوئے جگمگاتی آنکھوں کے ساتھ پر مسرت لہجے میں پوچھ رہی تھی۔
"بالکل سچ" اس کے اس انداز پر میں بے ساختہ

مسکرا دیا۔

"اف آپ کتنے اچھے ہیں کتنے گریٹ ہیں میں کتنی خوش قسمت ہوں کہ مجھے آپ جیسا پیار کرنے والا شوہر ملا ہے۔" تھوڑی دیر پہلے خود کو دنیا کی سب سے مظلوم اور بے بس سمجھنے والی اپنے کہے سے مکر رہی تھی۔ اس کے اس طرح بیان بدلنے پر میں قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تو وہ بات سمجھتے ہوئے ایک لمحہ شرمندہ ہوئی مگر دوسرے ہی لمحے میرے ہاتھوں پر اپنے ہونٹوں کا لمس چھوڑتے ہوئے بیڈ روم کی طرف چلی گئی جہاں ابھی دوستوں کو فون پر خوشخبری سنانے کے علاوہ صلاح مشورے کرنے تھے۔ یعنی آج کھانا لیٹ ہی ملے گا کلاک کی طرف دیکھتا ہوا میں ریموٹ کنٹرول سے ٹی وی آن کرتا ریلیکس ہو کر بیٹھ گیا۔ دل سے اس کی ناراضی کا بوجھ ہٹ گیا تو ذہن بھی ہلکا پھلکا ہو گیا مگر اب ایک نئی پریشانی سامنے کھڑی منہ چڑانے لگی تھی کہ یہ بے وقوف لڑکی کسی نئے پھڈے میں ٹانگ نہ اڑا بیٹھے "خیر جو ہو گا دیکھا جائے گا" توجہ ٹی وی کی طرف کرتے ہوئے میں نے اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا۔

☼ ☼ ☼

"آج کیا ہوا؟" آفس سے واپسی پر نیلم کی رونی صورت دیکھ کر میں صبر و تحمل کے ساتھ نئی کہانی سننے کے لیے تیار ہو گیا۔

"جہاں ہم آج گئے تھے نا وہاں کا پرنسپل تو بڑا ہی خبیث تھا دیکھتا ایسے تھا جیسے کھا ہی تو جائے گا پیکیج اچھا تھا مگر ایسی جگہ کام کرنے کا فائدہ جہاں کا سربراہ ہی ـــ" نیلم میرے پوچھتے ہی تفصیل سے اپنی آج کی ناکامی کی داستان سنانے لگی۔ اس لمحے مجھے پرنسپل سے زیادہ نیلم پر غصہ آیا اسے اس قسم کے تجربات سے بچانے کے لیے ہی تو میں منع کر رہا تھا مگر اس کی عقل میں میری بات آئی ہی نہیں پچھلے پندرہ دن سے وہ جاب کی تلاش میں تھی سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ ہوا تھا کہ اسکول جاب بہتر رہے گی مگر ابھی تک وہ کوئی جاب تلاش نہ کر سکی تھی ہر جگہ کوئی نہ کوئی مسئلہ نکل آتا تھا کوئی اسکول دور کہیں کا پیکیج بکواس اور آج پرنسپل ہی ـــ ہر روز میں یہ امید باندھتا کہ شاید آج اسے عقل آجائے مگر اگلے ہی دن وہ اسی جوش و خروش کے ساتھ مجھے ایک اور اسکول کا بتا رہی ہوتی تھی۔ میں نے اس سلسلے میں اس کی کوئی بھی مدد کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اس بات کو اس نے اپنے لیے چیلنج بنا لیا تھا۔ اب میں بس انتظار کر رہا تھا کہ دیکھو آخر اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔

"یہ ڈنر سیٹ دیکھیے کیسا ہے؟" نیلم آج گھر کے لیے شاپنگ کر کے آئی تھی اور جب تک وہ ایک ایک چیز مجھے دکھا کر داد نہ لے لیتی اسے چین کہاں آنا تھا یہ اس کی ہمیشہ کی عادت تھی اور میں بھی پوری توجہ سے اس کی لائی شاپنگ دیکھتا اور اپنی رائے دیتا تھا مگر آج ڈنر سیٹ دیکھ کر مجھے کچھ عجیب سا لگا۔

"یہ تمہاری پسند کا ہے؟" میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"نہیں مسرت آپا کی پسند کا سچی ساحر شاپنگ کرنے کا سلیقہ تو بس مسرت آپا کو ہے ہم لوگ تو یونہی لٹ کر آجاتے ہیں دکانداروں کے ہاتھوں اب یہی دیکھیں یہ ڈنر سیٹ دس ہزار کا بتا رہا تھا مسرت آپا نے سات ہزار کروائے" نیلم اپنا کارنامہ سنا رہی تھی اور میں ڈنر سیٹ ہاتھ میں لے کر دیکھ رہا تھا نہ صرف اس کا ڈیزائن بالکل فضول تھا بلکہ اس کی کوالٹی بھی اچھی نہ تھی اس کی قیمت زیادہ سے زیادہ چار ہزار ہو گی دراصل دکاندار کو بھی مسرت آپا جیسے گاہکوں کے ساتھ ڈیل کرنا آتا ہے۔

"یہ مسرت آپا ہمارے گھر میں کچھ زیادہ ہی دخل اندازی نہیں کرنے لگی ہیں؟" بمشکل غصہ ضبط کرتا میں بے زاری سے بولا۔

"آپ مسرت آپا کے بارے میں ایسا کہہ رہے ہیں" نیلم نے مجھے ایسے دیکھا جیسا خدانخواستہ میں نے کفر بک دیا ہو۔

"وہ تو اتنی اچھی ہیں، میرا اتنا خیال رکھتی ہیں میرے گھر کے کتنے ہی کاموں میں مدد کروا دیتی ہیں۔"

"اور بدلے میں تمہارا میک اپ جیولری، کپڑے حتیٰ کہ گھر کے برتن تک ان کے استعمال میں رہتے ہیں اس کے بارے میں کیا کہو گی؟" میں نے اسے حقیقت کا آئینہ دکھانا چاہا۔

"ساحر آپ اتنے تنگ دل کب سے ہو گئے کہ استعمال کی چیزوں کا بھی حساب رکھیں؟" اس نے مجھے کچھ ایسی نظروں سے دیکھا کہ میں شرم سے پانی پانی ہو گیا۔

"جو تمہارے جی میں آئے کرو" میں جھنجلاتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔

"کمال ہے ساحر میرا نام ہے اور میری بیگم صاحبہ ہمسائی کے سحر میں گرفتار ہے۔" یہ بات بھی مسرت آپا کے لیے میرے دل میں بغض و کینہ کو جنم دے رہی تھی "کچھ تو کرنا پڑے گا" اس روز رات گئے تک میرا ذہن اس قسم کی سوچوں میں الجھا رہا اور آخر ایک حل سوچ کر میں مطمئن ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

میں بری طرح فائلوں میں مگن تھا تبھی میرا موبائل گنگنایا اسکرین پر نیلم کا نمبر جگمگا رہا تھا۔

"ساحر ـــ ساحر مجھے جاب مل گئی ہے" میرے ہیلو بولتے ہی وہ اتنے جوش سے بولی گویا اسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو زندگی میں پہلی بار ایسا ہو رہا تھا کہ اس کی خوشی سے کھنکتی آواز سن کر میرا دل بجھتا چلا گیا ابھی تک مجھے امید تھی کہ اسے اس کی پسند کی جاب نہ ملے گی اور وہ یہ ضد چھوڑ دے گی۔

"بہت مبارک ہو۔" میں نے بے دلی سے کہا۔

"پیکیج بھی بہت اچھا ہے اسکول بھی زیادہ دور نہیں اور وہاں کی پرنسپل بھی بڑی اچھی خاتون ہیں۔" وہ اس دن والی بات یاد کر کے ہنسی مگر میں مسکرا تک نہ سکا اس کے سارے مسئلے ختم ہو گئے تھے اور میرے اب شروع ہو گئے تھے دو چار اور فقروں کے تبادلے کے بعد میں نے موبائل آف کر دیا مگر میرا ذہن بری طرح منتشر ہو چکا تھا۔

"یہ کیا ابھی تک یونیفارم میں گھوم رہے ہو؟" میں آج دفتر سے ذرا جلدی آ گیا تھا اور ریسان علی اور ندا ہاتھ میں سیب پکڑے صحن میں گھومتے پھر رہے تھے۔

"نیلم کہاں ہے؟" کچن میں نیلم کی جگہ مسرت آپا کو اپنے بچوں سمیت براجمان دیکھ کر میرا موڈ آف ہو گیا، مجھے اچانک سامنے دیکھ کر وہ ذرا سا گھبرائیں مگر پھر سنبھل گئیں۔

"وہ بس آنے ہی والی ہے" ٹیبل پر رکھے پھلوں کی ٹوکری کو فریج میں رکھتے ہوئے جلدی سے بولیں۔

"کیا مطلب ہے آپ کا نیلم ابھی تک اسکول سے نہیں آئی؟" اس سے پہلے کہ مسرت آپا میری بات کا جواب دیتیں باہر کے کھلے دروازے سے نیلم اندر آئی تھکن اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

"اسکول کا فنکشن ہے نا اور آج ساری تیاریاں مکمل کرنا تھیں اس لیے دیر ہو گئی" مجھے دیکھتے ہی وہ وضاحتی انداز میں کہتی صحن میں پڑی چارپائی پر ڈھیر ہو گئی۔

"یہ لو چائے کس قدر تھک گئی ہو" اتنی دیر میں مسرت آپا سب کے لیے چائے بنا لائیں اور جب انہوں نے چائے کا کپ نیلم کے ہاتھ میں دیا تو وہ تشکر سے انہیں دیکھنے لگی۔

"میں ابھی روٹی ڈال دیتی ہوں سالن تو رات کا رکھا ہی ہے" چائے پی کر فریش ہوتے ہی نیلم اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے وہ سالن تو ـــ ختم ہو گیا تمہیں دیر ہو گئی تو میں نے روٹی بنا کر بچوں کو کھلا دی (بچوں میں یقیناً" ہمارے دو بچوں کے ساتھ ان کے چار بچے بھی شامل تھے) اور اتنے میں تمہارے بھائی آ گئے تو ان کو بھی کھانا بھجوا دیا اب اپنے گھر جا کر کھانا بنا کر ان کو دینے کو میرا دل نہ مانا کہ بچے اور گھر اکیلا چھوڑ کے جاتی، اچھا اب میں چلتی ہوں جا کے اپنا گھر بھی دیکھوں کب سے یہیں ہوں۔" چہرے پر ڈھیروں تھکن سجائے کچھ جتاتے ہوئے لہجے میں انہوں نے اس انداز میں کہا کہ نیلم جو کچھ دیر پہلے تھوڑی ناگواری محسوس کر رہی تھی

اب یقیناً" اپنی سوچ پر شرمندہ ہو گئی۔ وہاں ایک نیا ڈرامہ شروع ہو چکا تھا جس سے اکتا کر میں بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم ساحر صاحب میں آپ کا پڑوسی راشد بات کر رہا ہوں" راشد صاحب (مسرت آپا کے شوہر) کے فون پر میں بہت زیادہ حیران تھا۔

"وعلیکم السلام ' کیسے ہیں راشد صاحب؟ سب خیریت تو ہے نا؟" اس طرح آفس ٹائمنگ میں ان کی کال آنے پر میرا پریشان ہونا فطری تھا۔

"جی جی بالکل خیریت ہے دراصل مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنا ہے" ان کے لہجے کی ہچکچاہٹ نے مجھے اور زیادہ متجسس کر دیا۔

"جی فرمائیے کیا بات ہے؟"

"بات دراصل یہ ہے ساحر صاحب کہ آپ کے گھر کی وجہ سے میرا گھر بری طرح ڈسٹرب ہو رہا ہے آپ اپنی بیگم کو سمجھائیں کہ وہ اپنا گھر خود سنبھالیں تاکہ میری بیوی اپنے گھر کی طرف توجہ دے سکے ' گھر ڈسٹرب نہ ہو یہی سوچ کر تو میں نے اپنی بیوی کو جاب کی اجازت نہیں دی تھی اور اب ..." ان کی ادھوری بات بھی بہت مکمل تھی۔

"راشد صاحب میں خود آپ سے اس موضوع پر بات کرنے والا تھا آپ براہ کرم اپنی وائف کو اپنے گھر تک محدود رکھیں ان کی وجہ سے میرا گھر ڈسٹرب ہو رہا ہے۔ رہی گھر سنبھالنے کی بات تو اتنے سالوں سے نیلم گھر سنبھال ہی رہی تھی اور بہت ہی اچھا ' ساری گڑبڑ آپ کی وائف کی وجہ سے شروع ہوئی ہے۔" اپنے غصے کو بمشکل کنٹرول کرتے ہوئے میں بھی کہتا چلا گیا میرے لہجے کی تپش ان تک پہنچ ہی گئی تھی تبھی وہ لمحہ بھر کو بالکل خاموش ہو گئے۔

"آپ کو میری بات بری لگی ' شاید میں ٹھیک طرح اپنی بات کہہ نہیں پایا" ان کا ڈھنگ لہجہ اب کچھ کھسیایا ہوا سا تھا۔

"آپ نہ کہتے تو میں کہتا کیونکہ آپ کی طرح میں بھی بہت تنگ ہوں ' میں اپنی حد تک کنٹرول کر لوں گا آپ بھی کوشش کریں ' میرے لائق اور کوئی خدمت؟" میں نے بات ختم کرنے کو کہا۔

"جی نہیں بہت شکریہ" فون بند کرنے کے بعد بھی میں بہت دیر تک اپنا غصہ کنٹرول کرنے میں لگا رہا۔

☼ ☼ ☼

"ارے امی آپ ... اتنی صبح اور اچانک" ابھی ہم ناشتے کی میز پر ہی تھے کہ نیلم کی امی کی آمد ہوئی۔

"صبح تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نیلم دن کے گیارہ بج رہے ہیں اتنی لیٹ ناشتا اور یہ گھر کی حالت ... تم ٹھیک تو ہو نا؟" گھر واقعی کچھ بکھرا ہوا سا تھا امی کا انداز خاصا جارحانہ تھا میرے دل کو سکون سا ہوا نیلم کی بوکھلاہٹیں دیکھ کر میں بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپاتا کھانے کی پلیٹ پر جھک گیا۔

"امی وہ کام والی ایک ہفتے سے نہیں آ رہی اور میں سارا دن اسکول میں ہوتی ہوں تو ..." اس نے بکھرے گھر کی وضاحت کی لیکن امی جان کی تیوری کے بلوں میں اضافہ ہو گیا۔

"آج چھٹی کا دن بھی تو ہے نا" نیلم میرے اور بچوں کے سامنے اس عزت افزائی پر بچوں کی طرح بسورنے لگی۔ عام طور پر ایسے کسی بھی موقع پر میں نیلم کو سپورٹ کرتا تھا مگر آج میرا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا کیونکہ اس کے لیے یہ خوراک ازحد ضروری ہو چکی تھی۔

"آپ بیٹھیں نا پلیز ناشتا کریں۔" نیلم نے امی کو کاندھوں سے تھام کر بڑے پیار سے چیئر پر بٹھاتے ہوئے موضوع بدلا مگر دوسرے ہی لمحے جب امی نے ایک نظر ناشتے کی ٹیبل پر اور دوسری نیلم پر ڈالی تو وہ پھر سے شرمندہ نظر آنے لگی۔

"یہ ناشتا ہے؟" انہوں نے توس اور جام کی بوتل پر ایک نظر ڈالتے ہوئے نیلم سے پوچھا۔

"کیا یہی ناشتا کروا کروا کے ہم نے تمہیں اتنا بڑا کیا تھا؟ میاں تو تمہیں درویش مل گیا ہے مگر بی بی اپنے بچوں کا ہی کچھ خیال کر لو کتنے دن ہو گئے بچوں کو ٹھیک سے دیکھے ہوئے؟" واقعی بچے کمزور لگ رہے تھے۔

"ٹیبل صاف کرو اور کوئی ڈھنگ کا ناشتا بنا کر لاؤ سب کے لیے آج تو ویسے بھی چھٹی کا دن ہے کوئی اسپیشل ناشتا ہونا چاہیے تھا مگر خیر فی الحال تم آلو کے پراٹھے بنا لو بس" ان کے اس نئے آرڈر پر نیلم نے مدد طلب نظروں سے میری طرف دیکھا مگر میں نے بے بسی کے اظہار کے طور پر کاندھے اچکا دیے تو وہ خاموشی سے کچن کی طرف چل دی۔ میں نے ایک تشکر بھری نظر امی پر ڈالی تو وہ شفقت سے مسکرا دیں۔

ناشتے کے بعد میں نے ٹی وی لگا لیا آج بڑا زبردست میچ آنے والا تھا دونوں بچے نانو کے ساتھ مصروف ہو گئے اور نیلم مظلومیت کی تصویر بنی امی کے آرڈر کے مطابق اچھا سا لنچ تیار کرنے میں لگ گئی۔

"نیلم کہاں ہو تم؟" چھٹی کے دن بھی مسرت آپا مسکراتے ہوئے تشریف لے آئی تھیں۔

"اف کیا حالت ہو رہی ہے تمہاری ' چہرہ دیکھو پیلا پڑ رہا ہے ارے آخر تمہیں ضرورت کیا ہے یہ سب کرنے کی میں تو کہتی ہوں کھانا پکانے کے لیے بھی کوئی عورت رکھ لو تمہاری جیسی خوب صورت لڑکی یہ سب کر کے اپنا حسن برباد کرتی ہے تو سچ کہوں میرا تو بڑا ہی دل دکھتا ہے" وہ آتے ہی شروع ہو چکی تھیں۔

"بھروسے کی عورت ملتی کہاں ہے مسرت آپا اور پھر وہ پیسے بھی تو بہت مانگتی ہیں ' ہر کوئی کہاں افورڈ کر سکتا ہے" نیلم بھی اپنے آپ کو انتہائی مظلوم سمجھ رہی تھی یہ بات اس کا لہجہ بتا رہا تھا۔

"یہی تو میں سوچتی ہوں تمہارے ماں باپ نے شادی کرتے وقت اس بات کا خیال نہیں کیا تمہاری جیسی خوب صورت لڑکی کو ایک سے ایک امیر لڑکا مل سکتا تھا۔" اس کی اس بات نے اور اس پر نیلم کی خاموشی نے مجھے آگ ہی تو لگا دی محترمہ کچھ زیادہ ہی حد سے گزر رہی تھیں۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام" اس سے پہلے کہ میں مداخلت کر بیٹھتا مسرت آپا کی نظر امی پر پڑ گئی یقیناً" وہ بھی اس کی ساری باتیں سن چکی تھیں تبھی ان کی آنکھوں سے شعلے لپک رہے تھے اور چہرے سے حد درجہ سختی جھلک رہی تھی۔

"یہ شاید تمہاری ..."

"یہ میری امی ہیں اور امی یہ مسرت آپا ہیں ساتھ والے گھر میں رہتی ہیں۔" نیلم کے تعارف کروانے پر امی نے سر سے پیر تک مسرت آپا کو گہری نظر سے دیکھا۔

"اچھا نیلم میں اب چلتی ہوں پھر آؤں گی" مسرت آپا ان نظروں سے بوکھلا گئی تھیں شاید تبھی اتنی جلدی واپسی کا ارادہ باندھ لیا۔ "اتنی جلدی کیا ہے بیٹھو نا بہت ذکر سنا ہے تمہارا آج کچھ باتیں ہی ہو جائیں" امی کے انتہائی اصرار سے کہنے پر وہ برآمدے میں رکھے صوفے پر ٹک گئیں۔

"لگتا ہے تم نے کہیں شادی وغیرہ میں جانا ہے" مسرت آپا کی ڈریسنگ اور میک اپ وغیرہ کو دیکھتے ہوئے امی نے پہلا فائر داغا۔

"ارے نہیں تو میں تو بس نیلم سے ملنے آئی تھی"

"ہوں نوکری کہاں کرتی ہو تم؟"

"جی کہیں بھی نہیں ' میرے میاں عورت کے نوکری کرنے کو پسند نہیں کرتے ' کہتے ہیں گھر ڈسٹرب ہو جاتا ہے۔" مسرت آپا کی بات پر امی نے ایک طنزیہ نظر ساتھ کھڑی نیلم پر ڈالی وہ نظریں چرا گئی۔

"کام تو نوکرانیاں ہی کرتی ہوں گی تمہارے گھر میں کتنی نوکرانیاں رکھی ہوئی ہیں تم نے؟"

"جی وہ بس ایک ماسی ہے صفائی اور کپڑے دھو جاتی ہے۔"

"اور کھانا کون پکاتا ہے؟"

"میں خود پکاتی ہوں بچے اور ان کے ابو کسی اور کے ہاتھ کا کھانا پسند نہیں کرتے۔"

"یعنی اپنے گھر کو تم خود ہی اکیلی دیکھتی ہو؟"

"میری دو نندیں ہیں اور ساس بھی ماشاءاللہ اچھی صحت والی ہے۔ کافی تو وہی سنبھال لیتے ہیں۔" وہ روانی میں اصل بات بول گئی مگر پھر فوراً احساس بھی ہو گیا۔

"میں اب چلتی ہوں۔"

"ہاں بالکل ضرور جاؤ ویسے بھی خاص طور پر چھٹی کے دن عورتوں کو گھر پر ہی رہنا چاہیے" مسرت آپا کے جانے کے بعد نیلم دوبارہ کچن میں چلی گئی۔ دوپہر کو کھانے کی ٹیبل پر بھی وہ خاموش خاموش سی تھی کسی سوچ میں گم کھانا بھی اس نے برائے نام ہی کھایا تھا۔

"سوری امی" میں نیلم کا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے سب کو آئس کریم کے لیے بلانے آیا تھا کہ نیلم کی آواز سن کر دروازے پر ہی رک گیا۔

"بیٹا معذرت تو تمہیں اپنے شوہر اور بچوں سے کرنی چاہیے جو اس قسم کی الٹی پلٹی زندگی گزار رہے ہیں گھر دیکھو ایسا لگتا ہے جیسے کوئی عورت یہاں رہتی ہی نہ ہو' بچے الگ عجیب حلیوں میں گھوم رہے ہیں۔ ان کی پڑھائی کا خیال بھی تو تم ہی رکھتی تھیں نا اب اتنے دن سے تمہیں خبر ہے کہ ان کا کیا حال ہے؟ کیسے خبر ہو گی تمہارے پاس ٹائم ہی کہاں ہے' کپڑوں کی الماری میں کپڑے میدان جنگ کا منظر پیش کر رہے ہیں ساحر کی زندگی الگ ڈسٹرب اور پھر تم اپنی طرف تو دیکھو کیا حالت ہو گئی ہے بیٹا تمہاری' بیمار لگنے لگی ہو۔"

"میں نے تو بس اپنے گھر اور بچوں کے لیے کچھ کرنے کی کوشش کی تھی ساحر کی ذمہ داریوں میں اس کا ہاتھ بٹانا چاہتی تھی۔"

"دیکھو میری جان تمہاری سوچ غلط نہیں تھی۔ جاب کرنے میں کوئی برائی نہیں ہے لیکن اگر اس کی ضرورت ہو تب کرنی چاہیے۔ ساحر ماشاءاللہ اچھا کماتا ہے تمہیں اور بچوں کو کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی اس نے کبھی اور اگر پھر بھی تم کچھ کرنا چاہتی تھیں تو بیٹا پہلے تو یہی دیکھنا چاہیے تھا نہ کہ جس گھر اور گھر والوں کے لیے تم کچھ کرنا چاہ رہی ہو کہیں وہی تو ڈسٹرب نہیں ہو رہے۔ اچھا چھوڑو ان باتوں کو تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا یہ اچھی بات ہے۔" نیلم کا بھیگا لہجہ میرے ساتھ ساتھ امی کے دل کو بھی تڑپا گیا تھا تبھی وہ بہت نرم لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ ایسی ہی کچھ اور باتوں کے بعد انہوں نے نیلم کو مجھے منانے بھیجا اور میں جو اب بالکل بھی خفا نہیں تھا دوڑ کر کمرے میں گیا اور سائیڈ ٹیبل پر رکھی بھاری بھرکم کتاب اٹھا کر چہرے پر سنجیدگی سجائے بیڈ پر ایسے بیٹھ گیا جیسے کتاب کے علاوہ کسی چیز میں مجھے کوئی دلچسپی نہ ہو۔ وہ ادھر ادھر چیزیں رکھتی اٹھاتی میرے چہرے کا جائزہ لیتی رہی لیکن میں نے اس کی طرف دیکھا ہی نہیں بلکہ کتاب چہرے کے عین سامنے کر لی (مسکراہٹ چھپانے کے لیے)

"مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے" آخر اس نے مجھے مخاطب کیا۔

"ہوں بولو" میں نے کتاب سے نظریں بلکہ کتاب کو چہرے کے سامنے سے ہٹائے بغیر کہا۔ جب اگلے کئی لمحوں میں اس کی آواز نہیں آئی تو تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر مجھے اس کی طرف دیکھنا پڑا اور وہ حسب توقع اپنے پسندیدہ مشغلے یعنی رونے میں مصروف تھی۔

"ارے رے یہ کیا کر رہی ہو تم" میں ہمیشہ کی طرح اس کے آنسوؤں سے بوکھلا گیا۔

"میں اتنی بری ہوں کہ آپ مجھ سے بات بھی نہیں کرنا چاہتے۔"

"ارے نہیں یار تم تو بہت بہت اچھی ہو دل کرتا ہے دن رات تمہیں سامنے بٹھا کے تمہیں دیکھتا اور تم سے باتیں کرتا رہوں۔"

"سچ؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"بالکل سچ میری نیلم پری" میرے کہنے پر وہ کھل کر مسکرا دی۔

"آپ مجھ سے خفا نہیں ہیں نا؟" اس نے پھر تصدیق چاہی۔

"یار میں تم سے خفا ہو ہی نہیں سکتا تمہارے یہ جو آنسو ہیں نا میری ساری خفگی بہا لے جاتے ہیں" میرے مظلومیت سے کہنے پر وہ کھلکھلا کر ہنس دی

اور میرے جیون میں ہر طرف پھول ہی پھول مہک اٹھے۔

"تو کیا میں گھر میں اکیڈمی بنا سکتی ہوں پلیز؟ اس میں تو زیادہ ٹائم بھی نہیں لگے گا صرف شام کے دو گھنٹے میں مینج کر لوں گی اجازت دے دیں نا آخر میری پڑھائی بھی تو کسی کام آئے" میری مسکراہٹ دیکھتے ہی وہ پھر پٹری سے اتر گئی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟" میری نظروں کے مسلسل ارتکاز پر اس کا چہرہ گلابی ہو گیا۔

"دیکھ رہا ہوں تم میں ایسا کیا ہے جو میرے جیسا بندہ بھی بے بس ہو کر رہ جاتا ہے تمہارے سامنے۔"

"اچھا جی تو کیا پتا چلا؟" وہ شوخ ہوئی۔

"تمہیں سوچتے ہوئے ہوش و حواس قابو میں رہیں تو کچھ اور سوچوں نا" میرے بے بسی سے کہنے پر وہ پھر سے ہنس دی۔

"آئی ایم سوری ساحر میں نے آپ کو بہت تنگ کیا مجھے اب احساس ہو رہا ہے کہ مسرت آپا کی باتوں میں آ کر میں نے کتنی غلطی کی۔" اس نے سر جھکا کر معصومیت سے کہا تو مجھے اس پر اور بھی پیار آنے لگا میں نے بے ساختہ اس کے قریب ہو کر اس کے ہاتھوں کو تھام لیا۔

"جان ساحر تم یہ بات کیوں بھول گئی تھیں کہ تم فارغ بے کار زندگی نہیں گزار رہی تھیں اور میری ذمہ داریاں تو تم بہت ہی اچھے سے بانٹ رہی تھیں' میرا گھر میرے بچے اور بچوں کے بابا کو سنبھال کر" میرے شرارتی ہونے پر وہ شرما کر پیچھے ہٹنے لگی لیکن میں نے اسے شانوں سے تھام لیا۔

"اتنا ستایا ہے تم نے تھوڑا سی سزا بھی دینے دو" میں رومانٹک ہونے لگا تبھی دروازہ پر زوردار دستک ہونے لگی۔

"بابا ہمیں آئس کریم کھانی ہے چلیں بھی پھر رات ہو جائے گی" باہر میرے دونوں بچے کباب میں بڑی سی ہڈی بنے مجھے پکار رہے تھے۔ میں نے ایک نظر دروازے پر اور دوسری نیلم پر ڈالی وہ سچویشن سے لطف اٹھاتی بڑی دلفریبی سے مسکرا رہی تھی۔

"اچھا ظالم پری کب تک خیر مناؤ گی پھر سہی۔" وہ ہنس دی اور میں دروازہ کھولنے لگا ورنہ میرے ان دونوں شیطانوں کا ارادہ تو دروازہ توڑنے کا لگ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہم سب تیار ہو کر آئس کریم کھانے کے لیے گھر سے نکل رہے تھے ماں نے جانے سے انکار کر دیا تھا کہ انہوں نے نماز کے بعد کچھ وظائف بھی کرنا ہوتے تھے۔ باہر جانے سے پہلے میں مڑا اور امی کے ہاتھ تھام کر عقیدت سے انہیں چوم لیا۔

"تھینک یو امی تھینک یو سو مچ" آج مجھے احساس ہوا کہ میری ایک ماں اللہ میاں کے پاس چلی گئی ہے مگر دوسری ماں میرے پاس ہے" میری آنکھیں نم ہوئیں انہوں نے آگے بڑھ کر میرا ماتھا چوم لیا۔

اگلی صبح نیلم کی پیار بھری پکار پر میری آنکھ کھلی تو زندگی ایک دم بہت خوب صورت لگی کپڑے باتھ روم میں تیار ملے' میچنگ ٹائی بھی نہ ڈھونڈنا پڑی' ناشتے کی ٹیبل پر اپنی پسند کا ناشتا دیکھ کر بے اختیار میرا دل چاہا کہ نعرہ لگاؤں "ساسو ماں زندہ باد" مگر بچوں کی موجودگی کی وجہ سے ضبط کر گیا لیکن میرے انگ انگ سے جھلکتی سرشاری اور نیلم کا پیچھا کرتی نظریں نیلم کے چہرے پر بار بار مسکراہٹ بکھیر رہی تھیں۔ آفس جاتے ہوئے میرے ساتھ امی بھی تھیں انہیں ان کے گھر کے گیٹ پر اتار کر دفتر کی طرف جاتے ہوئے میں سوچ رہا تھا بزرگ کتنی بڑی نعمت ہوتے ہیں جن باتوں کو ہم اپنی بے وقوفیوں سے اور بڑھا دیتے ہیں یا ناقابل علاج سمجھ لیتے ہیں انہیں وہ کتنی آسانی سے سنبھال لیتے ہیں۔ راستے میں پارک میں ایک بزرگ اپنے پوتے یا نواسے کو انگلی پکڑ کر چلنا سکھا رہے تھے۔ میں بے ساختہ مسکرا دیا' بچوں کو بڑوں کی ضرورت تب بھی رہتی ہے جب وہ بچوں والے ہو جاتے ہیں۔ یہ تو تھی میری کہانی اب آپ سوچیے کہیں آپ میں سے کوئی مسرت آپا جیسی کسی مہربان کے ہاتھوں بے وقوف بن کر زندگی کو مشکل بنانے میں مصروف تو نہیں؟؟؟

☆ ☆

بشریٰ سیال

فصلِ امید

مکمل ناول

"ایکسکیوزمی!" وہ اس بھاری مردانہ آواز پر مڑی تھی۔ مقابل جو کوئی بھی تھا' بھرپور مردانہ وجاہت کا مالک تھا۔ اس کی گندمی رنگت اور دراز قامت اسے کافی نمایاں بنا رہی تھی۔
"کیا آپ مجھے گائیڈ کر سکتی ہیں کہ اکنامکس ڈپارٹمنٹ کس طرف ہے؟" اس نے لڑکی سے پوچھا جو اس کا نظروں ہی نظروں میں پوسٹ مارٹم کر رہی تھی۔
"یس شیور۔" فائل دائیں ہاتھ سے بائیں میں منتقل کرتے ہوئے' بالوں میں پھنسایا ہوا سیاہ چشمہ اتار کر آنکھوں پر لگا لیا۔ اسے ساتھ لے کر کاریڈور سے گزر کر وہ باہر روش پر آ گئی۔ وہ بھی خاموشی سے اس کے ساتھ چل دیا۔
"آپ ادھر سے سیدھے چلتے جائیے گا۔ وہ ادھر جو گراؤنڈ نظر آ رہا ہے بس وہاں سے رائیٹ ہینڈ سائیڈ ٹرن لے لیجیے گا سامنے ہی اکنامکس ڈپارٹمنٹ ہے۔" اس نے تفصیل سے بتا دیا۔
"اوکے تھینکس۔" وہ شائستگی سے بولا تھا۔
"ویلکم۔" کہہ کر وہ مڑ گئی تھی۔ سامنے سے آتی سارا اسے دیکھ کر چلائی۔
"تھینک گاڈ' اتنی دیر سے ڈھونڈ رہی ہوں تمہیں' کہاں چلی گئی تھیں؟ میں فاخرہ سے سر کاظمی کی اسائنمنٹ کے کچھ امپورٹنٹ پوائنٹس ڈسکس کر رہی تھی' اس سے بات کر کے مڑی ہوں تو تم غائب۔"
"کچھ نہیں' بس وہ ادھر کوئی لڑکا مجھ سے اکنامکس ڈپارٹمنٹ کا پوچھ رہا تھا اسے بتا رہی تھی۔ تم بتاؤ اسائنمنٹ کمپلیٹ ہے تمہارا؟" اب وہ اس کے ساتھ چل رہی تھی۔
"ہاں اور آئی تھنک ہم اس کی فوٹو کاپی کروا لیں۔ منڈے کو سر اس کا ٹیسٹ لے رہے ہیں۔ مجھے نہیں لگتا ٹیسٹ سے پہلے سر ہمیں اسائنمنٹ واپس کریں گے۔" وہ فکرمندی سے بولی۔
"چلو کروا لیتے ہیں کاپی۔" دونوں ساتھ چلتی ہوئی یونیورسٹی کے فوٹو اسٹیٹ تک آ گئیں۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم!" لاؤنج میں قدم رکھتے ہی رابیل ممی ڈیڈی کو دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔
"آپ دونوں اس وقت گھر پر کیسے؟ خیریت؟" وہ ڈیڈی کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔
"یس' ایوری تھنگ از اوکے۔ ایکچوئلی آج نینا کے ہاں ڈنر ہے تو اس کی تیاری کے لیے جلدی آ گئے ہیں۔" ممی نے اسے بتایا۔
"رابیل بیٹا آپ کی اسٹڈیز کیسی چل رہی ہے؟" ڈیڈی نے پوچھا۔
"گڈ ڈیڈی' اکاؤنٹنگ میں تھوڑا پرابلم ہو جاتا ہے سم ٹائم' وہ میں اور سارا ڈسکس کر لیتے ہیں۔" وہ انہیں تفصیل بتانے لگی۔
"اوکے خوب دل لگا کر پڑھو۔ یو نو بیٹا میں آپ کو بزنس میں بہت آگے دیکھنا چاہتا ہوں۔" محبت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے تھے۔
"یس ڈیڈی آئی نو دیٹ۔ ہمیشہ کی طرح اس بار میرا رزلٹ زبردست ہو گا۔" اس کا جواب ڈیڈی کا ڈھیروں خون بڑھا گیا۔
"اوکے وش یو آل دا بیسٹ۔" انہوں نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔
"تھینکس ڈیڈی۔" اس نے ان کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا تھا۔ یہ اس کا ہمیشہ سے ان کے لیے پیار بھرا انداز ہوتا تھا۔
"رانی ڈیئر' چینج کر لو' لنچ ریڈی ہے۔ شام میں اگر کہیں جانا ہو تو چلے جانا۔"
"نو ممی مجھے کہیں نہیں جانا' ابھی کل سر نواز کا اسائنمنٹ سبمٹ (جمع) کروانا ہے اینڈ سر کاظمی کا ٹیسٹ بھی پری پیئر (تیار) کرنا ہے۔" کہتے ہوئے وہ صوفے سے اٹھ گئی۔
اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔
وہ ابھی چند قدم ہی چلی تھی کہ ممی کی آواز آئی۔

"رابی اس سنڈے گھر پر رہنا ضروری کام ہے تم سے۔" انہیں اچانک کچھ یاد آیا۔
"خیریت ممی؟" وہ فوراً واپس مڑی۔
"ہاں وہ مسز فاران آئیں گی تم سے ملنے۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر بولیں۔
"مگر مجھے ان سے ملنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔" وہ سخت بدمزا ہوئی۔
"ایک دفعہ مل لینے میں کیا حرج ہے؟" وہ نرمی سے بولیں۔
"ممی میں ان سے بہت دفعہ مل چکی ہوں۔"
"مگر اس دفعہ وہ بہت خاص مقصد سے ملنا چاہتی ہیں۔" وہ ابھی بھی نرمی سے بول رہی تھیں۔ رابیل کا موڈ ہمیشہ کی طرح آج بھی اس ٹاپک پر خراب ہو چکا تھا۔
"ممی پلیز! ابھی میری اسٹڈیز چل رہی ہے۔ میرے کچھ فیوچر پلانز ہیں۔ آپ ابھی ڈیڈی کی بات سن رہی تھیں نا کہ مجھے بزنس کی فیلڈ میں بہت آگے جانا ہے۔"
"تو تمہارے فیوچر پلانز کو کون کچھ کہہ رہا ہے۔ مگر شادی بھی تو تمہیں کرنی ہے نا۔" وہ بھی اپنی بات پر ڈٹی ہوئی تھیں۔
"فار گاڈ سیک ممی۔" اب وہ واپس آ کر صوفے کی بیک سائیڈ پر کھڑی ہو گئی تھی۔ ڈیڈی خاموشی سے ان دونوں کی گفتگو سن رہے تھے۔
"آپ میری ایجوکیشن کمپلیٹ ہونے تک تو پلیز کوئی ایسی بات سوچیے گا بھی مت۔" اس نے صاف لفظوں میں کہہ دیا۔
"مگر ابھی صرف انگیجمنٹ ہو جائے گی، شادی تمہاری اسٹڈیز کے بعد۔"
"ممی مجھے ابھی انگیجمنٹ بھی نہیں کروانی ہے۔" وہ ناراضی سے بولی تھی۔
"ابھی مسز فاران صرف ڈنر پر آ رہی ہیں۔ ایکچوئلی علی امریکہ سے آیا ہوا ہے۔ میں چاہتی ہوں تم ایک بار اس سے مل لو۔" وہ صلح جو انداز سے بولیں۔
"مگر کس لیے ممی؟" وہ جھنجلائی تھی۔
"رابیل بحث مت کرو مجھ سے، تم ایک بار علی سے مل لو، پھر اس پرپوزل کے متعلق جو بھی کہنا چاہو کہہ لینا۔ تم علی سے ملی نہیں ہو، اس لیے ایسا بول رہی ہو۔ بٹ آج کل ہمارے پورے سرکل میں اس کی ڈیشنگ پرسنالٹی، ایجوکیشن اور ویل مینرڈ ہونے کے متعلق باتیں ہو رہی ہیں۔"
"ممی آئی ایم ناٹ انٹرسٹڈ ان دس پرپوزل۔" اس نے مدد طلب نظروں سے ڈیڈی کو دیکھا تھا۔
"رابی بیٹا! آپ اپنے روم میں جائیں۔" ڈیڈی کے کہنے کی دیر تھی وہ فوراً واپس مڑی تھی۔
"مگر آپ اس کو بتا دیں کہ اس سنڈے مسز فاران آ رہی ہیں۔" ممی کی آواز نے کمرے میں پہنچنے تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"رابیل کل تم میری طرف آ رہی ہو نا؟" کلاسز آف ہونے کے بعد دونوں باہر آ رہی تھیں جب سارا نے اس سے پوچھا تھا۔
"کل کیا ہے؟" اس نے لاپروائی سے پوچھا۔
"کیا تم واقعی بھول گئی ہو کہ منڈے کو سر کاظمی نے ٹیسٹ لینا ہے اور ہمیں اس کے لیے کمبائن اسٹڈی کرنا ہے۔" سارا نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔
"اوہ نو۔" اس نے پیشانی پر ہاتھ مارا تھا۔
"کیا ہوا؟" سارا ایک دم رک گئی۔
"سارا کل مسز فاران آ رہی ہیں۔" اس نے انتہائی سنجیدگی سے کہا تھا۔
"اوہ" سارا نے لمبا سانس کھینچا تھا۔ "تو پھر کیا سوچا ہے تم نے؟" دونوں پھر سے چلنے لگی تھیں۔
"انکار کرنا ہے بس۔" وہ حتمی انداز میں بولی۔
"میرا تو تم کو یہی مشورہ ہے کہ ایک دفعہ تم علی سے مل لو۔ مے بی وہ اپنی مدر سے ڈفرنٹ ہو۔" وہ اسے سمجھانے لگی۔

"سارا مجھے مسز فاران اچھی نہیں لگتیں۔ اسی لیے میں ان کے بیٹے سے بھی نہیں ملنا چاہتی۔" وہ جھنجلائی تھی۔
"مگر تم یہ بھی تو سوچو کہ تمہاری ممی اس کی اتنی تعریف کر رہی ہیں تو کوئی بات تو ہو گی اس میں۔ مل لینے میں کیا حرج ہے۔ اچھا نہ لگا تو انکار کا کوئی جواز تو پیش کر سکو گی۔ ابھی تو آنٹی تمہاری کسی بات کو سیریس نہیں لے رہیں کیونکہ انہیں یقین ہے کہ علی کو دیکھ کر تم انکار نہیں کرو گی۔" اس نے سمجھایا تھا۔
"ہاں اب ممی ان لوگوں کو انوائیٹ کر چکی ہیں۔ ملنا تو پڑے گا۔" بات کرنے کے ساتھ وہ متلاشی نظروں سے ادھر ادھر بھی دیکھ رہی تھی۔ ڈرائیور ابھی تک نہیں آیا تھا۔
"رابی اگر تم کہو تو میں تمہاری طرف آ جاؤں کل؟" سارا جانتی تھی وہ اس وقت بہت اپ سیٹ ہے۔
"ہاں سارا یہ ٹھیک رہے گا۔" وہ اداسی سے بولی۔
"ٹیک اٹ ایزی رابیل ابھی تو وہ لوگ صرف ڈنر پر آ رہے ہیں۔" وہ تسلی دینے لگی۔
"یہ محض تمہاری خام خیالی ہے۔ مجھے تو ایسا فیل ہو رہا ہے جیسے ممی سب کچھ آل ریڈی فائنل کر چکی ہیں۔ یہ سب تو فارملٹی ہے۔" وہ مکمل ناامید تھی۔
"تم اس بات کو زیادہ سیریس لے رہی ہو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔" سارا اسے ریلیکس کرنا چاہتی تھی۔
"میں چلتی ہوں ڈرائیور آ گیا ہے۔"
"آؤ تمہیں بھی چھوڑ دوں گی۔" اس نے آفر کی تھی۔
"نہیں اسد آتا ہی ہو گا۔" اس نے ہمیشہ کی طرح انکار کر دیا تھا۔ رابیل خاموشی سے گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

والدین کی اکلوتی اولاد ہونے کے ناتے اس نے خوب لاڈ اٹھوائے تھے۔ ممی کو اس کی شادی کی فکر علی کو دیکھ کر اچانک ہی شروع ہو گئی۔ اسے علی سے کوئی ذاتی پرخاش نہیں تھی۔ مگر مسز فاران کبھی بھی اس کی گڈ بکس میں نہیں رہی تھیں اور اسی لیے وہ ان کے بیٹے سے بھی ملنا نہیں چاہتی تھی۔ شادی تو بہت دور کی بات تھی۔ اس نے رات کا کھانا ٹیبل پر خاموشی سے کھایا۔ عام طور پر وہ اپنی یونیورسٹی کی چھوٹی چھوٹی باتیں ممی، ڈیڈی کو سناتی رہتی تھی۔ آج اس کی خاموشی دونوں نے محسوس کی تھی۔
"رابیل۔ آر یو او کے بیٹا؟" بالآخر ڈیڈی نے پوچھ لیا تھا۔
"جی ڈیڈی۔" مختصر جواب دے کر وہ کھانے کی طرف متوجہ ہو گئی۔
"کوئی پرابلم ہے تو مجھ سے شیئر کرو۔" انہوں نے دوبارہ پوچھا تھا۔
"کچھ خاص نہیں ڈیڈی۔ ایکچوئلی منڈے کو سر کاظمی نے ٹیسٹ لینا ہے۔ بس اسی کی ٹینشن ہے۔" نظریں جھکائے وہ کھانے کی طرف متوجہ رہی۔
"اس میں ٹینشن لینے کی تو کوئی بات نہیں ہے۔ آپ نے وہ مقولہ تو سنا ہو گا۔
Rest is the best for the test
اس لیے ابھی آپ ریسٹ کریں۔ کل کا سارا دن ہو گا آپ کے پاس تیاری بھی ہو جائے گی۔" ڈیڈی اسے پریشان نہیں دیکھ سکتے تھے۔
"کل کہاں کچھ پڑھا جائے گا۔ مجھے تو کل سارا کی طرف بھی جانا تھا کمبائن اسٹڈی کے لیے۔" اس کی بات پر ممی نے اسے غور سے دیکھا تھا۔
"تو آپ ضرور جانا سارا کی طرف منع کس نے کیا ہے۔" انہوں نے نرمی سے کہا۔
"مگر ڈیڈی کل تو گیسٹ آ رہے ہیں کل کیسے؟" اب اس نے ممی کی طرف دیکھا جو مسلسل خاموش بیٹھی تھیں۔
"گیسٹ ڈنر پر آئیں گے اس سے پہلے سارا ٹائم آپ اپنی اسٹڈی کو دینا اور ٹیسٹ اچھا سا کرنا ہے۔" ڈیڈی کی بات سے وہ کچھ مطمئن ہو گئی نیپکن سے ہاتھ

صاف کر کے وہ اپنے کمرے میں آگئی۔
اپنے اردگرد کتابیں اور نوٹس بکھرائے وہ پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسی وقت سارا کی کال آگئی۔
"پڑھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔" موبائل کان سے لگائے اور دوسرے ہاتھ سے بال پوائنٹ کو رجسٹر پر گھماتے وہ لاپرواہی سے بولی۔
"اچھا سنو مجھے تم سے کچھ ڈسکس کرنا ہے۔ اسی لیے کال کی ہے۔" سارا اس سے ٹیسٹ کے متعلق کچھ پوچھ رہی تھی مگر وہ غائب دماغی سے سن رہی تھی۔
"سارا میں کل تمہاری طرف آ رہی ہوں۔ وہیں مل کر اس ٹاپک کو ڈسکس کر لیں گے۔ مجھے ٹیسٹ کی بہت ٹینشن ہے۔" وہ اکتاہٹ سے بولی۔
"رابیل کیا واقعی تمہیں ٹیسٹ کی ٹینشن ہے؟" سارا نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔
"معلوم نہیں۔" اس نے جھنجلا کر جواب دیا تھا۔
"چلو ٹھیک ہے، پھر کل ملتے ہیں۔" سارا نے اس وقت اسے کچھ بھی کہنا مناسب نہ سمجھا اور فون بند کر دیا۔
"میں ڈیڈی سے صاف کہہ دوں گی کہ مجھے یہ پرپوزل قبول نہیں ہے۔ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ مجھے سپورٹ نہ کریں۔" اس نے بے دلی سے کتابیں سمیٹ کر رکھ دی تھیں۔ سوچوں کے تانے بانے بنتے ہوئے نیند کی دیوی جانے کب اس پر مہربان ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

صبح وہ معمول کے مطابق اٹھ گئی تھی۔ فریش ہو کر کمرے سے باہر آگئی۔
"گڈ مارننگ ممی۔" سامنے ہی ممی، فیروزہ اور صوفیہ کو کھانے سے متعلق ہدایات دے رہی تھیں۔ وہ بھی ان کے پاس بیٹھ گئی۔
"فیروزہ مجھے ایک کپ کافی لادو۔" اس نے نیوز پیپر اٹھالیا تھا۔
"ناشتا نہیں کرو گی؟" ممی نے بازار سے لانے والے سامان کی لسٹ سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا جو بے دلی سے اخبار دیکھ رہی تھی۔
"نہیں ممی۔" اس نے مختصر جواب دیا تھا۔
"میں تمہارے لیے فریش جوس منگواتی ہو[ں]۔ خالی معدے پر کافی مت پیو۔" وہ ماں تھیں اس [...] لیے فکر مند ہو جاتی تھیں۔
"ممی آئی فیل ہیڈک کافی پیوں گی تو ٹھیک ہو جا[ئے] گی۔" وہ انگوٹھے اور انگشت شہادت سے پیشانی [...] ہوئے بولی تھی۔
"سر میں درد کیوں ہے؟ کیا نیند ٹھیک سے نہیں [...]" وہ فکر مندی سے بولیں۔
"ایسی بات نہیں ہے۔ کچھ تو ٹیسٹ کی ٹینشن [...] اور...."
"کم آن رابی یہ تمہارا کوئی پہلا ٹیسٹ نہیں [...] اس سے پہلے بھی ہوتے رہتے ہیں۔ پھر اب کیا ہوا[...]" وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھیں۔
"پریشانی کسی مسئلے کا حل نہیں ہوتی۔ ٹیسٹ [کی] ٹھیک سے تیاری کرو۔" ممی نے پیار سے ڈپٹا۔
"میں یوں بچوں کی طرح بی ہیو کیوں کر رہی ہو[ں] کیا واقعی میں ٹیسٹ کے لیے پریشان ہوں؟" [...] کمرے میں آ کر وہ سارا کی طرف جانے کے لیے [تیار] ہونے لگی۔ آئینے کے سامنے کھڑی وہ نیچرل کلر لپ اسٹک لگا رہی تھی۔ جب اچانک کوئی اس کے [...] چلایا تھا۔
"مجھے نہیں معلوم۔" آئینے میں ابھرتی اپنی [...] سے نظریں چراتی، لپ اسٹک واپس ڈریسنگ پر پھینک کر وہ بالوں میں برش کر کے پونی چڑھا کر باہر نکل [آئی] تھی۔
"ممی میں سارا کی طرف جا رہی ہوں۔ آنٹی [کے] آنے سے پہلے واپس آجاؤں گی۔" کندھے پر بیگ ڈالے، ہاتھ میں فائل پکڑے، دوسرے ہاتھ میں گاڑی کی چابی تھامے وہ باہر کی طرف بڑھی تھی۔
"کیا سارا کی طرف جانا ضروری ہے؟" وہ ناراض[گی] سے بولیں۔
"میں نے رات بتا دیا تھا آپ کو ممی!" وہ رسانیت سے بولی۔
"ٹیسٹ کی تیاری گھر پر رہ کر بھی ہو سکتی ہے۔ مگر تم صرف مجھے تنگ کر رہی۔" وہ غصے سے بولی تھیں۔
"ممی میں آپ کو بتا چکی ہوں مجھے آنٹی اور ان کے بیٹے میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے۔ آپ کے کہنے پر میں مل تو لوں گی ان سے مگر۔" اس نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی "بہر حال تم آٹھ بجے سے پہلے واپس آجانا۔ مسز فاران آٹھ بجے آئیں گی۔" وہ خاموشی سے آگے بڑھ گئی۔
"آخر ممی کو یہ مسز فاران کا بیٹا اتنا پسند کیوں ہے؟ پہلے بھی تو میرے اتنے پرپوزل آتے تھے مگر کبھی انہوں نے اس طرح سے مجھے فورس نہیں کیا۔" ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے وہ مسلسل سوچوں میں گم تھی۔

☼ ☼ ☼
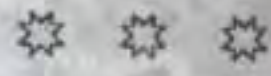
اس نے گاڑی گلی سے باہر روک دی تھی۔ اپنی چیزیں نکال کر وہ گاڑی لاک کر کے گلی میں داخل ہو چکی تھی۔ یہ ایک تنگ گلی تھی۔ ہاتھ میں کی رنگ گھماتے وہ گلی کے بائیں طرف بنے مکانوں میں سے چوتھے گھر کے سامنے جا کر رک گئی۔
سامنے موجود سبز روغن والے دروازے پر دستک دی تھی۔ گھر سے نکلتے ہوئے وہ جس ٹینشن کا شکار تھی، اب کسی حد تک اس کے ذہن سے محو ہو گئی تھی۔ سامنے گلی میں بچے کرکٹ کھیل رہے تھے۔ اچانک گیند اس کے قدموں میں آگری۔ اسی وقت دروازہ کھل گیا۔
"اسلام علیکم آپی!" اسے سامنے دیکھ کر اسد نے فوراً سلام کیا تھا۔
"وعلیکم السلام!" وہ اندر داخل ہو چکی تھی۔ سامنے ہی اسے سارا نظر آگئی۔ اتنی صبح وہ اسے دیکھ کر حیران ضرور ہوئی مگر اپنی حیرت چھپا گئی۔
"کیسی ہو؟" وہ اسے لے کر اندر آگئی۔
"جیسی کل تھی۔" اس نے اطمینان سے جواب دیا۔
"نہیں کل سے تو بہتر لگ رہی ہو۔" اسے غور سے دیکھتے ہوئے اب وہ بیڈ پر بکھری اپنی کتابیں سمیٹ رہی تھی۔
"کیا مطلب؟ میں بیمار کب تھی جو اب بہتر ہوں۔" وہ ریلیکس ہو کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔
"بیمار تو نہیں پریشان ضرور تھیں۔ یہ بتاؤ کہ آنٹی نے میری طرف کیسے آنے دیا آج؟" وہ آکر اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔
"کیا یار تم آتے ہی وہی ٹاپک لے کر بیٹھ گئی ہو جس سے بچ کر میں یہاں آئی ہوں۔" وہ بدمزا ہوئی تھی۔
"سارا کوئی پانی وانی بھی پوچھا ہے رابیل سے یا بس باتیں شروع ہو گئیں آتے ہی۔" سارا کی امی اندر آئی تھیں۔ رابیل انہیں دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔
"اسلام علیکم آنٹی۔" جھٹ سے سلام کیا۔
"وعلیکم السلام، جیتی رہو بیٹی۔" انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔
"سارا جاؤ فریج میں سے فالسے کا شربت لے کر آؤ۔ بچی اتنی گرمی میں آئی ہے۔" ان کی بات پر رابیل کے ساتھ، ساتھ خود سارا بھی مسکرا رہی تھی۔
"امی بچی کون سا پیدل چل کر آئی ہے۔ گاڑی میں آئی ہے، جس میں اے سی آن تھا اور۔"
"سارا جاؤ بھی یہاں کھڑی باتیں مت بگھارو۔" اب کی بار وہ خاموشی سے باہر نکل گئی تھی۔
"اور رابیل بیٹی، آپ کی امی اور ابو کیسے ہیں؟" وہ سامنے کرسی پر بیٹھ گئیں۔
"آنٹی وہ دونوں بالکل ٹھیک ہیں۔" وہ سارا کی امی کے سامنے ہمیشہ بہت محتاط انداز سے اٹھتی بیٹھتی اور بات چیت کرتی تھی۔ اس کی وجہ ان کی سادہ مگر نہایت باوقار اور پر شفقت شخصیت تھی۔ اسی وقت سارا اندر آئی تھی۔
"تم لوگ شربت پیو۔ میں قیمے والے پراٹھے بنا رہی ہوں، ابھی تم لوگ ناشتا کر لینا۔ خالی معدے پڑھائی مت شروع کر دینا۔" ان کا یہی کیئرنگ انداز

رابیل کو بہت بھاتا تھا۔ وہ دونوں پوائنٹیس ڈسکس کرنے لگیں جن کی تیاری اشد ضروری تھی۔
"آپی' امی کہہ رہی ہیں ناشتا تیار ہے۔ آپ لوگ آجائیں۔" اسد کے آجانے سے بات ادھوری رہ گئی۔
"سارا مجھے بالکل بھوک نہیں لگی ہے۔" اسے اب احساس ہو رہا تھا کہ وہ اتنی صبح ان کے گھر آگئی ہے۔
"تم جانتی ہو امی تمہیں ناشتا کیے بغیر پڑھنے نہیں دیں گی۔ اس لیے خاموشی سے میرے ساتھ آجاؤ۔" وہ اٹھ کر اس کے ساتھ آگئی۔ سارا کی فیملی کے ساتھ زمین پر بچھے دسترخوان پر بیٹھ کر قیمے کے پراٹھے پودینے کی چٹنی اور چائے کا ناشتا کرنا اسے بہت اچھا لگا تھا۔
ناشتے کے بعد وہ دونوں پڑھنے بیٹھ گئی تھیں۔ سارا دیکھ رہی تھی کہ رابیل بے دلی سے پڑھ رہی ہے مگر وہ خاموش رہی۔
"سارا تم شام کو میرے ساتھ چلو گی نا؟" پڑھتے ہوئے اچانک اس نے پوچھا تھا۔
"ہاں ان شاء اللہ میں نے کل ہی امی سے اجازت لے لی تھی۔"
سارا ظہر کی نماز پڑھنے لگی رابیل بھی بکس رکھ کر بیٹھ گئی۔ اسی وقت ممی کی کال آگئی تھی۔
"رابی تم سات بجے سے پہلے آجانا گھر' میں نے تمہارا ڈریس نکال دیا ہے۔ آکر ابھی تم نے تیار بھی ہونا ہے۔" اس نے صرف جی ممی کہنے پر اکتفا کیا۔
"سارا!" وہ نماز پڑھ کر آئی تھی جب اسے دیکھ کر پرسوچ انداز میں بولی۔
"ممی کی کال آئی ہے۔ کہہ رہی ہیں کہ جلدی آجانا گھر۔ تم تیار ہو جاؤ' ہم جلدی ہی نکلیں گے۔" اس کی بات پر سارا مسکرا دی۔
"مگر اتنی جلدی' رات آٹھ بجے گیسٹ آرہے ہیں۔ ڈونٹ وری ہم ٹائم پر پہنچ جائیں گے۔" اسے تسلی دیتے ہوئے بولی تھی۔

☼ ☼ ☼
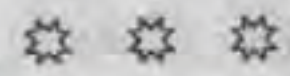
"رابی! تم گھر چلی جاؤ۔ بہت لیٹ ہو گئی' میں تم سے بہت شرمندہ ہوں' تمہارے ساتھ نہیں جا سکی۔"
ہسپتال کے کاریڈور میں وہ دونوں کھڑی تھیں۔
"ڈونٹ بی سلی۔ اس میں شرمندہ ہونے کی کیا بات ہے۔ مجھے تو آنٹی کی طبیعت کی بہت فکر ہو رہی ہے۔"
شام کو سارا اس کے ساتھ آنے کے لیے تیار ہو رہی تھی جب اچانک آنٹی کی طبیعت خراب ہو گئی۔ ان کا بی پی شوٹ کر گیا تھا۔ یہ لوگ فوراً" رابیل کی گاڑی میں انہیں ہسپتال لے آئے تھے۔
"میں اور اسد یہاں امی کے پاس ہیں۔ تم بے فکر ہو کر جاؤ' اب امی بہتر ہیں۔" وہ اسے تسلی دے رہی تھی۔ جانتی تھی اس کا جانا ضروری ہے مگر اندر سے وہ خود بہت خوفزدہ تھی۔
"اوکے میں تم سے بات کرتی رہوں گی فون پر تم پریشان مت ہونا اسد چھوٹا ہے تم سے اس کا بھی خیال رکھو۔ دیکھو وہ کتنا پریشان ہے۔" اس نے سارا کی توجہ ایک سائیڈ پر خاموش کھڑے اسد کی جانب مبذول کروائی۔ وہ فوراً" اسد کے پاس آئی تھی۔
"اسد پریشان مت ہو امی ٹھیک ہو جائیں گی۔" اس نے بھائی کا شانہ تھپتھپایا تھا۔
ہسپتال سے باہر نکل کر اس نے ٹائم دیکھا تو ہوش اڑ گئے۔ ساڑھے سات بجے کا ٹائم ہو رہا تھا۔ ممی کی کالز جو چھ بجے آنا شروع ہوئی تھیں اب تک بار بار آرہی تھیں۔ وہ تیزی سے پارکنگ کی طرف بڑھی تھی۔ گاڑی کو پارکنگ سے نکال کر سڑک پر لائی تھی۔
"او گاڈ۔" گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ وہ تیزی سے باہر نکلی تھی۔
"اس کو کیا ہو گیا؟" ہر طرح سے چیک کر لیا۔ مگر اس کے اسٹارٹ ہونے کے کوئی امکان نہ تھے۔ ممی کے فون پر فون آرہے تھے۔
"اب کیا کروں؟ ممی تو سخت ناراض ہیں۔" اسی وقت سیل فون بپ دینے لگا۔ ممی کی کال تھی۔ اس نے سیل دوبارہ بیگ میں ڈال دیا تھا۔ وہ گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔

"کیا میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں؟" آف وائیٹ ہنڈا سوک سے نکل کر وہ اجنبی شخص سامنے آیا تھا۔ بلیو جینز کے ساتھ اس نے فیروزی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ چہرے سے وہ خاصا مہذب دکھائی دیتا تھا۔
"ایکچوئلی میری گاڑی اچانک خراب ہو گئی ہے۔ مجھے گھر جلدی پہنچنا تھا مگر....." وہ بے حد پریشان تھی۔
"اوکے میں دیکھتا ہوں۔" گاڑی کو چیک کر کے وہ اس کی طرف مڑا تھا۔
"اس کو ورکشاپ لے کر جانا پڑے گا۔ آپ آئیں میں چھوڑ دیتا ہوں آپ کو۔" وہ فراخدلی سے پیشکش کر رہا تھا جو تھوڑی پس و پیش کے بعد اس نے قبول کر لی تھی۔ رابیل کو یہ چہرہ جانا پہچانا لگ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر شناسائی کی رمق دیکھ کر وہ فوراً" بولا تھا۔
"لگتا ہے آپ نے مجھے پہچان لیا۔" وہ دھیما سا مسکرایا تھا۔
"شاید میں نے پہلے کبھی آپ کو دیکھا ہے۔" وہ موبائل نکال کر ڈیڈی کو ساری سچویشن بتانے لگی۔ ساتھ ہی ڈرائیور کو بھیج کر گاڑی منگوانے کا بھی کہہ دیا۔
"آپ کو ابھی بھی یاد نہیں آیا کہ ہم پہلے کہاں مل چکے ہیں؟" ڈرائیونگ کرتے ہوئے ایک نظر اس پر ڈال کر بولا تھا۔
"نہیں۔" وہ صاف گوئی سے بولی۔ ساتھ اسے ایڈریس سمجھانے لگی۔
"اوکے میں آپ کو بتاتا ہوں۔"
"یہاں سے رائیٹ سائیڈ ٹرن لے لیں اور پلیز ذرا گاڑی تیز چلائیں۔" اس کی بات کو ان سنی کر کے وہ بولی تھی۔ اس نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی تھی۔
"ہماری ملاقات آپ کی یونیورسٹی میں ہوئی تھی۔ جب میں نے آپ سے اکنامکس ڈپارٹمنٹ کا پوچھا تھا۔" اس نے خود ہی بتا دیا۔
"او یس' مجھے بھی لگ رہا تھا کہ جیسے ابھی ہی کی بات ہے جب آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔ لیکن یاد نہیں آرہا تھا۔" گھر قریب آچکا تھا' وہ باہر بھاگنے کو تیار بیٹھی تھی۔
"چلیں اب تو یاد آگیا نا؟" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔
"بس یہاں گاڑی روک دیں۔" اور گاڑی کے رکتے ہی وہ تیزی سے باہر نکلی تھی۔
"سنیے۔" وہ بھاگ کر گیٹ تک پہنچی تھی' جب اپنے عقب میں اس کی آواز سن کر وہ واپس مڑی۔
"شکریہ تو کہتی جائیں۔" اس کے کہنے پر وہ کچھ شرمندہ ہوئی تھی۔
"سوری اصل میں مجھے گھر جلدی پہنچنا تھا مگر بہت لیٹ ہو گئی ہوں۔ بٹ اینی ویز تھینکس۔" وہ واپس مڑنے لگی تھی جب وہ جلدی سے بولا تھا۔
"نو تھینکس اینڈ واٹ از یور گڈ نیم؟" وہ شگفتگی سے بولا۔
"رابیل کمال۔"
"مجھے فرہاد کہتے ہیں۔" وہ جلدی سے بولا تھا' مبادا وہ سنے بغیر نہ چلی جائے۔
"اوکے فرہاد صاحب۔ تھینکس اگین۔ اگر آپ نہ آتے تو میں تو بہت زیادہ لیٹ ہو جاتی۔" جلدی سے بولتے ہوئے اس نے رسٹ واچ پر نظر دوڑائی تھی۔
"اٹس مائے پلیژر۔" اس نے جواب دیا تھا۔ وہ جلدی سے گیٹ سے اندر داخل ہو گئی۔ سامنے پورچ میں کھڑی گاڑی یقیناً" مسز فاران کی تھی۔ ممی کا سامنا کرنے کی اس میں بالکل ہمت نہیں ہو رہی تھی۔
ڈرتے ڈرتے اس نے لاؤنج میں قدم رکھا۔ سامنے ممی بیٹھی نظر آئیں۔ اس پر نظر پڑتے ہی خفگی سے گھورا تھا۔ پھر فوراً" مسز فاران کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگیں۔ "ہیلو آنٹی۔" وہ ان کے سامنے آکر رک گئی۔ انہوں نے اٹھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔ ان سے الگ ہو کر وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔ ممی نے سامنے صوفے کی طرف اشارہ کیا تھا' جہاں ڈیڈی کے ساتھ یقیناً" وہ علی ہی تھا۔ وہ دونوں باتوں میں مصروف تھے۔
اس کے ہیلو کے جواب میں اس نے شائستگی سے سلام کیا تھا۔ وہ ٹھیک سے جواب بھی نہیں دے سکی۔

علی اس کی سوچ سے بہت مختلف تھا۔ اس کی گوری رنگت، ذہانت سے چمکتی براؤن آنکھیں، مغرور کھڑی ستواں ناک، وہ شکل سے ہی بہت سلجھا ہوا لگ رہا تھا

"سارا کی مدر اب کیسی ہیں؟" علی سے بات کرتے ہوئے اچانک ڈیڈی نے اسے مخاطب کیا تھا۔

"اب کچھ بہتر ہیں۔" علی نے ایک سرسری نظر اس پر ڈالی تھی۔ اسی وقت ممی کی نظر اس پر پڑی تھی۔ صبح کے مقابلے میں قدرے ملگجے حلیے میں، بالوں کی پونی میں سے کچھ لٹیں باہر نکل آئی تھیں۔ جیولری کے نام پر اس کے گلے میں چین تھی جس پر محمد لکھا تھا۔ ممی کھانا لگوانے کے لیے اٹھ گئیں۔ مسز فاران اس سے باتیں کرنے لگیں۔ کھانے کے دوران بھی ہلکی پھلکی گفتگو ہوتی رہی۔ علی نے دوبارہ اس کی طرف نہ دیکھا تھا۔ وہ گاہے بگاہے اس پر نظر ڈال رہی تھی۔

"لگتا ہے ادھر بھی میرے والا معاملہ ہے۔ آنٹی بے چارے کو زبردستی لے آئی ہیں۔" وہ کھانے کے دوران سوچ رہی تھی۔ ریجیکٹ تو وہ اسے دیکھنے سے پہلے ہی کر چکی تھی۔ مگر اس کا انداز تو اسے بہت برا لگا تھا۔ کھانے کے بعد وہ سیدھی اپنے کمرے میں آئی تھی۔ تھکن سے برا حال ہو رہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں ممی بھی اس کے کمرے میں آگئیں۔ وہ شاور لے کر نکلی تھی، اب ہیئر برش کر رہی تھی۔

"کیسا لگا علی؟" وہ اس کے پاس آکر بولیں۔

"ٹھیک ہے۔" برش ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ کر وہ مڑی تھی۔

"بس ٹھیک؟" وہ بے یقینی سے بولیں۔ "پرفیکٹ کہو۔" وہ اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے ممی!"

"مگر آنکھیں تو تمہاری بھی کچھ اور کہہ رہی ہیں۔" وہ بغور اسے دیکھنے لگیں۔

"کیا ممی؟" وہ حیران ہوئی۔

"یہی کہ علی تمہیں بھی اچھا لگا ہے۔" وہ جیسے اس کے دل کی بات جان گئی تھیں۔

"ممی وہ خاصا روڈ نہیں ہے۔" وہ پرسوچ انداز [illegible] بولی۔

"روڈ نہیں، تم ریزرو کہہ سکتی ہو ویسے بہت نا[illegible] ہے وہ سینسیبل اور کلچرڈ۔" ان کا تو گویا پسندیدہ ٹا[illegible] شروع ہو چکا تھا۔

"ممی کیا علی اس پرپوزل پر خوش ہے؟" اس [illegible] دل کی بات زبان پر آگئی تھی۔

"ہاں اور وہ بہت جلد امریکہ واپس چلا جائے گ[illegible] جانے سے پہلے میں منگنی کر دینا چاہتی ہوں۔" انہو[illegible] نے فوراً اپنا پلان بتا دیا تھا۔

"ممی۔" وہ بے یقینی سے آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"میں نے علی کے پرپوزل کو ابھی اوکے نہیں ک[illegible] ہے۔ پھر آپ یہ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ ہماری منگنی اس کے امریکہ جانے سے پہلے ہو رہی ہے؟"

"تم اس پر سوچو، ہم پھر بات کریں گے ابھی تو سو جاؤ۔" وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گئیں۔ اس نے سیل فون اٹھایا۔ سارا کے نمبر پر بیل جا رہی تھی مگر وہ کال پک نہیں کر رہی تھی۔

اس کی بکس اینڈ نوٹس وغیرہ تو سارا کی طرف رہ گئے تھے۔ ٹیسٹ روائز بھی نہیں ہو سکا تھا، کچھ علی والے پرپوزل کی ٹینشن تھی۔ وہ کافی پریشان تھی۔ پھر سارا بھی یونیورسٹی نہیں آئی وہ ٹیسٹ دے کر باہر نکلی تو سامنے سے آتے فروا، احمر اور حماد نے اسے روک لیا۔

"کیسا رہا ٹیسٹ؟" فروا پوچھ رہی تھی۔

"ٹھیک ہو گیا۔" وہ بیگ کی زپ کھول رہی تھی۔ سیل فون نکال کر وہ سارا کا نمبر ملانے لگی۔

"سارا کیوں نہیں آئی؟" اس نے اگلا سوال کیا تھا۔

"اس کی امی ہاسپٹلائزڈ ہیں۔" سیل فون کان سے لگائے وہ فروا کی طرف دیکھ کر بولی۔

"ایکسکیوز می فروا۔" کال اٹینڈ ہوتے ہی وہ ایک سائیڈ پر جا کھڑی ہوئی تھی۔

"سارا، آنٹی کیسی ہیں اب؟" اس کے سوال پر کچھ

فاصلے پر کھڑے احمر نے غیر ارادی طور پر ادھر دیکھا تھا۔

"امی بہتر ہیں۔ ہم لوگ رات کافی لیٹ گھر آئے تھے۔ تمہاری مسڈ کالز دیکھی تھیں۔ مگر کال بیک نہیں کی کہ تم سو رہی ہو گی۔ تم سناؤ ڈنر کیسا رہا؟" آخر میں اس نے پوچھا۔

"بس کچھ مت پوچھو یار۔ ادھر ممی سب کچھ فائنل کیے بیٹھی ہیں۔" اب اس کا رخ لائبریری کی طرف تھا۔

"علی کیسا ہے؟ آئی مین تمہیں کیسا لگا ہے؟" یہی وہ سوال تھا جس کا جواب دینا اسے بہت مشکل لگ رہا تھا۔

"بظاہر تو اس میں ایسی کوئی خامی نہیں ہے۔ جس کی بیس پر میں اسے ریجیکٹ کروں، مگر میں اس پرپوزل کے خلاف اتنا بول چکی ہوں کہ اب ہاں کہتے ہوئے بھی اکورڈ فیل ہو رہا ہے۔" اس کے جواب پر سارا زیرلب مسکرا دی تھی۔

"تمہارا ٹیسٹ کیسا رہا؟"

"یہ تو تم سر کاظمی سے پوچھو آکر۔" اب کی بار وہ ہنس دی تھی۔

"پھر کل ملتے ہیں آنٹی کو میرا اسلام کہنا۔ میں آؤں گی انہیں دیکھنے۔" وہ لائبریری میں داخل ہو چکی تھی۔

☼ ☼ ☼
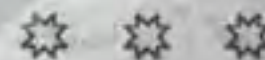
رات ممی نے اسے پکڑ لیا تھا۔ "رابیل، مسز فاران کئی بار پوچھ چکی ہیں کہ تم نے کیا سوچا ہے؟"

"ممی میں آپ کو پہلے ہی بتا چکی ہوں مجھے یہ پرپوزل پسند نہیں ہے۔" ناگواری سے بولی۔

"مگر وجہ کیا ہے؟" وہ کافی غصے میں تھیں۔

"وجہ جو بھی ہو، آپ ان سے کہہ دیں مجھے ابھی شادی نہیں کرنی ہے۔" ممی غصے سے وہاں سے اٹھ گئی تھیں۔ ممی نے اس سے اس ٹاپک پر بات کرنا چھوڑ دیا تھا اور اس نے گویا سکھ کا سانس لیا تھا۔ مگر یہ بھی عارضی ثابت ہوا۔

وہ اور ممی لان میں بیٹھی شام کی چائے پی رہی تھیں کہ اچانک علی آگیا۔

"السلام علیکم!" سلام کر کے وہ ان دونوں کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ صاف ستھرے لباس، سلیقے سے بنے بال، شائستگی کے علاوہ بھی اس کے چہرے پر ایک خاص تاثر تھا جو بہت انوکھا اور متاثر کن تھا۔ رابیل سمجھ نہیں پائی کہ اس کی شخصیت میں ایسا کیا ہے، جو پہلی ملاقات میں بھی اسے محسوس ہوا تھا۔ وہ اس کے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ بہت کوشش کے باوجود بھی وہ انکار کی وجہ تلاش نہیں کر سکی۔ وہ ممی کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا۔

"آپ لوگ باتیں کریں، میں علی کے لیے چائے بھجواتی ہوں۔" ان دونوں کو وہاں چھوڑ کر وہ اندر کی جانب بڑھ گئیں۔

"رابیل مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔" اب علی اس سے مخاطب تھا۔

"کس سلسلے میں؟" اس نے ڈائریکٹ علی کی آنکھوں میں جھانکا، مگر فوراً نظریں پھیر لیں۔

"آپ کو میرے پرپوزل پر....."

"پلیز! میں اس ٹاپک پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔" وہ بات کاٹ کر بولی۔

"مگر کیوں؟" وہ دھیمے لہجے میں بولا تھا۔

"میں آپ کو جواب دہ نہیں ہوں۔" اسے غصہ آیا تھا۔

"مگر اپنی ممی کو تو ہیں نا؟"

"یہ میرا پرسنل میٹر ہے۔ میں ممی سے کیا کہتی ہوں، یا ممی مجھ سے کیا بات کرتی ہیں یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔" وہ تیزی سے بولی تھی۔

"اوکے! سوری، مگر آپ انکار کی کوئی وجہ تو بتائیں۔" وہ ابھی بھی پرسکون تھا۔

"میں وجہ بتانا ضروری نہیں سمجھتی۔" وہ سامنے کیاری میں لگے پھولوں پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

"آپ کے لیے نہیں ہے، مگر میرے لیے وجہ جاننا بہت ضروری ہے۔ تاکہ نیکسٹ ٹائم اگر میں کہیں اپنا

پرپوزل بھجوائیں تو اس خامی کو دور کرلوں جس کی وجہ سے آپ مجھے ریجیکٹ کررہی ہیں۔"

"اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ وجہ تو خود مجھے بھی معلوم نہیں ہے۔" وہ کپ کے کناروں پر انگلی پھیر رہی تھی۔ علی نے ایک نظر اس کے کیوٹکس لگے لمبے ناخنوں کو دیکھا تھا۔

"تو پھر میں آپ سے یہ کہوں گا کہ ہم ابھی انگیجمنٹ کرلیتے ہیں۔ میرے اسٹڈیز کمپلیٹ کرکے آنے تک آپ ریزن ڈھونڈلیں۔ جس دن آپ مجھے انکار کی وجہ بتائیں گی میں منگنی توڑدوں گا۔ اینڈ بلیومی میں آپ کو کوئی دھوکہ نہیں دے رہا۔ جو کہہ رہا ہوں، وہی کروں گا۔" رابیل نے اس کی شفاف براؤن آنکھوں میں دیکھا تھا، جہاں اسے سچ نظر آیا تھا۔ فیروزہ چائے کے ساتھ اور بھی کافی چیزیں رکھ گئی تھی۔ وہ خاموشی سے اس کے لیے چائے بنانے لگی۔

"شوگر کتنی؟" اس نے پوچھا۔

"ون ٹی اسپون۔" اس نے مختصر جواب دیا۔ اس نے شوگر مکس کرکے چائے اس کے سامنے رکھ دی تھی۔ اسی وقت ڈیڈی کی گاڑی گیٹ میں سے اندر داخل ہوئی تھی۔ ہاتھ میں بریف کیس تھامے وہ ان دونوں کی طرف آرہے تھے۔ راستے میں ہی فیاض نے ان سے بریف کیس پکڑلیا تھا۔

"السلام علیکم!" علی اٹھ کر ان سے بغل گیر ہوا تھا۔ رابیل کو ڈیڈی کے انداز میں گرمجوشی محسوس ہوئی تھی۔

"کیسی ہے میری چڑیا؟" وہ اس کی طرف مڑے تھے اور محبت سے اس کے بال بکھیرے تھے۔

"فائن ڈیڈی۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔

"اور بیٹا کیسے ہیں آپ! واپسی کب ہے؟" نشست سنبھالتے ہوئے وہ علی سے مخاطب ہوئے تھے۔

"الحمدللہ، میں ٹھیک ہوں۔ نیکسٹ ویک کی سیٹ ہے میری۔" وہ اور ڈیڈی باتیں کرنے لگے۔

"علی آپ ڈنر کرکے جائیں گے۔" اس وقت ممی وہاں آگئی تھیں۔

"نہیں آنٹی میں ان شاءاللہ پھر کبھی آؤں گا۔ ابھی تو ایک دوست کی طرف جانا ہے۔" اس نے خالی کپ میز پر رکھا تھا اور گاڑی کی چابی اٹھالی۔ اس سے اجازت لے کر وہ پورچ میں کھڑی گاڑی کی طرف بڑھا تھا۔ ممی اور ڈیڈی اسی کو دیکھ رہے تھے۔

"بہت سلجھا ہوا اور شریف لڑکا ہے۔ کیا خیال ہے رابیل؟" اسے ڈیڈی سے اس سوال کی امید نہیں تھی۔ ممی تو خاموش ہی بیٹھی تھیں۔

"پتا نہیں ڈیڈی۔" اس نے جواب دیا۔

"رابی آپ کو اپنے ڈیڈی پر کتنا اعتبار ہے؟"

"خود سے زیادہ۔" اس کے منہ سے خود بخود نکل گیا تھا۔

"تو بیٹا میرا مشورہ تو یہی ہے کہ آپ اس پرپوزل کو ریجیکٹ نہ کریں۔ اس پر اچھی طرح سوچ لیں۔ میں اور آپ کی ممی تو بالکل مطمئن ہیں۔ مگر آخری فیصلہ آپ کا ہی ہوگا اور مجھے پورا یقین ہے کہ میری بیٹی بہت سمجھ دار ہے۔ اچھے، برے کی اسے خوب پہچان ہے۔ اسی لیے وہ اپنے لیے بہتر فیصلہ کرے گی۔" اپنی خوشی کا اظہار بھی کردیا۔ اس پر اپنا مان اور اعتماد بھی واضح کردیا اور وہ تو تھی ہی ایک بیٹی، جسے اپنے باپ کا مان سلامت رکھنا تھا۔ اپنی آنکھوں میں پھیلتی نمی کو وہ ان دونوں سے چھپا گئی تھی۔

☼ ☼ ☼
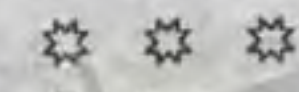
منگنی کی ڈیٹ فکس ہوچکی تھی۔ ممی بہت خوشی سے اس کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ سارا تو اسے خوب ہی تنگ کرتی۔

"ویسے کیا جادو کیا ہے علی نے تم پر؟ تم جو اس کا نام بھی نہیں سننا چاہتی تھیں، اب ایک ہی ملاقات میں راضی کیسے ہوگئیں۔" مگر وہ بات کو ٹال جاتی۔

فضا خاصی خوشگوار تھی۔ موسم صبح سے ہی سہانا لگ رہا تھا۔ بادل، آسمان پر روئی کے گالوں کی مانند ادھر سے ادھر چکراتے پھر رہے تھے۔ وہ گاڑی کی چابی لے کر باہر کی جانب بڑھی۔ "کہیں جارہی ہو؟" ممی نے پوچھا تھا۔

"جی سارا کی طرف۔" اس نے مختصر جواب دیا۔

"ڈرائیور کو لے جاؤ۔ موسم ٹھیک نہیں لگ رہا۔" وہ تشویش سے بولی تھیں۔ اس نے بھی ان کی بات مان لی تھی۔

سارا کے گھر کے قریب والی سڑک پر گاڑی رکوا کر وہ ڈرائیور کو پانچ منٹ میں آنے کا کہہ کر گلی میں داخل ہوگئی۔ تیز قدموں سے چلتے ہوئے اس کا رخ سارا کے گھر کی طرف تھا۔ لڑکے گلی میں کرکٹ کھیل کر موسم انجوائے کررہے تھے۔

"سارا جلدی سے تیار ہوجاؤ، میں تمہیں لینے آئی ہوں۔" آنٹی سے ملنے کے بعد اب وہ اس کے پاس آئی تھی۔

"مگر جانا کہاں ہے؟" وہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"موسم اتنا اچھا ہورہا ہے۔ میں نے سوچا کچھ آؤٹنگ ہوجائے۔"

"نہیں یار! میں نہیں جاسکوں گی۔ امی کو گھر میں چھوڑنا ٹھیک نہیں ہے۔ اس طرح اکیلے کہ نہ میں گھر پہ ہوں اور نہ اسد۔" اس کی بات سے وہ کچھ مایوس ہوئی۔

"اسد کہاں ہے؟" اس نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔

"اکیڈمی گیا ہوا ہے۔" اس نے بتایا۔

"یار! میں تو سوچ رہی تھی کہ منگنی کا سوٹ بھی خرید لوں گی۔ اکیلے کوئی شاپنگ تھوڑی ہوتی ہے۔" اسی وقت اسد کی بائیک اندر آئی تھی۔

"لو اسد تو آگیا۔ اب تم تیار ہوجاؤ، میں آنٹی کو بتا کر آتی ہوں۔" آنٹی نے اجازت تو دے دی تھی، مگر ساتھ ہی ساتھ ہدایات بھی کررہی تھیں۔

"بیٹا مغرب سے پہلے واپس آجانا۔ موسم بھی کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا۔" انہوں نے چند دعائیں پڑھ کر ان دونوں پر پھونک ماری تھی۔

ڈرائیور انہیں مارکیٹ چھوڑ کر واپس چلا گیا تھا۔ اس نے کہہ دیا جب واپس آنا ہوگا تو کال کردے گی۔ شاپنگ کرتے کرتے شام خاصی گہری ہوگئی تھی۔ ہلکی ہلکی پھوار برس رہی تھی۔ سارا خاصی پریشان تھی۔ مگر وہ تو موسم کو انجوائے کررہی تھی۔

"چلو آئس کریم کھاتے ہیں۔" سارا کا ہاتھ پکڑے وہ قریبی ریسٹورنٹ میں آئی تھی۔ کارنر والی ٹیبل پر بیٹھی وہ دونوں آئس کریم کھارہی تھیں۔

"ہیلو!" کوئی ان کے پاس آکر بولا۔ اس نے فوراً اوپر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں پہچان کے رنگ دیکھ کر وہ فوراً بولا۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟" اس نے اجازت طلب نظروں سے دیکھا تھا۔

"شیور۔" وہ فوراً بولی۔ جبکہ سارا کبھی رابیل تو کبھی اس اجنبی کو دیکھ رہی تھی۔

"تھینک گاڈ آپ نے اب کی بار مجھے پہچان لیا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"فرہاد صاحب میری یادداشت اب اتنی بھی بری نہیں ہے۔" وہ ہنس دی تھی۔

"میرا نام فرہاد ہے، صاحب تو رہنے ہی دیں۔" ان دونوں کو اتنی بے تکلفی سے بات کرتے دیکھ کر سارا حیرت میں مبتلا ہوگئی تھی۔

"آپ کی تعریف؟" اب وہ خاموش بیٹھی سارا کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"او سوری، میں تعارف کروانا بھول گئی۔ ویل، فرہاد یہ سارا ہے میری بیسٹ فرینڈ اور سارا یہ فرہاد ہیں۔" اس نے پچھلی ملاقات کے متعلق اسے بتایا۔

"فرہاد "ہیں" نہیں "ہے"۔" وہ "ہے" پر زور دے کر بولا۔

"رابیل آپ کی گرامر کافی کمزور ہے، مجھ سے کلاسز لیں کچھ دن، پرفیکٹ کردوں گا۔" رابیل نے اس کے لیے بھی آئس کریم منگوالی تھی۔ اس کی بات پر وہ صرف مسکرادی۔

"آپ اردو میں ماسٹرز ہیں؟" سارا ترشی سے بولی۔
"بالکل ماسٹر ہوں، بس ڈگری نہیں ہے میرے پاس۔ میں نے ایم بی اے کیا ہے۔" وہ شرارت سے بولا تو رابیل ہنس دی جبکہ سارا کو غصہ آگیا۔
"ویسے ہم بھی ایم بی اے کے اسٹوڈنٹس ہیں۔" رابیل بولی۔
"رابیل اٹھو، بس بہت ہو گیا۔ دیکھو باہر بارش تیز ہو رہی ہے۔" سارا نے گلاس ونڈو سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔
"میں ڈرائیور کو کال کرتی ہوں۔" اسے موبائل اٹھاتے دیکھ کر وہ فوراً" بول پڑا تھا۔
"میں آپ کو چھوڑ دیتا ہوں۔ ڈرائیور کو تو آنے میں بھی ٹائم لگے گا۔" اس نے آفر کی۔
"چلو سارا۔" وہ شاپنگ بیگز اٹھا کر باہر نکلنے لگی تھی۔
"رابیل میں خود چلی جاؤں گی تم جاؤ۔" وہ باہر کی جانب بڑھی تھی۔ اسے رابیل پر غصہ تھا۔
"سارا یہ کیا بچکانہ حرکت ہے۔ چلو میرے ساتھ۔" اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کا بازو تھاما اور پارکنگ کی جانب قدم بڑھا دیے۔ پارکنگ تک جاتے ہوئے وہ لوگ خاصے بھیگ گئے تھے۔ رابیل فرنٹ سیٹ پر فرہاد کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ یہ بات سارا کو سخت ناگوار گزری تھی۔ بارش زور پکڑ چکی تھی۔ وہ محتاط انداز میں ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ سارا دل میں مختلف دعائیں اور سورتیں پڑھ رہی تھی۔ رابیل اس کے ساتھ گھر تک جانا چاہتی تھی۔ مگر وہ باہر سڑک پر ہی اتر گئی اور اسے ساتھ آنے سے منع کر دیا۔
"تم جاؤ دیر ہو رہی ہے ایسا نہ ہو بارش اور تیز ہو جائے۔" وہ تیزی سے اس تنگ اور تاریک گلی کی طرف بڑھی تھی۔ بارش سے ہر طرف کیچڑ پھیل گیا تھا۔
"تھینکس۔ اندر چلیں آپ کو اچھی سی چائے پلواتی ہوں۔" اس کے گھر کے سامنے گاڑی رک چکی تھی۔
"نہیں پھر کبھی سہی۔" وہ ٹالنے لگا۔
"ابھی کیوں نہیں؟" وہ دروازہ کھول کر نیچے اترنے لگی۔
"مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔" پھر وہ بھی خاموشی سے باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

منگنی پر وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ سفید فراک، پاجامہ اس پر بہت سوٹ کر رہا تھا۔ نفیس جیولری میں، پارٹی میک اپ کیے وہ بہت سی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ منگنی کی رسم ادا ہو گئی تھی۔ اسے لا کر علی کے ساتھ بٹھا دیا گیا۔
"علی کی فیانسی بہت کیوٹ ہے۔" اس کے کانوں میں آواز پڑی تھی۔
"ہمارا علی بھی تو کسی سے کم نہیں ہے۔ لاکھوں میں ایک ہے۔" وہ شاید علی کی کزنز تھیں۔ اسٹیج کی دائیں طرف کھڑی وہ دونوں باتوں میں مصروف تھیں۔ ان کی بات پر اس نے نظر اٹھا کر سامنے دیکھا۔ وہ اپنے دوستوں کے گھیرے میں کھڑا کسی بات پر دھیما سا مسکراتا بلاشبہ بہت منفرد اور اچھا لگ رہا تھا۔ اس کے دل نے اعتراف کیا تھا۔
"رابی، علی تو بہت زبردست ہے۔ اب سمجھ آئی تم نے دیکھتے ہی "ہاں" کیوں کہہ دی تھی۔" سارا اس کے قریب ہو کر بولی۔ جواباً" وہ مسکرا دی تھی۔
"علی بھائی!" ایک طرف جاتا ہوا وہ سارا کی آواز سن کر مڑا تھا۔
"السلام علیکم! میں رابیل کی فرینڈ ہوں۔" اس نے اپنا تعارف خود ہی کروا دیا تھا۔
"وعلیکم السلام! کیسی ہیں آپ؟" وہ چلتا ہوا ان کے قریب آرکا تھا۔
"میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟" اس نے فوراً" پوچھا تھا۔
"الحمدللہ۔" مختصر جواب آیا تھا۔
"آپ واپس کب جا رہے ہیں؟" اس نے اگلا

سوال کیا تھا۔

"میں ان شاء اللہ نیکسٹ سیٹر ڈے کو جاؤں گا۔ ایکچوئلی میرا فائنل سمسٹر ہے تو اس کی بھی کچھ تیاری کرنا ہوگی۔" شائستگی سے جواب دیتے ہوئے اس نے ایک نظر خاموش بیٹھی رابیل پر ڈالی تھی۔ منگنی کا فنکشن کمبائن ہی ہوا تھا۔ یہ علی نے کہا تھا کہ ٹائم کی بچت ہو جائے گی۔ اس کے واپس جانے میں بہت کم دن رہ گئے تھے اور اسے ابھی بہت سے لوگوں سے ملنا اور کچھ کام نبٹانے تھے۔

"سارا بیٹا آپ کی مدر کیسی ہیں؟ وہ نہیں آئیں؟" ڈیڈی ان کے پاس آئے تھے۔

"انکل' امی اب ٹھیک ہیں۔ مگر وہ فنکشنز میں کم آتی جاتی ہیں۔"

"علی یہ سارا' ہماری بہت پیاری بیٹی ہے۔" انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"نائس ٹو میٹ یو سارا۔" علی مسکرا کر بولا۔

"می ٹو۔" اس نے دھیرے سے جواب دیا۔ وہ انہیں ایکسکیوز کرتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔

"میری چڑیا کیوں اتنی خاموش ہے؟" انہوں نے محبت پاش نظروں سے رابیل کو دیکھا تھا۔

"اب ادھر ہال میں کیا چوں چوں کروں۔" وہ دھیرے سے مسکرا کر بولی تو وہ مطمئن ہو گئے۔ گھر آکر اس نے چینج کیا اور فوراً" علی کو کال کی۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" اس کے سلام کے جواب میں وہ فوراً" بول اٹھی تھی۔

"آپ کو اپنا وعدہ یاد ہے نا؟" دوسری طرف وہ مسکرا دیا تھا۔

"جی ہاں' مجھے بالکل یاد ہے' آپ بے فکر ہو جائیں' اور جب بھی اس رشتے کو ختم کرنے کی کوئی وجہ آپ کے ذہن میں آئے مجھے بتا دیجیے گا۔ میں ویسا ہی کروں گا جیسا آپ کہیں گی۔" اس کے جواب نے اسے مطمئن کر دیا۔ اگلے ہفتے وہ واپس امریکہ چلا گیا تھا۔ ممی کے کہنے کے باوجود وہ اسے سی آف کرنے ایئرپورٹ نہیں گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

ممی اسے اپنے ساتھ کلب لے کر آئی تھیں۔ منگنی کے بعد وہ اس سے بہت خوش رہنے لگی تھیں' اس کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ وہ کولڈ ڈرنک کا گلاس تھامے سوئمنگ پول کے ساتھ پڑی چیئر پر آ بیٹھی تھی۔ نظر اڑتی ہوئی پول کے دوسری طرف گئی تھی جہاں کچھ لڑکوں کا گروپ بیٹھا تھا۔ ان ہی میں اسے فرہاد بیٹھا نظر آیا۔ اس وقت فرہاد نے بھی اس کو دیکھا۔ اس نے کچھ حیرت سے اس کی طرف دیکھا جبکہ وہ مسکرا دی۔ وہ فوراً" اٹھ کر اس کے پاس آیا۔

"اب مجھے یقین ہو گیا کہ دنیا گول ہے۔" وہ اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"میں ادھر اپنی ممی کے ساتھ آئی ہوں اور تم۔۔۔"

"میں تو یہاں اکثر آتا ہوں۔ ابھی فرینڈز کے ساتھ بیٹھا تھا۔ تم پر نظر پڑی تو فوراً" یہاں آگیا۔ ممی کدھر ہیں تمہاری؟" وہ ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگا۔

"وہ اپنی فرینڈز کے ساتھ ہیں۔ وہ تو اس کلب کی ریگولر ممبر ہیں۔ روزانہ ہی آتی ہیں آج مجھے بھی زبردستی ساتھ لے آئیں۔ میں تو بہت بور ہو رہی تھی۔" وہ صاف گوئی سے بولی۔

"اکیلے بیٹھ کر تو انسان بور ہی ہوتا ہے اور یونیورسٹی کیسی جا رہی ہے؟"

"ہاں ٹھیک ہی ہے۔ لاسٹ سمسٹر چل رہا ہے اس کے بعد ریسرچ ورک ہوگا۔" وہ اسے تفصیلاً" بتانے لگی۔

"آجایا کرو کلب میں۔ ٹائم اچھا پاس ہو جاتا ہے یہاں۔" وہ مشورہ دے رہا تھا۔

"میں کوشش کروں گی۔" اس نے کولڈ ڈرنک کا سپ لیتے ہوئے جواب دیا۔

"او کے تو پھر کل آؤ گی؟ میں یہیں انتظار کروں گا تمہارا۔" اس دن دونوں نے کافی دیر باتیں کیں۔ ایک دوسرے سے اپنے انٹرسٹ شیئر کیے۔ وہاں سے اٹھنے سے پہلے وہ رابیل سے کل آنے کا وعدہ لے چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

"رابیل کبھی علی کی کال نہیں آئی؟" اس دن اچانک ممی نے پوچھ لیا تھا۔

"نہیں ممی۔" اس نے لاپروائی سے جواب دیا دھیان ٹی وی کی طرف تھا۔

"ایگزامز میں بزی ہوگا۔ آپ کر لو کال' ایگزامز کے لیے وش کر دو۔" وہ اسے سمجھانے لگیں۔ اس نے بحث کرنا مناسب نہ سمجھا اور انہیں کہہ دیا کہ "کال کر لوں گی۔" اسی شام علی کی کال آگئی۔ اس کا موڈ سخت آف ہوا تھا۔

"کیسی ہیں آپ؟" ہمیشہ کی طرح اس نے سلام میں پہل کی تھی۔

"فائن۔" اس نے مختصر جواب دیا تھا۔

"ایگزامز کب ہیں آپ کے؟" اس نے اگلا سوال کیا تھا۔

"اسی منتھ کے اینڈ میں ہیں۔" اس نے کہنے کے ساتھ گھڑی پر نظر ڈالی تھی۔ اسے کلب جانا تھا' وہاں فرہاد انتظار کر رہا ہوگا۔ اسے شدید کوفت ہوئی۔

"او کے رابیل میں نماز پڑھنے لگا ہوں' آپ سے پھر بات ہو گی۔" اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔ "امریکہ میں رہتا ہے اور نماز پڑھتا ہے۔ ایسا کیا ہے اس میں جو مجھے اس کے خلاف ایک لفظ بھی بولنے سے روکتا ہے۔ میں کیوں اس کے سحر میں آجاتی ہوں؟" اس کا دل ایک دم ہر چیز سے اچاٹ ہونے لگا تھا۔ کلب جانے کا ارادہ بھی بدل لیا۔ فرہاد کو فون کر کے بتا دیا کہ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ خود کو علی کی شخصیت کے حصار میں جکڑا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"رابیل کیا میں تمہیں ڈنر پر انوائیٹ کر سکتا ہوں۔" فرہاد نے اسے اچانک کال کر کے آفر دی تھی۔

"تمہیں کب سے ضرورت پڑنے لگی مجھ سے اجازت لینے کی؟ تم کہو اور میں دوڑی آؤں گی۔" اس کی بات پر وہ اندر تک سرشار ہو گیا تھا۔ ریسٹورنٹ میں دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ اسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے وہ کوئی خاص بات کہنا چاہتا تھا۔

"رابیل کیا تم انگیجڈ ہو؟" اس کے اچانک سوال پر وہ اسے دیکھے گئی۔

"ہاں۔ مگر اس میں میری کوئی مرضی شامل نہیں ہے۔ یہ سب ممی کی پسند سے ہوا ہے۔ لیکن اگر میں چاہوں تو اس منگنی کو کبھی بھی ختم کر سکتی ہوں۔" جانے کیوں وہ اتنی وضاحت دے رہی تھی۔ باقی کا وقت دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔

"ویسے کیا نام ہے تمہارے فیانسی کا اور کرتا کیا ہے۔" واپسی میں اسے ڈراپ کرنے جا رہا تھا جب سرسری انداز میں اس سے پوچھا۔

"علی نام ہے موصوف کا اور مکینیکل انجینئر ہیں۔ امریکہ میں ہوتے ہیں آج کل۔ پی ایچ ڈی کر رہے ہیں' یونیورسٹی آف کیلیفورنیا سے۔" یہ سب بتاتے ہوئے کوئی خوشی اسے محسوس نہیں ہوئی تھی۔

"واؤ گڈ۔" اس کے بعد دونوں میں کوئی بات نہیں ہوئی۔

☼ ☼ ☼

"سارا ایک مزے کی بات بتاؤں علی نماز پڑھتا ہے۔" ایگزامز کی ڈیٹ شیٹ نوٹس بورڈ پر لگ چکی تھی۔ یہ دونوں بھی ڈیٹ شیٹ نوٹ کرنے جا رہی تھیں۔

"تو اس میں اتنا حیران ہونے کی کیا بات ہے۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ مجھے تو علی بھائی دیکھ کر بہت اچھے لگے تھے۔" وہ سادہ سے لہجے میں بولی۔

"یار وہ امریکہ میں رہتا ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے۔ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے؟" وہ ابھی بھی الجھی ہوئی تھی۔

"امریکہ میں رہتے ہیں تو کیا ہوا' مسلمان دنیا کے جس بھی کونے میں رہتا ہو' نماز اس پر فرض ہے جگہ یا رہائش بدلنے سے ارکان اسلام تو نہیں بدلتے۔ یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔" وہ ذرا بھی حیران نہ تھی۔

"سارا کل الحمرا میں بہت بڑی ایگزیبیشن ہے، تم بھی چلو نا میرے اور فرہاد کے ساتھ۔"

"فرہاد؟" وہ جان بوجھ کر انجان بنی۔

"یار میرا فرینڈ ہے وہ، تم بھول گئیں؟ اتنی تو باتیں کرتی ہوں تم سے اس کی۔" وہ حیرانی سے بولی۔

"رابیل تم دونوں کے درمیان کیا ہے؟" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے ہمارے درمیان کیا ہے؟" اس نے الٹا سوال کر دیا تھا۔

"میرا خیال ہے کچھ بھی نہیں اور جب تم دونوں کے درمیان ایسا کچھ بھی نہیں ہے تو تم اس سے کیوں ملتی ہو؟ کیا تم نے اسے بتایا کہ تم منگنی شدہ ہو؟" وہ تیکھی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اوکم آن سارا، منگنی شدہ ہوں، شادی شدہ تو نہیں۔ اینڈ ویسے بھی اسے پتا ہے میں انگیجڈ ہوں، اسے کیا فرق پڑتا ہے۔" لاپروائی سے بولی۔

"اسے فرق نہیں پڑتا مگر تمہیں تو پڑتا ہے نا۔ رابی تم انگیجڈ ہو۔ تمہاری کسی کے ساتھ کمٹ منٹ ہے اسے دھوکہ مت دو۔" رابیل اس کی طرف دیکھ کر مسلسل ہنس رہی تھی۔

"لگتا ہے تم میری دادی اماں ہو۔ بالکل بوڑھی سوچ ہے تمہاری۔ اچھا آؤ کینٹین چلتے ہیں۔" اس کا ہاتھ پکڑے وہ آگے بڑھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟" آج بہت دنوں بعد علی نے اسے کال کی تھی۔

"وعلیکم السلام ایم فائن۔" وہ روکھے پھیکے انداز سے بولی۔

"آپ کے لیے گڈ نیوز ہے میں پاکستان آرہا ہوں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"اس میں میرے لیے کیا گڈ نیوز ہے؟" وہ ترش لہجے میں بولی۔

"سوری، آپ نے تو مائنڈ ہی کر لیا۔ مجھے آپ سے یہ کہنا تھا کہ آپ نے پھر کچھ سوچا؟ میں چاہتا ہوں واپس آکر اس مسئلے کو فوراً" نبٹا لوں۔" وہ اپنے سنجیدگی کے خول میں دوبارہ واپس آگیا۔

"میں نے کیا سوچنا ہے۔ جو وعدہ آپ کرکے گئے تھے، اسے پورا کریں۔" اس کی بات پر علی ششدر رہ گیا۔

"مگر آپ نے وجہ نہیں بتائی۔ ہماری یہی کمٹ منٹ ہوئی تھی کہ آپ مجھے وجہ بتائیں۔"

"علی پلیز!" وہ ایک دم زور سے بولی تھی۔ "میں آل ریڈی اپ سیٹ ہوں۔ میں اس بات کو یہیں ختم کر دینا چاہتی ہوں۔ آپ مجھے دھوکہ مت دیں۔"

"آپ اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہیں؟ میں اپنا وعدہ پورا کروں گا، مگر آپ کو مجھے وجہ بتانی ہوگی۔" رابیل کی بات نے اسے اپ سیٹ کر دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ وہ اس بات کو بھول جائے گی، مگر یہ اس کی خام خیالی تھی۔

موبائل کو ہاتھ میں تھامے وہ سوچوں میں گم بیٹھی تھی۔ "کیا میں واقعی اس رشتے پر خوش نہیں ہوں؟ میں اسے ختم کیوں کرنا چاہتی ہوں؟ اور کیا میں علی، مسز فاران، ممی اور ڈیڈی کا دل توڑ کر خوش رہ سکتی ہوں؟" خود سے سوال کرتی، سوچوں میں الجھی وہ پریشان تھی۔ پھر اچانک سب کچھ پس منظر میں چلا گیا تھا۔ ذہن کے پردے پر ایک، بہت اپنا سا، بہت دل نشیں سا عکس ابھرا تھا۔ وہ فرہاد کو سوچنے لگی۔

"کتنا سچا اور کھرا ہے وہ، کتنی مکمل شخصیت ہے اس کی۔ اتنا فرینڈلی اور جولی ہے اور علی ۔۔۔ دنیا کا نمبر ون بور آدمی ہے۔ ساری زندگی اس کی شخصیت کو سمجھنے میں گزر جائے گی۔ وہ دوسروں کو اپنے سحر میں گرفتار کر لیتا ہے۔ شاید کوئی جادوگر ہے۔" وہ انجانے میں ہی فرہاد اور علی کا موازنہ کرنے لگی۔ دل فرہاد کو زیادہ نمبر دے رہا تھا اور دماغ علی کو۔ اسی بات پر وہ الجھی ہوئی تھی کہ دونوں متفق کیوں نہیں ہیں۔

☼ ☼ ☼

"آج تو خوب سونا ہے۔ ساری تھکن اتارنی

ہے۔" پیپرز ختم ہو گئے تھے۔ آفٹر ون ویک ان کا ریسرچ ورک اسٹارٹ ہو رہا تھا۔ آخری پیپر دے کر جب باہر نکلی تو سارا کے ساتھ چلتے ہوئے کہنے لگی۔

"کیوں آج شام فرہاد کے ساتھ کوئی پروگرام نہیں ہے؟" اس نے طنز کیا۔

"سارا یہ تم کس طرح سے بات کر رہی ہو؟" وہ جانتی تھی کہ سارا کو اس کی فرہاد سے دوستی پر اعتراض ہے۔ مگر بات کرنے کا کوئی طریقہ بھی ہوتا ہے۔

"جس طرح سے مجھے کرنی چاہیے۔ رابی مجھے وہ لڑکا بالکل بھی اچھا نہیں لگتا۔"

"سو واٹ؟ ہو سکتا ہے اسے تم اچھی نہ لگتی ہو۔ تو کیا اس کے کہنے پر میں تمہیں چھوڑ دوں گی؟"

"رابیل؟" چند ثانیے وہ بے یقینی کی کیفیت میں گھری اسے دیکھے گئی۔

"اس طرح سے میری دوستی کی توہین مت کرو۔ مجھے اس کے ساتھ مت ملاؤ۔ اور کیا تمہارا مذہب تمہیں کسی غیر مرد سے دوستی کی اجازت دیتا ہے؟" اسے حقیقت میں دکھ ہوا تھا۔

"تم اسے نہیں جانتیں اس لیے ایسا بول رہی ہو۔ ورنہ وہ تو بہت اچھا ہے۔ اس سے مل کر بات کر کے میری ٹینشن دور ہو جاتی ہے۔"

"وہ بالکل بھی اچھا انسان نہیں ہے۔ کبھی اس کی پیشانی کو غور سے دیکھنا، وہاں جھوٹ اور دھوکہ لکھا صاف نظر آتا ہے تم بہت پچھتاؤ گی۔ علی بہت اچھا انسان ہے تم اس کے ساتھ۔۔۔"

"اسٹاپ اٹ سارا! اب ممی کی طرح علی نامہ لے کر مت بیٹھ جانا۔ میں بور ہو چکی ہوں اس سے۔" وہ غصے سے بولی۔

"اللہ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔ اور اللہ ظالم کی رسی کو دراز کرتا ہے۔" تم بھٹک رہی ہو۔ اللہ تمہیں سمجھانے کے لیے بہت سے لوگوں کو تمہارے پاس بھیجے گا۔ تم نہیں سمجھو گی تو تمہیں ٹھوکر لگائے گا اور اس ٹھوکر کی بہت تکلیف ہوتی ہے۔ میری خدا سے دعا ہے کہ تم ٹھوکر کھانے سے پہلے سمجھ جاؤ۔ تمہیں کوئی دکھ نہ ملے۔" اسد اسے لینے آگیا تھا۔ وہ رابیل سے ملے بغیر چلی گئی تھی۔ اس کا دل بری طرح اداس ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

وہ سارے گھر میں بولائی، بولائی پھرتی تھی۔ دل و دماغ کسی ایک نقطے پر متفق نہیں ہو رہے تھے ٹینشن سے اس کی بری حالت ہو رہی تھی۔

"فرہاد ابھی مل سکتے ہو مجھے؟" اس کے فون ریسیو کرتے ہی جھٹ سے بولی۔

"آفس میں ہوں۔ ابھی میٹنگ ہے میری تم بتاؤ، کوئی ضروری بات ہے؟" وہ پریشان ہوا تھا۔

"پلیز فرہاد تم مجھ سے ابھی ملو میں بہت ٹینس ہوں۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ کچھ ہی دیر میں وہ اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

"اب بتاؤ کیا بات ہے؟" بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

"علی، پاکستان آرہا ہے۔ ممی نے کہا ہے، جلد ہماری شادی ہو جائے گی۔"

"دیٹس گڈ نیوز، اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟" وہ شرارت سے بولا۔

"فرہاد! تم میری بات نہیں سمجھ رہے۔ میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔" وہ زچ ہوئی۔

"تو منع کر دو اپنے پیرنٹس کو۔" وہ آرام سے بولا۔

"تم میری بات سمجھ نہیں رہے، یا سمجھنا نہیں چاہتے؟" وہ ڈائریکٹ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"کیا؟" وہ جان بوجھ کر انجان بنا تھا۔

"میرا خیال ہے مجھے چلنا چاہیے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ فرہاد نے جلدی سے اس کا بازو پکڑ کر واپس بٹھایا۔

"تمہارے لیے اتنی امپورٹنٹ میٹنگ چھوڑ کر آیا ہوں۔ بیٹھو ادھر اور مجھے بتاؤ کہ کیا ٹینشن ہے؟" اب کی بار وہ سنجیدگی سے بولا۔

"کچھ نہیں۔" اس کا موڈ آف ہو گیا تھا۔ پھر اس کے لاکھ پوچھنے پر بھی اس نے کوئی بات نہیں کی۔

علی پاکستان آگیا تھا۔ اس کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا۔ وہ ایک فیصلہ کرنا چاہتی تھی۔ مگر کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ مسز فاران کے گھر پر پارٹی تھی۔ یہ لوگ خصوصی طور پر انوائیٹڈ تھے۔

"ممی کیا میرا جانا ضروری ہے؟" جب سے انہوں نے بتایا تھا کہ پارٹی میں جانا ہے' وہ عجیب الجھن میں گرفتار تھی۔ دل کہیں بھی آنے جانے کو نہیں چاہتا تھا۔

"آف کورس تمہاری وجہ سے یہ پارٹی لیٹ ہوئی ہے۔ ورنہ پہلے ہی ہو جاتی۔ اصل میں علی کے واپس آنے اور اسٹڈیز کمپلیٹ ہونے کی خوشی میں مسز فاران یہ سب کر رہی ہیں۔" پھر اس نے بھی کوئی بحث کرنا مناسب نہ سمجھا اور ان کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئی۔

ممی کے ساتھ اسے آتا دیکھ کر علی کو انوکھی خوشی کا احساس ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا وہ نہیں آئے گی۔ علی کے فیانسی ہونے کے ناتے اسے وی آئی پی پروٹوکول دیا جا رہا تھا۔ فیروزی کلر کی فراک' سفید چوڑی دار پاجامہ پہنے خوب صورت کٹے ہوئے بال' ہلکا سا میک اپ اور گلے میں سونے کی چین جس میں محمد لکھا تھا پہنے ہوئے وہ ہر ایک نگاہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔

"کیسی ہیں آپ؟" وہ لان کے نسبتاً" پرسکون گوشے میں آکر ایک میز پر بیٹھ گئی۔ کچھ ہی دیر میں علی اس کے پاس آیا تھا۔ سلام کر کے وہ اس کے پاس بیٹھ گیا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" وہ ہمیشہ کی طرح اس کے سامنے سنجیدہ ہو گئی تھی۔

"ایگزام کیسا رہا؟" وہ نرمی سے پوچھنے لگا۔

"ٹھیک۔" اس نے مختصر جواب دیا تھا۔

"آگے کیا پلانز ہیں؟" اس نے پاس سے گزرتے ہوئے ویٹر کو روک کر دو گلاس کولڈ ڈرنک کے پکڑے ایک اسے تھما دیا۔ دوسرا خود پکڑ لیا۔

"میری لائف کے پلانز ممی ترتیب دیتی ہیں۔ انہی کو معلوم ہو گا آگے کیا پلان ہے۔ فی الحال میرا تو ریسرچ ورک رہتا ہے' تھیسز پر کام کرنا ہے۔ ساتھ ہی میں ڈیڈی کا آفس جوائن کرنے لگی ہوں۔" وہ بے زاریت سے بولی۔

"کیا بات ہے؟ آپ کچھ پریشان ہیں۔" بہت اپنائیت سے پوچھا گیا۔

"ممی میری شادی کرنا چاہتی ہیں۔" وہ یاسیت سے بولی۔

"اوہ!" علی نے لمبا سانس کھینچا۔ "اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟" وہ نرمی سے بولا۔

"آپ جانتی ہیں میں ہر طرح کا تعاون کرنے کو تیار ہوں مگر اس رشتے کو ختم کرنے کی کوئی معقول وجہ بھی تو ہو۔"

"آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا اور اب آپ بھی۔" اس نے دانستہ بات کو ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ اس کی نظریں سامنے حوض پر پڑی تھیں جس میں سفید پتھر سے بنی بطخ کی کمر پر فوارہ تھا۔ اس میں سے نکلتا پانی اردگرد گرتا تو لان میں موجود برقی قمقموں کی روشنی میں پانی کے قطرے قیمتی موتیوں کی طرح چمکتے تھے۔ وہ محویت سے دیکھنے لگی۔

"میں آج بھی اپنی بات پر قائم ہوں۔ مگر آپ مجھے وجہ تو بتائیں۔" اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے بولتا ہوا اس کی محویت توڑ گیا۔

"تو آپ یوں کہیں کہ آپ اس رشتے کو ختم ہی نہیں کرنا چاہتے۔" وہ خفگی سے بولی۔

"اگر کوئی معقول وجہ نہیں تو ختم کرنا بھی نہیں چاہیے۔ رابیل رشتے ناتے کوئی کھیل نہیں ہوتے۔"

"آپ یہ بات مان کیوں نہیں لیتے کہ آپ اپنا وعدہ بھول گئے ہیں۔" وہ خفگی سے بولی۔

"جب تک آپ مجھے معقول وجہ نہیں بتائیں گی تب تک تو میں ایسا کوئی مطالبہ نہیں ماننے والا۔" علی یہ کہہ کر وہاں سے اٹھ گیا۔

"فرہاد میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ کیا اسے میری محبت کی کوئی پروا نہیں؟ اور کیا وہ بھی مجھ سے محبت کرتا ہے؟" جیسی پچویشن میں وہ گھری تھی اسے عجیب عجیب خیالات آتے۔

"یار بہت اونچا ہاتھ مارا مسز فاران نے۔ اتنے بڑے بل اونر کی اکلوتی بیٹی اور ہے بھی بے تحاشا حسین۔" اپنے خیالوں میں گھری بیٹھی تھی کہ ہوا کے دوش پر اڑتی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"امیر اور حسین ہونے کے ساتھ مغرور بھی بہت ہے۔ دیکھا نہیں پارٹیز میں بہت کم آتی جاتی ہے۔ اور اگر میزبان پر احسان کر کے آ بھی جائے تو الگ تھلگ ہی رہتی ہے۔" ایک دوسری لڑکی بولی تھی۔

"یار مغرور تو علی بھی بہت ہے۔ کسی کو لفٹ ہی نہیں کرواتا۔" ایک اور آواز ابھری

رابیل نے بے فکری سے قہقہے لگاتی ان لڑکیوں کو دیکھا تھا جو سامنے ہی ٹیبل پر بیٹھی اس کی ذات کو ڈسکس کر رہی تھیں۔

وہ بے دھیانی سے آگے بڑھی تو سامنے سے آتی لڑکی سے ٹکرا گئی۔ اس کے ہاتھ میں موجود گلاس سے کولڈ ڈرنک چھلکی تھی۔

"اوہ... آئی ایم سوری۔" وہ فوراً" معذرت کرنے لگی۔ کولڈ ڈرنک اس کے دوپٹے پر گر کر نشان ڈال گئی۔ وہ الجھن محسوس کرنے لگی۔ گھر کے ملازم سے واش روم کا پوچھ کر وہ رہائشی حصے کی طرف بڑھی تھی۔ دوپٹہ صاف کر کے واپس پلٹ رہی تھی جب سامنے کمرے کے ادھ کھلے دروازے میں سے اسے علی نظر آیا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگی۔ اس نے ہینڈل پکڑ کر دروازے کو تھوڑا سا کھولا تھا۔ اب اسے وہ صاف نظر آ رہا تھا۔ اس کا سائیڈ پوز بہت اچھا لگ رہا تھا۔ نہایت انہماک اور عجز کے ساتھ وہ رکوع و سجود کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بہت انوکھا سا تاثر تھا۔ دھیرے دھیرے ہلتے لب' ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی بہت ہی خاص اور راز کی باتیں کر رہا ہے۔ اس کا دل کھنچنے لگا تھا۔ آج تو سب کچھ الٹ ہو گیا تھا۔ دل آگے بڑھنے کو چاہ رہا تھا اور دماغ کہہ رہا تھا یہاں سے بھاگ جاؤ۔ ورنہ یہ جادوگر' یہ ساحر تمہیں اپنے سحر میں گرفتار کر لے گا۔ وہ خاموشی سے آگے بڑھی تھی اس سے کچھ فاصلے پر جا کر وہ ٹھہر گئی تھی۔

اس نے سلام پھیرا تھا' اب وہ ہاتھ اٹھائے دعا مانگ رہا تھا۔ رابیل مدہوشی کی کیفیت میں اسے دیکھے گئی۔ جائے نماز تہ کر کے اس نے تپائی پر رکھی تھی۔ دھیرے دھیرے چلتے وہ اس کے پاس آیا۔

"رابیل! آر یو اوکے؟" اس کی آواز سن کر وہ چونکی تھی۔ ناسمجھی سے اسے دیکھے گئی۔

"کوئی پرابلم ہے؟" وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔ وہ خاموشی سے واپس مڑ گئی۔

☼ ☼ ☼

"فرہاد تم نماز پڑھتے ہو؟" آج کافی دنوں کے بعد وہ اس سے مل رہی تھی۔

"تم پڑھتی ہو؟" اس نے الٹا سوال کر دیا۔

"نہیں۔" جواب دے کر اس نے سر جھکا لیا۔

"پتا ہے' کل میں علی کے گھر گئی تھی۔ میں نے اسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ اس کے چہرے پر کیا تھا وہ' آئی' آئی کانٹ ایکسپلین۔" وہ الجھن سے اپنی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ فرہاد کو کسی غلطی کا احساس ہوا تھا۔

"یہ سب ڈراما وہ تمہیں متاثر کرنے کے لیے کر رہا ہو گا۔" وہ ناگواری سے بولا۔

"نہیں یار اسے تو علم بھی نہیں تھا کہ میں وہاں کھڑی ہوں' وہ تو پہلے سے ہی نماز پڑھ رہا تھا۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔

"رابی میں شادی کر رہا ہوں۔" اچانک اسے بتا کر اس کے تاثرات نوٹ کرنے لگا۔

"کس سے؟" اس نے تھوک نگلا۔

"میری ماما نے پسند کی ہے لڑکی' میری فرسٹ کزن ہے۔" اب وہ اس پر سے نظریں ہٹا چکا تھا۔

"رابی میں تو تم سے شادی کرنا چاہتا تھا مگر..." اس

نے بات ادھوری چھوڑ کر اسے دیکھا تھا۔
"مگر کیا فرہاد؟" وہ بے چین ہو اٹھی۔ آج وہ اسے بہت الجھا ہوا اور پریشان لگ رہا تھا۔
"میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں اور تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں مگر تم میں اور مجھ میں بہت فرق ہے۔" اس سے پہلے وہ کبھی اتنا سنجیدہ نہیں ہوا تھا۔ وہ پر سوچ انداز میں بولتا اسے پریشان کر گیا۔
"کیا فرق ہے؟" وہ جلدی سے بولی تھی۔ "تم بھی میرے جیسے انسان ہو بلکہ مجھ سے زیادہ اچھے ہو۔ اگر تم اسٹیٹس ڈفرنس کی بات کر رہے ہو تو وہ کچھ ایسی بڑی بات نہیں ہے۔"
"جو بات میں تمہیں بتانے جا رہا ہوں تم سن نہیں پاؤ گی۔" وہ ضبط کی انتہاؤں پر تھا۔ محبت کی راہ پر قدم رکھتے ہوئے اس نے ایک پل کو بھی نہیں سوچا تھا کہ دونوں کے راستے جدا ہیں۔
"تم سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔ بس اپنے پیرنٹس کو منالو، میں بھی ڈیڈی سے بات کروں گی۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ وہ میری بات ضرور سنیں گے۔" وہ خود ہی سارا پلان ترتیب دینے لگی۔
"مگر تم میری بات تو سنو۔"
"بس تم چھوڑو، آؤ ہم اچھا سا ڈنر کرتے ہیں اس خوشی میں اور سنو! بل تم پے کرو گے۔" وہ شرارت سے بولی۔ ہوٹل میں ہمیشہ کی طرح وہ کارنر والی ٹیبل پر بیٹھے تھے۔ آرڈر نوٹ کروا کے اب دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے۔
"رابیل کیا تمہارے ڈیڈی مان جائیں گے؟"
"او کم آن فرہاد یہ میرا مسئلہ ہے۔ ممی کا ماننا ذرا مشکل ہے مگر ڈیڈی ان کو منالیں گے۔"
"لیکن تمہاری انگیجمنٹ تمہاری رضا اور خوشی سے ہوئی تھی۔ اب تم کیا کہو گی؟"
"ہاہ! منگنی۔" اس نے ٹھنڈی سانس خارج کی۔ "وہ بس ایک دکھاوا ہے۔ وقت آنے پر وہ بھی ٹوٹ جائے گی۔" وہ اسے تسلی دینے لگی۔
"رابی کیا تمہیں میری کسی بات پر کوئی اعتراض نہیں ہے؟" جانے وہ کیسی یقین دہانی چاہتا تھا۔
"کہہ تو دیا کہ نہیں اب تم خود بھی پریشان ہو رہے ہو اور مجھے بھی کر رہے ہو۔ بس خاموش ہو جاؤ۔" ویٹر آرڈر سرو کر کے چلا گیا۔ وہ خاموشی سے کھانا کھانے لگی۔
"تم علی سے کیا کہو گی؟" اس کے سوال پر وہ چڑ گئی۔
"تمہیں مجھ سے زیادہ دوسرے لوگوں کی فکر ہے؟ علی مجھ میں انٹرسٹڈ نہیں ہے۔ یہ رشتہ میری اور علی کی ممی نے طے کیا ہے۔ بس تم جلدی سے میرے ڈیڈی سے ملو اور پھر آگے دیکھتے ہیں کیا کرنا ہے۔"
"تو میں کب آؤں تمہارے ڈیڈی سے ملنے؟" وہ تو سب کچھ آج ہی طے کرنے کو بے چین تھا۔
"ابھی مجھے ڈیڈی سے بات تو کر لینے دو۔" کھانا کھا کر جب وہ کھڑی ہوئی تو پچھلی ٹیبل پر بیٹھے علی کو دیکھ کر گویا اسے سکتہ ہو گیا۔ اس کے چہرے سے تو ایسا محسوس نہیں ہوتا تھا کہ جیسے اس نے کوئی بات سنی ہو۔ وہ سستی سے چلتی ہوئی فرہاد کے ساتھ باہر نکل گئی۔ علی کی نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس نے آفس جانا شروع کر دیا تھا۔ یونیورسٹی میں سر ذیشان نے ریسرچ کے لیے ان سب کو پروجیکٹ بتا دیے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ وہ تین تین اسٹوڈنٹس کے گروپ بنائیں۔ اسے یہ جان کر دھچکا لگا کہ سارا نے ہاجرہ اور فریحہ کے ساتھ گروپ بنا لیا تھا۔ اس نے احمر اور فروا کے کہنے پر ان کے ساتھ گروپ بنا لیا مگر اسے سارا کے رویے کا بہت دکھ تھا۔
آفس جاتے ہوئے اسے ایک ہفتہ ہوا تھا۔ یونیورسٹی آف ہونے کے بعد وہ آفس چلی جایا کرتی تھی۔ ایک شام اچانک اس سے ملنے علی آ گیا۔ وہ ایک فائل دیکھنے میں مصروف تھی جب سیکریٹری نے انٹرکام پر علی کے آنے کی اطلاع دی۔
"اندر بھیج دو۔" اس نے فوراً کہا۔
"السلام علیکم۔" اس نے سلام کیا، اس نے سامنے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔
"رابیل مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔" اس نے فائل ایک سائیڈ پر رکھ دی اور سامنے پڑا لیپ ٹاپ بھی شٹ ڈاؤن کر دیا۔
"ہوٹل میں آپ کے ساتھ وہ لڑکا کون تھا؟" اس نے اچانک پوچھا تو وہ چونک اٹھی۔
"فرہاد۔" اس نے مختصر جواب دیا۔
"کیا لگتا ہے آپ کا؟" اگلا سوال آیا۔
"دوست ہے میرا۔" اس نے بلا جھجک کہہ دیا۔
"کیا آپ کا مذہب آپ کو غیر مردوں سے دوستی کرنے کی اجازت دیتا ہے؟ جو چیز آپ کے مذہب میں جائز نہیں وہ ٹھیک کیسے ہو سکتی ہے؟ مذہب کی تعلیمات پر چل کر انسان کبھی بھی کسی پریشانی کا شکار نہیں ہوتا۔ اللہ نے انسانوں کے لیے حدود مقرر کی ہیں۔ ان حدود کو توڑنے والوں کو سخت وعید سنائی گئی ہے۔" ہاتھ میں پیپر ویٹ گھماتے وہ اسے بے زاری سے سن رہی تھی۔
"ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔" اس کی بات پر چند ثانیے وہ اسے دیکھتا رہا۔
"پسند کرنے میں کوئی برائی نہیں ہے۔ دین اسلام ایک سچا اور آسان دین ہے۔ یہ پسند کی شادی کی اجازت دیتا ہے، مگر ہوٹلوں اور پارکوں میں ملنے کی نہیں۔" وہ ترشی سے بولا۔
"تو کیا کروں میں؟ ممی ڈیڈی میری کوئی بات نہیں سنیں گے۔"
"میں انکل اور آنٹی سے بات کر لوں گا۔ مگر آپ وعدہ کریں اب اس سے باہر کہیں بھی نہیں ملیں گی۔" وہ اس کے متعلق تمام معلومات تو پہلے ہی حاصل کر چکا تھا۔ اب آخری مرحلہ باقی تھا۔
"تھینک یو سو مچ علی، آپ ۔۔۔ آپ بہت اچھے ہیں۔" وہ جذباتی ہو گئی۔ اس پر ایک نظر ڈال کر وہ باہر نکل گیا تھا۔ وہ اس کی پشت کو دیکھ کر رہ گئی۔
"یہ شخص ریجیکٹ کیے جانے کے قابل ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو چاہے جانے کے لائق ہے۔ آئی وش کہ اسے اس جیسی کوئی اچھی سی لڑکی مل جائے۔"

☼ ☼ ☼

علی نے ممی ڈیڈی کو کیسے راضی کیا اسے علم نہ تھا۔ مگر وہ بے تحاشا خوش تھی۔
"جلدی سے سب طے ہو جائے پھر سارا کو بتاؤں گی۔ وہ مجھ سے فرہاد کی وجہ سے ناراض ہے نا۔" وہ خوشی سے دیوانی ہو رہی تھی۔
ممی اس سے تھوڑی سی ناراض تھیں ڈیڈی البتہ خاموش تھے۔ فرہاد کو آنے کے لیے اس نے کہہ دیا تھا۔
وہ اپنے کمرے میں تھی جب ملازمہ نے فرہاد کے آنے کی اطلاع دی۔ دھڑکتے دل کے ساتھ وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ سامنے ہی فرہاد بیٹھا ڈیڈی سے باتیں کر رہا تھا۔
"ہیلو!" وہ سامنے جا کر بیٹھ گئی۔ اس نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور دوبارہ ڈیڈی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جو اس سے ہلکے پھلکے انداز میں گفتگو کر رہے تھے فرہاد کو وہ اچھے لگے تھے۔
"بیٹا آپ کے فادر کیا کرتے ہیں؟" ڈیڈی نے اس سے پوچھا تھا۔
"پاپا اینڈ چاچو کا کمبائن بزنس ہے۔ ایک چھوٹی سی فیکٹری ہے لیدر گارمنٹس کی میں بزنس میں ابھی انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔ فی الحال ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کر رہا ہوں۔" وہ محتاط انداز سے جواب دے رہا تھا۔
"ہاں جاب بھی ٹھیک ہے۔ مگر بزنس کا تو اپنا مزا ہے اور پھر جب آپ کے پاس ایم بی اے کی ڈگری بھی ہو۔" ڈیڈی بہت ہلکے پھلکے انداز میں اس سے بات کر رہے تھے۔ وہ چائے پی کر چلا گیا۔
"ڈیڈی کیسا ہے فرہاد؟" وہ ان سے پوچھنے لگی۔
"علی سے اچھا تو نہیں ہے۔" ممی ان سے پہلے بول اٹھیں۔
"ممی کیا ہر کسی کا علی سے موازنہ کرنا ضروری ہے؟"

وہ علی ہے یہ فرہاد ہے۔" وہ خفگی سے بولی۔

"رابیل' والدین کبھی بھی اولاد کا برا نہیں چاہتے ہیں۔ علی سے اچھا لڑکا میں تمہارے لیے نہیں ڈھونڈ سکتی تھی۔ پھر بھی اگر تمہیں اس پر کوئی اعتراض ہے۔ تو ہم تمہاری خوشی میں خوش ہیں۔" ان کی بات نے اسے کچھ اداس کر دیا تھا۔ ڈیڈی بھی خاموش بیٹھے تھے۔ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی۔

"السلام علیکم!" آج پہلی بار اس نے علی کو خود سے کال کی تھی۔ اس کی "ہیلو" کے جواب میں اس نے سلام کر دیا تھا۔

"علی مجھے آپ کو تھینکس کہنا تھا۔" وہ خوش تھی اور اس خوشی کا سارا کریڈٹ اسی کو دے رہی تھی۔

"مگر کس لیے؟" وہ نا سمجھی کے عالم میں بولا۔

"آپ نے میرا اتنا بڑا پرابلم سولو کیا ہے۔ آپ کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہو گا۔"

"شکر ادا کرنا ہے تو اللہ کا کریں' میں بھلا کیا چیز ہوں۔" وہ عاجزی سے بولا۔

"مگر میرا کام تو آپ نے کیا ہے۔ میں شکریہ بھی آپ کا ہی ادا کروں گی۔"

"نعوذباللہ۔" وہ فوراً بولا تھا۔ "کام تو سب اللہ کی مرضی اور حکم سے ہوتے ہیں ہم انسان تو صرف وسیلہ بنتے ہیں۔" وہ کہنے لگا۔

"کیا میں یہ امید رکھوں کہ آپ آئندہ بھی اس مسئلے میں میری مدد کریں گے؟" وہ امید سے بولی۔

"اب آپ کو کیسی مدد چاہیے؟" وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

"ابھی تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی' مگر ممی کچھ ناراض ہیں مجھ سے۔ آئی تھنک ان کو منانے اور ان کا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے آپ کی ضرورت پڑے گی۔" نہایت سفاکی اور خود غرضی سے وہ اسے استعمال کر رہی تھی۔

"آپ نماز پڑھ کے دعا مانگیں اللہ آپ کی مدد کرے گا۔"

"کیا دعا مانگنے کے لیے نماز پڑھنا ضروری ہے؟" اس نے انتہائی معصومیت سے پوچھا۔

"نہیں! نماز کے علاوہ بھی دعا کبھی اور کسی بھی وقت مانگی جا سکتی ہے۔" وہ اسے سمجھانے لگا۔ "اوکے ونس اگین تھینکس۔"

"رابیل آپ نے مجھے وجہ نہیں بتائی مجھ سے منگنی ختم کرنے کی۔" اس کے سوال پر وہ چپ رہ گئی۔

"آپ جانتے ہیں میں فرہاد کو..."

"جب ہماری انگیجمنٹ ہوئی تھی' تب درمیان میں فرہاد نہیں تھا۔" وہ اسے یاد کروا کے شرمندہ کر گیا۔

"شاید آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ ان فیکٹ آپ میں مجھے کچھ برا کبھی محسوس نہیں ہوا۔ اینڈ آئی وش کہ آپ کو کوئی بہت اچھی لڑکی مل جائے۔ کیونکہ آپ خود بھی بہت اچھے ہیں۔" وہ تھوڑی سی شرمندہ ہوئی تھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے مجھ میں..."

"کیا آپ کسی کو پسند کرتے ہیں؟" اس نے ایک دم پوچھا تو وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔

"ہاں۔ بہت پہلے سے' جب میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا تب سے۔" بے خیالی میں وہ کہہ گیا۔

"پھر میں دعا کرتی ہوں کہ وہ لڑکی آپ کو ضرور ملے۔" اس نے خلوص دل سے دعا دی تھی۔

"پاگل ہے یہ لڑکی بھی' راستے جدا کر کے ملنے کی دعائیں دیتی ہے۔" وہ سوچ کر رہ گیا۔ اس کا شکریہ ادا کر کے فون بند کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"فرہاد کب آرہے ہیں تمہارے پیرنٹس میری طرف؟" وہ دونوں روزانہ فون پر بات کرتے تھے اور فرہاد ہر دفعہ اسے ٹال جاتا' کبھی کوئی بہانہ' کبھی کوئی۔

"رابی! میرے پیرنٹس نہیں مان رہے۔"

"کیا؟ آر یو ان یور سینسز؟" وہ زور سے بولی۔

"مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔ میں خود بہت پریشان ہوں۔ میرے گھر میں تو ہنگامہ کھڑا ہو گیا ہے۔ کوئی بھی میری بات سمجھنے کو تیار نہیں ہے۔" وہ بہت پریشان تھا۔

"فرہاد یہ کوئی مذاق نہیں ہے۔ تم میرے پیرنٹس سے مل کر گئے ہو۔ وہ تمہارے پیرنٹس سے ملنا چاہتے ہیں اب میں نے تو علی سے بھی بات کر لی ہے۔ اب مجھ سے اتنا سب کچھ کروا کر تم خود پیچھے ہٹ رہے ہو۔ اس سب سے میں کیا نتیجہ نکالوں؟" وہ خفگی سے بولی۔

"رابی کیا واقعی تم میرا ساتھ چاہتی ہو؟" اسے وہم ستا رہے تھے۔

"فرہاد!" وہ زور سے چیخی۔ "تم کو کیا لگتا ہے' میں یہ سب جو کر رہی ہوں' یہ کوئی ڈراما ہے؟"

"میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔" وہ فوراً صفائی دینے لگا۔

"تم مجھ سے ابھی ملو بس!" دل میں ایک فیصلہ کر کے وہ بولی۔ وہ باہر جا رہی تھی جب ممی نے اسے روک لیا تھا۔

"کہاں جا رہی ہو؟" وہ بہت سنجیدہ تھیں۔

"ممی میں... کچھ دیر میں آجاؤں گی۔" وہ ان سے نظریں چرا کر بولی۔

"کب لا رہا ہے وہ لڑکا پیرنٹس کو؟" وہ بظاہر تو میگزین دیکھ رہی تھیں۔ مگر دھیان سارا اس کی طرف تھا۔ نہایت حقارت سے انہوں نے "وہ لڑکا" کہا تھا۔

"بہت جلد ممی۔" اس نے ان سے زیادہ خود کو تسلی دی۔

"یہ بات تم کب سے کہہ رہی ہو۔ میں چاہتی ہوں مسز فاران کو جتنا جلد ہو سکے بتا دوں اس رشتے کو ختم کرنے کے متعلق۔ وہ جلد ہی علی کی شادی کرنا چاہتی ہیں۔" ایک شکوہ کناں نظر اس پر ڈال کر وہ دوبارہ میگزین دیکھنے لگی تھیں۔

"جی ممی!" اور اب وہ فرہاد کے سامنے بیٹھی تھی۔ دل میں سوچ کر آئی تھی کہ آج اس مسئلے کا حل ڈھونڈ کر یہاں سے جائے گی۔

"اب بتاؤ کیا پرابلم ہے؟" وہ بہت خاموش اور الجھا بیٹھا تھا۔ اس کے پوچھنے پر نظریں اٹھائی تھیں۔

"کیا مجھے اسے حقیقت بتانی چاہیے؟ اور کیا سب کچھ سن کر یہ سمجھ پائے گی؟" وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"فار گاڈ سیک فرہاد! یوں خاموش کیوں بیٹھے ہو؟ مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟ تم نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے؟" فرہاد کی خاموشی اسے تشویش میں مبتلا کر رہی تھی۔ بڑھی ہوئی شیو' الجھے بکھرے بال' شکن زدہ لباس اور سیاہ آنکھوں میں پھیلی سرخی اس کے اندر کی تباہی کا پتا دے رہی تھی۔

"رابیل!" اچانک اس نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔ وہ حیران نظریں اس پر جمائے بیٹھی تھی۔

"رابی! مجھے کبھی بھی مت چھوڑنا۔ تم میرے لیے بہت اہم ہو۔ اپنی زندگی میں' میں تمہاری جگہ کسی اور کو کبھی بھی نہیں دے سکتا۔ کبھی اپنے اور میرے راستے جدا مت کرنا۔ میں جی نہیں پاؤں گا۔" اس کی آنکھوں کی سرخی بڑھ گئی تھی۔ خود اس کی آنکھوں کے کنارے پانیوں سے بھرنے لگے تھے۔

"ایسی باتیں کیوں کر رہے ہو فرہاد؟ تم میرے ساتھ ہو تو میں طوفانوں سے ٹکرانے کا حوصلہ رکھتی ہوں۔ تمہارے لیے میں ساری دنیا سے لڑ سکتی ہوں۔ ایسی باتیں مت کرو' میرا دل گھبرا رہا ہے۔" دونوں کے دل درد سے نڈھال تھے۔ یہ محبت میں کون سا مقام تھا کہ ملنے سے پہلے بچھڑنے کا غم ان دونوں کو رلا رہا تھا۔ شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ پارک میں لوگوں کی آمدورفت کا سلسلہ بڑھ گیا تھا۔ اس پارک میں وہ دونوں اکثر آیا کرتے تھے۔

"پتا نہیں کیوں رابی' مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے تم دھیرے دھیرے مجھ سے دور ہو رہی ہو۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے سب کچھ مٹھی میں سے ریت کی مانند سرک رہا ہے۔ میرا یقین کرو میں بے قصور ہوں۔ میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا میں..." وہ بہت دکھی نظر آرہا تھا۔ کیونکہ اسے آنے والا طوفان نظر آرہا تھا۔ جو ان کی محبت کو بہا کر لے جانے والا تھا۔

"فرہاد کچھ بھی ایسا نہیں ہو گا۔ تم بلاوجہ پریشان ہو

رہے ہو۔ دیکھنا تمہارے پیرنٹس مان جائیں گے۔"
اس سے زیادہ وہ خود کو تسلی دے رہی تھی۔

"کیا میں تمہیں کچھ گفٹ کر سکتا ہوں؟" اپنی بند مٹھی اس کے سامنے لا کر وہ پوچھ رہا تھا۔

"اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے؟" وہ فوراً بولی۔

"ہاتھ ادھر لاؤ۔" اس نے ہاتھ اس کے سامنے پھیلایا تھا۔ اس نے ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

"آنکھیں بند کرو۔" اس نے آنکھیں بند کرلیں۔

"چلو اب کھول لو۔" اس نے جلدی سے آنکھیں کھول لیں۔ اس کے ہاتھ میں خوب صورت رنگ جگمگا رہا تھا۔

"کیسا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"اچھا ہے۔" وہ ہاتھ سامنے پھیلا کر بولی۔ "بہت قیمتی اس لیے کہ یہ تم نے مجھے دیا ہے۔" وہ جذب سے بولی۔

"بہت پہلے یہ میں نے تمہارے لیے خریدا تھا۔ مگر کوئی مناسب وقت نہیں ملا تھا دینے کا، مجھے لگا آج یہ تمہیں نہ دیا تو شاید کبھی نہ دے سکوں۔" اس کی نظریں اس کے ہاتھوں پر تھیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو تحفے دیتے رہتے تھے۔ مگر رابیل کو یہ سب سے قیمتی لگ رہا تھا۔ اس دن دونوں نے بہت باتیں کی تھیں۔ پہلی ملاقات سے لے کر اب تک کی تمام باتیں یاد کیں۔ کبھی ہنستے ہنستے آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگتے اور کبھی روتے ہوئے ہنس دیتے۔

"رابی اب ہمیں گھر چلنا چاہیے۔ اندھیرا بڑھ رہا ہے۔ بہت وقت ہو گیا ہے۔" پارک میں سے لوگ بھی اب نکلنے لگے تھے۔ وہ دونوں وہاں سے اٹھ کر پارک کے گیٹ کی طرف بڑھے تھے۔ درختوں کے کچھ سوکھے پتے ان کے قدموں تلے آئے تو بڑی اداس آواز پیدا ہوئی تھی۔

"فرہاد!" وہ اس سے چند قدموں کے فاصلے پر تھا۔ مڑ کر اس کے پاس آیا تھا۔

"رابی!" وہ پریشان ہو اٹھا۔

"میرے ساتھ چلو۔ مجھے پیچھے چھوڑ کر آگے مت نکلو۔" اس کی بات پر فرہاد کے دل کو کسی نے مٹھی میں لیا تھا۔

"میں تمہارے ساتھ ہی تو ہوں۔" اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ پارک سے باہر آیا تھا۔ اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے وہ اچانک واپس مڑا تھا۔

"اگر میری ذات کبھی تمہارے لیے دکھ کا باعث بنے تو مجھے سزا ضرور دینا مگر مجھ سے ناراض کبھی بھی مت ہونا۔" اس کی اداس آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہ بولا تھا۔

"میں تم سے ___ ناراض ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔" اس کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

"اب کب ملو گے؟" وہ جان بوجھ کر بات میں سے بات نکال رہی تھی۔ خدا حافظ کہنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔

"بہت جلد، اب میں تمہیں عنقریب گڈ نیوز سناؤں گا۔" وہ گاڑی کا لاک کھولنے لگا۔

"بائے رابی، بائے فار ایور۔" اچانک بے خیالی میں اس کے منہ سے نکلا تھا۔ اس کے دل پر گھونسہ پڑا تھا۔

"فرہاد!" وہ زور سے چیخی تھی۔

"سوری میں نے مذاق کیا تھا۔" وہ فوراً بولا۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔

"ایسا مذاق دوبارہ مت کرنا۔" اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اسے سوری کہہ کر وہ گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور گاڑیاں اپنے راستوں پر ڈال دیں۔

☆ ☆ ☆
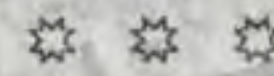
اپنے کمرے میں لیٹے ہوئے کافی دیر ہو گئی تھی، معلوم نہیں کب اس کی آنکھ لگ گئی۔ جب آنکھ کھلی تو کمرے میں ملگجا اندھیرا پھیلا تھا۔ اداسی اس کے اردگرد پر پھیلا رہی تھی۔ وہ منہ دھو کر بال سمیٹے اور دوپٹا شانوں پر پھیلائے باہر آ گئی۔

"آپ جھوٹ بولتے ہیں میری بیٹی اتنی بے وقوف نہیں ہو سکتی۔" ڈرائنگ روم میں سے پاپا کی غصے سے

بھرپور آواز ابھری۔ اسے انجانے خدشوں نے گھیر لیا جلدی سے آگے بڑھی اور دروازے کی اوٹ میں ہو کر کھڑی ہو گئی۔

"دیکھیں انکل! فرہاد نے آپ کی بیٹی کو اپنے متعلق سب کچھ بتایا تھا۔ آپ کی بیٹی کو اس پہ کوئی اعتراض نہیں۔" سامنے کوئی نوجوان بیٹھا تھا۔ جو یقیناً فرہاد کا کوئی رشتہ دار تھا۔

"میری بیٹی مسلمان ہے۔ بہت اچھی نہ سہی مگر وہ اتنا ضرور جانتی ہے کہ اس کی شادی کسی غیر مسلم لڑکے سے نہیں ہو سکتی۔" آواز تھی یا صور اسرافیل، اسے لگا تھا چھت اس کے سر پر آ گری ہو۔

"تمہیں ٹھوکر لگے گی تو سنبھلو گی اور میری دعا ہے کہ اس سے پہلے ہی سنبھل جاؤ۔" پاس ہی کہیں سارا کی آواز ابھری تھی۔ اس کا حلق خشک ہو رہا تھا اور سر چکرا رہا تھا۔

"فرہاد، علی سے اچھا تو نہیں ہے۔" ممی کی آواز گونجی۔ وہ الٹے قدموں چلنے لگی۔

"جو چیز آپ کے مذہب میں جائز نہیں وہ ٹھیک کیسے ہو سکتی ہے؟" سامنے علی کھڑا تھا۔

"وہ بالکل بھی اچھا انسان نہیں ہے۔ کبھی اس کی پیشانی کو غور سے دیکھنا، وہاں جھوٹ اور دھوکا لکھا صاف نظر آتا ہے تم بہت پچھتاؤ گی۔" سارا کہیں سے نکل کر سامنے آ گئی تھی۔ اسے ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔ اس نے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام رکھا تھا۔ اندر سے آوازیں ابھی بھی آ رہی تھیں۔

"میری بیٹی بہت سمجھ دار ہے۔ اچھے برے کی اسے خوب پہچان ہے۔" ڈیڈی سامنے سے نکل کر آئے۔

"رابی مجھے کبھی بھی مت چھوڑنا۔ تم میرے لیے بہت اہم ہو۔ اپنی زندگی میں، میں تمہاری جگہ کسی اور کو کبھی بھی نہیں دے سکتا۔ کبھی اپنے اور میرے راستے جدا مت کرنا میں جی نہیں پاؤں گا۔" ایک دم فرہاد سامنے آیا تھا۔ اس کا دل پھٹنے لگا تھا۔ پیچھے ہٹتے ہوئے وہ دیوار سے ٹکرا کر مڑی تھی۔ اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ اب وہ دیوار پر مکے برسا رہی تھی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا۔

"بائے رابی! بائے فار ایور۔" کسی نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔ آوازیں گڈمڈ ہونے لگیں۔

"نہیں، نہیں یہ جھوٹ ہے۔ نہیں فرہاد.... یہ جھوٹ ہے، جھوٹ ہے۔" اس نے پیشانی کو دیوار سے ٹکا دیا، لیکن اب وہ خود کو سنبھال نہیں پا رہی تھی اور پھسلتی ہوئی کارپٹ پہ آ گری۔

فرہاد غیر مسلم ہے، یہ خبر اس کے لیے بہت بڑا دھماکہ تھی۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کے ساتھ تقدیر ایسا مذاق کرے گی۔ اس صدمے نے اس کے دل ودماغ کی دنیا کو تہہ وبالا کر دیا تھا۔ اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔ فرہاد ہسپتال آیا تھا مگر وہ بے ہوش تھی۔ ممی نے اس کی بہت انسلٹ کی تھی۔

"مجھے ایک بار اس سے ملنے دیں، پلیز!" وہ ملتجی ہوا تھا۔ علی نے نظر بھر کر اسے دیکھا تھا۔

"اب کیا کرو گے اس سے مل کر۔ پہلے ہی تمہارے دھوکے نے اسے توڑ دیا ہے۔" ممی غصے سے بولی تھیں۔ وہ چپ چاپ وہاں سے چل دیا تھا۔

"فرہاد! وہ ہسپتال سے نکل رہا تھا۔ اپنے عقب میں آواز سن کر مڑا۔

"وہ ٹھیک ہو جائے گی، تب آپ اس سے مل لینا۔ ابھی وہ شاکڈ ہے۔ کسی سے ملنے یا بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔" وہ خالی خالی نظروں سے علی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی بات مکمل ہوتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ علی نے تاسف سے اسے دیکھا تھا۔

"آنٹی رابیل صحت یاب ہو کر گھر آ جائے تو آپ اسے فرہاد سے ملنے دیجیے گا۔ مجھے یقین ہے اس بار وہ درست فیصلہ کرے گی۔ جس پر کبھی وہ پچھتائے گی بھی نہیں۔ آپ اسے فرہاد سے ملنے سے روکیں گی تو ہو سکتا ہے وہ آپ سے بدگمان ہو جائے پھر زندگی کے کسی موڑ پر اسے یہ پچھتاوا ہونے لگے کہ وہ ایک بار اس سے مل لیتی۔ شاید وہ اسے اپنے دین میں لانے میں کامیاب ہو جاتی۔" فرہاد سے بات کرنے کے بعد اب وہ انہیں سمجھا رہا تھا۔

"مگر میں ایسا ہرگز نہیں چاہتی۔ میری بیٹی کوئی ملانی نہیں ہے کہ اسے اسلام کی دعوتیں دیتی پھرے۔" وہ نخوت سے بولیں۔

"آنٹی اپنے اردگرد رہنے والے غیر مسلموں کو دین اسلام کی دعوت دینا ہمارا مذہبی فریضہ ہے۔" وہ اب بھی اپنی بات پر قائم تھا۔

"لیکن اب بالفرض وہ عیسائی لڑکا مسلمان ہو بھی جاتا ہے' میں پھر بھی اپنی بیٹی کا ہاتھ اسے کبھی نہیں تھماؤں گی۔" ان کے خیالات جان کر اسے افسوس ہوا تھا۔

وہ ہسپتال سے گھر آگئی تھی' مگر اس کی چپ نہیں ٹوٹی تھی۔ ممی اس کے پاس بیٹھی دنیا جہان کی باتیں کیے جاتیں' مگر خاموش لیٹی' وہ خلاؤں کو گھورتی رہتی۔ فرہاد اسے کالز کرتا۔ اس نے سیل آف کر دیا۔

"بیٹا آپ پھر سے آفس جوائن کرلو۔ گھر فارغ بیٹھو گی تو طبیعت زیادہ خراب ہو جائے گی۔" پاپا آفس سے آئے تھے اور اس کے کمرے میں بیٹھے تھے۔

"اتنی خاموش مت رہا کرو۔ باتیں کیا کرو۔ جو ہوا اسے بھول جاؤ' میں جانتا ہوں یہ مشکل ضرور ہے مگر ناممکن نہیں۔" محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے تھے۔ جواباً" بھی وہ خاموش رہی تو وہ اٹھ کر چلے گئے۔

فرہاد اس سے ملنے آیا تھا مگر اس نے ملنے سے انکار کر دیا۔

"میں اب تم سے کبھی نہیں ملوں گی' تم نے مجھے دھوکہ دیا' زندگی سے میرا اعتبار ختم کر دیا۔" وہ اکیلی بیٹھی روتی رہتی' کسی چیز میں اس کا دل نہ لگتا۔ ایسے میں ممی پاپا کے علاوہ علی نے بھی اس کا بہت خیال رکھا۔ کوئی ایسی بات اس سے نہیں کہی جس سے اس کا دل دکھتا۔ وہ اسے بہت اچھی باتیں بتاتا۔

☼ ☼ ☼

علی اس سے ملنے آیا تھا۔ وہ آکر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ ہر طرف خاموشی کا راج تھا۔ ممی کسی ملنے والی کی عیادت کے لیے گئی تھیں۔ ڈیڈی ابھی آفس سے نہیں آئے تھے۔ علی اندر نہیں آیا تھا بلکہ باہر لان میں ہی بیٹھ گیا تھا۔ گہری ہوتی ہوئی شام میں دھوپ اب صرف منڈیروں پر رہ گئی تھی۔ موسم میں کچھ خنکی بڑھ گئی تھی۔ سردی کا ہلکا سا احساس اچھا لگ رہا تھا۔ اس نے سویٹر پہن رکھا تھا۔ ایک نظر رابیل کو دیکھا' جو بغیر کسی سویٹر یا شال کے' زرد رنگ کا سادہ سا لباس پہنے انتہائی مضمحل اور اداس دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے شولڈر کٹ بال اب کمر تک پہنچنے والے تھے۔ وہ نگاہیں جھکا گیا۔

"کیسی ہیں آپ؟" اس نے گفتگو کا آغاز کیا تھا۔

"زندہ ہوں۔" اس کا جواب ذہنی حالت کا عکاس تھا۔

"رابیل زندگی ایک شخص پر ختم نہیں ہو جاتی۔ اس سے نہ ملتے ہوئے آپ کو کئی مہینے ہو گئے ہیں۔ آپ زندہ بھی ہیں اور سلامت بھی' آپ کھاتی پیتی' سوتی جاگتی اور اٹھتی بیٹھتی بھی ہیں۔ اس بات کو مان کیوں نہیں لیتیں کہ آپ اس کے بغیر رہ سکتی ہیں۔"

"آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟" اس نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھا۔

"میں چاہتا ہوں آپ ایک نارمل زندگی گزاریں اور اب ہماری شادی۔۔۔"

"نہیں علی!" وہ ایک جھٹکے سے سیدھی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں وحشت کے سائے تھے۔ "تو پھر فرہاد سے شادی کرلو۔" وہ فوراً" بولا تھا۔

"کیا اس سے میری شادی ہو سکتی ہے؟" اس کی آنکھوں میں امید اور آس کا ننھا سا دیا ٹمٹمایا تھا۔

"ہاں! اگر آپ عیسائی ہو جائیں' یا وہ مسلمان۔" وہ جواب دے کر اس کے تاثرات نوٹ کر رہا تھا۔

"مگر میں عیسائی نہیں ہو سکتی میں مسلمان ہوں اور مسلمان ہی رہنا چاہتی ہوں۔" وہ فوراً" بول اٹھی۔ ڈھیروں سکون علی کے وجود میں اترا تھا۔

"پھر اسے مسلمان کرلو۔" اس کے جواب میں وہ کچھ بے چین ہو اٹھی۔

"میں؟ میں کیسے؟" وہ استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"آپ اس کے ساتھ ایک میٹنگ رکھیں اور اسے اسلام کی دعوت دیں۔"

"لیکن اگر اس نے مجھے عیسائی ہونے کے لیے کہا تو میں کیا کروں گی؟" اس کے دل میں ایک امید پیدا ہو گئی تھی کہ شاید فرہاد مسلمان ہو جائے۔

"آپ جب اس سے ملیں تو مجھے بھی بتا دیجیے گا' میں بھی آجاؤں گا اور آپ کے سامنے اس سے بات کروں گا۔" علی کی باتوں سے اسے کافی تسلی ہوئی تھی۔ اپنے اور فرہاد کے بیچ جو اتنے فاصلے تھے' اسے وہ ختم ہوتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

"کیا وہ مان جائے گا مسلمان ہونے کے لیے؟" وہ تذبذب کا شکار تھی۔

"آپ دعا کرنا نماز پڑھ کر' ان شاءاللہ وہ ضرور مان جائے گا۔" وہ یقین سے بولا تھا۔

"علی اگر وہ مسلمان ہو گیا تو ہم دونوں کی شادی ہو جائے گی۔ آپ کو اس سے کیا ملے گا؟ آپ بجائے مجھے خود سے شادی پر قائل کرنے کے' میری اور فرہاد کی شادی کیوں کروانا چاہتے ہیں؟" وہ الجھی ہوئی تھی۔ فرہاد سے الگ ہونے کے بعد ممی نے اسے بتایا تھا کہ علی اس سے محبت کرتا ہے اور اس کے کہنے پر مسز فاران رشتہ لائی تھیں۔ پھر اب وہ اسے خود سے دور کر رہا تھا تو یہ بات اسے سمجھ نہیں آرہی تھی۔

"رابیل! خدا کی محبت کے سامنے دنیا کی سب محبتیں' نعمتیں اور خوشیاں بے معنی ہوتی ہیں۔ اگر میری دعوت پر کوئی غیر مسلم' مسلمان ہو جاتا ہے تو آپ سوچ بھی نہیں سکتیں کہ رب تعالیٰ کتنا خوش ہو گا۔ اس کی خوشنودی کے لیے میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔" اس کی بات کے جواب میں وہ خاموش ہی رہی تھی۔ چائے پینے کے بعد وہ چلا گیا تھا۔

اسے نئی انرجی علی دے گیا تھا۔ وہ ایک بار پھر پرامید تھی۔

اگلا دن اپنے دامن میں بے شمار امیدیں اور آس لے کر طلوع ہوا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کی رابیل اس سے زیادہ دن دور نہیں رہ سکتی۔ سرمستی کے عالم میں وہ سرشام ہی ڈنر پر جانے کی تیاری کرنے لگا۔ اسے جب سے رابیل کی کال آئی تھی کہ "میں تم سے شادی کے لیے تیار ہوں۔" وہ تب سے خوشی سے دیوانہ ہو رہا تھا۔

طے شدہ وقت سے آدھا گھنٹہ پہلے ہی وہ ریسٹورنٹ میں پہنچ گیا تھا۔ اس کی نظریں داخلی دروازے کی طرف اٹھی تھیں اور پھر جھکنا بھول گئیں۔

سرخ اور سبز رنگ کے کرتا اور چوڑی دار پاجامہ میں ملبوس' آدھی آستینوں سے اس کے خوب صورت سفید بازو جھانک رہے تھے۔ باریک دوپٹہ شانوں پر لاپروائی سے جھول رہا تھا۔ سرخ رنگ کی لپ اسٹک سے اس کے خوب صورت لب اور حسین لگ رہے تھے۔ گلے میں ہمیشہ کی طرح آج بھی چین موجود تھی۔ خراماں خراماں چلتی ہوئی وہ اس کے سامنے آبیٹھی تھی۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟" اس نے مسکرا کر پوچھا تھا۔

"دیکھ رہا ہوں کہ مجھ سے جدائی کا کتنا اثر ہوا تم پر۔" اس کے جگمگاتے چہرے پر نظریں جمائے وہ بولا تھا۔

"یہ سب تیاری تو تمہارے لیے ہے۔ تم کبھی گھر آ کر دیکھتے میرا کیا حال ہو گیا تھا' تم سے بچھڑ کر۔"

"تمہیں کیا ہو گیا تھا رابی؟ میں خود اس قدر پریشان تھا' کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں۔ تمہیں پتا ہے نہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں؟" وہ جذباتیت سے بولا۔

"تم میرے لیے کیا کر سکتے ہو؟" وہ فوراً" بولی تھی۔

"کچھ بھی' جو تم کہو۔" اس نے جھٹ سے جواب دیا تھا۔

"تم پھر تم مسلمان ہو جاؤ۔" علی کے سمجھائے

ہوئے طریقے کے مطابق وہ بولی تھی۔ جبکہ اس کی بات پر وہ ششدر رہ گیا تھا۔

"تم اسے گلے میں سے اتار دو۔" اس نے فرہاد کے گلے میں موجود صلیب کی طرف اشارہ کیا۔ "اور اگر میں تم سے کہوں کہ تم عیسائی ہو جاؤ اور اسے ہمیشہ کے لیے اتار دو۔" اس نے اس کے گلے میں موجود چین کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جس میں محمد لکھا تھا۔ علی کا کہا سچ ثابت ہوا تھا۔

"یہ کرسچن نہیں ہو گی' اگر آپ اس سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو اس پرابلم کا ایک ہی حل ہے کہ آپ مسلمان ہو جائیں۔ کیونکہ مسلمان لڑکی کی شادی غیر مسلم لڑکے سے نہیں ہو سکتی۔" پچھلی طرف بیٹھا علی اچانک اٹھ کر ان کے پاس آیا تھا۔ فرہاد نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"ہاں تو ٹھیک ہے' رابی کرسچن ہو جائے۔" وہ سکون سے بولا۔

"نہیں رابیل اپنا دین نہیں بدلے گی۔ ہاں اگر آپ مسلمان ہو جائیں تو آئی پرامس میں آپ کی شادی رابیل سے کروا دوں گا۔" وہ رسانیت سے بولا۔

"میں اسلام قبول کیوں کروں؟ رابیل کرسچن کیوں نہیں ہو جاتی؟" وہ فوراً بولا تھا۔

"دین اسلام ایک سچا اور مکمل دین ہے۔ اللہ پاک قرآن پاک میں۔۔۔۔"

"تو آپ کے خیال میں میرا دین جھوٹا ہے؟" وہ ایک دم غصے میں آیا تھا۔ رابیل کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

"میرا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے۔ لیکن کیا آپ نے کبھی اس بات پر غور کیا کہ اللہ ایک کے بعد دوسرا دین کیوں بھیجتا رہا؟ کیا یہ بات کبھی آپ کے ذہن میں آئی کہ اسلام آنے کے بعد اور نبی آخری الزماں کے بعد اللہ نے کوئی اور دین کوئی اور نبی کیوں نہیں بھیجا؟" اس کی بات کے جواب میں رابی نے فرہاد کو بوکھلاتے ہوئے دیکھا تھا۔

"جیسے پہلے نبی اور کتابیں آئیں ویسے ہی پاک پیغمبر بھی آئے۔ اس میں فرق کیا ہے؟" وہ بولا۔

"فرق ہے میرے بھائی' بہت زیادہ فرق ہے۔ آپ خود سوچیں کہ ہم نیا قانون یا اصول کب بناتے ہیں؟ تب ہی نا جب پہلا ناکام ہو جائے یا پھر اس میں کوئی کمی یا خامی رہ جائے۔ آپ کو پتا ہے خدا کا پیغام تو ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر' نبی اور رسول لے کر آئے۔ ایک کے بعد دوسری الہامی کتابیں اور صحیفے اترے۔ اللہ نے مخصوص علاقوں کے لیے نبی بھیجے جیسے حضرت موسیٰ کو بنی اسرائیل کے لیے' حضرت عیسیٰ کو نصاریٰ کے لیے یہ سب نبی خدا کے پیغام کی تبلیغ کرتے' لیکن جو دین وہ لے کر آتے وہ یا تو مکمل ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جاتا' یا پھر لوگ اس میں اتنی تبدیلیاں کرتے کہ وہ کوئی نیا دین بن جاتا یا پھر ایسا۔۔۔۔"

"علی پلیز! آپ ہمیں الجھائیں مت۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔" وہ ترشی سے بولا۔

"میں آپ کی الجھن ہی تو دور کرنا چاہتا ہوں۔ پلیز میری بات سن لیں' پھر میں آپ کی سنوں گا۔" رابیل نے سراسیمہ نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا تھا۔ ویٹر دوبار آرڈر لینے آیا تھا۔ مگر انہوں نے آرڈر نوٹ نہیں کروایا۔ یہاں تو زندگی' موت کی جنگ جاری تھی' کھانا کس کے حلق سے اترتا۔ "ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔" اس نے سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا تھا۔

"جب ایک دین ختم ہو جاتا تو اللہ اپنے پیغام کی تکمیل کے لیے ایک نئے نبی کو کسی نئے دین کے ساتھ بھیجتا۔ مگر لوگ اس کا حشر بھی پہلے دینوں جیسا کرتے۔ جب اللہ یہ دیکھ چکا کہ اس کا پیغام کسی طرح بھی مکمل نہیں ہو رہا تو اس نے ایک مکمل دین' مکمل شخصیت اور مکمل کتاب کے ساتھ دنیا میں اتارا۔ جو کسی مخصوص علاقے یا قوم کے لیے نہیں تھا۔ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ پھر اس نے قرآن پاک میں یہ فرمایا "دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔ دین اسلام کے آنے سے اللہ کے پیغام کی تکمیل ہو گئی۔ اس لیے اس کے بعد کوئی دوسرا دین یا نبی' نہ ہی آیا ہے اور نہ قیامت تک آئے گا۔" اپنی بات کے اختتام پر اس نے ان دونوں کے چہروں پر ایک نظر ڈالی تھی۔

"بالفرض میں آپ کی بات مان لیتا ہوں۔" فرہاد چند ثانیے گم کورکا تھا۔ اس نے پانی کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا لیا تھا۔ رابیل سے انتظار مشکل ہو گیا تھا۔ وہ بے صبری سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

"میں ایک عیسائی گھرانے میں پیدا ہوا' اس میں میرا کیا قصور ہے؟" گلاس واپس میز پر رکھ دیا۔

"بلاشبہ آپ کا قصور ہے' نہ کسی اور کا مگر اللہ کے سچے دین کا پیغام اور روشنی اب تو آپ تک پہنچ گئی۔ اس نے آپ کو عقل دی' سمجھ' شعور اور فہم کی دولت عطا کی' اپنے سچے دین کا پیغام آپ تک پہنچایا' اب بھی اگر آپ اس پر عمل کریں تو آپ کی دنیا اور آخرت سنور جائے گی۔ لیکن اگر حقیقت جان کر بھی آپ اسلام قبول نہیں کرتے تو پھر روز قیامت اللہ سے یہ مت کہیے گا کہ "نعوذباللہ" مجھے غیر مسلم تم نے بنایا تھا۔ کیونکہ اس دن اس نے غیر مسلمانوں سے یہ سوال ضرور کرنا ہے۔

"کیا تم تک میرے سچے دین (اسلام) کی روشنی اور پیغام نہ پہنچا تھا؟"

"تو میرے بھائی اس دن تم کیا جواب دو گے؟" وہ جواب طلب نگاہوں سے فرہاد کو دیکھ رہا تھا۔

"آپ میری بات چھوڑیں۔" اب اس نے خاموش بیٹھی رابیل پر ایک نگاہ ڈالی تھی۔ پھر دوبارہ علی کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

"آپ کے کہنے کے مطابق میں ایک نامکمل اور ترمیم شدہ دین کو ماننے والا ہوں۔ رابیل تو مکمل سچے اور خداوند کے پسندیدہ دین کی پیروی کرنے والی ہے۔ اس میں اور مجھ میں کیا فرق ہے؟" اس کی بات پر میز پہ جیسے خاموشی چھا گئی تھی۔ تینوں نفوس خاموش تھے۔ رابیل نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اتنی اچھی باتیں کرنے اور دلائل دینے کے باوجود علی اسی کی وجہ سے اس کا کیس ہارنے والا تھا۔

"اس سے پوچھیں' کبھی اس نے نماز پڑھی؟ کبھی قرآن کو کھول کر دیکھا؟ کیا مسلمان لڑکیوں کے لباس اس طرح کے ہوتے ہیں جیسا یہ پہنتی ہے؟" اس کی بات پر علی نے ایک سرسری نظر رابیل کی آدھی آستینوں میں سے جھانکتے سفید بازوؤں' کھلے گلے اور کندھے پر جھولتے دوپٹے کو دیکھا تھا۔

"میرا خیال ہے ہم دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور مجھے تو رابی بھی کسی ادھورے دین کی ماننے والی لگتی ہے۔ کئی بار میں نے اس کا ہاتھ پکڑا ہے جو کہ اسلام میں بہت بڑا گناہ ہے اور آج یہ تیار بھی میرے لیے ہو کر آئی ہے۔ کیا دین اسلام یہی سکھاتا ہے عورتوں کو کہ وہ غیر مردوں کے لیے بناؤ سنگھار کریں؟ بازاروں میں جاتے ہوئے فل میک اپ کر لیں؟" آئینے میں اسے اپنی صورت بہت بھیانک نظر آئی تھی۔ نظریں جھکائے آنکھوں میں اترنے والی نمی کو وہ ان دونوں سے چھپا رہی تھی۔ اس کی وجہ سے علی لاجواب ہو گیا تھا۔

"بہرحال ہو سکتا ہے تم ٹھیک کہتے ہو' مگر میں اپنے اجداد کا دین نہیں چھوڑ سکتا۔" اس نے کہتے ہوئے رابیل کو دیکھا تھا۔ جو بے آواز رو رہی تھی۔

"تو پھر تم میں اور ابوجہل میں کوئی فرق نہیں ہے وہ بھی کہتا تھا۔ میں مانتا اور جانتا بھی ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سچے دین کی تبلیغ کرتے ہیں۔ لیکن اس پر ایمان نہیں لا سکتا۔ کیا اپنے باپ' دادا کا دین چھوڑ دوں؟"

"رابیل تم پچھتاؤ گی!" اب وہ اس سے مخاطب تھا۔ مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"میں جا رہا ہوں رابی!" وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ میز پر رکھی گاڑی کی چابیاں' اپنا موبائل اور والٹ اس نے اٹھایا تھا۔

"مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم مسلمان ہو۔ میں تم سے شادی کے لیے تیار ہوں۔ مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دینا۔" رفتہ رفتہ وہ اس سے دور ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے آخری بار دیکھا تھا۔

"رکو فرہاد!" خوش گمانیوں میں گھرا وہ واپس مڑا تھا۔ دھیرے دھیرے چلتا اس کے پاس آرکا تھا۔ اس نے ہاتھ میں سے اس کی انگوٹھی اتار کر واپس کردی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

خواب پوش آنکھوں میں
آنسوؤں کا بھر جانا
حسرتوں کے ساحل پر
تتلیوں کا مرجانا
حبس کی ہواؤں میں
خوشبوؤں کا ڈر جانا
دل کے گرم صحرا میں
حشر کا بپا ہونا
درد کا دور ہونا
کیا بہت ضروری تھا.....!
اب اس کا جدا ہونا.....؟

دونوں کی آنکھوں میں حسرتیں دم توڑ رہی تھیں۔ ایک لمبی مسافت طے کرنے کے بعد علم ہوا تھا کہ وہ غلط منزل پر چلتے رہے۔ وہ واپس پلٹ گیا تھا۔ وہ اسے جاتا دیکھتی رہی۔

☼ ☼ ☼

اب کی بار وہ پہلے سے زیادہ ٹوٹ کر بکھری تھی۔ اس کا وجود فرہاد کی باتوں سے ریزہ ریزہ ہوگیا تھا۔ وہ اس کے منہ پر طمانچہ مار کر گیا تھا۔

اس کی نیچر شروع سے ایسی تھی کہ وہ جلدی کسی سے فرینک نہیں ہوتی تھی۔ ایک ہی دوست تھی اور اس نے بھی اتنے کڑے وقت میں ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ کرچی کرچی ہوتے وجود کو سمیٹتی، وہ بے حال ہو رہی تھی۔ ایسے میں علی نے اسے بہت سہارا دیا تھا۔ وہ اکثر شام اس سے ملنے آتا اور اس سے بہت ساری باتیں کرتا۔ وہ بولتا جاتا وہ خاموشی سے اسے سنتی رہتی۔ اسے علی کی باتیں بہت اچھی لگتی تھیں۔

وہ آہستہ آہستہ اس کو زندگی کی طرف واپس لا رہا تھا اس کو اچھی اچھی دین کی باتیں بتاتا وہ اس کی باتوں میں دلچسپی لیتی اور جہاں تک عمل ہوپاتا وہ عمل بھی کرتی۔ علی اس کا بہت اچھا دوست بن گیا۔

روزمرہ کی کچھ اشیاء خرید کر وہ اسٹور میں سے باہر نکلا تھا۔ اس کے بڑھتے قدم رک گئے تھے۔ آج اتنے سالوں بعد اسے سامنے دیکھا تھا۔ اس کے ساتھ وہ یقیناً "علی ہی تھا۔

دائم آباد رہے گی دنیا
ہم نہ ہوں گے کوئی ہم سا ہوگا

ان دونوں کو ساتھ دیکھ کر اس کے دل پر گھونسا پڑا تھا۔ وہ جو اتنے برسوں سے اس کی یادوں کو قیمتی خزانے کی طرح سنبھالے پھر رہا تھا، آج ان دونوں کو ساتھ دیکھ کر ٹوٹ کر بکھرا تھا۔ رابیل نے سر پر اسکارف اوڑھ رکھا تھا۔ بڑی سی چادر ارد گرد پھیلائے، آج اس کے چہرے پر ایک انوکھا سا تاثر تھا۔ وہ سمجھ نہیں پایا کہ کیسی روشنی تھی اس کے چہرے پر وہ دوبارہ اسٹور میں داخل ہوگیا تھا۔ کیا آج بھی وہ چین اس نے پہن رکھی ہوگی۔ کچھ ہی دیر میں علی ایک تین، ساڑھے تین سال کی بچی کو اٹھائے اندر داخل ہوا تھا۔ اب وہ چیزیں خرید رہا تھا بچی ادھر ادھر پھر رہی تھی۔

"اوہ! سوری بیٹا۔" وہ اپنے خیالوں میں مگن چل رہا تھا کہ سامنے سے آتی بچی سے ٹکرا گیا۔ اس کے ٹکرانے سے بچی کے ہاتھ میں پکڑے بسکٹ اور چپس کے پیکٹ ادھر ادھر بکھر گئے۔ وہ نیچے بیٹھ کر اس کی چیزیں اکٹھی کرنے لگا تھا۔

"رہنے دیں انکل! میں خود اٹھالوں گی۔" وہ نیچے بیٹھ گئی تھی۔

"لیں، میں نے سب کچھ اکٹھا کر بھی لیا۔" اس نے پیکٹس اسے تھمائے تھے۔ اس کی نظریں بچی کے گلے میں موجود چین پر ٹھہر گئیں۔ بہت باریک گولڈ کی چین اور اس میں محمد لکھا ہوا تھا۔ پنک کلر کی پوری آستینوں کی فراک، سفید ٹراؤزر اور سفید چھوٹے سے دوپٹے کو پٹی کی صورت میں گلے میں ڈالے وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ سمجھ دار اور ذہین دکھائی دے رہی تھی۔

"جزاک اللہ، انکل!" بچی نے پیکٹس اس سے تھام لیے تھے۔

"جزاک اللہ؟ اس کا کیا مطلب بیٹا؟" وہ حیرت سے بولا۔

"اس کا مطلب ہے اللہ آپ کو اس کا بدلہ دے۔ میری ماما کہتی ہیں "جب کوئی آپ کی ہیلپ کرتا ہے تو اس کو "جزاک اللہ" بولتے ہیں۔" براؤن کلر کی موٹی موٹی آنکھیں، چھوٹی سی پیاری سی ناک اور گلابی لب جو بولتے ہوئے پھول کی پنکھڑیوں جیسے لگتے، وہ مبہوت ہو کر اسے دیکھے گیا۔ اس کے چہرے پر انتہائی معصومیت تھی اور وہ بولتی بھی بہت پیارا تھی۔

"آپ کی ماما کدھر ہیں؟" اس نے اسٹور میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔

"ماما باہر گاڑی میں بیٹھی ہیں۔" جواب دے کر وہ واپس مڑنے لگی، جب فرہاد نے اچانک اسے پکارا تھا۔

"ننھی پری! اپنا نام تو بتاتی جاؤ۔"

"فاطمہ علی۔" اسے جواب دے کر وہ اپنا چھوٹا سا دوپٹہ کندھے پر سیٹ کرنے لگی۔

"آپ مجھ سے دوستی کرو گی؟" اس نے اپنا ہاتھ اس کے سامنے پھیلایا تھا۔

"نہیں۔" اس نے ناک چڑھا کر اور کچھ غصے سے کہا تھا۔

"کیوں؟" وہ حیران ہوا تھا۔

"میری ماما کہتی ہیں، کسی سے دوستی کرنے سے پہلے مجھ سے ضرور پوچھا کرو۔ ابھی میں نے ان سے پوچھا بھی نہیں اور ماما کہتی ہیں کہ دوستی تو صرف ان سے کیا کرو جو آپ کے ساتھ ڈولز اور ڈولز ہاؤس والی گیم کھیلیں مگر انکل آپ تو میری ڈولز کے ساتھ نہیں کھیل سکتے۔" اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظرانداز کرتی وہ واپس مڑی تھی۔

"چند سال پہلے تم مجھے یونہی چھوڑ گئی تھیں۔ میرے ہاتھ کو یوں ہی جھٹکا تھا، جیسے آج تمہاری بیٹی میرے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظرانداز کرگئی۔ ویسے رابیل تم نے ٹھیک کیا جو ابھی سے ابھی بیٹی کے گرد حفاظتی حصار

بنانا شروع کر دیا۔ تاکہ کل کو وہ اپنی زندگی خراب کرے نہ کسی اور کی۔" درد کی ایک لہر اس کے پورے وجود میں دوڑ گئی تھی۔

"فاطمہ! بیٹا کہاں چلے گئے تھے آپ؟ پاپا پریشان ہو گئے تھے۔" اسے سامنے سے آتا دیکھ کر وہ بولا تھا۔

"پاپا میں ماما کے پاس جا رہی تھی۔ وہاں ایک انکل سے ٹکر ہو گئی تھی۔" وہ معصومیت سے بولی۔

"اوہ! چوٹ تو نہیں آئی آپ کو؟" اس نے بیٹی کو اٹھا لیا تھا۔

"نہیں پاپا۔" وہ فوراً بولی تھی۔ اسے لے کر وہ باہر آ گیا تھا۔ سامان گاڑی کی پچھلی سیٹ پر رکھ کر اب وہ فرنٹ سیٹ پر رابیل کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔ فاطمہ رابیل کی گود میں چڑھ گئی۔ "ممی کی طرف پہلے جانا ہے یا سارا کی طرف؟" اگنیشن میں چابی گھماتے ہوئے اس سے پوچھ رہا تھا۔

"پہلے ممی کی طرف چلتے ہیں، پھر سارا کی طرف جائیں گے۔ آپ کو تو پتا ہے کہ سارا جلدی اٹھنے نہیں دیتی۔ اس کی اور فاطمہ کی باتیں ختم ہونے کو نہیں آتیں۔" اس کی بات پر علی ہنس دیا تھا اور دور کھڑے فرہاد کے لیے یہ سب ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔ اس کی گاڑی وہاں سے نکل گئی تھی۔ وہ ابھی بھی وہیں کھڑا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس کی آنکھ کھلی تھی۔ کمرے میں ہلکا سا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اس نے سر تھام کر وال کلاک کو دیکھا۔ ———— وہ بیڈ سے نیچے اتر آئی اور کھڑکیوں سے پردے ہٹا دیے۔ تازہ ہوا کا ٹھنڈا میٹھا جھونکا اس کو چھو کر گزرا تھا۔ کمرے میں اندھیرے کا احساس بھی کچھ کم ہو گیا تھا۔ آج صبح سے بہت حبس تھا۔ مگر اس وقت ہوا چل رہی تھی۔ لان میں موجود پودے اور کھجور کے درخت ہوا سے دھیرے دھیرے ہلتے ہوئے مست اور شاداں دکھائی دے رہے تھے۔

"سامنے بیٹھا شخص میرا شوہر، میرا محبوب شوہر، میرا محسن علی فاران ہے۔ خدا اور رسولؐ کے بعد اگر میں کسی سے محبت کرتی ہوں تو وہ یہ ہے۔ میں کبھی بھی اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ "کیوں؟" وجہ تو مجھے خود بھی معلوم نہ تھی۔ مگر ہمیشہ اس کی شخصیت میں مجھے ایک انوکھا سحر محسوس ہوتا تھا۔ اتنے اچھے شخص کو ٹھکرا کر میں ایک ایسے شخص کے پیچھے بھاگتی رہی جسے دین اور دنیا کا کچھ پتا نہیں تھا۔ وہ مجھ سے محبت کا دعوے دار تھا۔ مگر اس طرح میری ذات میرے فخر و مان اور انا کی دھجیاں بکھیر گیا تھا۔ مجھے میری ہی نظروں میں گرا گیا تھا۔ مجھے دین سے دوری کا طعنہ دے گیا تھا۔ ایسے میں یہی شخص تھا جس نے مجھے سنبھالا، مجھے خدا سے معافی مانگنا اور محبت کرنا سکھایا۔ میں گرنے لگتی تو یہ مجھے تھام لیتا۔ آخر کار اس نے خدا کے فضل سے مجھ کو کھڑا ہونا سکھا دیا۔ میں نے اپنی بائیس سالہ زندگی میں کوئی نیکی نہیں کی تھی۔ میں غفلت اور دنیا کے نشے میں ڈوب چکی تھی۔ بہت سا وقت گزر چکا تھا۔ میں اپنے گناہوں پر شرمندہ اور خدا کی رحمت سے ناامید ہو رہی تھی۔ اس نے مجھے بتایا "خدا کے فضل سے کبھی بھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ انسان تو خطا کا پتلا ہے۔ مگر سچے دل سے کی جانے والی توبہ خدا کو بہت پسند ہے۔ اپنے گناہوں اور خطاؤں کو دیکھ کر میں زندگی میں بہار کی امید کھو بیٹھی تھی۔ مگر خدا نے نہ صرف مجھے معاف کیا ہے، بلکہ میرے آنگن کو ایسی بہاروں سے پر رونق بنا دیا ہے کہ وہ واپسی کا راستہ بھول گئی ہے۔" وہ کھڑکی میں کھڑی محویت سے سامنے لان کو دیکھ رہی تھی جہاں اس کی چھوٹی سی بیٹی سر پر دوپٹہ جمائے، ہاتھ کو دعا کی صورت میں اٹھائے اور نظریں جھکا کر بیٹھی تھی۔ علی شاید اس سے کوئی دعا کروا رہا تھا۔ وہ مسکرا دی۔

اور اس کا رواں رواں رب کائنات کے حضور سجدہ ریز ہو گیا جس نے اسے روز محشر رسوا ہونے سے بچا لیا تھا۔

☆ ☆

اتنی مرتبہ سمجھایا ہے کہ جب باہر جایا کرو تو جلدی گھر آجایا کرو میرے دل کو کچھ ہونے لگتا ہے لیکن نہیں، میں تو بکواس کرتی ہوں۔ کسی کو کوئی پروا نہیں ہے اب دیکھو دو گھنٹے ہو گئے کوئی اتا پتا ہی نہیں ہے کہا بھی تھا جلدی آجانا۔" فلک ناز کا یہ ساتواں چکر تھا برآمدے سے باہر کے دروازے تک۔

کتاب پر جھکی ہوئی مومنہ دل میں آیتہ الکرسی کا ورد کر رہی تھی! اسے اندازا تھا کہ اس کے چھوٹے بہن بھائی کی کتنی بری طرح شامت آنے والی ہے۔ فلک نے انہیں گلی کے نکڑ کی دکان پر بھیجا تھا دہی لانے کے لیے۔

"میں خود ہی پتا کر کے آتی ہوں نہ جانے کہاں رہ گئے ہیں۔" فلک ناز چادر اوڑھ کر نکلنے لگی تھی جب وہ دونوں آگے پیچھے داخل ہوئے۔

"کہاں مر گئے تھے تم دونوں! دکان گلی کے نکڑ پر تھی یا فرانس میں۔" فلک نے دو دو تھپڑ جڑ دیئے تھے دونوں کو۔

"تم بتاؤ مومی کہاں تھے اب تک؟" اس نے مامون سجاد کا کان بری طرح مروڑا تھا غصہ میں، وہ پہلے سے رو رہا تھا اب مزید رونے لگا۔ فلک نے مطیرہ سجاد کی طرف دیکھا تھا وہ مارے خوف کے جلدی جلدی بتانے لگی۔

"وہ ہم دکان سے واپس آنے لگے تھے تو ارتضیٰ بھائی مل گئے وہ ہمیں اپنے گھر لے گئے ہم دونوں نے بہت بار آنے کی کوشش کی لیکن پھوپو نے آنے نہیں دیا ہمیں دسترخوان پر بٹھالیا۔"

"ہاں پھوپو کو تو سکون ملتا ہے ہمیں تکلیف میں ڈال کر مجھے پہلے ہی اندازا تھا تم لوگ وہیں ہو گے۔ اپنی بکس اٹھاؤ اور دھوپ میں کھڑے ہو کر پیپر یاد کرو۔" اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی ارتضیٰ ذکیر گھر میں داخل ہوا تھا۔ "یہ دہی تم لوگ میرے گھر ہی بھول آئے۔" مامون اور مطیرہ کے سرخ چہرے بتا رہے تھے کہ ابھی ان کی پٹائی ہوئی ہے اور فلک ناز کا چہرہ غصے سے تنا ہوا تھا۔ وہ ٹھٹک کر وہیں رک گیا۔

"اگر دہی بھول آئے تھے تو رکھ لیتی تھی۔ احسان کرنے کیوں آ گئے۔" فلک کا پارہ مزید ہائی ہو گیا ارتضیٰ کو دیکھ کر۔

"بس بچوں کا خیال آگیا۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔ فلک کو اس کی مسکراہٹ زہر لگی۔

"تم ہوتے کون ہو۔ میرے بہن بھائی کو بغیر اجازت اپنے گھر لے کر جانے والے۔" فلک کا دل چاہ رہا تھا چار تھپڑ اس کے بھی لگا دے۔

"بھئی میرے ماموں کے بچے ہیں مجھے اچھے لگتے ہیں۔ ویسے اگر آپ کو برا لگا تو آئندہ آپ کی اجازت سے ہی لے جاؤں گا۔" ارتضیٰ کے سکون میں کوئی فرق نہ آیا۔ جبکہ فلک کا دماغ غصے سے پھٹنے والا تھا۔

"جسٹ شٹ اپ! کوئی ضرورت نہیں ہے ہمیں تم لوگوں کی ہمدردی کی سمجھے۔" ارتضیٰ نے ایک نظر بچوں پر ڈالی اور دوسری فلک ناز کے تنے چہرے پر، خاموشی سے باہر نکل گیا وہ سوچتا جا رہا تھا کہ یہ شروع سے تو ایسی نہیں تھی۔ ان کا بچپن ایک ساتھ گزرا تھا۔ کیسی معصوم شرارتیں تھیں کتنا نرم لہجہ تھا اس کا۔ بچپن کے ساتھ سب کچھ ہی بدل گیا۔ فلک جب آٹھویں کلاس میں تھی جب فلک ناز کی والدہ شدید بیمار ہو گئیں اور فلک کو گھر سنبھالنا پڑ گیا۔ جیسے تیسے میٹرک تو ہو ہی گیا۔ لیکن اس کی والدہ کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ روتے بلکتے تین چھوٹے بچوں کو فلک کے حوالے کر کے چلی گئیں۔

مامون اس وقت دو سال کا تھا اور مطیرہ پانچ سال کی جبکہ مومنہ بارہ سال کی۔ سجاد صاحب کی کپڑے کی دکان تھی وہ صبح کو جاتے اور مغرب کے بعد گھر آتے۔ شروع سے ہی ان کی بیوی عالیہ نے گھر کا کام سنبھالا ہوا تھا۔ سجاد صاحب کو گھر کے کاموں میں دلچسپی کبھی نہیں تھی۔ پیسے دے کر وہ تمام ذمہ داری سے آزاد ہو جاتے۔ کھانا کھاتے دکان پر چلے جاتے گھر آتے کھانا کھاتے سو جاتے۔ بہت خاموش طبیعت اور سادہ مزاج کے تھے، بچوں پر انہوں نے کوئی روک ٹوک نہیں کی تھی۔ ماں کی وفات کے بعد تمام ذمہ داریاں فلک ناز پر

آپڑیں پڑھائی خود بخود چھوٹ گئی۔ بہت سا پڑھنے کی شدید خواہش اندر ہی کہیں مر گئی جبکہ ارتضیٰ اس کا کلاس فیلو تھا اور اب وہ

بہت جلد کامیاب ڈاکٹر بننے والا تھا۔ مومنہ میٹرک کے پیپر دے رہی تھی مطیرہ سکس کلاس میں جبکہ مامون تھری کلاس میں تھا۔ کم عمری میں جب گھر کے تمام کاموں کا بوجھ پڑ جائے اور خواہشات دب جائیں ذمہ داری کی تکمیل میں تو انسان چڑچڑا اور غصے کا شکار ہو جاتا ہے۔ فلک ناز نے ان سب کے کام سنبھال لیے تھے خوشی سے نہیں ذمہ داری اور فرض سمجھ کر یہی وجہ تھی جب وہ ان سے محبت کا اظہار کرتی تھی تو محبت سے زیادہ سختی ہوتی تھی۔ ماں بچوں کے ساتھ بہت جگہ کمپرومائز کرتی ہے۔ لیکن فلک ناز ان کی خواہشات تو تمام پوری کرنے کی کوششیں کرتی تھی کمپرومائز بالکل بھی نہیں کرتی تھی۔ ایک چیز حاکمیت ہوتی ہے اور حکم دینے اور فوراً "مان لینے کی ضد اس کے اندر جڑ پکڑ گئی تھی۔ وہ اپنے رویے میں ذرا سی بھی لچک پیدا نہیں کرتی تھی۔ مومنہ کی کلاس میں فرسٹ پوزیشن نہیں آئی تو کیوں نہیں آئی اس بات پر اس کی پٹائی کر دی، مطیرہ اور مامون چھوٹے تھے دونوں باہر کھیلنے والے بچوں کے ساتھ کھیلنے کی ضد کرتے تھے لیکن فلک نے انہیں گھر میں بند کر کے ہی رکھا تھا کہ گھر میں کھیلو باہر کے حالات ٹھیک نہیں ہیں اور وہ دونوں اپنی اس معصوم خواہش کو پورا نہ ہونے کی ضد میں پڑے ہو گئے۔ اپنی طرف سے تو وہ ان کا خیال کر رہی تھی۔ باہر کے خراب ماحول سے بچاتی رہی تھی لیکن وہ نہیں جانتی تھی وہ بچوں کے دلوں میں اپنے لیے نفرت کا ننھا سا بیج بو رہی ہے۔

یہ چیز ابھی چند ماہ پہلے لی تھی تو اتنی جلدی خراب کیسی ہو گئی؟

کپڑے کل پہنے تھے تو آج اتنے گندے کیسے ہو گئے؟

کچن سے برتن کمرے میں کیسے آئے؟

ایسی بہت سی باتیں جو وہ پوچھتی پھر ڈانٹتی بھی اور مارتی بھی تھی جبکہ ماں ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو نوٹ نہیں کرتی وہ گھر کے کام کرتے کرتے اکتا جاتی اور غصہ بچوں پر نکالتی اور سجاد صاحب کی اب بھی وہی عادت تھی۔ انہوں نے پیسے دینے کے بعد یہ نہیں سوچا چاول کون لے کر آئے گا روز سبزی کہاں سے آتی ہے گھر کی دوسری چیزیں کون لیتا ہے اور فلک ناز یہ سوچ کر صبر کر گئی کہ وہ ہمارے لیے ہی کماتے ہیں سارا دن تھکے ہارے گھر آنے کے بعد انہیں کیا دوسری باتوں کے لیے پریشان کرنا فلک کی زبان میں تیزی بھی تھی اور غصہ بھی جس سے سبھی خار کھاتے تھے، ماں کے مرنے کے بعد ماموں اور خالہ نے تو اس گھر کا دوبارہ رخ ہی نہیں کیا تایا چچا کوئی تھا نہیں اک پھوپھو تھیں جن کے شوہر فوت ہو گئے تھے ایک بیٹا ارتضیٰ اور کوئی اولاد نہیں تھی وہ بھی جوڑوں کے درد میں مبتلا گھر میں پڑی رہتیں۔ اور جو دور پرے کے رشتے دار تھے وہ فلک کی زبان کی تیزی کی وجہ سے آتے نہیں تھے نہ وہ کسی کے گھر جاتی تھی نہ کسی کو آنے دیتی تھی۔

"آپی ناز آپی! دیکھیں میں نے کلاس میں فرسٹ پوزیشن لی ہے" مامون پھولی سانس کے ساتھ بھاگتا ہوا اس کے قریب آ کر رکا تھا۔

"سچ مومی" فلک ناز نے رزلٹ کارڈ پکڑ کر کہا۔

"مومی میں بہت خوش ہوں" فلک نے مامون کو کھینچ کر سینے سے لگا لیا۔

"ابو جی کو دکھایا مومی دیکھنا آج ابو جی مجھے ضرور شاباش دیں گے میری محنت ضائع نہیں گئی سارا زمانہ جان لے گا کہ میں نے اپنے فرائض کتنی اچھی طرح نبھائے ہیں۔" وہ بہت خوش تھی بار بار مومی کو پیار کر رہی تھی۔

"آپی آپ کو پتا ہے آج ابو جی کی دکان پر کون آیا تھا؟" مامون نے کہا۔

جب سے پانچویں کلاس کے پیپر ہوئے تھے وہ فارغ تھا فلک ناز نے اسے سجاد صاحب کے ساتھ دکان پر بھیجنا شروع کر دیا تھا۔

"کون آیا تھا؟" اس کے بال سنوارتے ہوئے

پوچھا۔
"خالو" مومی نے کہا۔
"خالدہ خالہ کے شوہر!" فلک ناز نے حیرت سے پوچھا۔
"ہاں وہی تھے ابا کہہ رہے تھے"
"وہ تو ہم سے ملتے نہیں۔ وہ کیا کرنے آئے ہوں گے۔ خیر ہمیں کیا" فلک دوسرے کام میں مشغول ہو گئی اور نہ ہی آنے والوں دنوں میں سجاد صاحب نے کوئی ذکر کیا۔

☼ ☼ ☼

"ابو جی۔ ابو۔ جی۔ کیا ہوا ہے؟" سجاد صاحب دکان پر جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے کہ اچانک سینے میں درد اٹھا تھا وہ ہاتھ رکھ کر دوہرے ہو گئے مومنہ جو قریب ہی تھی بوکھلا گئی۔ اس کا شور سن کر سبھی باہر آ گئے۔
"ابو۔ جی۔ ابو! مومی جاؤ ارتضیٰ بھائی کو لے کر آؤ جلدی" وہ سبھی رونے لگے تھے۔ جب مطہرہ نے چیخ کر کہا اور مومی فوراً بھاگا تھا۔
سجاد صاحب کو انجائنا کی شدید تکلیف ہوئی تھی بروقت اسپتال لے جانے سے ان کی طبیعت سنبھل گئی تھی۔ ڈاکٹر نے انہیں آرام کرنے کو کہا تھا اور وہ گھر پر ہی آرام کر رہے تھے ارتضیٰ خود ڈاکٹر تھا صبح و شام گھر آ کر چیک کر جاتا تھا فلک کی پھوپو نے بھی کئی چکر لگائے تھے سجاد صاحب کی طبیعت کا پوچھنے کے بہانے فلک ناز کے خالہ اور خالو بھی آنے لگے تھے فلک کو یہی بات ان کی کھٹک رہی تھی اتنے عرصے بعد وہ کیوں ملنے لگے ہیں۔
"اگر تم فارغ ہو تو بیٹھو مجھے تم سے بات کرنی ہے" ارتضیٰ نے لاؤنج میں کھڑی فلک ناز سے کہا۔
"فلک نے اسے دیکھا ارتضیٰ کا چہرہ بالکل سنجیدہ تھا عرصہ ہوا اس فرینڈ شپ کو ختم ہوئے جو شاید بچپن کی ہی یاد تھی یا پھر لڑکپن کا لمحہ ارتضیٰ تو اب آتا بھی بہت کم تھا کہ فلک ناز اسے پسند نہیں کرتی تھی۔
"بیٹھ جاؤ کھا نہیں جاؤں گا۔" وہ ہلکا سا ہنسا۔ فلک کو لگا وہ اس کے ابو کے بارے میں کوئی سیریس بات والا ہے وہ پریشان سی بیٹھ گئی مومنہ اور مطہرہ تھیں اور مامون اسکول، سجاد صاحب کمرے میں کر رہے تھے۔"
"کیسی ہو؟" وہ سر جھکائے اپنے ہاتھوں کو دیکھ تھی ارتضیٰ ذکیر نے بہت غور سے اس کے سراپے دیکھا لان کے عام سے سوٹ میں دوپٹے کو اچھی سے اوڑھے ہوئے تھی رنگت صاف تھی لیکن بھی سنگھار سے مبرا جوانی کی دہلیز پر لڑکیاں سات اوڑھتی ہیں! ایسا کچھ نہیں کرتیں ارتضیٰ نے اسے جیولری پہنے دیکھا تھا نہ میک اپ کیے پھر بھی ار ذکیر کا دل اس ضدی لڑکی کے لیے مچلتا تھا۔
کچھ پل خاموشی چھائی رہی پھر فلک بولی۔
"اگر آپ میرے ابو جی کے بارے میں کچھ چاہتے ہیں تو بتا دیں مجھ میں اتنا حوصلہ ہے کہ میں بھی پریشانی برداشت کر سکوں۔" وہ اس وقت صرف اپنے باپ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔
"پھر تو میری جگہ تمہیں ڈاکٹر ہونا چاہیے تھا میں اکثر مریض کو دیکھ کر گھبرا جاتا ہوں" ارتضیٰ مسکراتی اک نظر اس پر ڈالی۔
"آپ کو جو کہنا ہے جلدی کہیں مجھے کام بھی ہے۔" وہ اب بے زار ہونے لگی تھی ارتضیٰ ذکیر گہرا سانس خارج کیا۔
"شادی کرنے کا کب تک ارادہ ہے؟" فلک چونک کر سر اٹھایا۔
"کیا مطلب؟" اس کی آنکھوں میں واضح حیرت تھی۔
"مطلب یہ کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور میری شادی تب ہی جب تم اقرار کرو گی" ارتضیٰ نے وقت ضائع کیے بغیر کہہ ڈالا وہ مسمرائز حالت میں بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔
"اتنی مشکل بات تو میں نے نہیں کی۔" ارتضیٰ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا وہ چونک کر سر جھکا گئی

"آپ جانتے ہیں مجھے اس طرح کی باتیں پسند نہیں اگر کوئی ارادہ ہے تو ابو جی سے بات کریں۔" فلک ناز جب بولی تو اس کے لہجے میں انتہا کی سختی تھی۔ ارتضیٰ نے غصے سے گھورا۔
"میں تم سے تمہاری رائے ہی مانگ رہا ہوں! تم کوئی جواب دو گی تو ماموں سے بات کروں گا۔"
"دیکھو مجھے عشق و شق سے کوئی مطلب نہیں اور نہ تم سے، بہتر ہے ابو جی سے بات کرو اگر وہ ہاں کرتے ہیں تو ٹھیک ورنہ اپنا راستہ بدل لو۔" وہ کہہ کر رکی نہیں کچن میں چلی گئی جبکہ وہ اس جگہ کو دیکھ رہا تھا جہاں وہ کچھ پل پہلے بیٹھی تھی۔
"فلک ناز تم پر تو فلک بھی ناز کرتا ہو گا۔ سب ہی کا خیال ہے تمہیں اک میرے لیے ہی دل کے دروازے بند کر رکھے ہیں۔" وہ افسردہ سا اٹھ کر چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

"ابو جی اب کیسی طبیعت ہے آپ کی۔" فلک ناز نے سوپ کا پیالہ قریب رکھتے ہوئے پوچھا۔
"ہاں ٹھیک ہوں۔" وہ کسی گہری سوچ سے چونکے تھے دکان پر ماموں جا رہا تھا اور وہ گھر پر ہی ہوتے تھے۔
"بیٹھو ناز مجھے تم سے بات کرنی ہے۔"
"جی بابا۔" وہ وہیں صوفے پر ٹک گئی۔
"اگر تمہاری ماں ہوتی تو وہ تم سے بات کرتی لیکن اب! خیر چھوڑو۔" فلک ناز کو اپنا باپ آج پہلے سے بہت بدلا ہوا لگ رہا تھا۔
"تم میری بہت اچھی بیٹی ہو" فلک کو یہ چند الفاظ امرت لگے تھے۔
"جس طرح تم نے اپنی ماں کے بعد اس گھر کو سنبھالا اپنے چھوٹے بہن بھائی کو ماں کا پیار دیا شاید ہی کوئی کر سکتا تھا۔" فلک ناز کے اندر صدیوں سے اتری تھکن اک لمحے میں غائب ہو گئی تھی۔
"یہ چند دن جو میں نے گھر پر گزارے ہیں تو مجھے احساس ہوا ہے تم نے کتنی مشکل کا سامنا کیا ہے اور میں بدنصیب تم لوگوں کو محبت دے سکا نہ توجہ نہ کوئی حوصلہ جبکہ یہ میرا فرض تھا جو تم نے نبھایا۔" فلک کے آنسو رواں ہو گئے تھے یہ الفاظ سننے کے لیے کان کتنے عرصے سے ترس رہے تھے۔ تو یہ ثابت ہوا وقت کسی کی محنت ضائع نہیں کرتا۔
"مجھے پتا ہی نہیں چلا میری بیٹیاں گڑیوں سے کھیلتی جوان بھی ہو گئیں۔" وہ خود بھی رو رہے تھے۔
"فلک ادھر میرے پاس آؤ" فلک اٹھ کر ان کے قریب بیٹھ گئی اور ان کے سینے پر سر رکھ کر رونے لگی باپ کی شفقت میں بیٹی کا دل پگھل گیا تھا۔
"کاش میں نے تم لوگوں کو اپنا وقت دیا ہوتا۔" وہ پچھتاوے کی گہری دلدل میں تھے۔ "اب میں کوشش کروں گا کہ گھر کو اور اپنے بچوں کو مکمل توجہ دوں۔" فلک نم آنکھوں سے مسکرائی تھی۔
"اچھا اب یہ آنسو صاف کرو اور میری بات غور سے سنو، تمہیں پتا ہے تمہارے خالہ خالو اتنے چکر کیوں لگا رہے ہیں؟" فلک نے انکار میں سر ہلایا۔
"وہ تمہارے رشتے کے لیے آ رہے ہیں۔" فلک نے حیرت سے باپ کو دیکھا۔
"ایسے کیوں دیکھ رہی ہو، جب گھر میں بیری ہو تو پتھر تو آتے ہیں۔"
"لیکن مجھے ابھی شادی نہیں کرنی" فلک نے فوراً انکار کر دیا۔
"اتنی جلدی جواب نہ دو کچھ دن سوچ لو رشتہ اچھا ہے۔ تمہاری خالہ کے تین ہی بیٹے ہیں دو شادی شدہ ہیں الگ گھر میں رہتے ہیں بیٹی کوئی نہیں جو اس دن ساتھ آیا تھا۔ اسی کے لیے مانگ رہے ہیں خوب صورت بھی ہے اچھی پوسٹ پر بھی ہے اور پھر اپنے ہیں۔" سجاد صاحب آہستہ آہستہ بتا رہے تھے۔
"میں نے آپ سے کہا نا مجھے نہیں کرنی شادی۔" فلک کا لہجہ دو ٹوک تھا۔
سجاد صاحب نے سر اٹھا کر دیکھا اور انہیں اندازہ ہوا ان کی یہ بیٹی دیکھنے میں ایسی لگتی ہے لیکن اندر سے انتہائی سخت اور ضدی ہے وہ اصرار کر کے بھی اس کا انکار ہاں میں نہیں بدل سکتے ویسے بھی وہ بیٹی کی پسند کو

ترجیح دینے والے انسان تھے۔ وہ کچھ پل سوچتے رہے اور پھر بولے۔

"پھر مومنہ سے پوچھ لو وہ بھی جوان ہے! پڑھائی مکمل کر چکی ہے" وہ شاید اتنا اچھا رشتہ ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتے تھے۔

"میں کر لیتی ہوں مومنہ سے بات اگر وہ راضی ہوئی تو آپ ہاں کریں گے ورنہ زبردستی نہیں" فلک نے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔" انہوں نے فلک کے سر پر پیار دیا اور سیدھے ہو کر لیٹ گئے فلک اٹھ کر باہر نکل گئی۔

اور جب فلک ناز نے مومنہ سے بات کی تو اس کی آنکھوں میں ستاروں کی سی چمک اٹھ آئی۔ یہ سچ تھا کہ اسے ریحان سراج شرارتی سا ہنسنے ہنسانے والا پہلے دن ہی پسند آیا تھا۔

"دیکھو مومنہ تم پر کوئی زبردستی نہیں! میں تم لوگوں پر ہر چیز کی سختی کر سکتی ہوں لیکن اس معاملے میں نہیں کیونکہ اگلے بندے کے ساتھ زندگی تم لوگوں نے گزارنی ہے اور ریحان خالہ خالدہ کا بیٹا ہے خالہ خالدہ کا اخلاق اور محبت پورے خاندان میں مشہور ہے' دوسرا ان کا تعلق ہماری ماں سے ہے ہمیں عزیز ہیں۔ اس کے باوجود بھی اگر تم انکار کرو گی تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" فلک نے شاید پہلی مرتبہ اتنے پیار سے سمجھایا تھا۔

"آپی ناز آپ ابو جی کو ہاں کر دیں۔" وہ مسکراتے لبوں سے کہتی ہوئی فلک کے گلے لگ گئی جبکہ فلک کا اٹکا ہوا سانس بحال ہوا تھا اندر کہیں یہ خوف بھی تھا کہ اگر مومنہ نے بھی انکار کر دیا تو شاید وہ باپ کی نظروں سے گر جائے لیکن مومنہ نے اسے سچی خوشی دی تھی۔

اور دیکھتے ہی دیکھتے چند ماہ کے اندر تمام تیاریاں ہو گئیں! سجاد صاحب نے دل کھول کر جہیز دیا تھا یوں لگتا تھا جیسے انہوں نے خزانے کے منہ کھول دیے ہوں مومنہ ریحان سراج کی دلہن بن کر اس کے گھر کی رونق بن گئی تھی۔

مومنہ کی شادی کے ہنگامے ابھی سرد نہیں پڑے تھے کہ فلک کی پھوپو ارتضیٰ کا پروپوزل لے آئی تھیں اور سجاد صاحب ایک بار پھر فلک کو سامنے بٹھا کر پوچھ رہے تھے۔

"فلک میں جانتا ہوں ہمارے درمیان باپ بیٹی والی دوستی کبھی نہیں رہی تم نے پہلے شادی سے انکار کیا میں نے کوئی بھی وجہ پوچھے بنا قبول کر لیا لیکن ہر انکار کا کوئی جواز ہوتا ہے "کیا تم کسی اور کو پسند کرتی ہو؟ یہ بھول جاؤ کہ میں تمہارا باپ ہوں' بلکہ یہ سمجھو کہ میں تمہارا دوست ہوں" سجاد صاحب نے کہا۔

"نہیں مجھے کوئی پسند نہیں میں نے ایسا کبھی کوئی کام نہیں کیا جس سے آپ کا سر جھکے۔" فلک نے جلدی سے کہا سجاد صاحب مسکرا دیے۔

"مجھے صرف اپنے بہن بھائی کا خیال ہے۔" فلک اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔

"اسی لیے تو مجھے اپنی بیٹی پر فخر ہے۔ تم جانتی ہو میری طبیعت خراب ہی رہتی ہے' سانسیں تو رب سوہنے کی امانت ہیں وہ چاہے تو میں سو سال جی لوں اور وہ چاہے تو اسی لمحے راکھ بن جاؤں بس مجھے اپنے فرض سے سبکدوش ہونے دو میری یہ خواہش بھی مان جاؤ یوں سمجھ لو کہ میرے دل کی شدید خواہش ہے کہ تم ارتضیٰ کی دلہن بنو رہی بات گھر کی تو مطہرہ اب بڑی ہو گئی ہے میں نے دیکھا ہے وہ تمہارے ساتھ کام کرواتی ہے اور پھر چند سالوں تک مومی کی شادی کر لیں گے اور پھر تم کون سا یہاں سے دور جا رہی ہو اسی گلی میں تو ہے ارتضیٰ کا گھر روز آ جایا کرنا۔" وہ بہت آس سے فلک کو دیکھ رہے تھے اور فلک انہیں مایوس نہ کر سکی۔

"جیسے آپ چاہیں!" اس نے باپ کی خوشی کے لیے ہاں کہہ دی۔ سجاد صاحب نے بہت خوشی سے اسے ساتھ لگایا تھا۔

☼ ☼ ☼

ارتضیٰ ذکیر اسے پا کر بہت خوش تھا اس کی محبت جنونی تھی۔ وہ ہواؤں میں اڑ رہا تھا' بچپن کا خواب پورا ہو گیا تھا اور اسے یقین تھا کہ اس کی محبت کی شدت فلک کو یکسر بدل دے گی اور اس کی تمام محرومیاں مٹا دے گی جبکہ اگلے ہفتے فلک کو دیکھ کر مطہرہ نے سوچا تھا۔

فلک آپی بدلی ہوئی کیوں نہیں لگ رہیں آخر ان کے دل میں ایسا کیا تھا وہی ہلکے رنگ کے کپڑے جبکہ ارتضیٰ کو گہرے رنگ کے کپڑے پسند تھے اور اس نے خریدے بھی ڈارک کلر تھے میک اپ نہ جیولری' مومنہ کی شادی کو تو دو ماہ ہو گئے تھے اس کے باوجود وہ ریحان کی ہر بات پر سرخ پڑ جاتی' ہنستی چہکتی' ریحان نامہ سارا دن ختم نہیں ہوتا تھا اور فلک ناز تو ذرا سا بھی ذکر نہیں کرتی تھی جبکہ ارتضیٰ کے شوخ جملے اور آنکھوں کی شرارت چھپی ہوئی نہیں تھی فلک کے کردار کے وہ سب گواہ تھے اس نے کبھی کسی کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا مطہرہ مزید الجھ گئی تھی دل میں چھپی کدورت فلک کے لیے بڑھ گئی۔ فلک ناز کا وہی معمول تھا روز ارتضیٰ کے اسپتال جانے کے فوراً" بعد آ جاتی اور رات کو ارتضیٰ لینے آتا تب جاتی وہ بھی اگر موڈ ہوا تو چلی جاتی ورنہ وہ لاکھ اصرار کرتا وہ نہیں جاتی۔ مطہرہ اور مامون پر بھی روک ٹوک کم نہیں ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"یہ کس طرح کے پھل لے آئے ہیں آپ پتا بھی ہے پھوپو سے کچا پھل نہیں کھایا جاتا اور اندر سے خراب بھی ہیں۔ جائیں انہیں واپس کر کے آئیں۔" ارتضیٰ ابھی اسپتال سے آ کر سیدھا ہی ہوا تھا۔

"یار بیوی میں نے کون سے چھان کر لیے ہیں کہہ رہا تھا بہت عمدہ ہیں ابھی رکھ لو صبح کو واپس کر دوں گا۔" وہ صوفے پر سیدھا ہو کر لیٹ گیا۔

"تو دیکھ کر لینے تھے صبح کو تو وہ واپس نہیں لیں گے ابھی جائیں اور واپس کر کے آئیں۔" ارتضیٰ نے ایک نظر اس کے تنے چہرے پر ڈالی اور خاموشی سے شاپر پکڑا باہر نکل گیا۔ جانتا تھا اس کی کہی گئی بات حرف آخر ہو جاتی ہے۔ اسے بالکل احساس نہیں تھا وہ سارے دن کا تھکا ہوا آیا ہے۔ دو سال ہونے کو آئے تھے اور وہ کہیں بھی کمپرومائز نہیں کر رہی تھی دراصل جو حاکمیت کی جڑ تھی وہ شادی کے بعد مزید مضبوط ہو گئی تھی پہلے مطہرہ اور مومی تھے اب ارتضیٰ بھی زیر اثر تھا وہ یہی چاہتی تھی بغیر کچھ کہے بس مانتے جاؤ خود اس کے اندر کہیں بھی لچک نہیں تھی اگر ارتضیٰ نے کہہ دیا یہ کلر پہن لو تو وہ انکار کر دیتی آج تک اس کے ساتھ کہیں بھی باہر جانے کے لیے تیار نہیں ہوئی تھی۔

مومنہ کی گود میں بیٹی اور فلک کی گود میں بیٹا آ گیا نام رکھنے کی باری آئی تو ارتضیٰ کی شدید خواہش تھی کہ شکیب ارتضیٰ رکھا جائے جبکہ فلک نے اشعر ارتضیٰ رکھ لیا اور ارتضیٰ کو یہاں بھی اپنی خواہش سے دستبردار ہونا پڑا ارتضیٰ ذکیر کو سمجھ نہیں آ رہی تھی آخر وہ کیا چاہتی ہے اس کی انتہائی محبت اور جنونی قربت سے بھی وہ پگھل نہیں رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

اسپتال میں امرجنسی نافذ تھی چوبیس گھنٹے کی سخت ترین ڈیوٹی کے بعد وہ گھر آیا تھا تو بیوی بچہ گھر پر نہیں تھے اتنا عرصہ ان کی شادی کو ہو گیا تھا اور وہ ایک دن بھی اسے اپنے گھر پر اس کا انتظار کرتی نہیں ملی تھی الٹا اس کی سخت ڈیوٹی یہ بھی تھی روزانہ سجاد ماموں کے گھر سے لانے کی گھر آنے کے فوراً" بعد دل اشعر کے لیے مچلتا تھا اس سے کھیلنے اسے بازوؤں میں لینے کے لیے۔ اک وہ دل کے ہاتھوں بہت مجبور تھا لیٹے لیٹے موبائل نکالا اور مومی کو کال کی تھی۔

"یار مومی ناز کو تو ادھر چھوڑ جاؤ میں آج بہت تھکا ہوا ہوں" اور کچھ ہی پل میں مومی کی کال آ گئی تھی۔

"بھائی آپی ناز کہہ رہی ہیں مجھے آج نہیں آنا۔" یہ سن کر ارتضیٰ کا دماغ اچھا خاصا گرم ہوا تھا اگر وہ آج سامنے ہوتی تو یقیناً" بہت بڑا جھگڑا ہوتا اس وقت بھی اسے صبر کا تلخ گھونٹ پینا پڑا اس نے پورے گھر پر نظر

ڈالی پورا گھر صاف ستھرا تھا اس کی ماں سو رہی تھی ان کے کپڑے بھی روز بدلے جاتے تھے اور بیڈ شیٹ بھی۔ کچن کی بھی ہر چیز سلیقے سے رکھی ہوئی کپڑے پریس کیے ہوئے ملتے کھانا تیار ہوتا بس اسے گرم کرنا پڑتا یہ سب کوئی اور نہیں فلک ناز کرتی تھی دن کے وقت وہ یہاں آتی ہوگی تو سب کچھ ہوتا ہوگا ماں تو اس کی بیمار تھی یہ سب کرنے سے رہی لیکن ارتضیٰ کو یہ سب نہیں چاہیے تھا وہ چار نوکر افورڈ کر سکتا تھا اسے صرف اور صرف فلک اور اپنا بچہ اپنے قریب چاہیے تھا۔

☼ ☼ ☼

مطیرہ سجاد کو دیکھنے کے لیے کچھ لوگ آرہے تھے اور فلک ایک ہفتے سے وہیں تھی ارتضیٰ نے کہا بھی وہ صبح کو جلدی چھوڑ جائے گا لیکن وہ نہیں مانی اور ایک ہفتے کے بعد واپسی پر ارتضیٰ ذکیر نے سوچ لیا تھا اب وہ اس سے بات ضرور کرے گا روز روز آنے جانے کے بارے میں۔

"ناز ایسا کب تک چلے گا؟" وہ سونے کے لیے لیٹ رہی تھی جب ارتضیٰ نے کہا تھا جب سے اشعر ہوا تھا وہ الگ بیڈ پر ہی لیٹتی تھی۔ اس بات پر بھی ارتضیٰ کو اعتراض تھا۔

"کیا مطلب" وہ بالوں کو سمیٹتی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"یہی ماموں کے گھر روز جانا! اب تمہارا اپنا گھر ہے بچہ ہے شوہر ہے تم اپنے گھر رہا کرو۔" ارتضیٰ انتہائی سنجیدہ تھا۔

"وہ میرا ہی گھر ہے آپ کا مطلب ہے میں اپنے باپ کے گھر جانا بند کردوں۔" وہ اس سے بھی زیادہ سیریس ہوگئی۔

"فلک میری بات سمجھنے کی کوشش کرو میں مانتا ہوں تمہیں اپنے بہن بھائی کا بہت خیال ہے کہ تم نے ہی انہیں پالا ہے۔ مومنہ کی شادی ہوگئی ہے' مطیرہ کی اس سال ہوجائے گی اور ممکن ہے اس کے ساتھ ہی مومی کی ہوجائے اور تمہاری بھابھی اس بات کو پسند نہ کرے۔" ارتضیٰ نے رسانیت سے اسے سمجھایا۔

"مومی کی جب شادی ہوگی تب دیکھی جائے گی رہی بات وہاں جانے کی تو آپ اچھی طرح جانتے ہیں یہ ناممکن ہے میں ایسا کبھی نہیں کروں گی" اس کا لہجہ پہلے جیسا قطعیت لیے ہوئے تھا۔ ارتضیٰ نے ناراضی سے اسے دیکھا۔

"فلک مجھے تمہاری ضرورت ہے اور اس گھر کو تم کیوں نہیں سمجھتیں۔"

"تو آپ کیا سمجھتے ہیں میں اس گھر کو نہیں دیکھتی کون سا کام ادھورا رکھا ہے آپ نے پھوپو کی مکمل دیکھ بھال کرتی ہوں آپ گھر پر ہوں نہ ہوں میں انہیں وقت پر کھانا کھلاتی ہوں آپ کو ہر چیز وقت سے پہلے تیار ملتی ہے اپنے سارے فرائض پورے کرتی ہوں۔ آپ نے نوکر رکھ کر نہیں دیے، جو آکر کر جاتے ہیں۔" فلک غصے میں آگئی اور بآواز بلند بول رہی تھی۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہا میں تمہیں کیسے سمجھاؤں یا تم سمجھنا نہیں چاہتیں' تم میری بات کا غلط مطلب لے رہی ہو مجھے صرف تمہاری ضرورت ہے گھر کے کاموں کے لیے میں نوکر افورڈ کر سکتا ہوں میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ جب تھکا ہوا گھر آؤں تو تم مجھے سجی سنوری دروازے پر ملو اور اشعر اپنے آنگن میں کھیلتا ہوا اور اسے دیکھ کر تمام تھکن اتر جائے۔" وہ بتاتے وقت اس خوب صورت منظر میں کھو سا گیا تھا اسے نہیں معلوم تھا اس کی یہ معصوم خواہش شیشے کی طرح ٹوٹنے والی ہے یہ سب سن کر فلک کے اندر ابال اٹھ رہے تھے مصلحت یا صلح جوئی سے کام لینا تو اس نے کبھی نہیں سیکھا تھا نہ ہی کبھی کمپرومائز کیا تھا وہ اس کی بات کیسے سمجھتی۔

"تو تم چاہتے ہو میں تمہاری غلام باندی بن کر رہوں۔" وہ شدید غصے میں اٹھ کر کھڑی ہوگئی تھی اتنی اونچی آواز سن کر اشعر بھی اٹھ گیا۔

"جب تم دو چار نوکر افورڈ کر سکتے ہو تو چار بیویاں بھی افورڈ کر سکتے ہو بہتر ہے اپنی من پسند بیوی لاؤ اور مجھے بھول جاؤ کیونکہ میں بھی کبھی کسی بھی موڑ پر اپنے بھائی بہن اور باپ کے گھر کو نہیں چھوڑ سکتی۔" وہ اپنی چیزیں سمیٹ کر بیگ میں رکھنے لگی اور ارتضیٰ حقیقتاً پریشان ہوگیا اتنی لمبی بحث کا یہ نتیجہ نکلا تھا۔

"فلک کیا کر رہی ہو؟ ہم آپس میں بات ہی تو کر رہے ہیں ناراض ہونے والی کون سی بات ہے۔" ارتضیٰ نے سامان پیک کرتی فلک کو بازوؤں سے پکڑ کر روکا تھا اور فلک نے اتنی ہی سختی سے اس کے ہاتھ جھٹکے تھے۔

"بالکل بھی نہیں میں اب یہاں اک پل بھی نہیں رہوں گی جو شخص بھی میرے، بہن بھائی کے بارے میں کچھ کہے گا مجھے اس کے ساتھ نہیں رہنا" اس کے لہجے میں ذرا سی بھی لچک نہیں تھی۔

"فلک میری بات سنو یہ کون سا وقت ہے وہاں جانے کا آدھی رات ہوگئی ہے۔ چلو ٹھیک ہے میں تمہاری بات مان لیتا ہوں تم روز چلی جایا کرنا۔" وہ اس کے روکتے روکتے گیٹ کھول کر باہر نکل گئی اشعر اونچی آواز میں رو رہا تھا روتے بلکتے اشعر کو سنبھالتے وہ اس کے پیچھے بھاگا تھا۔

"فلک میری بات سنو۔" وہ اک پل کو رکی تھی۔

"مجھے تمہاری اولاد سے زیادہ اپنے بہن بھائی عزیز ہیں۔" اس کے لہجے میں انتہائی سفاکی تھی اور ارتضیٰ ذکیر کے بڑھتے قدم وہیں رک گئے۔ وہ جانتا تھا اگر اس کے قدم بھی پکڑے گئے تو وہ نہیں رکے گی یہ کیسا شیشہ تھا جو دیکھنے کو تو شفاف تھا لیکن اس کا عکس بہت خوفناک تھا۔

دل اے امید توڑا ہے کسی نے
سہارا دے کر چھوڑا ہے کسی نے
نہ منزل ہے نہ منزل کا نشان ہے
کہاں پہ جاکر چھوڑا ہے کسی نے!
قفس کی تتلیاں رنگین کیوں ہیں
یہاں پہ سر کو پھوڑا ہے کسی نے!
میں شیشہ ہوں شیشہ گروں سے پوچھتا ہوں!
کہ کبھی ٹوٹا ہوا دل بھی جوڑا ہے کسی نے!

اشعر روتا بلکتا باپ کے بازوؤں میں سو گیا تھا لیکن ارتضیٰ ذکیر کی نیند تو اڑ گئی تھی۔

"فلک کہاں کمی رہ گئی تھی میری محبت میں سب کچھ تو اپنا تم پر وار دیا تھا۔ پھر تمہارا دل میرے لیے نرم کیوں نہیں ہوا؟ تم واقعی شیشہ نکلیں! کانچ کی گڑیا جس کے اندر باہر تمہارے بہن بھائی تھے ارتضیٰ ذکیر تو کہیں نہیں تھا! پھر تم کیسے رکتیں۔" آنکھوں سے برستا پانی اشعر کے بالوں میں جذب ہو رہا تھا۔ وہ محبت کی اس منزل پر کھڑا تھا جہاں سے دامن چھڑانا بھی ناممکن تھا۔

صبح سجاد صاحب آئے، بہت شرمندہ تھے۔ ارتضیٰ نے معافی مانگی تو انہوں نے کہا تھا۔

"مجھے اور شرمندہ مت کرو ارتضیٰ میں جانتا ہوں غلطی میری بیٹی کی ہے وہ نادان ہے تمہاری قدر نہیں سمجھتی وقت نے اسے، بہت ضدی بنا دیا ہے" ارتضیٰ کی والدہ بھی رو رہی تھیں۔ ارتضیٰ نے ایک اور احسان ان پر کیا۔

"ماموں جی اشعر کو لے جائیں میرا دل فلک جتنا سخت نہیں ہے۔ یہ ابھی دودھ پیتا ہے۔ رات سے رو رو کر برا حال کر رکھا ہے۔" اور سجاد صاحب جھکے سر کے ساتھ اشعر کو لے کر پلٹ آئے تھے کہ فلک کو تو انہوں نے بہت سمجھایا وہ نہیں مانی تھی۔ آنے والے دنوں میں وہ کئی بار اسے منانے گیا ارتضیٰ کی والدہ روز جاتی تھیں۔ مومنہ نے بھی دبے لفظوں میں سمجھایا تھا لیکن فلک ناز کی ضد نہیں ٹوٹی اور ان ہی دنوں مطیرہ کی منگنی ہوگئی مومی جاب کرنے لگا تھا۔ ارتضیٰ اسپتال کی طرف سے اسپلائزیشن کرنے امریکہ چلا گیا ارتضیٰ کی والدہ کو ٹانگوں کی تکلیف تھی وہ چل پھر نہیں سکتی تھیں۔ ارتضیٰ انہیں علاج کے لیے ساتھ ہی لے گیا تھا!

وقت یونہی بھاگا چلا جا رہا تھا اور زندگیاں ساکن تھیں اشعر چار سال کا ہوگیا تھا اور اسکول جانے لگا تھا۔ مطیرہ کی منگنی ان لوگوں نے یہ کہہ کر توڑ دی تھی کہ جس کی بہن پھوپو کے اکلوتے بیٹے کے ساتھ نہ رہ سکی ان کی دوسری بیٹی غیروں میں کہاں رہے گی۔

فلک کی بات ہر جگہ پھیل گئی تھی اور مطیرہ کے رشتے کے لیے مشکل پیش آرہی تھی۔ سجاد صاحب وقت سے پہلے بوڑھے ہوگئے تھے۔ مومنہ بھی کبھی کبھار ہی آتی وہ اب تین بچوں کی ماں تھی اس کے لیے آنا مشکل تھا۔ جب کہ ماموں کی بھی جس لڑکی کے ساتھ انگیجمنٹ ہوئی تھی۔ اس نے بھی صاف کہہ دیا تھا جب تک تمہاری بڑی آپی گھر پر بیٹھی ہیں میں رخصتی نہیں کرواؤں گی سب ہی فلک ناز سے کھنچے کھنچے رہنے لگے تھے۔

ان ہی دنوں ارتضیٰ پاکستان آگیا اور سب کے اصرار پر ایک بار پھر اس کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھایا لیکن فلک نے صاف کہہ دیا تھا کہ تم دوسری شادی کرلو میں واپس کبھی نہیں آؤں گی۔ ارتضیٰ کو اس کی اتنی ہٹ دھرمی پر شدید غصہ آیا تھا۔ ارتضیٰ ذکیر نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

"فلک ناز قصور تمہارا نہیں ہمارا ہے! مجھے افسوس ہے کہ میں نے تم جیسی عورت سے محبت کی جو خود غرض انا پرست اور صرف اپنی پروا کرنے والی ہے۔ یہ جو ڈھونگ تم بہن بھائی کی محبت کا کررہی ہونا یہ سچ نہیں تم انتہائی خود غرض ہو کبھی کسی کو کچھ نہیں دے سکتیں ابھی تک تمہیں رشتوں کی قدر نہیں آئی اور اک وقت ایسا آئے گا تم بالکل تنہا ہوگی اور تمہارے پاس کوئی نہیں آئے گا۔" وہ چلا گیا تھا لیکن اس نے اپنے بیٹے کو نہیں چھوڑا تھا وہ روز اس سے ملنے آتا تھا فلک کی ناگواری کے باوجود اسکول لے کر جاتا تھا واپس لے آتا تھا۔

مومنہ اپنی فیملی کے ساتھ عمرے کے لیے جارہی تھی تو ارتضیٰ کی والدہ اور سجاد صاحب بھی تیار ہوگئے اور وہ سب عمرے پر چلے گئے۔

☼ ☼ ☼

"کس سے بات کررہی تھیں موبائل پر؟" مطیرہ موبائل بند کرکے سیدھی ہوئی جب فلک نے اس کی کلاس لینی شروع کی۔

"آپ کو بتانا ضروری ہے؟" مطیرہ نے غصے سے کہا۔

"ہاں ضروری ہے۔" فلک کا لہجہ اس سے بھی زیادہ سخت تھا۔

"کیوں؟" مطیرہ نے کہا۔

"کیوں کہ میں حق رکھتی ہوں ماں بن کر پالا ہے میں نے تم لوگوں کو اور تمہاری بڑی بہن ہوں۔" مطیرہ نے یہ بات ہزار بار فلک کے منہ سے سنی تھی لیکن آج تو اس کے پورے وجود میں شرارے سے اڑ رہے تھے شاید وہ اپنی تمام خوشیوں کی رکاوٹ فلک کو سمجھنے لگی تھی۔

"ماں بن کر پالا ہے ماں نہیں ہیں۔" مطیرہ کے لہجے میں نفرت عیاں تھی۔

"مطیرہ!" فلک کا ہاتھ اٹھا تھا اور مطیرہ کا رخسار سرخ کر گیا تھا۔

"جتنی خامیاں آپ کے اپنے اندر ہیں شاید ہی کسی میں ہوں کبھی اپنے اندر بھی جھانک کر دیکھ لیں۔" نفرت سے کہتی ہوئی وہ اندر چلی گئی تھی اور فلک وہیں صوفے پر ٹک گئی مطیرہ نے پہلی مرتبہ اتنی بدتمیزی کی تھی بلکہ اپنے حق کے لیے پہلی مرتبہ زبان کھولی تھی اور یہی بات فلک کو پریشان کرگئی تھی۔

"کہاں جارہے ہو مومی؟" فلک نے پکارا تھا جب وہ گیٹ سے نکلنے لگا تھا۔

"آپی باہر جارہا ہوں۔"

"کس کے پاس؟" "دوستوں کے پاس۔" مومی کو غصہ آنے لگا جانتا تھا وہ ابھی اسے منع کردیں گی وہ اتنا بڑا ہوگیا تھا کہ اپنا کماتا تھا کچھ عرصے تک اس کی شادی ہوجائے گی اور اک فلک تھی جو اسے ابھی تک بچوں کی طرح ہی ٹریٹ کرتی تھی۔

"رات ہوگئی ہے باہر کے حالات ٹھیک نہیں ہیں اور پھر ابو بھی گھر پر نہیں ہیں بہتر ہے کہ تم مت جاؤ۔"

"آپی۔" مومی نے بے بسی سے کہا۔

"ماموں جیسا کہا ہے ویسا کرو" فلک نے حکم دیا۔

"فار گاڈ سیک آپی اب ہم بڑے ہوگئے ہیں چھوڑ دیں ہم سے بچوں جیسا بے ہیو کرنا۔ ہمیں ہماری زندگی جینے دیں۔" وہ شدید غصے سے بولا تھا۔

"مومی تم۔ کس لہجے میں بات کررہے ہو" فلک نے رعب جمایا۔

لیکن مومی کے اندر سالوں سے سلگتی چنگاریاں بھڑک گئی تھیں۔

"اس لہجے میں بات کرنے کے لیے آپ نے ہی ہمیں مجبور کیا ہے۔ تنگ آگئے ہیں ہم آپ کی اس تفتیش اور حاکموں جیسے انداز سے کیا بگاڑا ہے ہم نے آپ کا یہی کہ ہماری ماں مرگئی تھی روٹی کپڑے کے لیے ہمیں آپ کا سہارا لینا پڑا یہی جرم تھا ہمارا آپ دشمن ہیں ہماری خوشیوں کی معصوم خواہشوں کی۔ آپ کی بے جا روک ٹوک نے ہماری مسکراہٹ چھین لی ہم سے۔ آپ ہمارے نام پر تعریفوں کے تمغے لینا چاہتی ہیں سب سے بہت لے لیے خدا کے لیے اب ہمیں بخش دیں۔ کوئی پتھر بھی ہوتا تو ٹوٹ جاتا لیکن آپ تو شیشے کی بنی ہیں جو خود تو ٹوٹتا ہی ہے لیکن دوسرے کو بھی لہولہان کردیتا ہے۔ خدا کے لیے ہمیں ہماری زندگی جینے دیں چھوڑ دیں ہماری زندگی میں انٹرفیر کرنا۔" وہ غصے سے کہتا باہر نکل گیا مطیرہ بھی اس کی آواز سن کر باہر آگئی تھی جبکہ وہ یوں کھڑی تھی جیسے وجود میں جان ہی نہ ہو تو یہ تھا خدمتوں کا صلہ کیا کوئی قیامت آئی تھی یا کوئی عذاب اترا تھا مطیرہ نے اک نظر اس پر ڈالی اور دوبارہ کمرے میں چلی گئی۔ اس کے قدموں میں جان نہیں رہی تھی۔ وہ خود کو بمشکل گھسیٹتی اپنے کمرے تک گئی تھی اور بستر پر گر کر ٹوٹ کے رونے لگی آوازیں تھیں جو اس پر ہنس رہی تھیں۔ کیا کہا تھا آج مطیرہ اور ماموں نے کہ وہ ان کی خوشیوں کی قاتل ہے۔

"مما میں نے تو آپ سے کیے گئے عہد کو نبھایا تھا۔ آپ نے کہا تھا انہیں باہر مت بھیجنا کسی راہ چلتی گاڑی کے حادثے کا شکار نہ ہوجائیں۔ انہیں اتنی کھلی ڈھیل نہ دینا کہ اپنی زندگی برباد کرلیں 'نازک زندگی کے کسی موڑ پر انہیں تنہا مت چھوڑنا مما۔ میں تو آپ کی نظروں میں سرخرو ہورہی تھی اور وہ کہہ رہے ہیں میں نے تعریفوں کے تمغے لینے کے لیے یہ سب کیا۔ میں آپ کے مرنے پر بہت روئی تھی لیکن مجھے کسی نے چپ نہیں کروایا تھا میں نے اس وقت انتہا کا صبر کیا تھا اتنا کہ اتنے سال تک اپنی کانچ آنکھوں سے اک آنسو بھی نہیں گرنے دیا! اور آج میں مرگئی ہوں تو میرے ساتھ میری میت پر رونے والا بھی کوئی نہیں ہے۔ ہاں میں شیشہ ہوں 'وہ شیشہ جس کے اندر باہر میرے بہن بھائی ہی رہے۔ میرے محبت کی انتہا یہی تھی کہ میں تم لوگوں کے لیے حد سے زیادہ پوزیسو رہتی تھی اور جو میرا خون تھا میرا بیٹا میں نے اس کو اگنور کردیا اور تم لوگوں نے کیسے الزام لگائے ہیں 'مجھے میری نظروں سے گرادیا ہے میں ابھی تک زندہ کیوں ہوں۔" وہ پوری رات روتی رہی نہ آنسو ختم ہوئے تھے نہ درد کم ہوا۔

☼ ☼ ☼

ارتضیٰ ذکیر اشعر سے ملنے آیا تھا۔ کچن میں مطیرہ کام کررہی تھی۔ یہ گزرے بیس سالوں میں پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ ناشتا فلک کے بجائے مطیرہ بنارہی تھی وہ پرسوچ نظروں سے اشعر کو دیکھ رہا تھا جو اسکول جانے کے لیے تیار کھڑا تھا مطیرہ نے بھاپ اڑاتا کپ اس کے سامنے رکھا تھا۔

"مطیرہ وہ تمہاری آپی نظر نہیں آرہی۔"

"اپنے کمرے میں ہوں گی" مطیرہ جاتے جاتے رک گئی۔

"میرا مطلب ہے اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔" ارتضیٰ کے لہجے میں بے چینی تھی مطیرہ نے غور سے اسے دیکھا۔

"آپ کو بہت فکر رہتی ہے" مطیرہ کا موڈ آف تھا۔

"فکر کیوں نہ ہو بیوی ہے میری۔" ارتضیٰ نے کہا۔

"ہونہہ بیوی 'بیوی کا کوئی فرض بھی ادا کیا ہے انہوں نے جوتے کی نوک پر تو رکھتی ہیں آپ کو۔"

مطیرہ کے لہجے میں محسوس کرنے والی کڑواہٹ تھی۔

"مطیرہ کیا بکواس کررہی ہو۔ بڑی بہن ہیں وہ تمہاری۔" ارتضیٰ نے غصے سے اسے روکا۔

"یہی تو رونا ہے" وہ کہہ کر کچن میں چلی گئی اور ارتضیٰ فلک کے کمرے میں چلا آیا۔

"ناز، ناز تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔" وہ لائٹ آن کرکے اس کے بیڈ کے قریب آیا۔ وہ اوندھے منہ پڑی تھی۔ اس کا سر اٹھا کر سیدھا کیا۔

"ناز!" اس کا پورا وجود بخار کی آگ میں جل رہا تھا۔

"ناز پلیز آنکھیں کھولو۔" کیسی بے تابی تھی اس کے لہجے میں، فلک کے جلتے وجود پر ٹھنڈی پھوار پڑی تھی بو جھل پلکیں بمشکل کھولیں — اور وہ اک لمحہ میں جان گیا کہ وہ پوری رات روتی رہی ہے یقیناً" کوئی سیریس بات ہوئی تھی۔

"ناز اتنی خراب طبیعت کیسی ہو گئی؟" ارتضیٰ نے پوچھا اور فلک اس کے سینے سے لگ کر شدت سے رونے لگی۔ یہ بھی اک حادثہ ہی تھا وہ پہلی بار اس کے ساتھ اس طرح روئی تھی۔

"میری جان کیوں روئے جارہی ہو بس کرو نا۔" ارتضیٰ نے آہستہ سے اس کے بال پیچھے کیے۔

"کیوں آئے ہو تم جاؤ تم بھی چھوڑ دو مجھے اکیلا گالیاں دو الزام لگاؤ مارو۔ تم یہ سب کیوں نہیں کرتے۔ تم بھی کہو میں دشمن ہوں تمہاری، میں بری ہوں، خود غرض ہوں۔" وہ اس کا کالر پکڑ کر بری طرح جھنجوڑ رہی تھی اور ارتضیٰ اسے سنبھالنے میں ہلکان ہو رہا تھا۔

"کس نے کہا ہے تم سے تم تو بہت اچھی ہو۔" ارتضیٰ نے روتی تڑپتی فلک کو بازوؤں میں سمیٹا تھا۔

"نہیں ہوں میں اچھی، میں وہ شیشہ ہوں جو دوسروں کو لہولہان کر دیتا ہے، مطیرہ نے کہا ہے میں اس کی کچھ نہیں لگتی، مومی کہتا ہے میں ان کی خواہشوں کی قاتل ہوں تم کہتے ہو نا خود غرض ہوں میں نے اپنی ماں سے کیے گئے عہد کو نبھاتے نبھاتے خود کو اور اپنی خواہشوں کو فراموش کر دیا۔ تم جانتے ہو مجھے کتنا پڑھنے کا شوق تھا۔ میں نے ان بہن بھائی کے لیے اپنے شوق کو اپنے اندر دفن کر لیا جب میری آنکھیں خواب دیکھنا چاہتی تھی تو اس وقت میری آنکھوں میں میرے بہن بھائی کی فکریں تھیں۔ میں ان سب کے لیے اس لیے یوز سو تھی کہ میری محبت میں شدت تھی اور میں کسی قسم کی خامی ان میں دیکھنا نہیں چاہتی تھی اور انہوں نے کیا صلہ دیا میں ان کے لیے رول ماڈل بننے کے لیے اپنی محبت اپنے شوہر سے بھی غافل ہو گئی۔" کیا اعتراف تھا۔

"ارتضیٰ مجھے نہیں جینا مجھے رات سے ایسا لگ رہا ہے کہ مجھے اندر سے کوئی چھری سے کاٹ رہا ہو اور میری آنکھوں سے خون کے آنسو پوری رات بہتے رہیں ہیں۔"

"نا نے۔ ناز آنکھیں کھولو" وہ شکوے کرتی — بے ہوش ہو گئی تھی۔ وہ اسے بازوؤں میں اٹھا کر اسپتال کی طرف بھاگا۔ مومی اور مطیرہ منہ کھولے کھڑے تھے یہ کیا ہو گیا۔ "ارتضیٰ بھائی رکیں میں گاڑی لے کر آتا ہوں۔" مومی نے بھاگ کر چابی اٹھائی اور گاڑی اسٹارٹ کر کے باہر نکالی اور اگلے لمحے وہ اسپتال میں تھے۔

"مما جی دعا کریں میری فلک کو کچھ نہ ہو۔" موبائل پر اپنی ماں سے بات کرتے وہ رو پڑا تھا۔

"بیٹا میں تو جب سے اللہ کے گھر آئی ہوں تمہاری خوشیوں کے لیے ہی دعا کر رہی ہوں۔"

"مما چوبیس گھنٹے گزر گئے ہیں۔ اسے مکمل ہوش نہیں آرہا۔"

"ارتضیٰ میری جان حوصلہ کرو کچھ نہیں ہوگا ہماری فلک کو ہم بس کل پہنچ رہے ہیں تم ہمت مت ہارو۔"

"جی مما" ارتضیٰ نے کہہ کر کال ڈراپ کر دی۔

فلک کو انتہائی سیریس نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا وہ ہوش میں آتی تھی اور پھر کچھ پل بعد بے ہوش ہو جاتی تھی۔ مطیرہ اشعر کو سنبھال رہی تھی اور بری طرح رو

رہی تھی مومی بھی وہیں اسپتال میں پریشان سا بیٹھا تھا اور ارتضیٰ کی تو جان نکلی تھی وہ انتہا کا پریشان تھا۔

"مطیرہ اور مومی اگر میری فلک کو کچھ ہوا تو میں کسی کو معاف نہیں کروں گا۔ تم لوگ جانتے ہو جب وہ مجھے چھوڑ کر آئی تھی تو اس نے کہا تھا مجھے اپنے بہن بھائی عزیز ہیں اشعر سے زیادہ۔"

"یقین مانیں بھائی ہم ایسا کچھ نہیں چاہتے تھے۔" مطیرہ روتے ہوئے بولی تھی۔

لفظوں کی چوٹ نہ مارے کوئی
بے شک پتھر مار کر زخمی کردے!

فلک ناز کراؤن سے ٹیک لگائے کب سے ساکن بیٹھی تھی مطیرہ مومی معافی مانگ رہے تھے۔ ارتضیٰ اسپتال سے اسے اپنے گھر لے آیا تھا۔ وہ کچھ نہیں بول رہی تھی بس خالی نظروں سے سب کو دیکھے جارہی تھی۔

"آپی ناز کچھ تو بولیں۔ اس طرح کی سزا مت دیں، ہمیں ڈانٹ لیں مار لیں۔"

میں شیشہ ہوں
شیشہ گروں سے پوچھتا ہوں
کہ ٹوٹا ہوا دل بھی جوڑا ہے کسی نے

"کچھ بھی کہہ لیں لیکن ہمیں معاف کر دیں۔" مطیرہ اس کا ہاتھ تھامے کہہ رہی تھی۔

"ناز آپی ہم نادان تھے آپ تو ہماری بہت پیاری ماں ہیں ہمیں احساس ہے کہ اگر ہماری ماں بھی ہوتی تو ہمیں اتنی توجہ نہ ملتی ہم زندگی میں اتنے کامیاب نہ ہوتے بس وہ کچھ لمحوں کی بے وقوفی تھی جو ہم بہک گئے ہمیں معاف کر دیں آپ نے تو ہمیں سب کچھ دیا اپنا قیمتی وقت اپنی محبت توجہ جو بد قسمتی سے ہمارے باپ نے بھی نہیں دی آپ ہی ہمارا سب کچھ ہیں ماں بھی باپ بھی آئندہ ہم آپ کو کبھی ہرٹ نہیں کریں گے ہمیں معاف کر دیں۔" مومی نے اس کا دوسرا ہاتھ تھام رکھا تھا وہ دونوں شرمندہ تھے اور رو رہے تھے فلک نے روتے ہوئے ان دونوں کو ساتھ لگا لیا۔

"میں مانتی ہوں میری محبت میں ممتا نہیں تھی

شدت پسندی تھی۔ لیکن میں واقعی تم سب سے بہت محبت کرتی ہوں۔" فلک نے دونوں کو پیار کیا۔
"آئی لو یو ناز آپی۔" دونوں نے مل کر کہا۔
"آئی لو یو سو مچ مما جانی۔" اشعر ان دونوں کو پیچھے کرتے اس کی گود میں آکر بیٹھ گیا۔
"می ٹو بیٹا" فلک نے اسے بازوؤں میں بھرلیا۔
مومنہ سجاد صاحب ارتضیٰ کی والدہ عمرے سے واپس آگئے تھے ان کے گھر میں بہت رونق تھی اچھی خاصی دعوت کا انتظام تھا رشتے دار اور دوست احباب ان سے ملنے کے لیے آرہے تھے اشعر مومنہ ریحان کے بچوں کے ساتھ شرارتوں میں لگا تھا اور ارتضیٰ مومی مہمانوں کو سنبھال رہے تھے۔ مومنہ کی جٹھانی مطیرہ کا پرپوزل لے کر آئی تھیں اپنے بھائی کے لیے لڑکا گھر کا تھا کسی بھی اعتراض کے بنا پر پوزل قبول کرلیا گیا تھا۔
فلک ادھر سے ادھر کام کرواتی مہمانوں کی دیکھ بھال کرتی سب کی آنکھوں کا تارہ بنی ہوئی تھی۔ "مجھے فخر ہے اپنی فلک ناز پر جس نے میرے بچوں کو ماں باپ کا پیار دیا۔ مجھ نادان کے فرائض بھی میری اس بیٹی نے ادا کیے سچ کہا جاتا ہے نیک بیٹیاں ہوں تو جہنم بھی جنت بن جاتی ہے اور میرے گھر کو اس نے اپنی ماں کے جانے کے بعد بھی جنت بنائے رکھا۔ فلک ناز میرے گھر کا وہ شیشہ ہے جس میں ہر فرد خود کو دیکھتا رہا اور سنوارتا رہا اس پر تو فلک بھی ناز کرتا ہوگا۔" سجاد صاحب نے محبت سے اسے اپنے ساتھ لگایا باقی بچوں کو بھی قریب کرکے پیار کیا ارتضیٰ کی والدہ بھی بہت خوش تھیں اس دن۔ ☼ ☼

فلک کافی دیر سے چیزیں ادھر سے ادھر بے وجہ رکھ رہی تھی۔ رات کافی گہری ہوگئی تھی ہر طرف خاموشی کا راج تھا۔ اشعر بھی سویا ہوا تھا ارتضیٰ بیڈ کے کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے اسے نوٹ کررہا تھا۔ کچھ پل یونہی گزر گئے۔ "ناز ادھر آؤ!" آخر اس خاموشی کو ارتضیٰ نے توڑا۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی اس کے قریب بیٹھ گئی اس کے انداز میں جھجک تھی اور ہاتھ دھیرے دھیرے کانپ رہے تھے۔
"کیا بات ہے کوئی پریشانی ہے یا کوئی بات کرنی ہے اتنی دیر سے ٹائم ضائع کررہی ہو۔" ارتضیٰ نے ہاتھ سے اس کا چہرہ اپنی طرف گھمایا فلک کی پلکیں جھکی ہوئی تھیں وہ ہولے ہولے کانپ رہی تھی ارتضیٰ نے غور سے اسے دیکھا۔
"تم نئی نویلی دلہن کی طرح ری ایکٹ کیوں کررہی ہو" وہ مسکرایا تھا اور فلک ایک جھٹکے سے اس کے سینے سے جا لگی اور دونوں بازو اس کی گردن کے گرد حمائل کردیے۔
"میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں ارتضیٰ۔" فلک نے کہا۔
"جو ہوگیا سو ہوگیا اب بھول جاؤ سب کچھ بس اتنا یاد رکھو کہ تم میرے پاس ہو اور میں تمہارے پاس اب ہمیں کبھی جدا نہیں ہونا۔" ارتضیٰ نے اس کے بالوں میں آہستہ آہستہ ہاتھ چلانا شروع کردیا۔
"میں آج سے نہیں بہت پہلے سے آپ سے بہت محبت کرتی آرہی ہوں۔"
"مجھے پتا ہے نادان بیوی۔" ارتضیٰ نے شرارت سے اس کی ناک دبائی تو وہ مسکرادی۔
"سنو مومنہ نے بہت ترقی کرلی ہے ہمیں بھی سوچنا چاہیے۔" ارتضیٰ کی آواز میں شرارت تھی۔
"تو کیا ہوا ہم چھ بچے پیدا کریں گے۔"
"چھ۔" ارتضیٰ چیخا۔
"چلو آٹھ سہی فلک نے کہا۔
"نن نہیں! دو ٹھیک ہیں۔" ارتضیٰ نے کہا تو فلک ناز فوراً" مان گئی اور ارتضیٰ ذکیر کا رکا سانس بحال ہوا۔
"شکر ہے تم نے پہلے کی طرح یہ نہیں کہا کہ میں نے کہا ہے تو آٹھ ہی ہوں گے۔" تو وہ دونوں قہقہہ لگا کر ہنسے تھے۔
"میں شیشہ ہوں اور تم میرا عکس ہو" فلک نے کہا تھا اور ارتضیٰ کا دل خوشی سے سرشار ہوگیا۔
☼ ☼

"اس کی شادی کا سن کر دل پر نہ لینا کیونکہ زندگی اسی کا نام ہے پانا اور کھونا ساتھ ساتھ چلتا رہتا ہے۔" ماں نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"کس کی شادی کا سن کر میں سمجھی نہیں" حبیبہ نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"عمر کی شادی کا ذکر کر رہی ہوں۔"

"عمر کی شادی کہیں اور ہو رہی ہے مگر امی آپ کو تو بہت یقین تھا کہ خالہ عمر کی شادی میرے علاوہ کہیں اور نہیں کریں گی" حبیبہ نے ظاہر نہ ہونے والی اداسی سے کہا۔

"دراصل آپا تو دل سے ایسا چاہتی تھیں اور ابھی بھی چاہتی ہیں مگر عمر نے کہیں اور شادی کا ارادہ کر لیا ہے آپا تو بہت پریشان ہیں" ماں نے بتایا۔

"کیا خالہ نے عمر سے پوچھے بنا ہی آپ سے میری اور عمر کے رشتے کی بات کر لی تھی۔" حبیبہ کا اچانک دل ٹوٹا تھا اس لیے کرید رہی تھی۔

"میرا بھی یہی خیال ہے کہ انہوں نے عمر سے مشورہ نہیں کیا تھا۔"

"ایسا ہے تو خالہ نے غلط کیا اتنا بڑا فیصلہ اور عمر کو بتائے بغیر، عمر کے ساتھ زیادتی ہے اب اگر عمر نے خود کوئی لڑکی پسند کر لی ہے تو غلط نہیں کیا" حبیبہ نے اداسی سے کہا۔

"مگر آپا اس لیے پریشان ہیں کہ ایک تو وہ تمہیں ہر حال میں اپنی بہو بنانا چاہتی تھیں اور چاہتی ہیں دوسرا وہ کوئی پاکستانی لڑکی نہیں ہے۔ آسٹریلین ہے اس نے تو آج تک پاکستان بھی نہیں دیکھا آپا کا خیال ہے اسے کافی عرصہ لگے گا نئے ماحول میں ایڈجسٹ ہونے میں۔"

"خیر یہ ان کے گھر کا مسئلہ ہے ہمیں مداخلت نہیں کرنا چاہیے اور ہمیں سوچنا بھی نہیں چاہیے۔"

"میں جانتی ہوں تمہارا دل ٹوٹا ہے اس لیے تم ایسے سوچ رہی ہو مگر آپا نے شادی کی تیاریوں میں مدد کرنے کے لیے بلایا ہے۔"

"آپ بھی کمال کرتی ہیں آپ کی بیٹی کی جگہ انہوں نے کسی اور کو بہو بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے پھر بھی آپ عمر کی شادی میں شامل ہونا چاہ رہی ہیں۔"

"میری بڑی بہن ہے کیسے سب تعلق توڑ دوں ایک ہی ان کا بیٹا ہے۔ بیٹیاں دوسرے شہر میں بیاہی ہیں ضرورت میں ہم ہی ان کے کام آئیں گے۔"

"ماں آپ کا حوصلہ ہے جو ابھی بھی خالہ کے لیے سوچ رہی ہیں میں تو عمر کا سامنا نہیں کر سکتی اس لیے میں آپ کے ساتھ اس کے گھر نہیں جا رہی مجھے تو معاف کر دیں۔"

"نہیں بیٹے ایسے نہیں سوچتے زندگی میں کیا کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے کیا کچھ سہنا پڑتا ہے۔ بہت کچھ کھو کر بھی جینا پڑتا ہے ابھی تم نہیں سمجھو گی کئی بار دل نہ چاہتے ہوئے بھی دنیاداری نبھانی پڑتی ہے۔"

"پھر بھی ماں میں نہیں جاؤں گی کوئی تلخی ہونے سے بہتر ہے کہ میں اس کا سامنا ہی نہ کروں۔"

"مگر عمر تو کراچی گیا ہوا ہے۔ ہم تو صرف تمہاری خالہ سے ملنے جا رہے ہیں اور تم جانتی ہو کہ خالہ تم سے کتنا پیار کرتی ہیں۔ وہ کبھی بھی تم سے دل دکھانے والی بات نہیں کریں گی۔"

"اچھا ٹھیک ہے اگر عمر گھر پر نہیں ہے تو چلی جاتی ہوں مگر تھوڑی دیر کے لیے۔"

"اچھا چلو تو سہی ہاں سنو ڈھنگ کے کپڑے پہننا کوئی اداسی وغیرہ ظاہر نہ کرنا ہمیں کوئی رشتوں کی کمی نہیں۔ تم سمجھ رہی ہو نا میری بات۔"

"دل ٹوٹا ہو اور ظاہر بھی نہ ہو کیا ــــ ممکن ہے۔" حبیبہ نے سوچا۔

"ماں میں خوش نظر آنے کی پوری کوشش کروں گی کچھ ظاہر نہیں کروں گی۔"

"میری بیٹی میں بہت صبر اور حوصلہ ہے۔ ان شاء اللہ تمہیں ایسا ساتھی ملے گا جو تمہاری قدر کرنا جانتا ہو۔"

"جسے بچپن سے چاہتی آ رہی ہوں وہ تو ملا نہیں اب کوئی شہزادہ بھی مل جائے تو کیا فائدہ" حبیبہ نے سوچا۔

"آپ بھی تیار ہو جائیں اور میں بھی تیار ہو کر آتی

ہوں" حبیبہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

☼ ☼ ☼
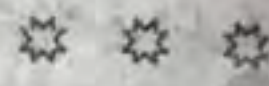
"سوچ لو اوپر کا پورشن بنانے سے پہلے بیٹے سے مشورہ کر لو تم صرف کچن الگ نہیں کر سکتیں اس کے رہنے کا حصہ بھی علیحدہ کر رہی ہو بیٹا مانے گا کہ نہیں وہ تو ہمارے بغیر سانس لینے کا بھی نہیں سوچتا۔"

"ہم کون سا اسے الگ کر رہے ہیں ذرا سی پرائیویسی کا میں سوچ رہی ہوں نچلے پورشن میں ہم رہیں گے اوپر کے پورشن میں وہ اپنی بیوی کے ساتھ رہے گا گھر تو ایک ہی ہے۔ میں سوچ رہی ہوں کہ اس کی بیوی آسٹریلین ہے وہاں جوائنٹ فیملی سسٹم ختم ہوئے مدت گزر چکی ہے میں نہیں چاہتی کہ شروع کے دنوں میں دونوں میں صرف اس بات پر جھگڑا ہو جائے کہ ان کے پاس پرائیویسی نہیں ہے۔"

"سوچ تو تمہاری درست ہے مگر تمہیں عمر سے بات کر لینی چاہیے تھی۔"

"آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں عمر سے پوچھوں کہ تمہیں الگ کچن کی ضرورت ہے یا نہیں اوپر کا پورشن مکمل ایک گھر ہے صرف کچن بننے والا تھا وہ بنوانے کا کہہ رہی ہوں۔"

"آج کل بنی بنائی ہر چیز مل جاتی ہے صرف فکس کرنی ہوتی ہے۔ ڈیزائن کے لیے کیٹلاگ ہر اسٹور پر موجود ہے دس دن سے بھی کم وقت میں کچن تیار ہو جاتا ہے اتنی جلدی کیا ہے تمہیں۔"

"تمہیں یاد ہے جب ہماری شادی ہوئی تھی"

"شادی کا دن کون بھول سکتا ہے ہر مرد کی آزادی کا آخری دن ہوتا ہے۔" انہوں نے حیرت سے کہا۔

"مذاق میں مت ٹالو تمہارا جوائنٹ فیملی سسٹم تھا ایک بڑی حویلی کھلا صحن صحن کے چاروں طرف برآمدہ اور برآمدے کے پیچھے بڑے بڑے کمرے۔ تین بھائیوں کی فیملی اور سب سے چھوٹے آپ۔ پورا گھر بچوں سے بھرا ہوا تھا ہر فیملی کو دو دو کمرے ملے ہوئے تھے کچن بیٹھک صحن سانجھا کیسی زندگی تھی میں ایک ایسے گھر سے آئی تھی جس میں صرف چار فیملی ممبر ہم دو بہنیں اور ماں باپ۔ شور شرابا کبھی کانوں میں پڑا ہی نہیں تھا میں ہر وقت پرائیویسی کی تلاش میں رہتی تھی کہیں تنہائی نہیں ملتی تھی آپ سے کوئی بات کہنی ہوتی تو صبح سے شام ہو جاتی جوائنٹ فیملی سسٹم اچھا رواج ہے مگر یہ کہ شروع شروع میں میاں بیوی کو تنہائی کی ضرورت ہوتی ہے ایک دوسرے کو سمجھنے کے لیے۔

اس لیے اب میں نے پکا ارادہ کیا ہے کہ عمر کی شادی کے پہلے چند ایک ماہ تنہائی کے ضرور ملنے چاہئیں میں نے تو اسے الگ مکان لینے کا مشورہ دیا تھا مگر وہ برا مان گیا۔

کہنے لگا کہ بیٹا والدین کے ساتھ رہنا چاہتا ہے مگر والدین ساتھ رکھنے کو تیار نہیں اب یہی ہو سکتا ہے کہ اسے اوپر کا پورشن دے دیا جائے اپنی مرضی سے اٹھے، بیٹھے، جاگے اس کی بیوی کے جتنے ارمان ہوں، خواہشیں ہوں سب پوری ہوں۔ شادی کے یہی پہلے دو چار سال ہوتے ہیں جو میاں بیوی ایک دوسرے کے ساتھ گزارنا چاہتے ہیں۔ باقی زندگی تو دنیاداری میں گزر جاتی ہے۔"

"میں کسی بات سے انکار نہیں کر رہا مگر عمر دوسرے لڑکوں کی نسبت ذرا مختلف ہے وہ دن میں گھر سے باہر دس بار بھی جائے تو واپسی پر اپنی ماں کو سامنے دیکھنا چاہتا ہے۔"

"بیوی آگئی تو پھر بیوی کو آواز دیا کرے گا۔"

"میرا خیال ہے ایسا نہیں ہے وہ بیوی کا ضرور خیال رکھے گا مگر ماں کو ہمیشہ پہلے دیکھنا چاہے گا۔"

"چلو دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے آپ عمر سے کوئی بات نہیں کیجیے گا ہم کچن بنوا دیں گے پھر اس کی اور اس کی بیوی کی مرضی ہو گی جیسے وہ رہنا چاہے۔"

"تم کچن بنوا کر ہی دم لو گی عورت عجیب چیز ہے بڑے بڑے فلسفی لوگوں کو سمجھ نہیں آئی۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے یہ مردوں کی پھیلائی ہوئی باتیں ہیں جب مرد نے عورت کی بات نہیں سننی ہوتی

تو کہہ دیتے ہیں کہ ساری زندگی تمہارے ساتھ گزر گئی مگر تمہیں سمجھ نہیں سکا یا مجھے تمہاری سمجھ نہیں آئی خیر باہر جا کر دیکھیں کون آیا ہے ڈور بیل بج رہی ہے۔" پروین نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

ہمایوں صاحب نے باہر جا کر گیٹ کھولا تو سامنے نسرین اور حبیبہ کو دیکھ کر خوش ہو گئے۔

"نسرین آئی ہیں اور ہماری بیٹی بھی ساتھ ہے۔" ہمایوں صاحب نے گیٹ سے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

"کیسے ہیں ہمایوں بھائی۔"

"ٹھیک ہوں۔" ہمایوں صاحب نے مسکرا کے کہا۔

"پروین دیکھو کون آیا ہے" ہمایوں صاحب نے کوریڈور میں کھڑے ہو کر آواز دی۔

"کون آیا ہے نسرین تو نہیں آئی؟"

"باہر تو آؤ خود دیکھو آکر میں نہیں بتاؤں گا۔"

"آپ کی پہیلیاں بوجھوانے والی عادت نہیں گئی۔"

پروین کمرے سے باہر آئیں تو سامنے نسرین کو دیکھ کر کھل اٹھیں دونوں بہنیں محبت سے گلے ملیں۔

"خالہ میں بھی یہاں موجود ہوں" حبیبہ نے یاد دلایا۔

"ترس گئی تھی تمہیں دیکھنے کے لیے۔" انہوں نے حبیبہ کو گلے لگایا۔

"کوئی پابندی تو نہیں تھی ہماری طرف آنے میں میں نے تو ناراضی کا اظہار بھی نہیں کیا پھر کیوں ملنے نہیں آئیں آپ۔"

"میرے اپنے دل میں چور تھا کیا ملنے آتی۔"

"ہمایوں بھائی سمجھائیں آپا کو کبھی خون کے رشتے بھی الگ ہوئے ہیں۔"

"تمہارا حوصلہ ہے جو ملنے چلی آئیں اور حبیبہ کو بھی ساتھ لائی ہو میرے دل میں تمہاری بہت قدر بڑھ گئی ہے۔" پروین نے کہا۔

"کیا پہلے قدر کم تھی خیر اب میں آگئی ہوں جتنا کام لینا ہے لے لیں روز روز گھر سے نہیں نکلا جاتا۔"

"کام تو ہوتے رہیں گے تمہارا آنا ہی میرے لیے بہت اہم ہے میرا سارا ڈپریشن دور ہو گیا ہے۔"

"آپ تم بہنیں کوریڈور میں ہی کھڑی رہو گی یا اندر بھی آؤ گی۔" ہمایوں صاحب نے دونوں کو مسکرا کے کہا۔

"دونوں بہنیں آپس میں کتنا پیار کرتی ہیں ہمارے آنے پر خالہ اور خالو کتنے خوش ہو رہے ہیں میں خوامخواہ بدگمان ہو رہی تھی خالہ نے مجبوری میں عمر کی پسند کو پسند کیا ہو گا ورنہ میرے علاوہ خالہ کہیں اور "ہاں" نہیں کر سکتیں اگر میں اس گھر میں آتی تو خالہ کے ساتھ کتنی خوش رہتی خالہ میرا کتنا خیال رکھتیں مگر حبیبہ جس کے ساتھ تم نے زندگی گزارنی ہے وہ ہی تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتا تو خالہ یا خالو کے پیار سے کیا ہوتا۔" حبیبہ نے سوچا۔

"حبیبہ بیٹی تم کیا سوچنے لگیں چلو آؤ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھتے ہیں" ہمایوں صاحب کی آواز پر اس نے چونک کر انہیں دیکھا اور آگے قدم بڑھا دیے۔

☆ ☆ ☆

"آپا اب تک کتنے ڈریسز تیار کروا لیے ہیں کتنے درزی کے پاس ہیں۔" ٹی وی لاؤنج میں بیٹھتے ہی نسرین نے پوچھا۔

"میں تو اب تک کنفیوز ہوں کہ ڈینی کو کیا پسند ہے کیسے کپڑے پہنتی ہے کیا کلر پسند ہے؟"

"یہ کیا بات ہوئی رہنا تو اس نے یہاں پاکستان میں ہے تو لباس بھی یہاں والا پہنے گی۔ کم از کم شادی کے شروع کے دن تو اسے بھاری کام والے لباس پہننا پڑیں گے چاہے اس کا دل چاہے یا نہ چاہے جان پہچان والے لوگ آتے رہیں گے رشتے داروں میں دعوت ہو گی جانا تو پڑے گا اس لیے اسے بھاری ڈریسز کی ضرورت ہو گی۔"

"کون جانے وہ کہیں جانا پسند بھی کرے یا نہ کرے۔"

"آپا دل چھوٹا نہ کریں سب اچھا ہی ہو گا ہو سکتا ہے وہ بہت اچھی ہو اور اچھی ہی ہو گی جو اپنا ملک چھوڑ کے

پر راضی ہے یہاں رہنے کو تیار ہے باقی سب تو ٹھیک ہو جائے گا۔"

"نہیں کیا کروں میں تو ایک مدت سے جسے اپنی بہو بنانے کے خواب دیکھ رہی تھی اور ساری تیاری بھی اسے سامنے رکھ کر کی تھی جب وہ میری بہو نہیں بن رہی تو دل سے تیاری کرنے کو دل نہیں چاہتا" پروین نے حسرت سے حبیبہ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"جو ہونا تھا ہو گیا حقیقت کا سامنا ہم سب کو کرنا پڑے گا۔" نسرین نے بات ختم کی۔

"جاؤ حبیبہ میرے کمرے سے بڑا والا اٹیچی اٹھا لاؤ زیادہ کپڑے اسی میں پڑے ہیں" پروین نے حبیبہ سے کہا۔

"ٹھیک ہے خالہ ابھی لاتی ہوں۔" حبیبہ اٹھ کر کمرے کی طرف چلی گئی۔

"کتنی سعادت مند بچی ہے کاش عمر سمجھ سکتا۔" پروین نے حسرت سے کہا۔

"آپا بھول بھی جائیں کیوں اپنا اور میرا دل میلا کرتی ہیں۔"

"کیسے بھول جاؤں جب جب میں حبیبہ کو دیکھتی ہوں دل میں ہوک اٹھتی ہے۔"

"آپا اگر آپ اسی طرح سوچتی رہیں تو نئے حالات کے ساتھ آپ سمجھوتہ نہیں کر سکیں گی۔"

"کوشش تو کر رہی ہوں اور پھر تمہارے آنے سے میرے دل سے ایک بڑا بوجھ بھی ہٹ گیا ہے ایک بات کہوں مجھے حبیبہ چپ چپ سی لگی ہے کوئی بات کی ہے اس نے۔"

"کچھ نہیں کہا اس نے بس وہ یہاں آنا نہیں چاہ رہی تھی میں نے جب اسے بتایا کہ عمر کراچی گیا ہوا ہے تو یہاں آنے پر راضی ہوئی۔"

"مگر عمر تو کراچی نہیں گیا وہ تو یہیں گھر پر ہے۔"

"مگر آپ نے فون پر بتایا تھا کہ وہ کراچی جا رہا ہے۔"

"ہاں اس نے جانا تو تھا مگر ابھی تک گیا نہیں۔"

"حبیبہ اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی۔" نسرین نے آہستہ سے کہا۔

"جانتی ہوں اس کے دکھ کو بہت جلد اس کے لیے عمر سے بھی اچھا لڑکا ڈھونڈوں گی۔" پروین شرمندگی سے بولیں۔

"چلو چھوڑو اس موضوع کو ابھی تک حبیبہ اٹیچی نہیں لائی میں دیکھتی ہوں جا کر۔"

☆ ☆ ☆

حبیبہ نے کمرے میں پہنچ کر ادھر ادھر دیکھا کہ سامنے رکھے دو اٹیچی کیس میں سے کس اٹیچی کی خالہ کو ضرورت ہے ابھی وہ سوچ رہی تھی کہ کون سا اٹیچی ہے کہ اچانک عمر کمرے میں داخل ہوا۔

دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر پہلے حیران ——— پھر پریشان ہوئے کچھ دیر وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے کوئی بات نہیں کی۔

"آپ کب آئیں مجھے تو کسی نے نہیں بتایا کہ خالہ آئی ہوئی ہیں۔"

"آپ کراچی نہیں گئے ہوئے تھے؟"

"کراچی نہیں تو آپ کو کس نے بتایا ہے کہ میں کراچی گیا ہوا ہوں۔"

"بس یونہی کہہ رہی ہوں اچھا میں چلتی ہوں۔"

"ارے رکیں جلدی کیا ہے۔"

"میرا یہاں کیا کام"

"آپ کچھ لینے آئی تھیں کمرے میں۔"

"آپ سے مطلب"

"میں آپ سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔"

"کس لیے؟"

"آپ جانتی ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ خالہ نے آپ کو بتا کر میری امی سے بات کی تھی اگر آپ کو اعتراض ہوتا تو آپ اسی وقت انکار کر دیتے اتنے عرصے بعد کیوں کیا؟"

"کچھ سال پہلے امی نے جب میری اور آپ کی بات کی تھی تب میں نے کہا تھا کہ اتنی جلدی کیا ہے جب

موقع آئے گا تو بات ہو جائے گی مجھے بعد میں پتا چلا کہ امی نے اپنی مرضی سے ہاں کہہ دی تھی کیونکہ امی آپ کو بہت پسند کرتی ہیں جبکہ مجھے کچھ نہیں بتایا میں جب پڑھنے کے لیے آسٹریلیا جا رہا تھا تب بھی انہوں نے کچھ نہیں بتایا جب میں نے آسٹریلیا سے انہیں فون پر بتایا کہ میں نے یہاں ایک لڑکی پسند کر لی ہے تو انہوں نے کہا کہ میں نے تو تمہاری بات حبیبہ سے پکی کی ہوئی ہے۔ تب مجھ پر انکشاف ہوا۔ میں اس وقت زینی میں انٹرسٹڈ ہو چکا تھا اب بتاؤ میں کہاں قصوروار ہوں۔

"میں گلہ نہیں کر رہی بس پوچھ رہی تھی اور دیکھیں آپ کی شادی کی تیاریوں میں مدد کرنے کے لیے خود چل کر آ گئی ہوں۔"

"اگر مجھے ماں نے سختی سے کہا ہوتا کہ تمہاری شادی حبیبہ کے علاوہ کہیں نہیں ہو سکتی تو میں ماں کے فیصلے کو سیریس لیتا مگر اب" عمر نے آہستہ سے کہا۔

"اب اس گفتگو کا فائدہ آپ آنے والے وقت کا سوچیں اور اپنی شادی اور اپنی آنے والی زندگی کی پلاننگ کریں" حبیبہ کا رویہ نارمل تھا۔

"اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے"

"اچھا جی بی اماں، بہت مہربانی دعا دینے کے لیے۔" عمر شوخ ہوا۔

"خالہ باہر میرا انتظار کر رہی ہوں گی" حبیبہ نے باہر نکلنا چاہا۔

"آپ کمرے میں کچھ لینے آئی تھیں۔"

"ہاں آپ کے جہیز نہیں نہیں میرا مطلب ہے آپ کی بری والا سوٹ کیس لینے آئی ہوں"

"تم چلو میں لے کر آتا ہوں۔" عمر نے کہا۔

حبیبہ کمرے سے باہر چلی گئی اور عمر وہیں کھڑا رہا۔

☼ ☼ ☼

پروین اپنے بیڈ روم میں سوٹ کیس کھول کر ڈریسز دیکھ رہی تھیں ایک سوٹ کھولتیں دھیان سے اسے اوپر سے لے کر نیچے تک دیکھتیں اور تسلی کر کے ایک طرف رکھ دیتیں

وہ سوچنے لگیں کہ زینی کو تو بلیک کلر پسند ہے مگر شادی کے سوٹوں میں بلیک کلر رکھنا ہی ۔۔۔ عجیب لگ رہا تھا۔ شادی بیاہ کے موقع پر سیاہ رنگ برا شگون سمجھا جاتا ہے ٹھیک ہے بلیک کلر آج کل فیشن میں شامل نہیں ہے عمر نے بھی کئی ایک بار کہا ہے کہ بلیک کلر کے سوٹ زیادہ ہونے چاہئیں مگر میں نے تو ایک بھی نہیں بنایا ایسے کروں گی کہ چند ایک بلیک کلر کے سوٹ بنوا کر رکھ لوں گی شادی کے سوٹوں میں شامل نہیں کروں گی" ان کو یہ سوچ کر تسلی ہو گئی۔ اچانک فیروزی رنگ کا سوٹ سامنے آ گیا اس قدر خوب صورت کلر کرنکل جارجٹ پر براؤن کام کا کمبنیشن

"یہ سوٹ حبیبہ نے اپنی پسند سے بنوایا تھا۔ بڑی باذوق لڑکی ہے۔ میرے گھر آئی تو پورے گھر کی شکل بدل کر رکھ دیتی۔" ابھی وہ خود سے باتیں کر رہی تھیں کہ عمر کمرے میں داخل ہوا۔

"ماں جی کتنا خوبصورت کلر ہے کب خریدا ہے یہ سوٹ" عمر نے سوٹ کو ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

"میں نے نہیں خریدا یہ حبیبہ کی پسند ہے۔ اس نے اپنی مرضی سے کپڑا خریدا اور کام کروایا اس کی پسند منفرد ہے اتنے بہت سے سوٹوں میں سب سے الگ اور مختلف نظر آ رہا ہے مجھے تو بہت اچھا لگا ہے"

"ماں جی حبیبہ کے سامنے شادی اور شادی کی تیاریوں کا ذکر نہ کیا کریں اس کا دل دکھتا ہو گا۔ آپ کو احتیاط کرنی چاہیے میں اسے دکھی نہیں کرنا چاہتا"

"مگر وہ دکھی تو ہے ظاہر نہیں کرتی بڑی صبر والی بچی ہے میں اس کے لیے بہت اچھا لڑکا تلاش کروں گی جس گھر میں جائے گی اس گھر کی قسمت جاگ جائے گی۔" عمر اس کی شادی کے ذکر پر چونک گیا۔

"حبیبہ کی شادی؟"

"اب اسے گھر تو نہیں بٹھائے رکھنا کہیں تو بات چلانی ہے۔"

"ہاں آپ درست کہتی ہیں اس کی شادی تو ہونی ہے۔"

"میرا تو دل ڈوبتا ہے جب اسے کسی اور کے گھر کا

ہوتے سوچتی ہوں" پروین آزردگی سے بولیں۔

عمر خاموشی سے انہیں دیکھے گیا۔

☼ ☼ ☼

آج عمر بہت خوش تھا اسی خوشی میں اس نے زینی کا نمبر ملایا۔

"پتا ہے 14 اگست کے یادگار دن کو ہمارے بڑوں نے شادی کی تاریخ مقرر کی ہے تم جانتی ہو کہ 14 اگست کی کیا اہمیت ہے؟"

"تھوڑا بہت دادا جی سے ہی معلوم ہوا تھا کہ وہ دن پاکستان کے حوالے سے کوئی خاص دن ہے۔"

"تمہیں نہیں پتا کہ چودہ اگست کو کیا ہوا تھا؟" عمر نے حیرت سے پوچھا۔

"ساری زندگی آسٹریلیا میں رہی ہوں میں پاکستان کے حوالے سے کیا جانتی ہوں یہی کہ قائداعظم بڑے لیڈر تھے۔ اور کوئی اقبال صاحب بھی شاید شعر وغیرہ لکھا کرتے تھے" زینی نے بے نیازی سے کہا عمر دل میں سوچنے لگا کہ یہ لڑکی پاکستان آ کر کیسے سیٹ ہو گی۔ یہ تو پاکستان کے متعلق بنیادی باتیں بھی نہیں جانتی۔ ماں اور والد صاحب تو پاکستان کے لیے بہت جذباتی ہیں۔ انہیں پاکستان کی جدوجہد کی تاریخ اور قائداعظم کی مسلسل کاوشیں ایسے یاد ہیں جیسے انہوں نے ہر واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو قائداعظم پر لکھی تمام کتابیں خود بھی پڑھتے ہیں اور خرید کر ہر جاننے والوں کو تحفہ بھی دیتے ہیں۔ اور جب انہیں پتا چلے گا کہ ان کی اپنی بہو علامہ اقبال تک کو نہیں جانتی۔ ان کے دل پر کیا بیتے گی۔

"خاموش کیوں ہو گئے کیا میری کوئی بات بری لگی ہے۔"

"نہیں ایسی بات نہیں ہے دراصل تم ہسٹری زیادہ نہیں جانتیں۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو ہسٹری میرا فیورٹ سبجیکٹ ہے مجھے آسٹریلیا سے لے کر برٹش کی تمام ہسٹری یاد ہے۔"

"مگر تم پاکستان کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے انسان جہاں رہتا ہے اس کے متعلق زیادہ جانتا ہے۔ مجھے پاکستان کے بارے میں جاننا اچھا لگتا ہے کہ وہ ہمارے بڑوں کا ملک ہے لیکن مجھے انٹرسٹ تو آسٹریلیا میں زیادہ ہے کیونکہ وہ میرا ملک ہے جیسے پاکستان تمہارا ملک ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو شاید میں ہی پاکستان کے نام پر جذباتی ہو جاتا ہوں۔"

"ہر کوئی اپنے ملک سے محبت کرتا ہے میں بھی آسٹریلیا کے ذکر پر جذباتی ہو جاتی ہوں کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔"

"اب یہ نا کہہ دینا کہ ہمارا فیصلہ بھی غلط ہے"

"کون سا فیصلہ؟"

"یہی شادی کا فیصلہ۔"

"خیر ہم کیا بات کر رہے تھے" زینی نے لاپروائی سے پوچھا۔

"چودہ اگست کے حوالے سے بات کر رہے تھے۔"

"او مائی گاڈ یہ کیا تم نے چودہ اگست کی رٹ لگا رکھی ہے۔ میں کچھ نہیں جانتی اس حوالے سے تم شادی کی بات کر رہے تھے۔"

"ہاں میرے والدین نے شادی کی ڈیٹ 14 اگست مقرر کی ہے" عمر نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"ایسی بھی کیا جلدی تھی ڈیٹ بھی فکس ہو جاتی تم نے تو فورس نہیں کیا۔"

"تم کچھ روڈ نہیں ہو رہیں آج، خیر یہ بتاؤ کہ شادی کی ڈیٹ فکس ہونے پر تمہیں کیا اعتراض ہے؟"

"ابھی مجھے سوچنے کے لیے اور وقت چاہیے"

"کیوں کیا سوچنا ہے تم نے اور پھر سوچنے کے لیے کیا بچا ہے ہر بات تو ڈسکس کر لی ہے۔"

"ابھی بہت کچھ باقی رہ گیا ہے، جو ہمیں ڈسکس کرنا ہے۔"

"میرے پاس کچھ نہیں بچا تمہیں بتانے کے لیے۔"

"تمہارے پاس پہلے بھی کچھ نہیں تھا مجھے بتانے

ہونا چاہتی کہ مجھے دوسروں کے سہارے کی ضرورت ہو۔"

"مگر مجھے تو آپ کے سہارے کی ضرورت رہے گی کل کو آپ نے اپنے پوتے پوتی کی تربیت بھی کرنی ہے۔"

"اللہ تمہاری بیوی کو زندگی دے وہ بچے سنبھالے گی۔"

"ماں وہ آسٹریلین ہے اسے کیا پتا بچوں کی تربیت کیا ہوتی ہے وہ بچوں کو تعلیم دینا تو جانتی ہوگی مگر تربیت کیسے کی جاتی ہے اسے کیا پتا کیونکہ آج کے زمانے میں ہر طرف تعلیم کا ذکر کیا جاتا ہے تربیت کا نام کم ہی سننے کو ملتا ہے۔ اسی لیے میرے بچوں کی تربیت آپ کریں گی۔"

"چلو دیکھتے ہیں زینی کو پاکستان تو آنے دو۔"

"ماں جی آپ خوش ہیں نا میرے فیصلے سے زینی کو بہو بنانے پر۔"

"بیٹے تمہاری پسند ہے مجھے کیسے نہیں پسند ہوگی وہ اچھی ہے تو تم نے اسے پسند کیا ہے اور میں نے تمہارا فیصلہ دل سے قبول کیا ہے ورنہ تم جانتے ہو مجھے تمہارے لیے حبیبہ پسند تھی بنی بنائی بہو اور سانچے میں ڈھلی بیوی اس لڑکی میں ہر وہ خوبی ہے۔ جو ساس ایک بہو میں دیکھنا چاہتی ہے اور شوہر ایک بیوی میں دیکھنا چاہتا ہے چلو خیر تمہاری پسند ہماری پسند پھر تم نے زینی کے ساتھ چار سال گزارے ہیں کوئی تو خوبی ہوگی جو تم نے اسے حبیبہ پر فوقیت دی ہے اور وہ پاکستان میں رہنے پر تیار بھی ہے یہی سب سے اچھی بات ہے اس میں۔"

"ماں جی آپ نے کبھی بھی حبیبہ کے لیے سنجیدگی سے بات نہیں کی آپ نے حکم دیا ہوتا تو میری کیا مجال تھی کہ میں انکار کرتا۔"

"اب بہانے نہ بناؤ تم اچھی طرح جانتے تھے میری پسند کو۔"

"نہیں ماں یہی سچ ہے کہ آپ نے کبھی سیریس ہو کر بات نہیں کی یہاں تک کہ جب میں آسٹریلیا جا رہا تھا تب بھی آپ نے کچھ نہیں کہا مجھے آپ انگیج تو کر سکتی تھیں۔"

"مجھے پکا یقین تھا کہ حبیبہ جیسی خوبصورت پڑھی لکھی سلیقہ مند لڑکی کے ہوتے ہوئے تمہیں کوئی اور پسند نہیں آسکتا خیر اب ان باتوں کا وقت نہیں ہے تمہیں زینی پسند ہے تمہاری اس سے بات پکی ہو گئی ہے شادی کی ڈیٹ فکس ہو گئی ہے۔ بس پرانی باتیں بھول جاؤ۔"

"وہ کہاں مان رہی تھی میں نے ہی اسے مجبور کیا ہے کہ وہ میرے ساتھ پاکستان میں رہے۔"

"چلو تم نے منا تو لیا ورنہ ہمیں تمہارا آسٹریلیا رہنا بھی غلط نہیں لگتا ہر ایک کو اپنے مستقبل کے لیے سوچنے کا حق ہے۔"

"ماں والدین کو اتنا اچھا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ بچے ان کے پیار کا ناجائز فائدہ اٹھائیں اور جائز ناجائز باتیں منوالیں نہ اتنا سخت مزاج ہونا چاہیے کہ ان کی شکل دیکھتے ہی بچے ادھر ادھر چھپنے کی کوشش کریں میری زندگی میں ایک فیصلہ سب سے اہم اور اٹل ہے کہ بچوں کو ہمیشہ والدین کے ساتھ رہنا چاہیے۔"

"بیوی مانے یا نہ مانے۔"

"زینی کی میں ہر بات مانوں گا مگر آپ سے الگ رہنے والی کوئی بات نہیں سنوں گا یہ کہاں کا انصاف ہے کہ والدین کو بیوی کے کہنے پر الگ کر دو یا والدین کے کہنے پر بیوی کو چھوڑ دیا جائے درمیانی راہ نکالنی چاہیے۔"

"تمہاری سوچیں چار سال آسٹریلیا میں رہ کر بھی نہیں بدلیں لڑکی پسند کرلی مگر اسے شادی سے پہلے ہی مجبور کر دیا کہ اسے والدین کے ساتھ رہنا ہوگا مشکل بات تھی مگر تم نے اسے راضی کر لیا۔"

"ماں زینی اچھی لڑکی ہے گو کہ اس نے کبھی پاکستان نہیں دیکھا مگر اس کے دادا پاکستانی ہی تھے وہ بہو بھی پچیس سال پہلے پاکستان سے ہی لائے تھے اب ان کی تیسری جنریشن جوان ہو گئی ہے مگر زینی اور اس کے بھائی کی شادی بھی پاکستان میں ہی کر رہے ہیں انہوں نے روایت نہیں توڑی۔"

کے لیے۔"

"پھر مسئلہ کہاں ہے اگر تمہیں کچھ کہنا ہے تو کہہ دو میں سن رہا ہوں۔"

"میں جذباتی نہیں ہوں بہت سوچتی ہوں پھر فیصلے کرتی ہوں کیوں کہ زندگی ایک بار ملتی ہے اسے غلط فیصلوں کے حوالے نہیں کرنا چاہیے میں یقین کرتی ہوں کہ زندگی میں کامیابی اور ناکامی کا انحصار ہمارے اپنے فیصلوں پر ہوتا ہے جسے۔ پاکستانی قسمت کہہ کر نظر انداز کر دیتے ہیں اور جو وقت انجوائے کرنے کا ہوتا ہے وہ وقت غلط فیصلوں کی وجہ سے۔ پاکستانی برباد کر دیتے ہیں اور زندگی کو عذاب بنا لیتے ہیں زندگی کو ایک امتحان سمجھنا چاہیے ہم ایک امتحان کی تیاری میں کتنا وقت لگاتے ہیں اور کتنی محنت کرتے ہیں ایک ایک سوال کے جواب کے لیے کتنی Sources سے مدد لیتے ہیں کتنی راتیں جاگتے ہیں اور میں یہ ایک امتحان کا ذکر کر رہی ہوں شادی تو زندگی بھر کا فیصلہ ہوتا ہے اسے قسمت' حالات یا والدین پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔"

"اگر گورے اتنا ہی سوچ سمجھ کر شادی کرتے ہیں تو فوراً طلاق کیوں ہو جاتی ہے۔"

"عجیب بات کی ہے تم نے۔ وہ شادی کا فیصلہ سوچ سمجھ کر نہیں کرتے انجوائے کرنے کے لیے کرتے ہیں اس لیے وہ بچے بھی پیدا نہیں کرتے ہیں کیونکہ بچوں کی ذمہ داریاں ترقی کی راہ میں حائل ہوتی ہیں۔"

"اس لیے یورپ اور امریکہ میں خوف ناک حد تک آبادی کم ہو چکی ہے انہیں ہم جیسے ملکوں سے لوگ بلانے پڑتے ہیں۔"

"طنز نہ کرو انہوں نے اس کا بھی حل ڈھونڈ لیا ہے چاہے وہ غلط ہے یا صحیح' بچے پیدا کرنے کے لیے شادی کی شرط ختم کر دی ہے اور سنگل ماں کو حکومت کی طرف سے امداد ملتی ہے گو کہ یہ ٹرینڈ فیملی سسٹم کو ختم کر رہا ہے اور بزرگ نسل اس ٹرینڈ کو پسند نہیں کر رہی مگر ہم مسلمان چاہے دنیا کے کسی خطے میں رہیں ایسا کرنے کا سوچتے بھی نہیں ہیں۔"

"مجھے اس سے مطلب نہیں کہ یورپ میں کیا ہو رہا ہے تم مجھ سے شادی کب کر رہی ہو مجھے اس سوال کا جواب چاہیے۔"

"پھر تم نے غلط سوال کیا ہے اصل سوال یہ ہے کہ ہم دونوں کا شادی کا فیصلہ جذباتی تو نہیں۔ کسی مصلحت کے تحت تو نہیں کیا؟"

"تم ابھی یہ سوچ رہی ہو۔ ہم دونوں کو شادی کرنی چاہیے یا نہیں۔"

"چلیں آپ ایسے کہہ لیں۔"

"دیکھو میں سیدھا سادا بندہ ہوں۔ چھوٹی سی میری دنیا ہے۔ جس میں تمہیں شامل کر کے بھی چھوٹی رہے گی اس لیے ہاں یا نا میں مجھے جواب دے دو میں یہ سوچنے سمجھنے میں وقت نہیں گزار سکتا مجھے سب سے برا کام انتظار کرنا لگتا ہے میں انتظار کرتا ہوں نہ کرواتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے جب دوبارہ فون کروں گی تو کلیئر جواب دے دوں گی اس وقت تک اللہ حافظ۔" زینی نے فون بند کر دیا۔ عمر حیران پریشان موبائل کو دیکھتا رہا۔

☼ ☼ ☼

حسب معمول عمر پروین کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا اور لیٹتے ہی بولا تھا۔

"ماں اب یہ مت کہنا کہ اتنا بڑا ہو گیا ہوں گود میں سر رکھنے کی عادت نہیں گئی۔ آپ کا یہ جملہ میں پچھلے بیس سالوں سے سن رہا ہوں۔ یعنی میری یادوں میں یہ جملہ چار پانچ کی عمر میں کانوں میں پڑنا شروع ہو گیا تھا۔"

"اب تم ستائیس سال کے ہونے کو آئے ہو۔ تمہاری شادی کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے۔ اب یہ جملہ بھی کم کم ہی سننے کو ملے گا۔"

"کیوں؟ کم کم سننے کو ملے گا۔ میں کوئی رخصت ہو کر سسرال جا رہا ہوں یہیں اس گھر میں رہوں گا۔ یہ جملہ آپ کو سو سال بعد بھی سننے کو ملے گا۔"

"مجھے بوڑھی ہونے کا کوئی شوق نہیں۔ میں چلتے پھرتے رخصت ہونا چاہتی ہوں۔ میں اتنی بوڑھی نہیں

"وہ عادت کی کیسی ہے یہ تم نے نہیں بتایا۔"
"ماں جی سچ یہی ہے کہ وہ تھوڑی ضدی، غصے والی ہے۔"
"کوئی بات نہیں بیٹے ضد اور غصہ محبت سے بدلا جاسکتا ہے۔وہ بھی ضد چھوڑ دے گی۔ تم بھی اس کے ساتھ سختی نہ کرنا۔"
"ویسے وہ ایک پڑھی لکھی لڑکی ہے۔ قانون کی ڈگری ہے اس کے پاس۔وہ مشکل اور پیچیدہ معاملات کو سمجھتی ہے۔اردو بہت اچھی بولتی ہے۔پاکستان سے اچھی طرح واقف ہے۔ شلوار قمیص پسند کرتی ہے۔ گو کہ وہ ساڑھی میں بھی اچھی لگتی ہے مگر گھر میں شلوار قمیص ہی پہنتی ہے۔
ماں جی کبھی کبھی میں ڈرتا ہوں کہ وہ پاکستان کے ماحول میں ایڈجسٹ نہ ہو سکی تو"
"کیوں نہیں ہو سکے گی لڑکیوں میں حالات کے مطابق ایڈجسٹمنٹ کی بہت گنجائش ہوتی ہے۔ وہ اپنے گھر، شوہر بچوں سے محبت کی وجہ سے بڑی سے بڑی قربانی دے جاتی ہیں لڑکی مشرقی ہو یا مغرب سے گھر، شوہر اور بچے بہت اچھے لگتے ہیں گھر بنانے کی فطرت ہر لڑکی میں ہوتی ہے یہ قدرتی جذبہ ہے۔جو لڑکیوں کی گھٹی میں ہوتا ہے"
"ماں جی آپ سے اچھی کوئی دوسری ماں نہیں ہو سکتی میری تینوں بہنیں اپنے گھروں میں خوش ہیں اور ان کے سسرال والوں کو بھی ان سے شکایت نہیں ہے یہ سب آپ کی دی ہوئی تربیت ہے۔"
"بیٹے جی بات تو تب بنے گی جب میں اچھی ساس بنوں گی بہو کو بیٹیوں کی طرح سمجھوں گی ماں تو ہر کوئی اچھی بن جاتی ہے مگر ساس ہر کوئی اچھی نہیں بنتی لیکن ایک بات یاد رکھنا بلکہ پلے باندھ لو تم دونوں میں جب بھی کوئی ان بن ہوئی، جھگڑا وغیرہ ہوا تو میں یا تمہارے والد کسی کا ساتھ نہیں دیں گے اور مسئلہ بہت ہی بڑھ جائے یا کوئی بھی اور وجہ ہو تم اس سے علیحدہ ہونا چاہو یا طلاق کی نوبت آجائے یہ میں نہیں ہونے دوں گی اب تمہیں اپنی پسند کے ساتھ ہی رہنا ہو گا ورنہ ابھی بھی وقت ہے کہ تم اپنے فیصلے پر دوبارہ غور کر لو"
"یہ بات آپ حبیبہ کی وجہ سے کہہ رہی ہیں لگتا یوں ہے کہ اگر زینی میری زندگی میں نہ آتی تو حبیبہ واقعی اچھی اور خوبصورت لڑکی ہے مجھے بھی پسند ہے خیر دوسری شادی کا سوچا تو اسی کے حق میں فیصلہ دوں گا" عمر نے ہنس کر کہا۔
"دوسری شادی؟ کان سے پکڑ کے گھر سے نکال دوں گی میرا فیصلہ بہو کے حق میں ہو گا بیٹے کا ساتھ نہیں دوں گی"
"میرا خیال ہے زینی ایسا موقع آنے ہی نہیں دے گی بڑی خونخوار سی لڑکی ہے لڑاکا بھی بہت ہے" عمر نے ہنستے ہوئے کہا۔

☼ ☼ ☼

مسلسل بجتی فون کی بیل نے عمر کو چونکا دیا نام دیکھا تو سیل فون اٹھا لیا اسکرین پر زینی کا نام چمک رہا تھا۔
"ہیلو" عمر نے کہا۔
"عمر زینی بول رہی ہوں میں نے غلط وقت پر فون تو نہیں کیا؟"
"ارے نہیں تم تو رات کے دو بجے بھی فون کر سکتی ہو ہاں کیسی ہو کیا ہو رہا ہے؟"
"میں نے آپ سے کچھ کہنا ہے اور جو بہت عرصے سے کہنا چاہ رہی تھی مگر ہمت نہیں پڑ رہی تھی"
"ظاہر ہے اس دن تم نے بدتمیزی کی تھی بعد میں سوچا ہو گا تو شرمندہ ہوئی ہو گی تو سوری کرنے کے لیے فون کیا ہے۔"
"ایسی کوئی بات نہیں ہے میں نے کوئی بدتمیزی نہیں کی تھی الٹا تم عجیب و غریب باتیں کر رہے تھے۔"
"یہ نا ہو کہ آج دوبارہ بدمزگی ہو جائے تم نے جو کہنا ہے کہو اور تم کھل کر بات کر سکتی ہو تم جانتی ہو کہ بہت کھلے ماحول میں میری تربیت ہوئی ہے میرے والدین بھی براڈ مائنڈڈ ہیں تم بات کرو اچھا ہے شادی سے پہلے ہر بات کھل کر ہو جائے بعد میں مشکل نہ ہو"
"اسی لیے تو سوچ رہی ہوں میں سچ کہہ دوں اور

حقیقت کا سامنا کر لوں"
"ہاں بولو"
"میں تمہیں چار سال سے جانتی ہوں تمہارا میرے گھر میں بھی بہت آنا جانا تھا اسی لیے میرے والدین نے تمہیں پسند کیا سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تم پاکستانی ہو میرے والدین پاکستانیوں کے علاوہ کسی پر اعتبار نہیں کرتے ہم پاکستانی لوگ ایک دوسرے کی جتنی برائیاں کر لیں مگر اعتبار پاکستانیوں پر ہی کرتے ہیں دھوکہ کھانے کے باوجود پاکستانیوں میں ہی رشتے داریاں کرتے ہیں میرے والدین نے تم سے شادی کے لیے مجھے دس ہزار دلائل دیئے تھے۔ جبکہ میں تمہیں صرف اپنا دوست سمجھتی ہوں۔"
"دوست ہی اچھا شوہر ثابت ہوتا ہے" عمر نے بات کاٹی۔
"مگر دل بھی تو ساتھ دے ہماری منگنی کو چھ ماہ گزر چکے ہیں مگر ابھی تک میں خود کو ذہنی طور پر شادی کے لیے تیار نہیں کر سکی میرے والدین نے مجھ سے مشورہ کیے بغیر تمہاری یہ شرط بھی مان لی تھی کہ مجھے پاکستان رہنا پڑے گا"
"تمہیں کوئی اعتراض ہے"
"نہیں نہیں پاکستان میں رہنا مجھے ناپسند نہیں ہے۔"
"پھر مسئلہ کہاں ہے؟ سب کچھ ویسا ہی ہو رہا ہے جیسا ہم چاہتے ہیں۔"
"سب کچھ ویسا نہیں ہو رہا سب کچھ تمہارے کہنے کے مطابق ہو رہا ہے والدین مجھے ہر حال میں پاکستانی لڑکے سے بیاہنا چاہتے ہیں مجھے اور مجھ جیسی بے شمار لڑکیوں کو جو امریکہ، کینیڈا، یورپ میں پیدا ہوئیں کبھی پاکستان نہیں لے کر گئے مگر جب شادی کا موقع آتا ہے تو پاکستانی لڑکے تلاش کرتے ہیں وہ جانتے ہوئے بیٹیوں کو مجبور کرتے ہیں کہ ان کا فیصلہ ان کی بیٹی مان لے وہ یہ دعوا بھی کرتے ہیں کہ والدین جو کچھ بھی کرتے ہیں اولاد کی بھلائی کے لیے ہی کرتے ہیں وہ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ دونوں ملکوں کے درمیان صرف فاصلے ہی ہزاروں میل کے نہیں ہوتے بلکہ دونوں ملکوں کا ماحول، کلچر، مذہبی اور سیاسی حالات یہاں تک کہ موسم تک مختلف ہوتا ہے رہن سہن اوڑھنا بچھونا کھانا پینا پڑھنا لکھنا رنگ ڈھنگ یہاں تک کہ زبان تک مختلف ہوتی ہے کیا ان حالات میں لڑکی ایڈجسٹ ہو سکتی ہے تم سن رہے ہو نا"
"تم بات کرو تقریر نہ کرو۔"
"وہ کیوں ہمیں اتنی دور بھیج دیتے ہیں ہم لڑکیاں پرندوں جیسی نہیں ہوتیں کہ موسم کے ساتھ ٹھکانا بدل لیں۔ ہمیں بھی اپنے علاقے، جگہ، ماحول دوستوں سے محبت ہو جاتی ہے۔"
"تم بات مختصر نہیں کر سکتیں اور آسان زبان میں اپنا مطلب نہیں سمجھا سکتیں۔"
"آج مجھے بولنے دو میں جب تک ساری بات سمجھا نہیں لیتی تب تک بولتی رہوں گی۔"
"اچھا پھر بولو۔"
"تمہیں یاد ہے ڈیوڈ"
"ہاں بہت اچھی طرح، ہر وقت تمہارے ساتھ رہتا تھا۔"
"میں اس کے ساتھ اسکول سے لے کر یونیورسٹی تک پڑھی ہوں میں نے زندگی کے بیس سال یا یوں کہو کہ ہم نے ہزاروں دن اکٹھے گزارے ہیں آسٹریلین ہو کر بھی اس نے کبھی حد کراس نہیں کی ڈ میرے ساتھ روزے رکھتا رہا ہے عید کی خوشیوں میں شریک ہوتا رہا ہے میں بھی کئی بار اس کے ساتھ چرچ میں اس کی عبادت میں شریک ہوئی ہوں اس کی رشتے داروں میں کوئی فوت ہو جاتا تو فیونرل میں جاتی ہمارے گھر کی ہر خوشی میں شریک ہوتا اس نے کبھی مجھ سے محبت کا اظہار بھی نہیں کیا جبکہ دن رات کا ساتھ ہے اس کی زندگی میں بھی کوئی گرل فرینڈ نہیں آئی"
"تم نے اس وقت ڈیوڈ کی کہانی سنانے کے لیے فون کیا ہے۔"
"اس کی کہانی میں میرا ذکر سب سے زیادہ ہے اس لیے سنا رہی ہوں جب سے میری منگنی تم سے ہوئی

ہے وہ ڈپریشن کا شکار ہو کر اپنے گھر کے ایک کمرے میں بند ہو گیا ہے اس کے والدین نے اس کے لیے سائیکاٹرسٹ سے وقت لیا تھا سائیکاٹرسٹ نے اس کا سیشن کرنے کے بعد کہا ہے کہ اسے کوئی ذہنی صدمہ پہنچا ہے تم سن رہے ہو نا؟"

"ہاں سن رہا ہوں کیا تم ڈیوڈ سے محبت کرتی ہو؟"

"اسی طرف آرہی ہوں میں والدین اور بہن بھائیوں سے ملی ہوں اور سائیکاٹرسٹ سے بھی سب کا یہی خیال ہے کہ ڈیوڈ کو میری منگنی سے صدمہ پہنچا ہے؟"

"اس نے تمہیں کبھی پرپوز کیا تھا۔"

"یہی تو سب سے بڑی بات ہے کہ پاکستانی پرپوز پہلے کرتے ہیں انڈر اسٹینڈنگ بعد میں پیدا کرتے ہیں جبکہ وہ کبھی یہ نہیں کہے گا کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے مسلم بیک گراؤنڈ کی وجہ سے وہ مجھ سے شادی نہیں کر سکتا تو پرپوز کیسے کر سکتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ مسلم لڑکی غیر مسلم سے شادی نہیں کر سکتی۔"

"وہ مسلمان کیوں نہیں ہو جاتا؟"

"اپنا مذہب چھوڑنا اتنا آسان نہیں ہوتا جتنا منہ سے کہنا۔ عام مسلمانوں کی طرح نہ سوچو عام طور پر جب کسی مسلم لڑکی نے غیر مسلم سے شادی کرنی ہوتی ہے تو والدین کہتے ہیں کہ اسے کلمہ پڑھا لو اور شادی کر لو بس کلمہ پڑھنے سے کوئی مسلم نہیں ہو جاتا والدین نے کبھی جاننے کی کوشش نہیں کی کہ وہ دل سے مسلم بھی ہوا ہے یا نہیں اور اگلے کتنے سال وہ مسلم رہتا ہے کوئی نہیں جانتا فیملی اور رشتے داروں میں اعلان کر دیا جاتا ہے کہ ہماری لڑکی نے ایک عیسائی کو مسلمان کر کے شادی کی ہے۔ جبکہ میرے نزدیک شادی کے لیے کلمہ پڑھنا اور مسلمان ہونا اہم بات نہیں ہے۔ اپنا مذہب چھوڑنا اور دوسرا مذہب اختیار کرنا آسان اور فوری فیصلہ نہیں ہوتا اس کے لیے وقت چاہیے ہوتا ہے۔ مذہب کا مطالعہ کرنا ہوتا ہے' اپنے مذہب اور دوسرے مذہب کا موازنہ کرنا ہوتا ہے۔ دل و دماغ میں نئے مذہب کے بارے میں تحریک پیدا ہو گی تو نئے مذہب کو کوئی قبول کرے گا۔ یہ کوئی آسان فیصلہ نہیں ہوتا کئی سال چاہیے ہوتے ہیں نئے مذہب کو قبول کرنے کے لیے۔ شادی کی خاطر مذہب قبول کرنے والے نہ اپنے مذہب کے رہتے ہیں نا دوسرے مذہب کے۔

"اب تم کیا چاہتی ہو؟"

"میں سچ کہہ رہی ہوں میں شوہر کے روپ میں تمہیں قبول نہیں کر سکوں گی۔ میں ڈیوڈ کو چھوڑ نہیں سکتی۔ میری اور ڈیوڈ کی زندگی میں کبھی جدائی نہیں آئی کبھی بچھڑنے کا لمحہ نہیں آیا۔ یہاں تک کہ ہم دونوں میں سے کسی کو دوسرے شہر جانا پڑتا تو اکٹھے ہی جاتے تھے۔ مگر الگ الگ کمرے میں ٹھہرتے تھے۔ میرے والدین یہ بات نہیں جانتے۔"

"تم نے کبھی ڈیوڈ کو مسلمان ہونے کو نہیں کہا؟"

"ہمارے درمیان کبھی مذہب کے موضوع پر بات نہیں ہوئی مگر میں نے چند ایک بار اسے کہا ہے کہ حضرت عیسیٰ پیغمبر ہیں بیٹے نہیں۔ اس نے کئی ایک بار اسلام کی تعریف کی ہے مگر اسے یہ بھی گلہ ہے کہ مسلمان اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کہی ہوئی باتوں کو بھول گئے ہیں اور قرآن پاک موجود ہونے کے باوجود اس پر عمل نہیں کرتے۔ قرآن کی ہر بات کو سچ مانتے ہیں مگر عملی زندگی میں وہ عیسائیوں اور گوروں سے متاثر ہیں جبکہ عیسائیوں نے اپنی کتاب کو حالات کے مطابق تبدیل کر لیا ہے لیکن عملی زندگی میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن اور صحابیوں کے بنائے ہوئے اصولوں کو اپنایا ہوا ہے۔ عیسائی اسلام کے زیادہ قریب ہیں۔ کنفیوژن اس بات پر ہے باپ کے بغیر کوئی بچہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ جس دن ڈیوڈ کو ایک خدا پر یقین آگیا اور وہ مان گیا کہ خدا مرد کے بغیر بھی عورت سے بچہ پیدا کر سکتا ہے تو وہ اس دن مسلمان ہو جائے گا۔"

"اب تم میرے ساتھ شادی نہیں کر رہیں۔ اصل بات تو یہ ہے۔"

"ہاں تم بہت اچھے ہو کوئی برائی نہیں ہے تم میں مگر میں تم سے محبت نہیں کر سکتی۔"

"اگر تم مجھ سے محبت نہیں کر سکتیں تو شادی کیسے کر سکتی ہو؟"

"ہاں یہی بات ہے یہ ہمارے والدین کا بہت بڑا مسئلہ ہے کہ لڑکی کی شادی مسلم سے ہونی چاہیے چاہے نام کا مسلمان ہو انہیں اچھا انسان نہیں چاہیے صرف اور صرف مسلمان چاہیے۔"

"کیا تم کسی غیر مسلم سے شادی کر سکتی ہو۔"

"نہیں ہرگز نہیں میں بھی مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کی وجہ سے کسی غیر مسلم کے ساتھ شادی نہیں کر سکتی مگر میں نام کا مسلمان نہیں چاہتی میں اصل مسلم چاہتی ہوں جو مجھے حجاب میں رکھے مگر وہ عورت کو ایسا مقام دے جو اسلام میں اسے حاصل ہے مجھے حضرت خدیجہؓ کی طرح بزنس لیڈی اور حضرت عائشہؓ کی طرح عالم فاضل پڑھی لکھی عورت بھی بننا ہے جن کے پاس مسائل حل کرنے کے لیے بڑے بڑے صحابی آتے تھے اور وہ مسائل کا حل اپنے علم کے مطابق بتاتی تھیں۔"

"تمہیں انکار کرنا ہے کر دو بہانے مت بناؤ اسلام پر تقریر نہ کرو۔"

"میں ڈیوڈ کا انتظار کروں گی جب اس کے اندر اسلام کو سمجھنے کا شعور پیدا ہو گا اور اس روشنی سے اس کا دل و دماغ غلط سے صحیح کا سفر طے کر لے گا پھر اس روشنی سے کئی اور ڈیوڈز اپنے دل و دماغ کو روشن کریں گے۔"

"خدا تمہیں تمہارے مقصد میں کامیاب کرے مگر میرے اندر تو ابھی اندھیرے پیدا ہو گئے ہیں" عمر نے اداسی سے کہا۔

"یہ وقتی اداسی ہے۔ ہم اچھے دوست رہیں گے اور اپنے والدین سے میری طرف سے معافی مانگ لینا اور اللہ حافظ" اس نے کہا۔

"اللہ حافظ" عمر نے کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔

☆ ☆ ☆
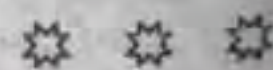
عمر بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔

میں کیسے ماں کا سامنا کروں گا انہیں انکار کی کیا وجہ بتاؤں گا کتنی مشکل سے انہیں راضی کیا تھا میرے پاس تو انکار کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے نہ اس نے بتائی ہے کیا میں والدین کو بتا سکوں گا کہ وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے۔ کیا میں چار سالوں میں جان ہی نہیں سکا کہ وہ کسی کو چاہتی ہے اس کا دن رات ڈیوڈ کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا مطلب میں کیوں نہ سمجھ سکا جب ہمیں کوئی لڑکی اچھی لگتی ہے تو کچھ جانے بنا کیوں اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ کیوں صرف شکل دیکھ کر دیوانے ہو جاتے ہیں۔ محبت اچانک تو نہیں ہوتی کچھ دیکھ کر ہی ہوتی ہے تو میں نے زینی میں کیا دیکھا تھا بس یونہی امپریس ہو گیا تھا کہ آسٹریلیا میں رہتے ہوئے وہ پاکستانی انداز اپنائے ہوئے ہے۔ اس کا اردو بولنے کا انداز مجھے کیوں اتنا بھا گیا کہ اس سے شادی کے لیے سوچنے لگا اور جب اس کے گھر جانے کا اتفاق ہوا تو گھر کا ماحول پاکستان جیسا لگا اور تو اور اذان کے وقت پورے گھر میں اذان کی آواز سنائی دیتی کیونکہ ہر کمرے کی وال کلاک میں اذان کا وقت فیڈ کیا ہوا تھا۔ اور سب وضو کرنے کے لیے واش روم کی طرف بھاگتے زینی سے کبھی نماز قضا نہیں ہوئی تھی ایسی کئی ایک باتوں سے عمر امپریس ہو گیا اور اس نے زینی سے پوچھے بنا اپنی والدہ سے بات کی اور دونوں کے والدین کو کوئی اعتراض نہیں تھا تو اس طرح بات پکی ہو گئی۔

یہ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ اسے زینی سے براہ راست بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا وہ سمجھتا رہا کہ اس کے والدین نے زینی سے پوچھ کر ہی شادی کا فیصلہ کیا ہو گا مگر آج زینی کی بات نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

کتنا بھروسا تھا اس پر' کتنا مان تھا مجھے کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے اور ساری دنیا چھوڑ کر میرے ساتھ آکر رہے گی اور خوش بھی رہے گی۔ اب میں کس طرح یہ اعتراف کروں کہ وہ مجھے چھوڑ گئی ہے۔ سب سے عجیب بات یہ ہے کہ مجھے اس کے بچھڑنے سے زیادہ اپنی عزت کا خیال آرہا ہے کہ لوگوں کا سامنا کیسے کروں

گا۔ ماں کس کس کو سمجھائے گی کہ اب عمر کی شادی نہیں ہو رہی اگر نہیں ہو رہی تو کیوں نہیں ہو رہی ہر کوئی سوال تو کرے گا مگر جواب نہیں ہو گا کل تک جو لڑکی سب سے اچھی تھی آج کیسے بری ہو گئی ہے اس کی برائی کرنے دل نہیں مانتا، کوشش کے باوجود ایک بھی برائی نہیں نکال سکوں گا۔ میرا خیال ہے کہ ماں کو سب کچھ بتا دینا چاہیے وہ کوئی نہ کوئی حل نکال لیں گی۔ وہ ایک فیصلے پر پہنچ کر مطمئن ہو گیا۔

✲ ✲ ✲

پروین ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی اپنی پسند کا ڈرامہ دیکھ رہی تھیں عمر حسب عادت ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

”مجھے ڈرامہ دیکھنے دو“ انہوں نے عمر کے سر میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”ماں ڈرامے کو گولی ماریں میری بات سنیں۔“

”اب بھی کوئی کہانی بچی ہے تمہارے پاس سنانے کے لیے۔ سب کچھ تو طے ہو گیا ہے۔“

”ماں کہانی اب شروع ہوئی ہے۔ ہیروئن درمیان سے ہٹ گئی ہے ہیرو اکیلا رہ گیا ہے۔“

”کیا ہوا ہے کس کہانی کی بات کر رہے ہو؟“

”ماں کنارے پر بھی کوئی ڈوب جاتا ہے۔ میں بھی کنارے پر ڈوب رہا ہوں۔“

”کچھ خدا کا خوف کرو ایسی مایوسی کی باتیں کیوں کر رہے ہو۔ کیا ابھی ذینی کا فون آیا تھا، کیا کہہ رہی تھی۔ اس کے والدین تو ٹھیک ہیں نا۔“

”سب ٹھیک ہیں بات کچھ اور ہے۔“

”میرا دل ڈوب رہا ہے۔ کھل کر بتاؤ کیا بات ہے۔“

”ماں مجھے شرم آ رہی ہے یہ بتاتے ہوئے کہ ذینی نے شادی سے انکار کر دیا ہے۔“

”تم دونوں نے شادی کو مذاق بنا رکھا ہے۔ کبھی ہاں اور کبھی ناں اب اسے کیا تکلیف ہوئی ہے کیوں انکار کیا ہے؟ ابھی اس کے گھر فون ملاؤ۔ میں بات کروں گی۔ اس کی والدہ سے۔“

”ماں چھوڑیں بات ختم ہو گئی ہے فون کا کوئی فائدہ نہیں۔“

”اس نے کہا کہ بات ختم ہو گئی اور تم نے مان لیا۔ دو خاندانوں کے درمیان بات ہوئی تھی۔ بات اس کے والدین کو ختم کرنی ہو گی کوئی معقول وجہ بتا کر۔ میں فون کیے بنا نہیں رہوں گی۔ چاہے تم کتنا منع کرو اور اب یہاں سے جاؤ۔ مجھے سوچنے دو۔“ پروین غصے سے بولیں۔

”ماں آپ ناراض ہو گئی ہیں۔ لڑکی نے انکار کیا ہے۔ ماں باپ کا کیا قصور“

”ماں باپ کا کیوں قصور نہیں ہے۔ وہ اپنی بیٹی کو سمجھائیں گے۔ یہ گڈے گڑیا کا کھیل نہیں۔ تمہارے باپ کو پتا چلا تو وہ پہلی فلائٹ سے آسٹریلیا چلے جائیں گے۔ یونہی بات ختم نہیں ہو گی۔“

”جو ہونا تھا ہو گیا قصے کو ختم سمجھیں۔“

”تم بھول رہے ہو جب تم نے اس سے شادی کرانی تھی تو تمہیں اس سے بڑھ کر کوئی اور نظر نہیں آ رہا تھا کتنا سمجھایا تھا مگر تم کچھ سننے کو تیار نہیں تھے اور پھر تم سنتے کس کی ہو ہمیشہ اپنی منواتے ہو۔ تم کس قسم کے لڑکے ہو ایک لڑکی نے تمہیں پاگل بنایا ہے اور تم اس کی ہر بات مانتے چلے گئے۔ اس نے کہا کہ منگنی کر لو تم نے ہمیں مجبور کیا اور ہم نے تمہاری بات مان لی۔ پھر چند دن پہلے تمہاری شادی کی ڈیٹ ان کے والدین کی مرضی سے فکس ہوئی ہے۔ اب لڑکی کو کیا مسئلہ ہوا ہے کہ وہ انکار کر رہی ہے۔“

”ماں مجھے غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے اصل میں وہ کسی اور کو چاہتی ہے۔“

”اس چاہت کا انکشاف اسے راتوں رات ہوا ہے۔ منگنی سے پہلے وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ تم سے محبت نہیں کرتی ہے۔ اسے اس وقت انکار کرنا چاہیے تھا۔“

”ماں یورپ میں ایسی باتوں کو زندگی کا روگ نہیں بناتے جب تک گزارا ہو گیا تو ٹھیک ہے۔ جب ساتھ رہنا مشکل ہو جائے تو فوراً ”چھوڑ دیتے ہیں۔“

”مگر اس کے والدین تو پاکستانی ہیں۔“

”نہیں بھی پاکستان چھوڑے ہوئے ایک مدت گزر گئی ہے اور جب لڑکی ہی راضی نہیں تو اس کے والدین سے بات کرنے کا کیا فائدہ۔“

”تم نے مجھے امتحان میں ڈال دیا ہے تمہارے والد کو سمجھانا بہت مشکل ہو گا۔“

”ماں میں جانتا ہوں آپ معاملے کو سنبھال لیں گی اور مجھے بچا لیں گی۔“

”ابھی جاؤ یہاں سے مجھے سوچنے دو۔“ وہ متفکر نظر آ رہی تھیں۔ عمر اٹھ کر باہر چلا گیا۔

✲ ✲ ✲

پروین لان میں پودوں کی کانٹ چھانٹ کر رہی تھیں۔ کہ ہمایوں صاحب کی آواز پر چونکیں۔

”بیگم صاحبہ پودوں کو پانی دینے میں مصروف ہیں اور برخوردار کیا کیا گل کھلا رہے ہیں کچھ پروا نہیں ہے اب وہ فرما رہے ہیں کہ یہ شادی نہیں ہو سکتی۔ یہ جو تمہارے برخوردار ہیں ان کے نزدیک شادی گڈے گڑیا کا کھیل ہے۔“

”میں خود اس وقت پریشان اور غصے میں ہوں۔ مجھے اور پریشان مت کریں۔“

”آپ پہلے فیصلہ کر لیں کہ آپ غصے میں ہیں یا پریشان ہیں اور اگر دونوں کیفیات سے ایک ساتھ گزر رہی ہیں تو ڈاکٹر کی بجائے کسی ماہر نفسیات سے رجوع کرنا پڑے گا۔“

”آپ کے ہوتے ہوئے کسی ماہر کی ضرورت نہیں رہتی۔“

”چلیں اس بہانے آپ نے ہمیں ماہر تو مانا۔“

”مذاق مت کریں۔ میں اپ سیٹ ہوں، انکار ذینی کی طرف سے ہوا ہے۔ اس میں عمر کا کیا قصور ہے۔“

”مگر اس کے والد نے خود فون کر کے مجھ سے بات کی تھی۔ اور اپنی مرضی سے ڈیٹ مقرر کی ہے۔ اب انہیں کیا اعتراض ہے۔“

”مسئلہ والدین کو نہیں ہے۔ ذینی کو ہے۔ ذینی اس وقت شادی کے لیے تیار نہیں ہے۔ وہ ابھی خود کلیئر نہیں ہے کہ اسے کس سے شادی کرنی ہے۔“

”گویا کوئی اور بھی ہے لائن میں، پہلے تو اس رقیب کو راستے سے ہٹانا ہو گا۔“

”آپ بات سمجھ نہیں رہے کہ لڑکی ہی انٹرسٹڈ نہیں ہے تو رقیب کو راستے سے ہٹانے کا فائدہ۔“

”گویا ہمارے برخوردار باپ کی طرح سمجھے بیٹھے ہیں کہ لڑکی نے ہنس کر بات کر لی تو اپنی ہو گئی۔“

”نہیں آپ بہتر پوزیشن میں تھے۔“

”کیونکہ آپ نے پہلے تمام ممکنہ رقیبوں کو ڈرا دھمکا کر ادھر ادھر کر دیا تھا۔ جبکہ آپ کا برخوردار لڑکی کے والدین کو مناتا رہا۔“

”اب ایک بات کان کھول کر سن لو۔ حبیبہ کے علاوہ کوئی اور اس گھر کی بہو نہیں بنے گی۔ یہ بات اپنے لاڈلے کو بھی سمجھا دینا کہ کہیں اور چکر چلانے کا سوچے بھی نہ۔ ورنہ نتائج کا وہ خود ذمہ دار ہو گا۔“

”اب وہ اتنا بچہ بھی نہیں دوبارہ ایسی غلطی کرے وہ بہت شرمندہ ہے۔“

”کسی دن نسرین کے گھر چلتے ہیں، موقع محل دیکھ کر بات شروع کرتے ہیں۔“

”ہاں۔ میں بھی ایسا ہی سوچ رہی ہوں۔ ضرور چلیں گے۔“

”مگر کچھ دنوں کے بعد، تم نے نسرین کو بتا دیا ہے کہ عمر کی بات ختم ہو گئی ہے۔“

”فون پر اطلاع دے دی تھی۔“

”کیا کہا اس نے۔“

”کیا کہنا تھا اس نے۔ حیران ہو رہی تھی۔ سن کر کہ ڈیٹ فکس ہونے کے بعد بات ختم ہوئی ہے۔“

”مگر ابھی ڈیٹ فکس ہونے کی اطلاع اس کے علاوہ کسی اور کو نہیں تھی۔“

”ہاں اس کے علاوہ کسی اور کو نہیں پتا۔ ابھی بات گھر کے اندر رہی ہے۔ یہاں تک کہ میں نے بیٹیوں کو بھی نہیں بتایا۔“

"یہ تو اچھا ہوا۔ تم تیاری اپنی جاری رکھنا۔ جلد ہم نسرین سے بات کر کے اس مسئلے کو حل کرلیں گے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے چند دنوں تک اس کے گھر چلتے ہیں۔"

"اب تم اچھی سی چائے پلاؤ تاکہ طبیعت بہتر ہو" ہمایوں صاحب نے کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

☼ ☼ ☼

"تم نے سنا کہ عمر کی اب شادی نہیں ہو رہی۔ مجھے تو یہ سن کر بہت افسوس ہوا ہے" نسرین نے برتن خشک کرتے ہوئے کہا۔

"کیا کہا امی آپ نے" حبیبہ نے برتن دھوتے دھوتے رک کر پوچھا۔

"یہ ہی کہا ہے کہ عمر کی شادی نہیں ہو رہی۔" ماں نے برتن الماری میں رکھتے ہوئے کہا۔

"مگر امی آپ بتا رہی تھیں کہ ڈیٹ فکس ہو چکی ہے۔ اور خالہ کی طرف چکر لگانا تھا۔ برائیڈل سوٹ فائنل کرنے کے لیے۔"

"یہی تو سب کو حیرت ہو رہی ہے کہ کیوں انکار ہوا ہے۔ میرا مطلب ہے کہ ذینی نے کیوں شادی سے انکار کردیا ہے۔"

"عمر تو سب حقیقت جانتا ہوگا۔ اس سے کیوں نہیں پوچھتے۔ سارے خاندان کو پریشان کیا ہوا ابھی ہاں کبھی نا۔ پتا تو چلے کہ سچ کیا ہے۔"

"مگر عمر کہتا ہے کہ بس اب اس سے شادی نہیں ہو سکتی اور اس موضوع پر بات کرتا ہے نہ سنتا ہے۔"

"ایسا فرسٹریٹڈ تو وہ کبھی بھی نہیں تھا اب اسے کیا ہوتا جا رہا ہے۔ خالہ تو پریشان ہوں گی۔"

"آپا نے مجھے فون پر اطلاع دی تو میں سن کر اپ سیٹ ہو گئی مگر مجھے آپا ڈسٹرب نہیں لگیں مطمئن لگیں۔"

"چلیں ہمیں کیا ان کے گھر کا مسئلہ ہے خود ہی حل کرلیں گے۔"

"ان کا مسئلہ ہم سے الگ تو نہیں"

"مگر ہم ان کی کوئی مدد تو نہیں کر سکتے۔ اب آپ کچھ سوچنے نا بیٹھ جائیں۔"

"تمہارے پوچھے بنا۔ میں کیسے کوئی بات کر سکتی ہوں گو کہ آپا نے ذکر تو کیا ہے۔"

"کیسا ذکر؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"یہی کہ جان چھٹی۔ ایک غیر ملکی بہو کے ساتھ کیسے گزارا ہو سکتا تھا۔"

"ماں جی ایک بات میں کھل کر بتا دیتی ہوں کہ میں عمر سے اب شادی نہیں کروں گی۔"

"اب ایسی بھی کیا بے رخی اور بے مروتی۔ اس سارے معاملے میں تمہارے خالو اور خالہ کیا قصور"

"میں ان کو قصوروار نہیں مانتی۔ مگر میں اتنی فالتو بھی نہیں کہ خود کو کسی کی جگہ پیش کردوں۔"

"کسی کی جگہ کیوں۔ تمہاری اپنی جگہ ہے"

"بہرحال آپ کوئی کمٹمنٹ یا وعدہ نہیں کریں گی۔ آپ اب جائیں باقی کام میں کرلوں گی۔" حبیبہ نے کہا اور برتن دھونے لگی۔

پروین صوفے پر بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھیں کہ عمر پاس آکر کھڑا ہو گیا۔

"آؤ میرے پاس آکر بیٹھو۔ اداس کیوں ہو رہے ہو۔ ذینی کی یاد تو نہیں ستا رہی۔"

"ذینی کو گولی ماریں۔ دوبارہ اس کا نام میرے سامنے کبھی نہ لیں۔"

"پھر پریشان کیوں ہو رہے ہو؟"

"میں پریشان اس لیے ہوں کہ میری وجہ سے آپ کو خاندان والوں کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑ رہی ہے۔ لوگ باتیں بنا رہے ہیں۔ اور خالہ بھی نہیں آرہی ہیں۔"

"یوں کہو کہ حبیبہ کی یاد ستا رہی ہے۔ خوامخواہ لوگوں کا نام لے رہے ہو۔"

"وہ کیوں نہیں آرہی ہے؟"

"تم نے ان سے کیا کہنا ہے۔"

"آپ اب تنگ کر رہی ہیں۔ آپ جانتی ہیں کہ میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں۔"

"خود اس سے بات کرو مجھے کیوں درمیان میں لاتے ہو۔"

"ماں وہ میرا فون ہی اٹینڈ نہیں کرتی میرا نمبر دیکھ کر بند کر دیتی ہے۔"

"اگر تم اتنے سنجیدہ پہلے ہو جاتے تو آج میرے آنگن میں میرا پوتا یا پوتی کھیل رہے ہوتے۔"

"او ہو ماں آپ بھی کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہیں۔ ابھی شادی کی بات نہیں۔ آپ پوتے پوتی کے متعلق سوچنے لگیں۔ پہلے آپ اس کو تو منالیں کوئی بات آگے بڑھائیں۔"

"اب اٹھو یہاں سے نماز کا وقت نکلا جا رہا ہے"

"آپ میرے لیے دعا ضرور کریں۔"

"بیٹے جی ایسے کاموں کے لیے خود ہمت کرنی پڑتی ہے۔ صرف دعاؤں سے کام نہیں چلتا۔" انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔ اور نماز کے لیے اٹھ گئیں۔

☼ ☼ ☼

عمر نے اپنے پسندیدہ ریسٹورنٹ میں داخل ہو کر اطراف کا جائزہ لیا کہ اچانک اس کی نظر حبیبہ پر پڑی ——— اس کی طرف چلا گیا۔

"ہیلو حبیبہ کیا ہو رہا ہے۔ اکیلی کیوں بیٹھی ہو۔"

"دوستوں کے ساتھ آئی ہوں۔"

"لیکن میں اکیلا آیا ہوں کیا یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔"

"جب تک میری دوست نہیں آجاتیں۔ آپ بیٹھ سکتے ہیں۔"

"تھینک یو۔ آج کل تم نظر نہیں آرہی ہو۔ کہاں ہوتی ہو؟"

"کیا آپ مجھے تلاش کرتے رہتے ہیں۔"

"ہاں کرتا رہتا ہوں مگر تم مجھ سے چھپتی پھرتی ہو۔"

"آپ مجھے تلاش کرنے کے بعد کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"بہت کچھ سب سے پہلے تم سے معافی مانگنی ہے۔ اگر تم معاف کردو تو بات آگے بڑھا سکتا ہوں۔"

"میں معاف کرنے کے لیے تیار ہوں مگر بات آگے بڑھانے میں مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"مگر میں موضوع ہی ایسا منتخب کروں گا کہ تمہیں دلچسپی پیدا ہو جائے گی۔"

"آپ کامیڈی بھی کرلیتے ہیں۔"

"تم نے کبھی موقع ہی نہیں دیا ورنہ میں اچھا خاصا خوش مزاج ہوں۔"

"آپ ذینی کو بھول چکے ہیں۔"

"غلطیاں بھولنے کے لیے ہی ہوتی ہیں۔"

"غلطیاں بھولنے کے لیے نہیں سبق سیکھنے کے لیے ہوتی ہیں۔"

"مگر میری صرف ایک غلطی ایسی ہے جسے میں بھولنا چاہتا ہوں اور مجھے کوئی یاد نہ کرائے۔ زندگی میں ایسا ہوتا ہے کہ جب ہم کسی سے شرمندہ ہوتے ہیں تو اس سے چھپ سکتے ہیں۔ مگر انسان جب خود سے شرمندہ ہو تو وہ خود سے کیسے چھپ سکتا ہے۔"

"میں تو اس تجربے سے گزری نہیں ہوں تو کچھ کہہ نہیں سکتی۔"

"اللہ نہ کرے تم ایسے تجربے سے گزرو۔ ویسے آج کل کیا ہو رہا ہے۔"

"چند دن پہلے تک تو آپ کی شادی کی تیاریوں میں مصروف تھی۔"

"میں نے بتایا ہے کہ مجھے بار بار یاد دلا کر شرمندہ نہ کرو۔ انسان ہوں پہچان نہ کر سکا۔ اب تو یہی انتظار ہے کہ وہ مجھے معاف کردے۔" عمر نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور اگر وہ معاف نہ کرے تو" حبیبہ نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔

"معاف تو اسے کرنا ہوگا۔ لوگ تو قتل کرنے کے بعد بھی معاف کردیتے ہیں۔"

"دل توڑنا قتل کرنے سے بڑا جرم ہے۔"

"مجھے تو پکا یقین ہے کہ تم مجھے معاف کردو گی۔ اور کھلے دل سے میرے ساتھ رہنے کا فیصلہ کرو گی۔"

"چاہے صدیاں بیت جائیں۔" حبیبہ نے چمچے سے کھیلتے ہوئے کہا۔

"ہاں چاہے صدیاں بہت جائیں مگر عمر نہیں بیتنی چاہیے کیونکہ عمر اتنی لمبی نہیں ہوتی۔"

"اچھا۔ اب آپ جائیے۔ میری دوست آرہی ہے۔"

"جاتا ہوں مگر آج کی ملاقات اتفاقیہ ہوئی ہے۔۔۔ ابھی باضابطہ ملاقات ہونی باقی ہے۔"

"باضابطہ ملاقات میں آپ نے کچھ فرمانا ہے۔"

"کیوں نہیں ابھی میں نے آپ کو پرپوز کرنا ہے۔" عمر نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"آپ کو ایسی باتیں کرتے شرم نہیں آتی۔ ابھی تو ذینی کا قصہ ختم ہوئے ہفتہ نہیں گزرا۔"

"تکلیف دہ واقعات کو جتنی جلدی بھلایا جاسکے اتنا ہی بہتر ہوتا ہے پھر وہ واقعہ تو ایک حادثہ تھا۔ کیوں یاد رکھوں اس ہفتے تم مجھ سے مل رہی ہو وقت مقرر کر کے مجھے فون کر دینا بندہ حاضر ہو جائے گا" عمر اس کا جواب سنے بغیر چلا گیا۔ جیبہ بہت دیر تک اسے جاتا دیکھتی رہی اور مسکراتی رہی۔

☼ ☼ ☼

"ماں! آپ نے جیبہ کے لیے ایک انگوٹھی خریدی تھی۔" عمر نے اچانک پوچھا۔

"صرف انگوٹھی نہیں۔ پورا سیٹ خریدا تھا۔"

"آپ وہ رنگ ابھی اسی وقت مجھے دے دیں۔ مجھے وہ بہت ضروری چاہیے۔"

"میں تمہیں وہ رنگ نہیں دے سکتی کیونکہ میں نے جیبہ کے نام کی خریدی ہے اسے ہی دوں گی۔"

"تبھی تو مجھے دیں۔ آج بہت اہم دن ہے۔"

"آج کیا اہم دن ہے۔"

"آپ بھول رہی ہیں کہ آج کسی کی برتھ ڈے ہے۔ اسی کو رنگ تحفے میں دے رہا ہوں۔"

"ارے آج جیبہ کی سالگرہ ہے۔ زبردست آئیڈیا۔۔۔ تم انگوٹھی دے کر اپنے دل کی بات بھی کہہ لو۔"

"میں بھی ایسے ہی سوچ رہا ہوں"

پروین نے اٹھ کر الماری کھولی۔ دراز سے سرخ رنگ کی چھوٹی سی ڈبیا نکالی اور عمر کو دے دی۔

"اگر آج وہ مان جاتی ہے تو شادی عید کے بعد کریں گے۔"

"مان جائے گی"

"تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے وہ مان گئی ہے۔"

"ماں اپنے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ مان رکھ لیتے ہیں۔"

وہ خوشی خوشی انگوٹھی لے کر روانہ ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

جیبہ کی دوست سمیرا نے جیبہ کی سالگرہ کا اہتمام اپنے گھر میں کیا تھا۔ اور ساری سہیلیوں کو مدعو کیا تھا۔ جیبہ نے اپنی سالگرہ کے حوالے سے نیٹ کا کام والا لہنگا اور ہلکی جیولری پہنی ہوئی تھی بہت اچھی لگ رہی تھی سمیرا کے کہنے پر وہ لان سے پھول توڑنے گئی اور عمر کو دیکھ کر حیران ہو گئی۔ کئی لمحے ایک دوسرے کو دیکھنے میں گزر گئے

"آج ستاروں نے آپ سے ملنے کا پروگرام بنایا ہے۔ اس لیے زمین پر آکر آپ کو قریب سے دیکھنے کا سوچا۔" عمر نے اس کے قریب آکر کہا۔

جیبہ خاموش رہی۔۔۔ اس کی کاجل بھری آنکھیں اسے بغور دیکھ رہی تھیں۔

"آپ بھی کچھ کم نہیں لگ رہے" کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد جیبہ نے کہا۔

"میں تو صرف کم نہیں لگ رہا مگر آپ تو بہت زیادہ اچھی لگ رہی ہیں۔ پاکستانی لڑکیاں بہت خوبصورت ہوتی ہیں۔"

"اس لیے پاکستانی لڑکے گوریوں سے شادی کر لیتے ہیں" جیبہ کی آنکھوں میں بھی شکوہ تھا۔

"اس لیے ساری عمر پچھتاتے ہیں"

"آپ بھی پچھتا رہے ہیں۔"

"نہیں۔

میں پچھتانے سے بال بال بچا ہوں اس میں بھی آپ کا احسان مانتا ہوں۔

آپ جیسی کزن نے مجھے ڈوبنے سے پہلے بچا لیا ہے" عمر نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"مرد ایسی غلطیاں کیوں کرتا ہے کہ اسے پچھتانا پڑے یا معافی مانگنی پڑے۔" جیبہ نے شکوے کے انداز میں پوچھا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ بس ایک بات کہنی ہے مجھے معاف کر کے مجھ سے شادی کر لو۔"

"معاف کیے بنا آپ کی خواہش پوری نہیں کر سکتی۔"

"کر سکتی ہیں مگر میں مطمئن ہونا چاہتا ہوں کہ تمہارا دل میرے لیے صاف ہو گیا ہے۔"

"میں نے آپ کو کبھی قصوروار سمجھا ہی نہیں تو کیسی معافی۔"

"سچ دل سے کہہ رہی ہو۔" عمر نے خوشی سے کہا۔

"بظاہر تو منہ سے کہہ رہی ہوں مگر اسے دل سے ہی سمجھو۔ کیونکہ میں نے آج تک دل کو بولتے نہیں دیکھا ہے۔" جیبہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آج آپ کا دن ہے۔۔۔ جتنا چاہے مذاق بنا لیں۔۔۔ کل میرے ہوں گے۔۔۔ پھر میری باری ہو گی۔"

عمر مسکراتا ہوا چلا گیا۔ جیبہ اسے جاتے دیکھتی رہی۔

☼ ☼ ☼

"جیبہ اب مجھے تمہاری سمجھ نہیں آرہی کہ جب سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے تو تم کوئی ڈرامہ کرنا چاہ رہی ہو یہ ڈرامہ تمہارے گلے نہ پڑ جائے۔"

"یار ہلکا پھلکا ڈرامہ بس تم سمیر بھائی کو منا لو۔"

"وہ مجھ سے زیادہ تمہاری سنتا ہے۔ تم خود اس سے بات کر کے دیکھ لو۔"

"ٹھیک ہے میں خود بات کر لیتی ہوں۔ کدھر ہیں سمیر بھائی۔"

"یہی کہیں ہوں گے۔" سمیرا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کتنا مزا آئے گا۔ جب میں پارلر سے دلہن بن کر سمیر بھائی کے ساتھ گھر جاؤں گی۔ عمر کا چہرہ دیکھنے والا ہو گا۔"

"اور اگر عمر کو کچھ ہو گیا تو"

"اللہ نہ کرے۔ میں ڈرامے کو لمبا نہیں کروں گی۔"

"دیکھ لو اور دوبارہ غور کر لو کہ لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔

تمہیں اپنی امی کے غصے کا تو پتا ہے۔"

"میں نے کہا ہے نا کہ ہم ڈرامے کو طویل نہیں کریں گے۔

جونہی بزرگوں کے غصے کا پیمانہ لبریز ہونے لگے گا ہم حقیقت بتا دیں گے۔"

"گویا تم نے پکا ارادہ کر لیا ہے عمر بھائی سے انتقام لینے کا۔"

"ہاں۔" جیبہ نے کہا۔

"بس میں اسے ایک بار اس اذیت اور کرب سے گزارنا چاہتی ہوں۔ جس سے میں گزری ہوں۔"

"گزر چکی ہو۔ اسے معاف کر دو اب۔"

"کل پھر اس کا دل کسی پری پر آگیا تو۔ پھر مجھے اذیت سے گزرنا پڑے گا اور پھر مجھے اسے معاف کرنا پڑے گا۔"

"معاف تو کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ ہم عورتیں پیدا ہی اس لیے ہوئی ہیں۔

لو۔۔۔ سمیر بھائی آگئے ہیں۔۔۔ ان سے مشورہ کرتے ہیں۔" سمیرا دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"ارے یہ جیبہ ہی ہے۔ جس کی شادی چند دنوں میں ہونے والی ہے اور یہ گھر سے باہر گھوم رہی ہے۔ یہی قیامت کی نشانی ہے" سمیر نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"آپ کو کس نے کہا ہے کہ میری شادی ہو رہی ہے۔"

"ابھی کل ہی عمر سے ملاقات ہوئی ہے۔ اسی نے بتایا ہے۔"
"آپ مجھ سے شادی کریں گے۔" حبیبہ نے سوال کیا۔
"ہماری ایسی قسمت کہاں۔"
"سمیر بھائی ایک چھوٹا سا ڈرامہ کرنا ہے کریں گے۔"
"کون سا ڈرامہ۔" سمیر نے پوچھا تو حبیبہ نے اسے ساری بات بتادی۔
"عمر مجھے قتل کرنے کے لیے ذرا بھی نہیں سوچے گا۔" سمیر نے نفی میں گردن ہلائی۔
"اسے میں سنبھال لوں گی۔"
"حبیبہ کیا ہوگیا ہے تمہیں عمر بہت اچھا لڑکا ہے۔ بچپن سے تم اسے جانتی ہو۔"
آپ نے میرا یہ کام کرنا ہے" حبیبہ نے ضدی لہجے میں کہا۔
"میں آپ کا ہر کام کرنے کو تیار ہوں۔ بہن جب پرائی ہونے والی ہوتی ہے تو بھائی اس کا ہر کام کرنے کو تیار ہوتا ہے مگر سوچ لو کچھ غلط نہ ہوجائے۔"
"کچھ غلط نہیں ہوگا آپ مجھے گھر چھوڑ آئیں اچھا سمیرا میں چلتی ہوں۔"

☼ ☼ ☼

آج دونوں خاندان ایک جگہ تھے۔ اور دونوں ہی خوش تھے آج عمر اور حبیبہ کی منگنی تھی اس تقریب میں انہوں نے خاندان کے لوگوں کو مدعو نہیں کیا تھا صرف حبیبہ کی دوستیں تھیں۔ حبیبہ اپنی دوست کے ساتھ تیار ہونے پارلر گئی ہوئی تھی۔
پروین اور نسرین بار بار گیٹ کی طرف بھی دیکھ رہی تھیں کہ کب حبیبہ تیار ہو کر آتی ہے۔
"یہ لوگ اب تک آئے کیوں نہیں۔" دونوں بہت بے چین تھیں۔
"میں نے کئی بار حبیبہ کو فون کیا ہے اس کا نمبر بند جارہا ہے۔ میں تو پریشان ہو رہی ہوں۔"
اسی اثناء میں عمر گھر میں داخل ہوا۔ اسے اکیلا دیکھ کر دونوں کا دل دھک سے رہ گیا۔
"حبیبہ کدھر ہے اب تک کیوں نہیں آئی۔"
"وہ اپنی دوست سمیرا کے ساتھ آئے گی۔ ابھی دونوں پارلر میں ہیں۔ میں نے سوچا کہ گھر میں سب انتظار کررہے ہوں گے تو چلا آیا۔" عمر نے بتایا۔
"کتنی دیر میں پہنچ جائے گی۔"
"ایک گھنٹے میں۔"
"یہ تم دونوں کے منہ کیوں اترے ہوئے ہیں" ہمایوں صاحب نے قریب آکر کہا۔
"ایک گھنٹہ ہوگیا حبیبہ نہیں آئی۔ میرا دل پریشان ہو رہا ہے۔"
"کیوں تم دونوں پریشان ہو رہی ہو۔ حبیبہ سمجھدار ہے کچھ غلط نہیں کرے گی بس آنے والی ہوگی۔"
"بہت دیر ہوگئی ہے۔" نسرین نے پریشانی سے کہا۔
اس وقت میں گیٹ پر گاڑی کا ہارن بجا پروین، ہمایوں، نسرین اور عمر جلدی سے باہر کی جانب لپکے۔
ایک دم گیٹ کھلا گاڑی اندر آئی۔ ڈرائیور نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ سب کی نظریں گیٹ اور بعد میں اندر آنے والی گاڑی کی طرف اٹھ گئیں حبیبہ دلہن بنی گاڑی سے باہر نکلی۔ دوسری طرف سے سمیر گاڑی سے باہر نکلا۔ دونوں دھیرے دھیرے قدم اٹھا کر ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اندر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ سب کی نظریں ان کی طرف تھیں۔ حبیبہ کو سمیر کے ساتھ آتے دیکھ کر پروین اور نسرین کے ہاتھ میں پکڑے پھولوں کے تھال نیچے گر گئے پتیاں بکھر گئیں۔
———— حبیبہ کی نظریں بار بار عمر کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر چھائی زردی وہ دور سے دیکھ سکتی تھی آنکھوں کی ویرانی بھی کسی سے چھپی نہیں تھی اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ سب لوگ اپنی جگہ کھڑے رہ گئے۔

نسرین اور پروین نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر تیزی سے حبیبہ کی طرف بڑھیں۔
نسرین "تم دونوں اسی وقت گھر سے نکل جاؤ۔" نسرین نے سختی سے کہا۔
"اس سے پہلے کہ سب کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوجائے اور ہمیں فوراً یہاں سے واقعی نکل جانے کا حکم مل جائے یا پھر ہمارا یہ ڈرامہ ہمارے ہی کنٹرول سے باہر ہوجائے۔ عمر آؤ اور اپنی دلہن سنبھالو۔ حبیبہ صرف تمہاری ہے اور تمہاری ہی رہے گی مجھے تو حبیبہ کی طرف سے حکم ملا تھا کہ چھوٹا موٹا ڈرامہ کرکے عمر کو پریشان کرنا ہے۔"
"کیا۔" سب بے ساختہ چیخے۔
"ہاں یہ سب ڈرامہ ہے۔ ایسا کچھ نہیں جیسا آپ سوچ رہے ہیں۔" سمیر جلدی سے بولا۔
"تیری تو۔" عمر تیزی سے سمیر کی طرف بڑھا سمیر عمر کے حملے سے بچنے کے لیے حبیبہ کے عقب میں ہوگیا۔
"اور اگر آپ دونوں کی اس دل لگی میں میری جان چلی جاتی تو کون ذمہ دار ہوتا۔"
"حبیبہ ذمہ دار ہوتی۔ میں نے تو اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی مگر آج کل اس کا دماغ کام نہیں کررہا۔ میں نے سوچا کہ جو اس کی کیفیت ہے اس میں کوئی بڑا قدم نہ اٹھالے اس حالت میں خود کو بھی نقصان پہنچائے اور عمر کو بھی نقصان پہنچے تو میں نے حبیبہ کا ساتھ دینے کا وعدہ کرلیا۔"
"اس وقت جس اذیت اور کرب سے میں گزرا ہوں۔ وہ لمحے صدیوں پر بھاری ہیں۔ حبیبہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ مرد کا دل اتنا مضبوط نہیں ہوتا جتنا عورت کا ہوتا ہے۔" عمر نے حبیبہ کے قریب آکر کہا۔
"حبیبہ یہ کیا بچکانہ حرکت ہے تم تو جان لینے کے در پے ہوگئیں۔" نسرین اور پروین بھی قریب آگئیں۔
"میں تمہیں بہت سمجھدار اور کول مائنڈڈ لڑکی سمجھتی تھی۔ تم سے ایسی امید نہیں تھی۔" پروین بولیں۔
"اب ایک لفظ بھی کوئی حبیبہ کے خلاف نہیں بولے گا آپ لوگ یہ نہیں سمجھ رہے کہ اس نے صرف عمر سے بدلہ لینے کے لیے یہ کیا ہے۔"
ہمایوں صاحب حبیبہ کو دیکھ کر بولے۔
"حبیبہ میں تمہارے ساتھ ہوں اس گدھے کو ضرور سزا ملنی چاہیے تھی۔ اگر تم مجھے ساتھ ملا لیتیں تو یہ ڈرامہ زیادہ دلچسپ بن سکتا تھا۔"
"مجھے اب اجازت دیں کیونکہ ابھی میں نے والدہ اور سمیرا سے بھی ڈانٹ کھائی ہے۔" سمیر نے کہا۔
"اتنی آسانی سے تمہیں نہیں جانے دوں گا۔ اتنا اچھا بھی نہیں ہوں ابھی خالہ اور سمیرا کو آنے دو۔ پھر تمہارے لیے سزا تجویز کرتے ہیں۔" عمر نے کہا۔
"حبیبہ کیوں اتنی خاموش ہو۔ تم نے مجھے بچانے کا وعدہ کیا تھا۔" سمیر نے حبیبہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"منگنی کی رسم ادا کرنے سے پہلے کھانا کھالیا جائے تو اچھا ہے۔ مجھے بہت بھوک لگی ہے۔" ہمایوں صاحب نے کہا۔
"بابا آپ بھی کمال کرتے ہیں ابھی تو میرا دل قابو میں نہیں آیا۔ آپ کو کھانے کی فکر ہے۔"
"شکر کرو کہ حبیبہ نے سمیر جیسا سادہ بندہ منتخب کیا تھا۔ اس ڈرامے کے لیے۔ اگر میرے جیسا کوئی ہوتا تو رات گزر جاتی مگر تمہیں اصل صورت حال کا پتا نہ چلتا بہتر یہی ہے کہ کھانا کھالیا جائے۔ ابھی تمہاری ماں اور خالہ بھی زیادہ ہوش میں نہیں ہیں۔" ہمایوں صاحب نے عمر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔
سب لوگ کھانا کھانے ایک طرف چل پڑے۔
"اب تو تم نے مجھ سے بدلہ لے لیا۔ آئندہ کبھی ایسا کوئی کام نہیں کرو گی نا جو میری جان لے لے۔" عمر نے حبیبہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ تو حبیبہ نے نفی میں گردن ہلا کر سر جھکالیا۔

☼ ☼

فوزیہ یاسمین

دستِ کوزہ گر

زوبیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ مگر وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ مگر زوبیہ ان سے بات
کرنے کے لیے بے حس ہے۔ میں اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو اس کے کالج میں ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں
سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے.... رخسار اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی
ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے.... اور روح کو بلانے کی کوشش کرتی ہے۔
رگو میلہ، سنبل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے.... اور اسی خوشی میں نمل ان دونوں کو پیلس میں ڈنر کی
دعوت دیتی ہے.... اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم، وکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب
غریب شرط کو قبول کرلیتا ہے۔ اور انہیں پیلس میں پہنچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔
زوبیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے.... رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔
دونوں واپس جانے کے لیے سڑھیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے۔ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں
زخمی کردیتا ہے.... اب آگے پڑھیں۔

اکتالیسویں قسط

سیٹی پر ایک نہایت شوخ سی دھن گنگناتے ہوئے جب خرم گاڑی سے اترا تو عین اسی وقت وکی نے بھی اپنی گاڑی پارکنگ میں کھڑی کردی۔
خرم کو اتنے دنوں بعد اتنا خوش دیکھ کر وکی حیران سا گاڑی سے اترا اور اس کے قریب آئے بغیر وہیں سے چلا کر بولا۔
"یہ آج اتنے دنوں بعد پرانے والے خرم سے کیوں ٹکراؤ ہو گیا سب خیریت تو ہے نا۔" خرم اس کے سوال پر اپنی جگہ رک کر مسکراتے ہوئے اس کے نزدیک آنے کا انتظار کرنے لگا۔
اس کے قریب آکر وکی نے بغیر اسے بولنے کا موقع دیے گاڑی کی چابی کو گھماتے ہوئے کہا۔
"لگتا ہے کسی لڑکی کا چکر ہے تب ہی آج وہ خرم ہمارے سامنے کھڑا ہے جسے مدتوں پہلے ہم نے دیکھا تھا۔" اس کی بات پر بے ساختہ خرم کی مسکراہٹ گہری ہو گئی مگر وہ کچھ بولا نہیں بلکہ یونیورسٹی کی طرف قدم بڑھا دیے۔
اس کا فی الحال کسی کو کچھ بتانے کا ارادہ نہیں تھا اور وکی تو ویسے بھی اس کی گڈ بک میں نہیں تھا جس سے وہ دل کی بات کہتا کیونکہ وہ اس قابل ہی نہیں تھا ساری دنیا میں اشتہار لگانے والا نہایت چھچھورا اور ناقابل بھروسہ شخص تھا وہ۔
مگر وہ بھی قیاس آرائیاں کرنے سے باز نہیں آیا اور اس کے ساتھ چلتے ہوئے بڑے جوش سے بولا۔
"کیا بات ہے بھئی۔ یہ مسکراہٹ تو چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے کہ میرا اندازا بالکل درست ہے۔
کون ہے وہ
کب
کہاں
اور کیسے مل گئی وہ تمہیں۔" وکی نے بڑی ادا سے جملے کو پاز دے دے کر پوچھا۔
"ایسی کوئی بات نہیں۔" خرم جانتا تھا وہ اتنی آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑے گا پھر بھی بڑے سرسری انداز میں خرم نے اسے ٹال دیا۔
"بات تو کچھ ایسی ہی ہے ہم تو وہ ہیں جو اڑتی چڑیا کے پر گن لیتے ہیں ہمیں ٹالنے کی کوشش مت کر یار۔" خرم نے اس کی بات کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا اسے ضرورت بھی نہیں تھی۔ خرم کے بولنے کی' وہ خود اکیلا ہی بولنے کے لیے کافی تھا تب ہی اس کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے اندازے لگانے لگا۔
"زوبیہ تو کافی خوب صورت لڑکی تھی بلکہ حسن کی ملکہ جسے کہتے وہ کہنا غلط نہ ہوگا' لیکن وہ تو مینٹل کیس نکلی۔ نمل بھی اچھی ہے' مگر وہ تو تمہیں گھانس ڈالتی نہیں' پھر یہ تیسری کون آگئی ہے تمہاری لائف میں۔" خرم کو وکی کا انداز نہایت گھٹیا لگا تھا اس کی پیشانی پر ان گنت بل پڑ گئے تھے جسے محسوس کرلینے کے باوجود وہ کمینہ پن دکھانے سے باز نہ آیا۔
"کہیں تم نے اپنی مارکیٹ ویلیو بڑھانے کے لیے کسی کو پیسے دے کر اپنی گرل فرینڈ ہونے کا ڈراما کرنے کے لیے راضی تو نہیں کرلیا۔" وکی نے خباثت سے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔
"شٹ اپ وکی۔ کبھی تو اپنی گھٹیا ذہنیت سے ہٹ کر بھی کچھ سوچ لیا کرو۔" خرم تپ کر چیختے ہوئے بولا اور پھر وکی کو بولنے کا موقع دیے بغیر لمبے لمبے ڈگ بھرتا آگے بڑھ گیا۔
وکی کی باتوں نے اس کا موڈ اچھا خاصا خراب کردیا تھا اور پھر تھوڑی دیر بعد جب اسے یہ پتا چلا کہ نمل یونیورسٹی نہیں آئی ہے تو وہ بالکل ہی بور ہو گیا۔
کل رات کے نمل کے اقرار کے بعد سے وہ اتنا مسرور تھا کہ نمل کے سوا اس کا کچھ دیکھنے کو دل چاہ رہا تھا نہ سننے

کو۔ لیکن جب اسے پتا چلا کہ نمل آج غیر حاضر ہے تو اس کا بھی دل چاہا واپس گھر چلا جائے۔
نمل کو اس کے گھر پر اتارنے کے بعد سے وہ صبح ہونے کا انتظار کرنے لگا تھا جیسے پتا نہیں کتنے سالوں کی جدائی ان دونوں کے بیچ آگئی ہو۔
خرم بے اختیار جیب سے موبائل نکال کر نمل کو فون کرنے لگا اس نے دوسری ہی گھنٹی پر کال اٹینڈ کرلی۔
"کہاں ہو تم آج آئیں کیوں نہیں؟" خرم نے چھوٹتے ہی کہا اس کے بے صبرے پن پر نمل بے اختیار مسکرا دی۔
"رات کو اتنی دیر سے سوئی تھی ابھی تک بستر سے اٹھی ہی کب ہوں جو یونیورسٹی آتی۔"
"یار حد کرتی ہو تم بھی۔ ایسا کون سا صبح کے چار بج گئے تھے تمہیں سوتے جو ابھی تک اٹھا ہی نہیں جارہا۔" خرم خفا ہوتے ہوئے بولا۔
"مجھے تو سوتے سوتے...." نمل کچھ کہتے کہتے بروقت رک گئی' لیکن دوسری طرف خرم اس کی آدھی بات سے ہی اس کا پورا مطلب سمجھ گیا تھا فوری طور پر اس کا لب و لہجہ بڑا خوشگوار ہو گیا۔
"کیا تم بھی میری طرح رات بھر جاگی ہو۔" خرم نے بڑی شوخی سے پوچھا تو نمل نا چاہتے ہوئے بھی جھینپ گئی پھر بھی اسے جھٹلاتے ہوئے بولی۔
"جی نہیں میں تو اتنی تھک گئی تھی کہ گھر آتے ہی سوگئی۔" خرم اس کے انداز پر محظوظ ہوتے ہوئے مصنوعی حیرانی سے بولا۔
"ہاں ظاہری بات ہے تھکن تو ہونی تھی آخر پیدل گھر سے سی ویو اور سی ویو سے گھر گئی تھیں۔" اس کا طنز سمجھتے ہوئے نمل نے فوراً" نروٹھے پن سے کہا۔
"ذہنی تھکن جسمانی تھکن سے زیادہ ہلکان کردیتی ہے۔ مجھے اغوا کرنے والے انداز میں سی ویو لے جا کر تم نے مجھے مینٹل ٹارچر کیا ہے کہ میں ابھی تک ایک شاک کے عالم میں ہوں۔" نمل نے آواز میں درد پیدا کرنے کی پوری کوشش کی تھی مگر جواباً" خرم کا جاندار قہقہہ اسے بتا گیا تھا وہ اس کوشش میں بری طرح ناکام ہوگئی ہے۔
"میرے منہ سے اظہار محبت سن کر تم اس بری طرح تو شرما گئی تھیں پھر یہ مینٹلی طور پر ٹارچر کب ہو گئیں ذرا مجھے بھی تو پتا چلے۔" نمل اس کے برجستہ بولنے پر ایک بار پھر بلش ہو گئی مگر اس بار اس نے بروقت خود پر قابو پا لیا اور اپنے لہجے کو نارمل رکھتے ہوئے بولی۔
"میں کوئی شرما نہیں رہی تھی' میں تو گھبراہٹ میں لال پیلی ہو گئی تھی۔"
"یہ گھبراہٹ میں کون لال پیلا ہوتا ہے ویسے بھی تم پیلی نہیں گلابی ہو رہی تھیں۔" خرم نے شوخی سے کہا تو نمل اپنے ازلی لاپروا انداز میں بولی۔
"ہاں ساون کے اندھے کو بس ہرا ہرا ہی سوجھتا ہے تمہیں تو میں وہی لگ رہی تھی جو تم مجھے دیکھنا چاہ رہے تھے۔"
"خیر یہ تو تم نے واقعی سچ کہا میں تمہیں ہر پل' ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنا چاہتا ہوں اور وہ بھی اسی روپ میں جس میں میں نے کل رات تمہیں دیکھا تھا۔" خرم نے سرشار ہوتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔
"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ میں ساری زندگی تمہارے سامنے شرماتی رہوں۔" نمل بگڑ کر بولی تو خرم ہنس دیا اور ہنستا ہی چلا گیا۔
"مطلب تم نے مان ہی لیا کہ تم شرما رہی تھیں۔" اس بار نمل فوری طور پر کچھ نہ بول سکی اپنی جلد بازی پر وہ خود کو دل ہی دل میں خوب صلواتیں سنانے کے بعد بظاہر لاپرواہی سے بولی۔

"اچھا میں فون بند کررہی ہوں پہلے ہی بہت لیٹ ہوگئی ہوں ابھی اٹھوں گی تیار ہوں گی تو اور ٹائم لگ جائے گا۔"

"یعنی تم آرہی ہو میں تو سمجھا تھا ٹلا مارنے کا ارادہ کیے بیٹھی ہو۔"

"جی نہیں مجھے کوئی شوق نہیں چھٹی کرنے کا اور میری تو پہلے ہی بہت چھٹیاں ہوگئی ہیں۔"

"تو کیا صرف پڑھائی کرنے آرہی ہو۔" خرم نے بظاہر بڑی بے چارگی سے کہا، مگر نمل تنک کر بولی۔

"جی ہاں، صرف پڑھائی کرنے اور کچھ سوچنے کی بھی غلطی مت کرنا۔" نمل دھمکانے والے انداز میں بولی تو خرم ایک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے کہنے لگا۔

"ہاں نمل۔ اب میں مزید کوئی غلطی نہیں کرنا چاہتا پہلے ہی ہم دونوں کا نام ہر وقت ہر عام و خاص کی زبان پر رہا ہے اب ایسی کوئی بات نہیں ہونی چاہیے کہ ہم دونوں پھر سے ڈسکس کیے جائیں اور وہ بھی کسی افیئر کے نام پر تو بالکل بھی نہیں۔

مجھے نہیں پتا مجھے تمہارے فادر کو کیسے منانا ہے، لیکن اب ہم سیدھا شادی کریں گے بغیر کسی منگنی اور شور شرابے کے۔" اس کی بات پر نمل بھی سنجیدہ ہوتے ہوئے کہنے لگی۔

"ہاں خرم ہم دونوں کی ذات ہر دوسرے دن کینٹین، لائبریری اور کیمپس میں بحث و تنقید کا نشانہ بن رہی ہوتی ہے اب ایسا کچھ نہیں ہونا چاہیے۔" نمل نے کوئی التجا نہیں کی تھی بس مشورہ دے رہی تھی جس سے خرم پوری طرح متفق تھا تب ہی ٹھوس لہجے میں بولا۔

"مجھ پر بھروسہ رکھو ایسا کچھ نہیں ہوگا پچھلے کچھ عرصے سے ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے جس طرح اجنبی بنے ہوئے تھے آگے بھی ہم ایسے ہی رہیں گے تاکہ ہمارے بیچ محبت کو کوئی غلط رنگ نہ دے سکے۔" خرم کا یقین دہانی کرتا لہجہ نمل کو اندر تک پرسکون کرگیا اس نے بغیر کچھ کہے مسکراتے ہوئے فون بند کردیا۔

☼ ☼ ☼
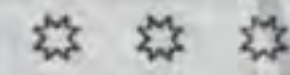
کہتے ہیں خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ رومیلہ گھر میں پھیلی جامد خاموشی کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے بھی یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ یہ کون سی تباہیاں لانے والے طوفان کی آمد ہے۔

نانی اماں اور بریرہ کے جانے کے بعد سے اس کا الیان سے سامنا نہیں ہوا تھا اسے یہ اندازہ تو ہوگیا تھا کہ رات کو وہ دونوں کافی دیر سے گھر آئے تھے اور آنے کے بعد ان دونوں کی شگفتہ غفار کے ساتھ کافی دیر تک کمرے میں بحث ہوتی رہی تھی۔

وہ ان کی گفتگو تو نہیں سن سکی تھی البتہ ریاض غفار کی آواز اور انداز ظاہر کررہے تھے کہ وہ شگفتہ غفار پر برہم ہورہے ہیں تب ہی یہ آوازیں نیچے اس کے کمرے تک آرہی تھیں۔ پھر بھی اس نے کان لگا کر سننے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

اگلے دن وہ مقررہ وقت سے پہلے ہی یونیورسٹی کے لیے نکل گئی تاکہ کسی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ یونیورسٹی پہنچ کر وہ کچھ دیر کے لیے اپنے سارے مسائل بھول گئی۔

نمل نے اپنے اور خرم کے متعلق جو بتایا اس نے رومیلہ کو اتنی خوشی دی کہ اس نے دانستہ اپنے گھر میں ہوئے ہنگامے کا ذکر سنبل اور نمل سے نہیں کیا۔

سنبل بھی اس کی طرح بہت خوش تھی اور وہ اپنے گھر کا تذکرہ کرکے اپنے ساتھ ساتھ ان دونوں کی بھی خوشی غارت نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اس دن بہت دنوں بعد ان تینوں نے مل کر بہت انجوائے کیا پھر یونیورسٹی سے سنبل اور رومیلہ دونوں نمل کے گھر آگئیں۔

نمل یہ سب رشیدہ کو بتانا چاہتی تھی، مگر کہہ نہیں پارہی تھی وہ رشیدہ سے اتنی بے تکلف تھی کہ شرمانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا البتہ اسے یہ ضرور علم تھا کہ رشیدہ، عظمت خلیل کے رد عمل کے متعلق سوچ کر بری طرح پریشان ہوجائیں گی اور بس یہی فکر اسے رشیدہ کو کچھ بھی بتانے سے روک رہی تھی۔

ورنہ وہ تو جب سی ویو سے واپس آئی تھی تب ہی رشیدہ کے کمرے میں جاکر سب بتادینا چاہتی تھی۔

سنبل اور رومیلہ نے جب اس کی پریشانی کا سنا تو ان دونوں نے فیصلہ کیا کہ وہ بھی نمل کے ساتھ اس کے گھر چلتی ہیں تاکہ انہیں جھوٹی سچی تسلی دے کر کسی طرح قائل کرلیں کہ

عظمت خلیل کوئی اعتراض نہیں کریں گے، نمل موقع دیکھ کر بات کرے گی اور سب ٹھیک ہوجائے گا۔

حالانکہ انہیں خود بھی پتا تھا سب ٹھیک ہونا اتنا آسان نہیں، لیکن ابھی وہ نمل کی طرف سے اتنا خوش تھیں کہ کوئی پریشان کن سوچ اپنے قریب بھی نہیں آنے دینا چاہتی تھیں۔

نمل کے گھر جاتے وقت رومیلہ نے صرف الیان کو میسج کردیا تھا کہ وہ اپنے ماموں کے گھر جارہی ہے اسے واپسی میں دیر ہوجائے گی۔ جس کے جواب میں الیان نے بھی محض "اوکے" لکھ دیا تھا۔

وہ الیان کو فون نہیں کرنا چاہتی تھی جس طرح اس نے الیان کے ساتھ شاپنگ پر جانے پر باتیں سنی تھیں اس کے بعد فطری طور پر وہ الیان سے تھوڑا سا کھنچ گئی تھی۔

الیان سب کچھ جان تو گیا ہوگا شگفتہ غفار کا تماشا کرنا بریرہ اور نانی اماں کا اچانک چلے جانا یہ سب دیکھ کر پتا نہیں اس کا کیا رد عمل رہا ہوگا۔

پتا نہیں شگفتہ غفار نے الیان کے سامنے رومیلہ کو کن کن الفاظ اور القابات سے نوازا ہوگا اور وہ سب سننے کے بعد نہ جانے الیان اس کے بارے میں کیا سوچ رہا ہوگا۔

بس یہی سب سوچتے ہوئے اسے الیان کا سامنا کرتے ہوئے جھجک ہورہی تھی ورنہ اس کا شدت سے دل چاہ رہا تھا کہ الیان سے پوچھے نانی اماں اور بریرہ کے گاؤں پہنچنے کے بعد کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا۔ اماں نے وہاں جاکر بریرہ سے اس بابت کوئی بازپرس تو نہیں کی۔

لیکن فی الحال وہ الیان سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی، مگر اس سے گریزاں ہونے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ اتنی غیر ذمہ دار ہوجاتی کہ یونیورسٹی سے اٹھ کر کہیں بھی چلی جاتی اور کسی کو اطلاع بھی نہ دیتی۔

نمل کے گھر پر توقع کے عین مطابق رشیدہ سب جان کر بہت پریشان ہوگئیں، مگر سنبل اور رومیلہ نے بہت جلد باتوں سے انہیں بہلالیا کم از کم وقتی طور پر ان دونوں نے ماحول کچھ ایسا بنادیا تھا کہ وہ صرف نمل اور خرم کے متعلق سوچ کر خوش ہوگئی تھیں آگے کیا ہوگا یہ تو وہ دونوں بھی نہیں جانتی تھیں۔

نمل کے گھر سے اسے آتے آتے مغرب ہوگئی تھی۔ وہ گھر میں داخل ہوئی تو اسے کوئی بھی نظر نہیں آیا تو وہ سیدھی اپنے کمرے میں گھس گئی ایک بار پھر اس نے الیان کو محض میسج کرکے اپنے گھر لوٹ آنے کی اطلاع دی تھی اور ایک بار پھر الیان کا محض "اوکے" لکھا آگیا تھا۔

اگلے دن بھی وہ صبح صبح جلدی گھر سے نکل گئی حالانکہ آج اسے امید تھی کہ شگفتہ غفار اس کی کل سارا دن کی غیر حاضری پر ایک جھاڑ پلانے اس کے سامنے ضرور آئیں گی، لیکن وہ بھی شاید خود کو کمرے تک محدود کرچکی تھیں جب ہی اپنے مقررہ وقت پر گھر آنے پر بھی وہ اسے نظر نہ آئیں اور پھر جب تیسرا دن بھی ایسے ہی گزر گیا تب رومیلہ کو عجیب گھبراہٹ سی ہونے لگی۔

وہ یونیورسٹی سے کچھ نہ کچھ کھا کر آتی تھی تاکہ رات کو کھانا کھانے کی ضرورت نہ پڑے، لیکن پچھلے تین دنوں سے ریاض غفار نے اسے کھانے پر بلایا بھی نہیں تھا پہلے دو دن تو اسے خوشی ہوئی تھی کہ اسے انکار نہیں کرنا پڑا، لیکن تیسرے دن اسے کمرہ بند کیے بیٹھے رہنا معیوب لگنے لگا اسے خود باہر نکل کر گھر کے چھوٹے موٹے کام کرنے چاہئیں جیسے۔ کھانا گرم کرکے لگانے اور سمیٹنے کا کام وغیرہ۔

مگر تین دن سے کسی کا سامنا نہ ہونے کے باعث اس کی جھجک اور بڑھ گئی تھی پھر بھی اس نے مصمم ارادہ کرلیا تھا کل صبح یونیورسٹی جلدی نہیں جائے گی بلکہ ناشتے کے وقت باہر آکر ناشتا وغیرہ لگانے میں سرداراں کی مدد کرے گی۔

ورنہ ہوسکتا تھا اس کے کمرہ بند کرکے بیٹھنے پر ریاض غفار اور الیان یہ سوچ رہے ہوں کہ اسے شگفتہ غفار کا انداز برا لگا ہے اور وہ اس لیے روٹھی ہے کہ وہ آکر اس سے معذرت کریں۔

حالانکہ اسے بلاشبہ شگفتہ غفار کا اس طرح بے عزت کرنا بہت برا لگا تھا، مگر وہ ان سے کسی معذرت کی خواہش مند نہیں تھی کیونکہ اسے معلوم تھا وہ کبھی بھی معافی نہیں مانگ سکتیں اور پھر جس طرح نانی اماں اور بریرہ اچانک چلے گئے تھے اس کے بعد تو وہ خود کو مظلوم ہی تصور کررہی ہوں گی۔ کیا پتا وہ یہ امید لگائے بیٹھی ہوں کہ رومیلہ کو ان کے پاس جاکر الیان کے ساتھ باہر جانے پر شرمندگی کا اظہار کرنا چاہیے اور ان سے معذرت کرنی چاہیے۔

مگر وہ چاہے جو بھی چاہتی ہوں رومیلہ کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ الیان کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں تھا جسے رومیلہ اپنے ساتھ لے جائے وہ خود اپنی مرضی سے گیا تھا اور چاہے شگفتہ غفار یقین کریں یا نہ کریں الیان ہی زبردستی اسے اپنے ساتھ لے کر گیا تھا اور پھر ان کے بیچ رشتہ بھلے ہی صرف کاغذی تھا، مگر شرعی اور اخلاقی لحاظ سے اس نے کوئی غلط کام نہیں کیا تھا جس پر اسے کسی کے سامنے صفائی دینی پڑتی۔

اگلی صبح وہ کسی نہ کسی طرح ہمت کرکے اس وقت کمرے سے باہر نکل آئی جب الیان اور ریاض غفار آفس کے لیے نکل رہے ہوتے ہیں سرداراں ٹیبل پر برتن لگا رہی تھی رومیلہ نے بھی اس کے نزدیک آکر اس کی مدد کرانی شروع کردی۔

جب رومیلہ چائے دم کرکے ٹیبل پر لے کر آئی عین اسی وقت الیان بھی وہاں آگیا اس پر نظر پڑتے ہی وہ کچھ ٹھٹک سا گیا۔ رومیلہ ایک نظر اس پر غیر ارادی طور پر ڈال کر خود کو بہت زیادہ مصروف ظاہر کرنے کی کوشش کرنے لگی تو الیان بھی چپ چاپ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

ابھی ریاض غفار اور شگفتہ غفار اپنے کمرے سے باہر نہیں آئے تھے اور رومیلہ نہیں چاہتی تھی کہ باہر آتے ہی ان دونوں پر یہ تاثر پڑے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں الیان کے ساتھ بیٹھی ناشتا کررہی تھی لہٰذا وہ کوئی کام نہ ہونے کے باوجود فوراً" کچن کی طرف پلٹ گئی اور پھر تب ہی باہر نکلی جب اسے ریاض غفار کی آواز سنائی دی۔

وہ الیان سے کچھ بات کررہے تھے رومیلہ پر نظر پڑتے ہی وہ بھی چونک اٹھے۔ رومیلہ نے عادت کے مطابق بڑی دھیمی آواز میں انہیں سلام کیا اور ایک کرسی پر بیٹھ کر سلائس اٹھا کر کترنے لگی۔

یہ اور بات تھی کہ اس کا ناشتا کرنے کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا، مگر وہ کم از کم دس منٹ ٹیبل پر رہنا چاہتی تھی اور اس کے لیے ایک کپ چائے کے ساتھ ایک سلائس لینا تو ضروری تھا۔

ریاض غفار نے بھی اسی کی طرح دھیمی آواز میں جواب دے کر اخبار اٹھالیا۔ کاش اخبار رومیلہ کے قریب ہوتا تو وہ بھی اس عجیب صورت حال سے آسانی سے چھٹکارا حاصل کرلیتی، مگر اب اس کے پاس سوائے سلائس اور کپ پر غور کرنے کے اور کوئی مصروفیت نہیں تھی۔

اس نے الیان کی جانب دیکھا نہیں تھا، مگر اسے اندازا ہوگیا تھا کہ الیان کی ناشتا کرنے رفتار بڑھ گئی تھی جیسے جلدی سے اٹھ جانا چاہتا ہو حالانکہ آج تو وہ وقت سے پہلے اتر آیا تھا ورنہ عموماً" تو وہ دیر ہونے کے ڈر سے جلدی جلدی ہی ناشتا کررہا ہوتا تھا اور ابھی اس کی چائے ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ شگفتہ غفار بھی وہاں آگئیں۔

رومیلہ کا سلائس اس وقت ختم ہوا تھا، مگر اب وہ فوراً" نہیں اٹھ سکتی تھی وہ چاہ رہی تھی کہ وہ بیٹھ کر ناشتا شروع کردیں پھر کچھ دیر بعد وہ اٹھ کر چلی جائے، مگر رومیلہ پر نظر پڑتے ہی وہ اپنی جگہ ساکت ہوگئی تھیں۔

اتنے دنوں سے اس کی شکل نظر نہیں آرہی تھی وہ کافی سکون محسوس کررہی تھیں اب اچانک اسے سامنے دیکھتے ہی ان کا حلق تک کڑوا ہوگیا تھا۔

اس لڑکی کی وجہ سے ان کی والدہ اور بیٹی دونوں ان سے ایسا ناراض ہوکر گئیں کہ پلٹ کر فون تک نہیں کیا۔ نانی اماں سے بات کرنے کی تو ان میں بھی ہمت نہیں تھی البتہ بریرہ سے انہوں نے گفتگو کرنی چاہی، مگر وہ بھی ان کی کال ریسیو نہیں کررہی تھی تب ریاض غفار نے انہیں بتایا کہ ان کی بات بریرہ سے ہوگئی ہے اور وہ تم پر شدید خفا ہے ابھی فی الحال اس سے بات مت کرو اس کا غصہ ٹھنڈا ہوجانے دو۔

نانی اماں سے بھی ریاض غفار نے بات کی تھی وہ تو ایسے تپاک سے پیش آئیں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو لہٰذا ریاض غفار کا خیال تھا اب اس موضوع کو نہ چھیڑنا ہی بہتر ہے۔

شگفتہ غفار کچھ دیر اپنی جگہ بے حس و حرکت ایستادہ رہیں۔ پھر ایسے گہرا سانس کھینچ کر کرسی پر آبیٹھیں جیسے خود پر جبر کرکے آئی ہوں، مگر جیسے ہی ان کی نظر الیان پر پڑی ان کے چہرے کے تاثرات ایک دم مناسب ہوگئے کیونکہ وہ بڑے غور سے ان کا مشاہدہ کررہا تھا۔

شگفتہ غفار کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر الیان کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ ابھر آئی جیسے کہہ رہا ہو۔

"آپ چاہے کتنے بھی دعوے کرلیں آپ خود کو اس سے نفرت کرنے سے روک نہیں سکتیں۔" شگفتہ غفار اس کی آنکھوں میں لکھی تحریر بخوبی پڑھ چکی تھیں۔

وہ اسے غلط ظاہر کرنے کے لیے رومیلہ کو مخاطب کرنے کا سوچنے لگیں، مگر ان کی سمجھ میں نہیں آیا وہ اس سے کیا بات کریں۔ انہوں نے سوائے طنز کے نشتر چلانے کے اور اس سے کبھی کوئی گفتگو کی ہی نہیں تھی، پھر اچانک اس سے کیسے بات کرتیں اور کیا کہتیں۔

وہ سوچتی ہی رہیں اور رومیلہ خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں بھی چلی گئی وہ ایسے دل مسوس کر رہ گئیں جیسے کوئی نادر موقع گنوا بیٹھی ہوں۔ انہوں نے چور نظروں سے الیان کی جانب دیکھا، مگر اب وہ متوجہ نہیں تھا بلکہ چائے کے سپ لینے میں مصروف تھا۔

انہوں نے الیان کو مخاطب کرنا چاہا، مگر جیسے دماغ ہی ماؤف ہوگیا تھا یا شاید کہنے کے لیے ان کے پاس کچھ بچا نہیں تھا اس لیے وہ صرف الیان کو دیکھ کر رہ گئیں۔ الیان اپنا ناشتا ختم کرکے اٹھ کر چلا گیا تو وہ ریاض غفار کو دیکھ کر کہنے لگیں۔

"میرا بہت دل چاہ رہا ہے گاؤں جاکر اماں اور بریرہ سے ملنے کا۔ کل اتوار ہے میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔" ریاض غفار نے ایک قہر برساتی نظر شگفتہ غفار پر ڈالی اور دوبارہ اخبار پڑھنے میں مصروف ہوگئے۔

شگفتہ غفار ان کے اس انداز پر سلگ کر رہ گئیں تب ہی تنک کر بولیں۔

"اگر آپ نہیں جانا چاہتے تو میں ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤں۔"

"ہاں تاکہ جو یہاں نہیں ہوسکا وہ وہاں گاؤں میں ہوجائے۔" ریاض غفار نے تپ کر اخبار ایک طرف پھینک دیا۔

"کیا مطلب۔" وہ سمجھ نہ سکیں۔

"جب اپنی زبان پر قابو نہیں ہے تو کیا ضرورت ہے اماں سے ملنے جانے کی تاکہ وہاں کوئی بات ہو اور تم ایک بار

پھر پھٹ پڑو۔

اب جبکہ اماں کو شک ہو چکا ہے تو تمہارا ان سے ملنا کسی صورت میں بھی ٹھیک نہیں' بہتر یہی ہے کہ خاموشی سے اپنے گھر میں پڑی رہو۔" شگفتہ غفار' ریاض غفار کے اس قدر خائف ہو کر کہنے پر بری طرح تپ گئیں۔

انہوں نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ ریاض غفار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے شگفتہ غفار کی جانب دیکھے بغیر وہ جس طرح آگے بڑھے تھے وہ شگفتہ کے لیے خاموش رہنے کی بڑی کھلی تنبیہہ تھی۔

وہ محض پیچ و تاب کھا کر رہ گئیں۔

✲ ✲ ✲

رومیلہ یونیورسٹی سے گھر لوٹی تو ایک دم جیسے اس پر بری طرح تھکن طاری ہو گئی کچھ دیر کے لیے اس ماحول اور جمود سے نکل کر اسے واقعی بڑا سکون ملتا تھا پھر جب سے خرم اور نمل کے بیچ خاموش دوستی ہو گئی تھی تب سے وہ تینوں اپنی پڑھائی کو پہلے سے بھی زیادہ دلچسپی اور سنجیدگی سے آگے بڑھا رہی تھیں۔

لیکن گھر لوٹتے ہی جیسے جسم سے جان نکلنے لگی تھی۔ شگفتہ غفار کا سامنا کرنے کے خیال سے اسے گھبراہٹ ہونے لگی تھی اسی لیے وہ گھر میں داخل ہوتے ہی بڑی تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگی مبادا شگفتہ غفار سے ٹکراؤ نہ ہو جائے۔

اور ایسا کرتے ہوئے اس کے دل سے شدت سے خواہش ابھری کہ کسی طرح اس ذلت اور بے عزتی سے اس کی جان چھوٹ جائے حالانکہ اس خواہش کے پیچھے کوئی لائحہ عمل نہیں تھا یعنی اسے یہ علم نہیں تھا کہ وہ ایسا کیا کرے کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے بلکہ وہ کسی معجزے کا انتظار کر رہی تھی۔

اور پھر واقعی ایک معجزہ ہو گیا اس کی خواہش تو پوری ہو گئی' مگر اسے یہ علم نہیں تھا کہ اس کے لیے اسے بہت بڑی قیمت چکانی پڑے گی۔

وہ اپنی کتابوں میں ہی غرق تھی جب کوئی چھ بجے کے قریب اس کے کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک کی آواز ابھری۔

رومیلہ سمجھی سرداراں ہو گی اس نے فوراً" آنے کی اجازت دے دی۔ دروازہ کھول کر الیان کو اندر آتا دیکھ کر رومیلہ حیران رہ گئی۔

وہ شاید آج آفس سے جلدی گھر آگیا تھا بلکہ اسے کریم کلر کے شلوار قمیص میں ملبوس دیکھ کر صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے گھر آئے کافی دیر ہو گئی ہے۔

رومیلہ کچھ دیر حیرانی سے اسے دیکھتی رہی پھر اچانک گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"آ۔ آپ یہاں کیوں آئے ہیں اگر آپ کی والدہ کو پتا چل گیا تو قیامت آجائے گی۔" رومیلہ کا لہجہ اتنا گھبرایا ہوا اور بے ساختہ تھا کہ الیان محض اسے دیکھتا رہ گیا۔

"آپ پلیز یہاں سے چلے جائیں اب میں مزید کوئی الزام برداشت نہیں کر سکتی۔" رومیلہ کا انداز بے انتہا تلخ ہو گیا تھا۔

الیان کو اپنے کمرے میں دیکھ کر پہلا خیال اسے یہی آیا تھا کہ وہ اس سے معذرت کرنے آیا ہے اس دن وہ الیان کے ساتھ شاپنگ پر جانے کے لیے بالکل تیار نہیں تھی وہ اسے زبردستی لے گیا تھا۔

جب اسے پتا چلا ہو گا کہ اس شاپنگ کو لے کر گھر میں اتنا ہنگامہ ہوا ہے تو وہ شرمندہ ہو کر صفائی دینے چلا آیا۔ اسی لیے رومیلہ اتنی تلخ ہو گئی کہ بھلا الیان کے شرمندہ ہونے یا معذرت کرنے سے کیا اس کی جو بے عزتی ہوئی

ہے یا جو کچھ اس نے اپنے متعلق سنا ہے اس کی تلافی ہو جائے گی۔
تو پھر وہ کیوں آیا ہے اور وہ بھی اتنی تاخیر سے اگر اسے اپنی ماں کی طرف سے معافی مانگنی تھی تو اسے اسی رات رومیلہ کے پاس آنا چاہیے تھا۔
وہ کھولتے ذہن کے ساتھ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ الیان نے گلا کھنکھارتے ہوئے کہنا شروع کیا۔
"ممی اپنے کمرے میں آرام کر رہی ہیں وہ عموماً" اس وقت اپنے کمرے سے باہر نہیں آتیں ان کے ٹی وی سیریل شروع ہوتے ہیں جنہیں وہ کمرے میں ہی بیٹھ کر دیکھتی ہیں۔"
"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ اس وقت کہاں ہیں۔ وہ چاہے جہاں بھی ہوں گھر میں جہاں جو بھی ہوتا ہے انہیں ہر چیز کی خبر مل جاتی ہے۔" رومیلہ نے چبا کر کہا تو فوری طور پر الیان کچھ نہ بولا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے گہری سانس کھینچ کر ایسے بولا جیسے بڑی لمبی گفتگو کا ارادہ رکھتا ہو۔
"جو کچھ ہوا بہت برا ہوا۔ مجھے ممی کے رویّے پر شدید افسوس ہے۔ میں چاہتا تھا کہ میں ان کی طرف سے تم سے معذرت کر لوں۔
مگر مجھے پتا ہے میرے معافی مانگنے سے تمہیں کوئی تسلی نہیں ہوگی۔ جو کچھ تم نے سنا ہے اس کی تلافی میں نہیں کر سکتا۔ بلکہ ممی بھی اگر آ کر تم سے معافی مانگ لیں تو بھی تمہاری تکلیف کا مداوا نہیں ہو سکتا۔" الیان کے انکساری سے کہنے پر رومیلہ سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔
ابھی کچھ دیر پہلے وہ خود بھی یہی سوچ رہی تھی۔ اب ہو بہو الیان کے منہ سے وہی جملے سن کر اسے لگا الیان پر بگڑنے کا بھلا کیا فائدہ۔ اسے احساس تو ہے۔ مگر وہ بھلا کر ہی کیا سکتا ہے۔
جبکہ رومیلہ کو خاموش دیکھ کر الیان اس کی سائیڈ ٹیبل پر رکھے کلینڈر کو اٹھا کر اس کے صفحے الٹ پلٹ کرتے ہوئے کہنے لگا۔
"ممی کی طرف سے معافی مانگنا اس لیے بھی بے کار ہے کہ وہ اپنے کیے پر شرمندہ نہیں ہیں۔ انہوں نے جو کچھ اس دن کیا ہے وہ وہی سب دوبارہ کر سکتی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ بار بار ایسا کرتی رہیں گی۔
تم خاموشی سے ایک بار ان کی ساری زہر سے بھری باتیں پی گئیں۔ لیکن آخر کب تک؟ ایک دن تم بھی پھٹ پڑو گی اور بالفرض ایسا نہیں بھی ہوتا تو بھی یہ کوئی حل نہیں کہ تم جھگڑا نہ ہو یا سوچ کر ان کا ہر جائز ناجائز الزام سنتی اور سہتی رہو۔
میں چاہتا ہوں تمہارے صبر کو آزمانے اور اس گھر کے سکون کو ختم کرنے کے بجائے اس مسئلے کو ہمیشہ کے لیے حل کر دوں۔" رومیلہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔
کیا الیان کے پاس اس مسئلے کا کوئی حل ہے۔ اگر ہے تو کیا حل ہو سکتا ہے۔
ایک بار پہلے بھی اس کی گفتگو سے رومیلہ کو لگا تھا۔ جیسے وہ ان روز روز کے ہنگاموں کو ختم کر دینا چاہتا ہے اور آج پھر اس کے چہرے پر ایک عزم لہرا رہا تھا۔ جیسے وہ سب سوچ کر مطمئن ہو چکا ہو۔
رومیلہ قدرے بے چینی سے اسے دیکھنے لگی کہ وہ آگے کیا کہنے والا ہے۔ مگر وہ تو جیسے بول کر خاموش ہو گیا اور مختلف ممالک کے تاریخی مقامات پر مبنی تصویروں والا کلینڈر بغور دیکھنے لگا تھا۔
آخر رومیلہ سے ضبط نہ ہوا تو اسے خود ہی پوچھنا پڑا۔
"تو پھر آپ نے کیا سوچا ہے؟" الیان کچھ چونک سا گیا۔ وہ کلینڈر پر سے نظریں ہٹا کر رومیلہ کو دیکھنے لگا جو منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی اور تب رومیلہ کو احساس ہوا کہ وہ محض کلینڈر کو نہیں دیکھ رہا۔ بلکہ جو بات کہنے جا رہا ہے اسے کہنے کے لیے الفاظ ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا ہے۔

رومیلہ کا دل جیسے کسی خطرے کے پیش نظر زور زور سے دھڑکنے لگا۔
الیان اتنا بے وقوف نہیں تھا جو یہ امید لگا کر بیٹھتا کہ ماں کو وہ سمجھائے گا یا رومیلہ اپنے صبر اور استقامت سے ان کے اندر اپنی جگہ بنا لے گی۔ شگفتہ غفار وہ عورت ہی نہیں تھیں جنہیں بدلا جا سکے تو پھر الیان کیا سوچ بیٹھا تھا۔
یہ سوال "کیا" رومیلہ کے ذہن میں اتنی بری طرح چکر کھانے لگا کہ رومیلہ کو خود چکر آنے لگے۔ وہ غیر ارادی طور پر تھوڑا سا پیچھے ہٹ کر دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی جیسے بغیر سہارے کے اس کے لیے کھڑا ہونا مشکل ہو گیا ہو۔
"میں نے سوچا نہیں ہے بلکہ فیصلہ کر لیا ہے۔ تمہارے بھائی نے تمہیں اس زبردستی کے بندھن میں باندھ کر بہت بڑا ظلم کیا تھا اور میں نے تمہیں یہاں لا کر اپنے گھر والوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر اس سے بھی بڑا ظلم کیا ہے۔" الیان آگے بھی کچھ کہنے والا تھا کہ رومیلہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے تیزی سے کہا۔
"آپ نے مجھ پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ آپ نے وہی کیا جو ان حالات میں کوئی بھی کرتا آپ کو اس شادی پر مجبور کیا گیا تھا۔ آپ نے یہ فیصلہ کوئی اپنی مرضی سے نہیں کیا تھا۔"
"نکاح چاہے مجبوری میں کیا جائے یا مرضی سے وہ ایک ذمہ داری ہے۔ جسے خوش اسلوبی سے نبھانا چاہیے اور اگر کوئی شخص ایسا نہیں کر سکتا تو اسے اس رشتے کو ختم کر دینا چاہیے۔ تاکہ دوسرے کی زندگی کو ناسور بنا کر رکھ دے۔" الیان نے بڑے ٹھوس لہجے میں کہا تو رومیلہ کا دل کسی انجانے خدشے کے تحت سوکھے پتے کی طرح کانپنے لگا۔
اس کا وجدان کہہ رہا تھا الیان آگے کوئی بہت بری خبر سنانے والا ہے۔ اس کا لاشعور اسے ابھی سے آگاہ کرنے لگا تھا کہ اس کا فیصلہ کیا ہوگا۔
مگر اس کا دل کسی طور ماننے بلکہ کچھ سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہو رہا تھا اور ایک ہی تکرار کر رہا تھا۔
الیان ایسا کچھ نہیں کرے گا۔
وہ اس رشتے کو ختم نہیں کر سکتا۔
وہ ضرور کوئی مناسب حل ڈھونڈ کر لایا ہے۔
جس کے بعد ان سب کی زندگیوں میں سکون آ جائے گا۔
اس کا دل اسے تاویلیں دیتا رہا اور الیان نے قمیص کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک خاکی رنگ کا لفافہ نکال لیا۔
رومیلہ کی سانس تک تھم گئی تھی۔ وہ پلک جھپکائے بغیر ساکت نظروں سے الیان کو دیکھے گئی جو خود بھی لفافہ ہاتھ میں پکڑے ایسے کھڑا تھا جیسے آگے بولنے کی ہمت نہ ہو رہی ہو۔ پھر بھی آخر اسے کچھ کہنا تو تھا۔ وہ بڑی گمبھیر مگر دھیمی آواز میں کہنے لگا۔
"میں ابرار کے ڈر سے اس رشتے کو اب مزید نہیں گھسیٹ سکتا اس طرح تمہیں ٹارچر کر کے اور سارے گھر کو ذہنی کرب میں مبتلا کر کے ہم بریرہ کے فیوچر کو سیکیور نہیں کر سکتے۔
اگر اس راز کو کھلنا ہے تو ابرار کیا۔ خود بریرہ ہی ایک دن سب کچھ حامد کو بتا دے گی۔ اس طرح خوف پر مبنی زندگی نہیں گزاری جا سکتی۔ یہی سب سوچتے ہوئے میں نے یہ فیصلہ لیا ہے۔" الیان نے لفافہ اس کی جانب بڑھا دیا جو بت بنی الیان کو دیکھ رہی تھی۔
"شاید تم سمجھ گئی ہو۔" جب اس نے کافی دیر تک لفافہ پکڑنے کے لیے ہاتھ آگے نہیں بڑھایا تو الیان نے پاس پڑی سائیڈ ٹیبل پر لفافہ رکھتے ہوئے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تم بہت سمجھ دار ہو تمہیں باقاعدہ بٹھا کر کوئی بات سمجھانے کی ضرورت نہیں ہوتی تم خود ہی صورت حال کو پرکھ کر نتائج اخذ کر لیتی ہو۔ یہ طلاق کے کاغذات ہیں۔" رومیلہ واقعی سمجھ گئی تھی۔ پھر بھی الیان کے کہنے پر اسے لگا کمرے کی چھت اس کے سر پر گر گئی ہو۔

اتنا شور چاروں طرف برپا تھا کہ الیان کی آواز ہی نہیں آسکی تھی جو کہہ رہا تھا۔

"اس میں تمہارے حق مہر کا چیک بھی ہے۔ اس کے علاوہ بھی اگر تم اس گھر سے کوئی چیز لے جانا چاہو تو کوئی بھی لے جا سکتی ہو اب تو ممی کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور اگر ہو بھی تو تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارے بیچ ایک کاغذی رشتہ تھا جو آج ختم ہو گیا۔ لیکن انسانیت کا جو رشتہ ہمارے بیچ روز اول سے موجود ہے وہ جوں کا توں برقرار رہے گا۔

تمہیں میری جب اور جیسی بھی مدد کی ضرورت ہو تم بلا جھجک۔ مجھ سے رابطہ کر سکتی ہو۔ مجھے اندازہ ہے تمہارے گھر پر ابرار اور تمہارے والد کا رد عمل بھی خاصا دشوار ہوگا تمہارے لیے۔

اس معاملے میں اگر میں تمہاری کوئی ہیلپ کر سکا تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔ میں تمہیں چھوڑنے تمہارے گھر نہیں جاؤں گا۔ فی الحال میرا ان لوگوں سے ملنا مناسب نہیں۔

ہاں تمہارے والد سے بات کرنے کے لیے میں تیار ہوں۔ انہیں جو بھی کہنا سننا ہو وہ مجھ سے فون پر بات کر سکتے ہیں۔ بلکہ تم کہو تو میں خود انہیں فون کر لوں گا۔" رومیلہ پتھرائے ہوئے انداز میں کھڑی تھی۔

الیان کو اندازا تو ہو گیا تھا کہ اسے شدید قسم کا شاک لگا ہے۔ اسی لیے اس کی پریشانی کو کم کرنے کے لیے وہ ایک کے بعد ایک بات کیے جا رہا تھا۔

مگر اس کی کسی تسلی سے رومیلہ کے انداز میں کوئی فرق نہیں آ رہا تھا۔ وہ ہنوز فق چہرے کے ساتھ بے جان آنکھیں الیان پر مرکوز کیے دیوار سے لگی کھڑی رہی۔

آخر بولتے بولتے الیان کو لگا جیسے اس کے پاس کہنے کے لیے الفاظ ختم ہو گئے ہوں پھر بھی وہ کچھ دیر منتظر رہا کہ شاید رومیلہ اس سے کچھ کہنا چاہے کچھ پوچھنا چاہے۔

مگر رومیلہ کو تو کچھ پوچھنا ہی نہیں تھا۔ اب رہا ہی کیا تھا جسے بچانے کے لیے بات کی جاتی۔

سب تو ختم ہو گیا تھا۔

الیان کون سا اس سے مشورہ مانگنے یا رائے لینے آیا تھا۔

وہ تو اپنا فیصلہ سنانے آیا تھا۔

ایک ایسا فیصلہ جس پر وہ عمل کر چکا تھا۔

اب تو صرف اس فیصلے کے نتائج بھگتنے تھے۔

الیان اور اس کے گھر والے تو شاید پُرسکون ہونے والے تھے۔ لیکن اس کی زندگی اور اس کے گھر والوں کا رد عمل اب کن طوفانوں سے گزرے گا۔ اس کا وہ کچھ اندازا نہیں لگا سکتی تھی۔

ابرار بھائی کہنے کو تو بہت ضدی تھے۔ اگر رومیلہ ان کے سامنے جا کر بین کرنے والے انداز میں رونا دھونا مچاتی اور الیان کے اس فعل کو ان کے لیے بے عزتی گردانتی تو وہ یقیناً" اشتعال میں آکر بریرہ کے اغوا کی کہانی کھول دیتے۔

لیکن رومیلہ کا تو ایسا کوئی ارادہ ہی نہیں تھا۔ ایک تو بریرہ کو برباد کرنے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ دوسرا الیان کو کسی قسم کی شرمندگی اور ذلت کا سامنا کرنا پڑے۔ یہ بھی اسے منظور نہیں تھا۔ بلکہ کبھی کبھی تو اسے لگتا کہ الیان کی خوشی کی خاطر اسے اگر جان بھی دینی پڑے تو وہ اس سے بھی گریز نہ کرے۔

پھر ابرار بھائی چاہے جتنے بھی ضدی ہوں وہ انتہائی درجے کے خود غرض انسان تھے۔ انہوں نے اس وقت الیان کو نیچا دکھانے کے لیے بریرہ کو بھلے ہی اغوا کر لیا تھا۔ مگر اب جبکہ وہ سب جیل کی سلاخوں کے پیچھے تھے۔ وہ الیان سے بدلہ لینے کے لیے اغوا جیسے گھناؤنے جرم کا اعلان ہرگز نہیں کریں گے۔

انہیں بھی علم تھا۔ الیان اور اس کے گھر والے اگر خاموش ہیں تو محض اس لیے کہ وہ اس راز کے کھل جانے سے خوف زدہ ہیں۔ اگر ایک بار یہ راز کھل گیا اور بریرہ کی سسرال والوں کو سب پتا چل گیا۔ پھر وہ بھی نڈر ہو کر ابرار سے بدلہ لے سکتے ہیں۔

عین ممکن ہے الیان "ابرار کے خلاف قانونی چارہ جوئی بھی کر لے۔ ابھی تو بدنامی کا ڈر اسے کچھ کرنے نہیں دیتا ایک بار اگر بدنامی ہو گئی۔ پھر کوئی چیز اس کے جلال کو روک نہیں سکے گی۔

"رومیلہ۔" اسے بالکل سن کھڑا دیکھ کر الیان نے بڑے دھیمے سے اسے پکارا۔ اس نے محض ایک بار پلک جھپکائی۔ مگر اس کے وجود میں تب بھی کوئی جنبش نہیں ہوئی۔

"رومیلہ یہ سب تمہارے لیے یقیناً" بہت مشکل ہوگا۔ مگر اس ایک مشکل مرحلے سے گزرنے کے بعد آگے تمہاری زندگی میں بہت سکون ہو جائے گا۔

تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ ممی کے اس جاہلانہ رویے کی تم بالکل مستحق نہیں ہو۔ لیکن جب تک تم یہاں رہو گی تمہاری زندگی ایسے ہی کانٹوں پر گزرتی رہے گی۔

ابرار کے کسی بھی فعل کی وجہ سے تمہارے ساتھ ناروا سلوک رکھنا۔ کسی طور جائز نہیں۔ تم پوری عزت اور احترام کے قابل ہو۔

کچھ عرصہ لوگوں کی باتیں اور سوال برداشت کرنا تمہیں بہت کٹھن لگے گا۔ لیکن پھر تم اپنی زندگی نئے سرے سے شروع کر سکو گی اور تب تمہیں احساس ہوگا کہ یہ فیصلہ کس قدر برحق اور بروقت تھا۔

میں یہ فیصلہ لینے میں جتنی تاخیر کرتا تمہیں آگے اتنی مشکل ہوتی۔ ابھی تمہارے پاس وقت ہے۔ تم نئی زندگی کا آغاز کر سکتی ہو۔" الیان بہت میٹھے انداز میں اسے سمجھا رہا تھا۔ رومیلہ کے حلق میں آنسوؤں کا گولہ بننا شروع ہو گیا۔ الیان وہ کہہ رہا تھا جو اسے بظاہر نظر آ رہا تھا۔

ایک زبردستی کے رشتے کو طول دینے کے بجائے اس کی ڈور توڑ دینا ہی سمجھ داری تھی۔ تھوڑے سے مسائل کے بعد آگے واقعی سب ٹھیک ہو جاتا تھا۔

لیکن یہ رشتہ اس کے لیے زبردستی کا تھا ہی کب۔ وہ تو اپنی پوری ایمان داری سے اس رشتے کو نبھانا چاہتی تھی اور نبھا رہی تھی۔ سانسوں کی ڈور توڑنا اس کے نزدیک اس رشتے کو توڑنے سے زیادہ آسان تھا۔

اس کے ساتھ صرف الیان کا نام لگا ہوا تھا۔ لیکن اس نام کے چھوٹنے سے اسے تو زندگی ختم ہوتی لگ رہی تھی۔

الیان اسے نئی زندگی شروع کرنے کے مشورے دے رہا تھا۔ کچھ دنوں کی تکلیف کے بعد آگے کی زندگی میں آسانی اور راحت کی یقین دہانی کرا رہا تھا۔

اسے کیا خبر رومیلہ کی زندگی اور اس کی راحتیں سب تو الیان سے وابستہ تھیں۔ اس نے رومیلہ کو خود سے الگ کر کے اس کے اندر سے جینے کی خواہش ہی چھین لی تھی تو پھر کیسی آسانی اور کہاں کی راحتیں۔

رومیلہ بدستور اپنی جگہ ساکت کھڑی رہی تو الیان ایک نظر اس پر ڈال کر واپسی کے لیے مڑ گیا۔

رومیلہ چپ چاپ اسے اپنے کمرے سے جاتا دیکھتی رہی اور جب وہ کمرے سے نکل گیا تو جیسے سارا منظر ہی دھندلا گیا۔ وہ پانی جو اس کے اندر جمع تھا۔ وہ آنکھوں کے راستے باہر نکلنا شروع ہو گیا۔ وہ کتنی دیر اپنی جگہ کھڑی بے

آواز روتی رہی۔

اب اس کا دل چاہ رہا تھا وہ الیان کو روک کر اسے بتاتی تو سہی کہ وہ کون سے نئے آغاز کی بات کر رہا ہے۔ اس زندگی کا تو الیان نے خود اپنے ہاتھوں سے اختتام کر دیا تھا۔

جس طرح ابرار بھائی نے فیصلہ کرتے وقت اس سے مشورہ کرنا تو در کنار اسے مطلع کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔ ٹھیک اسی طرح الیان نے بھی ساری قانونی کارروائی کر لینے کے بعد لفافہ لا کر اسے تھما دیا۔

ایک بار بھی جو اسے بلا کر اپنے ارادوں کے متعلق بتایا ہوتا۔ اس سے مشورہ کیا ہوتا۔ اس کی رائے لی ہوتی۔ شاید وہ پاؤں پکڑ لیتی اس کے آگے ہاتھ تک جوڑ دیتی مگر اسے اس فیصلے سے باز رکھتی۔

وہ اسے یقین دلاتی کہ وہ گھر کے سکون کو کبھی تباہ نہیں ہونے دے گی۔ وہ یہاں سے چلی جائے گی — شگفتہ غفار کو اس کی شکل نظر آئے گی نہ وہ اسے برا بھلا کہیں گی۔ مگر الیان اپنے نام کو اس کے نام سے الگ نہ کرے۔ مگر اب تو کہنے کے لیے کچھ بچا ہی نہیں تھا۔ اب تو الیان کے اپنے ہاتھ میں بھی کچھ نہیں تھا۔ وہ چاہتا بھی تو کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ پھر بھلا رومیلہ کے گڑگڑانے سے کیا ہوگا۔

جانے کب تک رومیلہ ایسے ہی روتی رہتی کہ دروازے پر ابھرنے والی دستک نے اسے خود پر قابو پانے پر مجبور کر دیا۔ اس نے جلدی دوپٹے سے چہرہ صاف کیا اور تھوڑا سا دروازہ کھول کر باہر دیکھا تو سامنے سرداراں ہاتھ میں ٹرے لیے کھڑی تھی۔

وہ اس طرح کبھی اس کے کمرے میں ٹرے لے کر نہیں آئی تھی۔ رومیلہ کو قدرے حیرانی ہوئی۔ رونے کی شدت سے اس کی آنکھیں اور ناک سب بالکل سرخ ہو گئے تھے۔ سرداراں بھی اسے حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ رومیلہ کو گلا کھنکھارتے ہوئے اسے ٹوکنا پڑا۔

"یہ... یہ کیا ہے؟"

"الیان صاحب نے کہا کہ آپ کو چائے اور سینڈوچ دے دوں۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔"

"ہاں... ہاں میں ٹھیک ہوں یہ سب لے جاؤ۔ مجھے چائے نہیں پینی۔" پتا نہیں کیوں اسے الیان کا یہ فعل پسند نہیں آیا تھا۔ اسے بالکل ایسے لگا تھا جیسے کوئی سو کوڑے مارنے کے بعد مرہم بھیج دے کہ اپنے زخموں پر رکھ لو۔

رومیلہ یہ کہہ کر دروازہ بند کرنے لگی تو سرداراں تیزی سے بولی۔

"انہوں نے آپ کے لیے دوا بھی بھیجی ہے۔ کہا ہے کھانے کے بعد دوا لے کر سو جائیں۔ آپ کی طبیعت کافی خراب لگ رہی ہے۔ آپ اتنی جلدی تو نہیں سوتیں۔" سرداراں کچھ فکرمندی سے کہہ رہی تھی۔

رومیلہ غیر ارادی طور پر اسے دیکھے گئی۔

اب ان چیزوں پر اس کا کیا حق تھا جو وہ یہ سب کھا کر آرام کرنے لیٹ جاتی۔ اب اس گھر میں مزید ایک رات بھی گزارنا اسے قطعی گوارا نہیں تھا۔ اسی لیے اس نے بحث ختم کرنے کے لیے سرداراں کو کمرے میں آنے کی جگہ دے دی۔

اس نے ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی اور ایک بار پھر اس کی خیریت دریافت کرنے لگی۔

"کچھ نہیں ہوا ہے تھوڑی تھکن ہو گئی ہے۔ اس لیے انہوں نے دوا بھیج دی ہے۔" رومیلہ نے روکھے لہجے میں کہا تو اس کی ہمت نہ ہوئی مزید سوال کرنے کی۔ ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہہ دے آپ تھکی ہوئی تو نہیں لگ رہیں بلکہ برسوں کی بیمار لگ رہی ہیں۔ مگر وہ بغیر کچھ کہے خاموشی سے چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد رومیلہ کچھ دیر بھاپ اڑاتی گرم گرم چائے کو دیکھتی رہی۔ ایک بار پھر اس کی آنکھیں بہنے کے لیے بے قرار ہو گئی تھیں۔ مگر وہ بمشکل خود پر ضبط کر گئی۔

یہ رونے کا وقت نہیں تھا۔ پوری زندگی پڑی تھی۔ اس سانحہ پر ماتم کرنے کے لیے ابھی تو اسے فوراً یہاں سے جانے کی تیاری کرنی تھی۔

جب اس گھر میں رہنے کا کاغذی ہی سہی، حق وہ گنوا چکی تھی تو وہ کیوں بے غیرتوں کی طرح یہاں پڑی رہتی اور مفت کے لوازمات نوش فرمانے لگتی۔

الیان نے اسے اجازت دی تھی۔ وہ یہاں سے جو چاہے لے جا سکتی ہے۔ مگر اسے چیزوں کی ہوس کبھی بھی نہیں رہی تھی۔ البتہ اسے یہ پتا تھا کہ یہاں سے لوٹ کر اسے جہاں جانا ہے وہ کوئی اس کی ماں کا گھر نہیں ہے۔ بلکہ بھابھی کی جائے حکومت ہے۔

جب انہیں پتا چلے گا کہ وہ ہمیشہ کے لیے لوٹ آئی ہے تو وہ بھی دوسری شگفتہ غفار بن جائیں گی۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے ان کے آگے ہاتھ پھیلانے سے کہیں بہتر تھا کہ وہ یہاں سے وہ تمام چیزیں لے جائے جو وہ خود ہی لے کر آئی تھی۔

الماری کھولتے ہی اسے وہ کپڑے بھی نظر آئے جو الیان نے اسے یونیورسٹی جانے کے لیے دلائے تھے۔ اس کی زندگی کے چند یادگار دنوں میں سے وہ ایک دن تھا جب اس نے الیان کی سنگت میں چند گھنٹے گزارے تھے۔ مگر کتنے مہنگے پڑے تھے وہ چند گھنٹے اسے۔ ان چیزوں کے عوض شگفتہ غفار نے کس بری طرح اس کی عزت نفس کو مجروح کیا تھا۔

ایک بار پھر اس کی آنکھیں جل تھل ہونے لگیں۔ ایک سیلاب اس کے اندر امڈ رہا تھا۔ جس پر وہ بڑی مشکلوں سے بند باندھے ہوئے تھی۔

اس نے بے دردی سے اپنی آنکھوں کو رگڑ کر الماری کا وہ پٹ بند کر دیا۔

حالانکہ دل مچل اٹھا تھا۔ الیان کی یاد کے طور پر ہی ان کپڑوں کو رکھ لینے پر۔ مگر اس نے دل کی اس معصوم خواہش کو بھی سختی سے کچل دیا۔

یہ کپڑے اس نے اپنی بیوی کو دلائے تھے۔ تاکہ اس کی بیوی چار لوگوں میں جائے تو اس کی عزت خراب نہ ہو۔ پھر ان کپڑوں کو وہ اب کیوں پہنتی، کچھ چیزوں پر شرعی اور قانونی طور پر حق ہوتا ہے۔ پھر بھی انسانی انا ان سے دستبردار ہونا ہی باعث تسکین سمجھتی ہے۔

رومیلہ کے اندر بھی جو طوفان اٹھ رہا تھا اس کے تحت وہ صرف وہ کر رہی تھی جو اس کی عزت نفس کے لیے اہم تھا۔ محض آدھے گھنٹے میں اپنی تمام چیزیں رکھ لینے کے بعد اس نے باتھ روم میں جا کر اچھی طرح منہ دھویا، ہاتھ سے بال ٹھیک کیے اور دوپٹہ قاعدے سے اوڑھتی وہ کمرے سے باہر آ گئی۔

اس کا ارادہ الیان کے پاس جانے کا تھا۔ تاکہ الیان ڈرائیور سے کہہ کر اسے گھر چھڑوا دے۔ مگر لاؤنج میں ہی خلاف معمول شگفتہ غفار اور ریاض غفار صوفوں پر براجمان تھے۔ وہ ٹھٹک کر اپنی جگہ رک گئی۔

آج بھی اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ ان کے سامنے سے گزر کر الیان کے کمرے تک چلی جاتی۔ حالانکہ اس کے دل میں آیا آج اگر شگفتہ غفار کچھ کہیں گی تو بھی کیا فرق پڑ جائے گا۔ آج کے بعد دوبارہ کون سا ان کا سامنا کرنا ہوگا جو ان کا لحاظ کیا جائے یا ان کی ناراضی کی پروا کی جائے۔

مگر شاید اسے ہی فطرت کہتے ہیں جسے انسان چاہے بھی تو نہیں بدل سکتا۔ وہ کشمکش و پیچ کے عالم میں کھڑی تھی کہ ریاض غفار کی نظر اس پر پڑ گئی۔ اس طرح اسے لاؤنج کے احاطے کے پاس ایستادہ دیکھ کر وہ بے اختیار بول اٹھے۔

"کیا بات ہے بیٹا۔ آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں۔" شگفتہ غفار نے بھی چونک کر اسے دیکھا۔ اس پر نظر پڑتے ہی

معمول کے مطابق ان کی تیوری پر بل پڑ گئے۔ فوراً" ان کے دل میں بدگمانی پیدا ہوئی تھی۔ جیسے وہ ان دونوں کی باتیں سننے کے لیے یہاں کھڑی ہے۔ حالانکہ وہ دونوں ایسی کوئی خاص بات بھی نہیں کر رہے تھے۔

ریاض غفار آج کچھ جلدی گھر آ گئے تھے۔ شگفتہ غفار بھی اتفاقاً" کمرے سے باہر نکلی تھیں اور ان کے جلدی آجانے کی وجہ پوچھ رہی تھیں کہ ادھر ادھر کی باتیں کرتے وہ دونوں وہیں بیٹھ گئے۔

"سب خیریت تو ہے رومیلہ۔" ریاض غفار اسے خاموش دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ رومیلہ نے بھلے ہی بہت دیر تک اپنی آنکھوں پر پانی ڈالا تھا۔ مگر پھر بھی اس کی آنکھیں اور چہرہ اس کے رونے کی چغلی کھا رہے تھے اور ریاض غفار اتنے بے حس نہیں تھے کہ یہ محسوس کر لینے کے بعد بھی اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے۔ وہ بے اختیار اس کے قریب چلے آئے تو رومیلہ نے جلدی جلدی پلکیں جھپک کر خود کو نارمل ظاہر کرنے کے لیے کہا۔

"ج... جی... سب خیریت ہے... وہ... میں... اصل میں... میں... یہ جاننا چاہ رہی تھی کہ... اگر ڈرائیور موجود ہے تو مجھے میرے گھر چھوڑ آئے۔" رومیلہ نے سوچا اب ریاض غفار سے ہی بات کر لینا زیادہ مناسب ہے۔

"کیوں کیا ہوا تمہارے گھر پر؟" ریاض غفار اس اچانک مطالبے پر اچنبھے کے ساتھ بولے۔

"نہیں میرے گھر پر تو کچھ بھی نہیں ہوا۔" رومیلہ فوراً" بولی۔

"تو پھر یہ اچانک تمہیں اپنے گھر جانے کا خیال کیوں آ گیا؟" جتنی حیرانی سے ریاض غفار نے پوچھا اتنی ہی حیرانی سے رومیلہ انہیں دیکھنے لگی۔

وہ سمجھ نہیں سکی کہ وہ انجان بن رہے ہیں یا واقعی کچھ نہیں جانتے' جبکہ رومیلہ کا اس طرح بغیر شگفتہ غفار سے اجازت لیے اپنے آپ فیصلہ کر لینے پر شگفتہ غفار بری طرح سلگ گئیں۔ اس پر سونے پر سہاگہ ریاض غفار کا اس کے لیے اتنا پریشان ہونا جلتی پر تیل کا کام کر گیا تھا۔

ریاض غفار' بریرہ کے جانے کی وجہ سے شگفتہ غفار سے کتنے ناراض رہے تھے اور جس لڑکی کی وجہ سے ساری بدمزگی ہوئی اس کے ساتھ ریاض غفار اتنی نرمی سے پیش آ رہے ہیں۔ بلکہ اس کے لیے اتنے پریشان ہو رہے ہیں۔

وہ رومیلہ کے جواب کا انتظار کیے بغیر حاکمانہ لہجے میں بولیں۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے اتنی رات میں اپنے گھر جانے کی۔ کل دن میں چلی جانا۔ بلکہ یونیورسٹی سے واپسی میں اپنے گھر اتر جانا۔" ریاض غفار کو ان کی مداخلت اور لب و لہجہ سخت ناگوار گزرا۔ پھر بھی وہ صرف انہیں پلٹ کر دیکھ کر رہ گئے۔ رومیلہ کے سامنے وہ انہیں کچھ کہنا نہیں چاہتے تھے۔ تب ہی اپنے غصے کو قابو میں رکھتے ہوئے بولے۔

"کل چھٹی ہے۔ ڈرائیور بھی نہیں آئے گا اور یہ یونیورسٹی بھی نہیں جائے گی۔ رومیلہ تم..."

"تو اپنے گھر سے کسی کو بلا لے۔ اگر اتنی بے چینی ہے جانے کی۔" شگفتہ غفار نے تنک کر ریاض غفار کی بات کاٹ دی اور اس سے پہلے کہ ریاض غفار کچھ بولتے رومیلہ سرد لہجے میں گویا ہوئی۔

"میرے گھر پر ابرار بھائی کے علاوہ کوئی ڈرائیونگ نہیں کرتا اور انہیں میں یہاں بلانا نہیں چاہتی۔"

ابرار کے نام پر وہ دونوں کچھ لمحوں کے لیے خاموش ہو گئے اور ان کی اسی خاموشی کا فائدہ اٹھائی رومیلہ واپس اپنے کمرے کی طرف پلٹ گئی۔

اس کے مڑتے ہی شگفتہ غفار بپھرے ہوئے انداز میں ریاض غفار کے پاس آ کر بولیں۔

"یہ بھلا کوئی طریقہ ہے ماں کے گھر جانے کا کہ جب اس کا دل چاہے گا منہ اٹھا کر چل پڑے گی۔ نہ مجھ سے پوچھا نہ مجھے بتایا اور..."

"وہ جاتی ہی کب ہے ماں کے گھر جو تم اتنا بگڑ رہی ہو۔ ویسے بھی مجھے لگ رہا ہے بات کچھ اور ہے۔" ریاض غفار نے اگلا جملہ بڑی دھیمی آواز میں کہا۔ کیونکہ رومیلہ اپنے کمرے سے واپس آ رہی تھی۔

ریاض غفار کے نزدیک آ کر اس نے ایک خاکی رنگ کا لفافہ ان کی جانب بڑھا دیا۔ ریاض غفار حیران پریشان سے کبھی رومیلہ کو اور کبھی لفافے کو دیکھنے لگے۔ آخر انہوں نے کوئی سوال پوچھنے سے بہتر سمجھا کہ لفافہ کھول کر دیکھ لیا جائے۔

جتنی تیزی سے انہوں نے کاغذ نکال کر پڑھنا شروع کیا تھا۔ اتنی ہی تیزی سے ان کے چہرے کا رنگ فق ہوتا چلا گیا۔ وہ سطور پر سے نظریں ہٹا کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے رومیلہ کو دیکھنے لگے۔ جس کی صرف آنکھوں کی سرخی کے علاوہ اس کے کسی انداز سے یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ وہ اتنے بڑے کرب سے گزر رہی ہے۔ اس کی برداشت نے ریاض غفار کو گنگ کر دیا تھا۔

رومیلہ تو سر جھکائے کھڑی تھی۔ جبکہ شگفتہ غفار' ریاض غفار کے ایک ایک انداز کا بڑی گہرائی سے مشاہدہ کر رہی تھیں۔

ریاض غفار کی طویل ہوتی خاموشی انہیں زچ کر گئی۔ وہ جھنجلا کر بولیں۔

"کیا ہے یہ؟ کوئی مجھے بھی کچھ بتائے گا۔" ریاض غفار کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ انہیں کن الفاظ میں اطلاع دیں۔ جبکہ شگفتہ غفار کو یہ اپنی سراسر بے عزتی لگی کہ وہ رومیلہ کے سامنے انہیں اس طرح نظر انداز کر رہے ہیں کہ ان کی بات کا جواب نہیں دے رہے۔ تب ہی وہ رومیلہ کو منظر سے ہٹانے کے لیے ڈپٹ کر بولیں۔

"میں نے کہہ دیا نا تمہیں ماں کے گھر جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پرسوں چلی جانا۔ اب جاؤ اپنے کمرے میں۔"

"اسے اب کہیں بھی جانے کے لیے تمہاری اجازت کی کوئی ضرورت نہیں۔" رومیلہ کو اب بھی شگفتہ غفار کے سامنے خاموش کھڑا دیکھ کر ریاض غفار کو بڑا عجیب سا لگا۔ کس مٹی کی بنی ہوئی تھی یہ لڑکی جواب بھی اتنے ضبط سے شگفتہ غفار کی لعن طعن سن رہی تھی۔ لہٰذا جب وہ بولے تو ان کا لہجہ خود انہیں اجنبی لگا۔

"کیا مطلب؟" شگفتہ غفار سمجھ نہ سکیں۔

"الیان نے اسے... طا... طلاق دے دی ہے۔" ریاض غفار کو زندگی میں کبھی کوئی بات کہنا اتنا مشکل نہیں لگا۔ الفاظ جیسے ان کے حلق میں پھنس گئے تھے۔

"کیا؟" شگفتہ غفار چیخ پڑیں۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا جو انہوں نے سنا ہے وہ سچ ہے۔

تو الیان نے آخر جو کہا وہ کر دکھایا۔

اس نے کسی کی پروا نہیں کی۔ بہن تک کی نہیں۔

اب یہ لڑکی اپنے گھر جا کر ابرار کو بتائے گی تو ابرار کا کیا رد عمل ہو گا۔

وہ اگر کل ہی بریرہ کے گھر پہنچ گیا تو؟

شگفتہ غفار کو اپنی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھاتا محسوس ہونے لگا۔ انہوں نے کسی چیز کو پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو ریاض غفار اپنی کیفیت فراموش کرتے تیزی سے ان کی جانب لپکے۔

ان کے پکڑتے پکڑتے بھی شگفتہ غفار زمین پر گر چکی تھیں۔

☼ ☼ ☼

آج بڑی مشکلوں سے خرم کو نمل سے یونیورسٹی میں تنہائی میں بات کرنے کا اتفاقاً" موقع مل گیا تو اس نے

فورا" نمل کو گھیر لیا۔
"یار تم سے یونیورسٹی والوں کے سامنے اجنبی بننے کو کہا تھا۔ اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ تم مجھے بالکل اجنبیوں کی طرح ٹریٹ کرو اور پہچانو ہی نہیں۔" نمل اس کے انداز پر بے اختیار ہنس دی۔
"تو پھر کیا کروں، تم پر نظر پڑتے ہی ہائے خرم اور ہیلو خرم کا نعرہ لگایا کروں کیا۔"
"یار اس وقت میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں سیریسلی بتاؤ تم نے سوچا کیا ہے۔ تمہارے والد سے کب بات کی جائے۔
جب سے میں نے منگنی توڑی ہے گھر میں ایک کولڈ وار (سرد جنگ) چل رہی ہے۔ میرے اور ڈیڈ کے بیچ میں انہوں نے میری طرف دیکھنا تک چھوڑ دیا ہے۔ بات کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔" خرم نے بڑی بے چارگی سے کہنے کی کوشش کی۔
"تو تم انہیں بتا دو نا کہ تم نے یہ سب میری وجہ سے کیا تھا۔" نمل نے فورا" کہا۔
"ڈیڈ کا کوئی بھروسا نہیں ہے۔ تمہارے والد نے اگر انہیں کچھ الٹا سیدھا کہہ دیا تو وہ کہیں غصے میں انہیں بھی جتا نہ دیں کہ یہ سب ان کی بیٹی کی وجہ سے ہوا ہے۔ پھر تو سمجھ لو تمہارے والد کبھی بھی نہیں مانیں گے۔"
"ابو نے تو پہلے ہی گھر میں طوفان اٹھا رکھا ہے۔ انہیں پتا چل گیا ہے میں نے دوبارہ یونیورسٹی جانا شروع کر دیا ہے۔ بس تب سے ہر بات پر کاٹ کھانے کو دوڑ رہے ہیں۔ اس وقت اگر تمہارے والدین نے آکر کوئی بات کی تو بات اور بگڑ سکتی ہے۔" نمل فورا" سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی۔
"تو پھر کیا کریں۔" خرم چڑ گیا۔
"انتظار! تھوڑے حالات بہتر ہونے کا۔" نمل برجستہ بولی۔
"تمہارے ابو کہیں تمہاری شادی نہ طے کر دیں۔ اس انتظار کے چکر میں۔" خرم نے ڈراتے ہوئے کہا۔
یہ خطرہ تو نمل کو بھی تھا۔ مگر خرم کی موجودگی ایک عجیب سا سکون عطا کرتی تھی۔ لہٰذا اس وقت وہ پریشان ہوئے بغیر قدرے شوخی سے بولی۔
"تو کر دیں Who cares" اس نے بالکل خرم کے انداز میں کہا تو خرم کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی۔
نمل سے بھلے ہی ایک منٹ بات کرنے کا موقع کیوں نہ ملے۔ خرم کو لگتا جیسے وہ صدیوں کے لیے تروتازہ ہو گیا ہو۔
ان مختصر سے جملوں نے اسے شام تک خاصا خوش رکھا۔ یہاں تک کہ مسز فرقان نے اسے گنگناتا دیکھ کر خاصی حیرانی کا اظہار بھی کر دیا۔ خرم انہیں جھٹلانے کی بجائے دل کھول کر محظوظ ہوا اور اسی شوخ سے انداز میں ان کے نزدیک چلا آیا۔
وہ اس وقت رات کے کھانے کے لیے برتن میز پر لگا رہی تھیں۔
"میں تو ہمیشہ خوش رہتا ہوں۔ پھر آج مجھے خوش دیکھ کر آپ کو حیرانی کیوں ہو رہی ہے۔" خرم نے ان کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے بڑے لاڈ سے کہا تو وہ اسے بغور دیکھتے ہوئے کہنے لگیں۔
"جب سے تم نے منگنی توڑی ہے۔ تم بہت ڈیپریس رہنے لگے تھے۔ مگر اب کچھ دنوں سے تم ہمیشہ سے بھی زیادہ خوش نظر آنے لگے ہو۔
کچھ تو دال میں کالا ہے۔ کیا معاملہ ہے، مجھے بھی تو بتاؤ۔" اس سے پہلے کہ مسز فرقان کچھ کہتیں۔ فرقان حسن بھی ہاتھ دھوتے کھانے کی میز پر چلے آئے۔

ان کی موجودگی میں مسز فرقان کچھ پوچھنا نہیں چاہتی تھیں۔ خرم جان بچ جانے پر شکر کا کلمہ پڑھتا۔ جیسے ہی کرسی گھسیٹ کر بیٹھا گھر کا ملازم اپنے مخصوص مودب بڑے انداز میں آکر کہنے لگا۔
"خرم صاحب آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔"
"میرے دوستوں سے کہہ دو ابھی میں کھانا کھا رہا ہوں۔ آدھا گھنٹہ انتظار کر سکتے ہیں تو ٹھیک ہے۔ ورنہ چلے جائیں واپس۔" خرم نے بڑی بے نیازی سے کہا۔
"وہ آپ کے دوست نہیں ہیں۔ ایک خاتون ہیں۔ اپنا نام عائشہ اختر بتا رہی ہیں۔" وہ تینوں بری طرح چونک اٹھے۔
فرقان حسین اور مسز فرقان حیرانی سے خرم کو دیکھنے لگے۔ جبکہ وہ ہونق بنا ملازم کو ہی دیکھتا رہ گیا۔
"عائشہ اختر۔" خرم نے زیر لب دہرایا۔
"یہ عائشہ اختر کون ہیں؟" مسز فرقان نے ایسے سوچتے ہوئے کہا جیسے نام سنا ہوا لگ رہا ہو۔ مگر یاد نہ آ رہا ہو۔
"بلال اختر کی وائف ہیں اور زوبیہ کی مدر۔" فرقان حسن نے رنجیدہ نظروں سے خرم کو دیکھتے ہوئے زوبیہ کے نام کو نہایت کھینچ کر ادا کیا۔
"زوبیہ..." مسز فرقان نے بھی ایسے چونک کر خرم کو دیکھا جیسے یقین نہ آ رہا ہو اور وہ تصدیق کرنا چاہ رہی ہوں۔
مگر خرم نے خود پر جمی ان دونوں کی نظروں کو بڑی ڈھٹائی سے نظر انداز کر دیا اور اٹھتے ہوئے ملازم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
"انہیں بٹھاؤ میں آ رہا ہوں۔"

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

نفیسہ سعید

تم سنگ جھلکی آس ہو

ناولٹ

وہ جیسے ہی گلی میں داخل ہوا سامنے نظر آنے والے منظر کو دیکھتے ہی اس کا موڈ ایک دم آف ہو گیا۔ فلاح بالکل سامنے ہی روڈ پر اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ کرکٹ کھیلنے میں مگن تھی اپنے لباس سے بالکل بے پروا، شولڈر کٹ بال، لڑکوں والی شرٹ اور جینز، پاؤں میں جوگرز، دوپٹہ ندارد، حال سے بے حال پسینہ سے شرابور، وہ تو اس بات سے بھی بے نیاز تھی کہ آس پاس کھڑے دیگر لڑکے اس منظر کو کتنی دلچسپی اور ڈھٹائی سے دیکھ رہے ہیں۔

عفام نے تیزی سے گاڑی لے جا کر عین گیٹ کے سامنے کھڑی کی اس کی گاڑی کو دیکھتے ہی تمام لڑکے منظر سے غائب ہو گئے بریک کی تیز آواز پر فلاح نے صرف ایک نظر بلیک وٹز پر ڈالی اور دوبارہ بڑی تندہی سے رنز بنانے میں مصروف ہو گئی ایک پل کو تو اس کا دل چاہا کہ پاس جا کر ایک زوردار تھپڑ اس کے گال پر رسید کرے لیکن پھر جانے کیسے اپنی اس خواہش کو بڑی مشکل سے دل میں دبا تا وہ گیٹ کھول کر اندر داخل ہوا جہاں سامنے بچھے تخت پر بڑی اماں اپنے دوپٹہ پر کروشیا بنانے میں مشغول تھیں عفام کو غصہ سے اندر داخل ہوتے دیکھ کر بھی وہ بنا کچھ پوچھے ہی تمام صورت حال سمجھ گئیں لیکن بظاہر نظر انداز کر کے پھر سے اپنے کام میں مشغول ہو گئیں۔

"السلام علیکم بڑی اماں۔" اس نے قریب جا کر اپنا سر حلیمہ بیگم کے سامنے جھکا دیا۔

"وعلیکم السلام بیٹا جیتے رہو۔" حلیمہ بیگم نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دعا دی۔

"حفیظ۔ حفیظ" سیدھا ہوتے ہی وہ زوردار آواز میں دھاڑا۔

"آیا عفام بھائی۔" حفیظ جلدی سے کچن سے ہاتھ پونچھتا ہوا باہر نکلا۔

"فلاح کو بلا دو باہر سے۔" اس سے پہلے کہ حفیظ باہر نکلتا وہ خود ہی بیرونی گیٹ کھول کر بڑی بے پروائی سے اندر داخل ہوئی اور ایک نظر سامنے تخت پر موجود حلیمہ بیگم پر ڈالی جنہوں نے فوراً ہی اپنی آنکھ کے اشارے سے اسے منظر سے غائب ہو جانے کو کہا لیکن قبل اس کے کہ وہ خاموشی سے عفام کے قریب سے گزر جاتی وہ ایک دم ہی بالکل اس کے سامنے آکھڑا ہوا اب فلاح کے لیے کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ خاموشی سے اس کی ایک لمبی تقریر سنتی جبکہ جواباً اسے مزید اثبات میں سر ہلانا تھا کیونکہ نفی میں ہلتا ہوا سر عفام کے غصہ کی آگ پر مزید تیل ڈال کر اسے جلا بخشنے کا کام کرتا لہٰذا وہ خاموشی سے سر جھکا کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"کتنی بار سمجھایا ہے تمہیں، باہر روڈ پر نکل کر لڑکوں کے ساتھ مت کھیلا کرو آخر تمہاری سمجھ میں کوئی بات آتی کیوں نہیں ہے کیوں نہیں سمجھتیں کہ تم ایک لڑکی ہو۔" وہ دانت پیستے ہوئے بولا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اسے جان سے ہی مار دیتا۔

"ارے بیٹا جانے دو بچی ہے۔" حلیمہ بیگم نے ... سالہ دبلی پتلی سی فلاح کو بچی قرار دے کر عفام کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کی ناکام کوشش کی۔

"پلیز بڑی اماں آپ اس کی حمایت کر کے اسے مزید شہ مت دیں۔"

وہ غصہ سے بولتا ہوا ان کی جانب پلٹا ہی تھا کہ ایک دم لاؤنج کا دروازہ کھول کر ریڈ اور پنک فراک میں ملبوس ماہین باہر نکلی ماہین پر نظر پڑتے ہی عفام سب کچھ بھول گیا وہ کیا کہنے والا تھا اسے یاد ہی نہ آیا یہاں تک کہ آس پاس موجود لوگ بھی منظر عام سے غائب ہو گئے ماہین اس کے حواس پر ہمیشہ بجلی بن کر اسی طرح گرتی تھی فلاح نے عفام کی خاموشی پر سر اٹھایا تو سامنے کھڑی ماہین کو دیکھتے ہی تمام صورت حال اس کی سمجھ میں آگئی وہ دل ہی دل میں ماہین کی شکر گزار ہوتی ہوئی بڑی خاموشی سے عفام کے پاس سے گزر کر اپنے کمرے میں آگئی۔

"شکر ہے ماہین ٹائم پر آگئی ورنہ جانے میرا کیا حشر ہوتا بہرحال اللہ جو بھی کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔"

ماہین کی بروقت آمد اسے مدد خداوندی محسوس ہوئی جس پر اس نے فوراً اپنے رب کا شکر ادا کیا اور جلدی

سے باتھ روم میں نہانے گھس گئی تاکہ فریش ہو کر اطمینان سے اپنا ٹی وی پر آنے والا پسندیدہ سیریل دیکھ سکے۔

☆ ☆ ☆

فلاح سے چار سال بڑی ماہین عادت و اطوار کے اعتبار سے بالکل مختلف تھی دونوں بہنوں کی نا صرف عادات بلکہ شکل و صورت اور انداز و اطوار بھی ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے جہاں ماہین ہر وقت خود کو سجانے سنوارنے والی نازک اندام سی لڑکی تھی وہاں فلاح بالکل خود سے لاپروا لڑکا ٹائپ لڑکی تھی ہر وقت جینز شرٹ میں ملبوس لڑکوں کے ساتھ لڑکوں والے گیم کھیلتی فلاح کہیں سے خوبصورت سی ماہین کی بہن لگتی ہی نہ تھی جبکہ رنگ و روپ تو اس کا بھی اچھا تھا لیکن چھوٹے چھوٹے بال بدرنگ جینز اور ٹی شرٹ نے اس کی شخصیت کو اس قدر تبدیل کر دیا تھا کہ پہلی نظر میں وہ لڑکا ہی نظر آتی کسی لڑکی سے اس کی دوستی نہ تھی اس کے سارے دوست لڑکے ہی ہوتے تھے ویسے تو کرنل حیدر زمان کو اپنی دونوں بیٹیوں سے ہی بہت محبت تھی لیکن فلاح سے ان کا زیادہ لگاؤ کچھ ڈھکی چھپی بات نہ تھی جس کی وجہ شاید یہ تھی کہ اس کی پیدائش کے وقت اس کی والدہ ربیعہ کا انتقال ہو گیا تھا اس کی پرورش حلیمہ بیگم نے بڑے ہی لاڈ و پیار سے کی تھی یہ ہی وجہ تھی کہ وہ کسی کی کبھی کوئی بات سننے پر تیار نہ ہوتی تھی اپنی مرضی کی خود مالک تھی جو پسند آتا وہ ہی کام کرتی چاہے اس میں کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہوتا حیدر زمان تو اکثر ہی اپنے ٹرانسفر کے سلسلے میں شہر شہر پھرتے جبکہ یہ دونوں بہنیں دادی کے ساتھ اپنے گھر میں رہتیں۔

حیدر زمان کی اکلوتی بہن فائزہ ایک بلاک چھوڑ کر رہتی تھیں جن کی دو بیٹیاں اور دو ہی بیٹے تھے بیٹیاں دونوں شادی شدہ تھیں عفام اور پھر اس سے چھوٹا عفان، عفام تو اکثر و بیشتر اپنی نانی کے گھر ہی پایا جاتا جس کی ایک وجہ تو غالباً" ماہین تھی اور یہ بات تقریباً" سب ہی جانتے تھے ماہین سیکنڈ ایئر کی طالبہ تھی عام خیال تھا کہ گریجویشن کے بعد دونوں کی شادی کر دی جائے گی جبکہ فلاح ابھی نویں جماعت میں تھی اس کی دوستی عفان سے زیادہ تھی کیونکہ وہ بھی تمام گیمز میں فلاح کے ساتھ ہی ہوتا جبکہ وہ صرف اس سے ایک سال ہی بڑا تھا اس کے علاوہ پڑوس میں ہی کرنل صاحب کی کزن رہتی تھیں جن کے دونوں بیٹے احسن اور حسن بھی فلاح کے اچھے دوست تھے عفام ماہین سے دو سال اور فلاح سے تقریباً" چھ سال بڑا تھا فلاح اگر تھوڑا بہت کسی سے ڈرتی تھی تو وہ صرف عفام ہی کی ذات تھی ورنہ تو وہ کبھی کسی کو خاطر میں لانے والی لڑکی ہی نہیں تھی ویسے بھی وہ خود کو کبھی لڑکی ماننے پر تیار ہی نہیں ہوتی تھی پتنگ بازی اور سائیکل سواری اس کے پسندیدہ مشغلے تھے اور آج کل تو وہ چھپ کر احسن کے ساتھ موٹر سائیکل چلانے کی پریکٹس بھی کر رہی تھی جس کا علم فی الحال گھر میں کسی کو نہ تھا اور اس کی وجہ بھی عفام ہی تھا ورنہ وہ جانتی تھی کہ اس کے اس شوق پر یقیناً" اس کے گھر کے کسی فرد کو اعتراض نہیں ہو سکتا تھا بلکہ کرنل صاحب نے تو اسے ذاتی موٹر سائیکل بھی لے دینی تھی اور وہ کرنل صاحب کے آنے تک اپنی اس کارروائی کو خفیہ رکھنا چاہتی تھی اور کرنل حیدر زمان کی چونکہ حالیہ پوسٹنگ کوئٹہ میں ہوئی تھی تو یقیناً" چارج لینے سے قبل وہ اسکردو سے واپسی پر کراچی سے ہوتے جائیں گے اور پھر میں ان سے کہہ کر اپنے لیے بائیک لوں گی یہ ہی سوچ سوچ کر وہ خوش ہو رہی تھی اور ساتھ ہی اپنے والد کی کراچی آمد کی بھی شدت سے منتظر تھی۔

☆ ☆ ☆
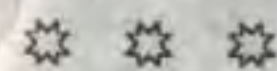
"اف اماں اب چھوڑ بھی دیں نا باہر میرے دوست میرا انتظار کر رہے ہیں۔" حلیمہ بیگم اسے اپنی باتوں میں پھنسائے پچھلے آدھ گھنٹہ سے اس کے سر کی مالش کر رہی تھیں جبکہ قریب ہی بیٹھی روبینہ گرم پانی میں اس کے پاؤں بھگوئے، فائلر سے صفائی کرنے میں

مشغول تھی اور وہ خود اس خیال سے ہی پریشان تھی کہ کہیں زیادہ دیر ہو جانے کی صورت میں اس کے دوست گھروں کو واپس نہ چلے جائیں ویسے بھی آج بسنت تھی جس کا علم کراچی والوں کو اتنا زیادہ تو نہ ہوتا تھا پھر بھی شوقین لوگ اپنی تسکین کے لیے چھتوں پر موجود پتنگ بازی میں مشغول تھے اور آسمان پر نظر آنے والی رنگ برنگی پتنگوں نے فلاح کا سکون برباد کر کے رکھا ہوا تھا حسن اور احسن گلی میں پتنگوں، اور سارے ساز و سامان کے ساتھ موجود تھے جبکہ وہ پچھلے آدھے گھنٹہ سے دادی کی گرفت میں بری طرح پھنسی ہوئی مسلسل دہائیاں دے رہی تھی اور حلیمہ بیگم خاموشی سے کان لپیٹے اپنے کام میں تندہی سے مصروف تھیں یہاں تک کہ روبینہ بھی کچن کے سارے کام چھوڑ کر ان کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔

"السلام علیکم بڑی اماں" گردن نیچے جھکائے رکھنے کے سبب وہ جان نہ پائی کہ گیٹ سے اندر آنے والا کون ہے لیکن عفام کی آواز سنتے ہی فلاح کی دہائی دیتی زبان کو یکدم ہی بریک لگ گیا۔

"چلو چھٹی ہوئی" پہلا خیال ہی اس کے دل میں یہ ہی آیا اور اس کا سارا جوش و خروش ماند پڑ گیا اب وہ بالکل ڈھیلے انداز میں بیٹھ گئی کیونکہ اب اس کا باہر جانا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔

"لو ہو آج تو یہاں ہفتہ صفائی منایا جا رہا ہے؟" یہ جملہ یقیناً" اس کے لیے کہا گیا تھا روبینہ جو اس کے ناخن فائل کرنے کے بعد پاؤں پر پیٹرولیم جیلی لگا رہی تھی عفام کی بات سنتے ہی ہنس پڑی کیونکہ سب کو ہی پتا تھا کہ فلاح اس طرح کبھی کبھی ہی قابو میں آتی تھی۔

"ارے ہائے کیسا ہفتہ صفائی بیٹا اتنی بڑی ہو گئی لوتھا کی لوتھا مگر مجال ہے جو ذرا بھی اپنا خیال ہو ہر وقت سر جھاڑ منہ پہاڑ لونڈا بنی گھومتی پھرتی ہے جانے کیوں اس کی سمجھ میں ہی کچھ نہیں آتا ایک ماہین ہے ہر وقت اپنا خیال رکھنے والی اور ایک یہ جانے کس پر چلی گئی ہے۔" دادی کے لیکچر کے دوران ہی ماہین لاؤنج کا دروازہ کھول کر برآمدے میں آئی دادی کی باتوں کے زیر

اثر بے اختیار ہی عفام کی نگاہ ماہین کے پاؤں پر پڑ گئی نہایت ہی نرم و نازک اور خوبصورت پاؤں ووگی کی چپل میں جکڑے دیکھنے والے کی توجہ اپنی طرف کھینچ رہے تھے ماہین شاید نہا کر آئی تھی لمبے گھنے بال اس کی کمر پر جھول کر عجیب سی کشش پیدا کر رہے تھے ماہین کا بھرپور جائزہ لیتے لیتے عفام نے ایک سرسری سی نگاہ فلاح پر ڈالی کتنا فرق تھا دونوں بہنوں میں کہاں ماہین اور کہاں فلاح جسے لڑکی کہنے سے پہلے بھی سوچنا پڑتا تھا۔

"اف وہ دادی جان چھوڑ دیں نا اس بے چاری کو اسے پتنگ اڑانے جانا ہے باہر احسن اور حسن اس کے انتظار میں کھڑے ہیں۔" یقیناً" ماہین ان دونوں کے پیغام ہی کے سبب کمرے سے باہر نکل کر آئی تھی۔

"رہنے دیں آپی میں نہیں جا رہی۔"

اس نے پہلی نگاہ ماہین پر ڈالی اور دوسری عفام پر اور پھر جانے کیسے انکار خود بخود اس کے منہ سے نکل گیا ویسے بھی اب تو کافی شام ہو گئی تھی اور مغرب کی اذان ہونے والی تھی اور مغرب کے بعد تو دادی نے اسے باہر جانے نہیں دینا تھا تو پھر کیا فائدہ دو منٹ کے لیے جانے کا لیکن پھر بھی دادی کے چھوڑتے ہی وہ تیزی سے باہر لپکی تاکہ احسن اور حسن کو بتا سکے صورت حال اس کے یہ دونوں دوست جو کہ نا صرف جڑواں بھائی بھی تھے بلکہ دونوں ہی اس کے بچپن کے دوست بھی تھے اس کے علاوہ ان دونوں کو ہی فلاح سے بے حد محبت تھی یہ تینوں اسکول میں بھی ایک ہی سیکشن میں تھے اور وہاں بھی ان سب کی دوستی مثالی تھی۔ گھر سے یہ ایک ساتھ ہی جاتے بچپن سے ہی ان کے ساتھ نے فلاح کی زبان کو بھی لڑکوں والا ٹچ دے دیا تھا ابے، اور اسی طرح کے بے شمار الفاظ اس کی روزمرہ بولی جانے والی گفتگو میں شامل ہوتے گھر میں بھی کسی روک ٹوک کے نہ ہونے کے سبب وہ خود کو ہمیشہ احسن اور حسن کے برابر ہی سمجھتی اور ہر وہ کام کرتی جو وہ دونوں کرتے بلکہ اب تو کئی جگہ پر وہ حسن کو بھی پیچھے چھوڑ جاتی جبکہ احسن ہر جگہ اور ہر کارروائی میں اس کا شریک ہوتا۔

عفام کو ایک اعتراض احسن پر بھی تھا کہ وہ ہر وقت فلاح کے پیچھے پیچھے کیوں رہتا ہے اس اعتراض کا بڑا مثبت جواب اُسے فائزہ سے مل گیا تھا جس کی بدولت اب وہ احسن یا حسن کے بارے میں کوئی بات نہ کرتا تھا لیکن پھر بھی اسے فلاح اور اس کی کوئی بھی حرکت کبھی اچھی نہ لگی تھی وہ ہمیشہ فلاح کا موازنہ ماہین سے کرتا تو ایک آسمان اور دوسری اسے زمین پر پڑی ہوئی کوئی حقیر شے لگتی بہت کوشش کے باوجود بھی جانے کیوں جب بھی فلاح اس کے سامنے آتی اس کا حلیہ عفام کو آگ لگا دیتا جبکہ اس کی کسی بھی بات کا فلاح پر کوئی اثر نہ تھا اور یہ بات وہ بھی اچھی طرح جانتا تھا پھر بھی شاید اپنی عادت سے مجبور تھا۔

☼ ☼ ☼

احسن کو آج ہی اس کے بابا سلیمان احمد نے موٹر سائیکل خرید کر دی تھی وہ بے حد خوش تھا اپنی خوشی کو شیئر کرنے کے لیے وہ فلاح کو آئسکریم کھلانے لے کر جا رہا تھا گھر سے نکلتے ہی اس نے فلاح کو میسج کر دیا تھا کہ وہ تیار ہو کر گیٹ پر آجائے اور پیغام کے ملتے ہی وہ تیار ہو کر گیٹ کے اندر اس کا انتظار کر رہی تھی جیسے ہی اسے موٹر سائیکل کے ہارن کی آواز سنائی دی وہ تیزی سے گیٹ کھول کر باہر نکلی اسکن ٹائٹ جینز پر بلیک اور براؤن چیک والی شرٹ کے نیچے بلیک ٹی شرٹ اور اوپر کی شرٹ کے سارے بٹن کھلے ہوئے تھے ہاتھ میں تین چار رنگ کے بینڈ اور پاؤں میں جوگرز اپنے حلیہ اور پھر اسٹائل کے سبب وہ لڑکا ہی نظر آرہی تھی وہ مزے سے احسن کے پیچھے موٹر سائیکل پر ٹانگیں اِدھر اُدھر کر کے بیٹھ گئی۔

احسن نے اس کے بیٹھتے ہی موٹر سائیکل اسٹارٹ کر دی۔ ”کہاں جانا ہے یار جلدی بتا۔“

”آئس کریم کھانے چلتے ہیں۔“ اسے آئس کریم بے حد پسند تھی۔

اور پھر اگلے پندرہ منٹ بعد وہ آئس کریم پارلر میں تھے آئس کریم کھلانے کے بعد احسن نے اسے دو تین چکر بھی دیئے وہ بہت خوش تھی لیکن واپسی میں گھر کے گیٹ پر پہنچتے ہی اس کی ساری خوشی ہوا ہو گئی کیونکہ گیٹ کے عین سامنے عفام کھڑا تھا جس پر نظر پڑتے ہی احسن ڈر سا گیا۔

”السلام علیکم عفام بھائی“ اور پھر جواب کا انتظار کیے بغیر ہی موٹر سائیکل بھگا کر لے گیا فلاح جو کہ لڑکوں والے اسٹائل میں موٹر سائیکل پر بیٹھی تھی عفام کو قطعی نظر انداز کرتی بڑے مزے سے وہ بائیک سے اتری اور اس کے قریب سے گزرتی اندر آگئی عفام غصہ سے تنتناتا اس کے پیچھے ہی اندر داخل ہوا۔

”بڑی اماں آخر آپ لوگ کب تک اسے بچی سمجھتے رہیں گے۔“

وہ غصہ میں سیدھا حلیمہ بیگم کے پاس جا کھڑا ہوا اور بنا سلام دعا کے ہی شروع ہو گیا حالانکہ اس نے پہلے کبھی بھی اس طرح بات نہ کی تھی۔

”بیٹا ماں باپ کے لیے اولاد ہمیشہ بچہ ہی ہوتی ہے۔“ حلیمہ بیگم کا انداز سراسر ٹالنے والا تھا۔

”پھر بھی بڑی اماں ایک حد ہوتی ہے ہر بات کی آپ خود سوچیں لڑکیوں کو اتنی آزادی دینا کہاں تک مناسب ہے کہیں ایسا نہ ہو یہ بے جا آزادی کسی بڑے نقصان کا سبب بن جائے پھر پچھتانے سے بھی کچھ حاصل نہ ہوگا۔“

”عفام بھائی پلیز آپ میری فکر مت کیا کریں مجھے اپنی حفاظت کرنا آتا ہے۔“

عفام کا آخری جملہ سنتے ہی کمرے میں جاتی ہوئی فلاح پلٹ کر واپس آگئی عفام کو دل تو چاہا کہ اسے کوئی ایسا سخت جواب دے کہ آئندہ کبھی اسے پلٹ کر جواب نہ دے سکے لیکن پھر جانے کیا سوچ کر خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا ویسے بھی اپنی بات کہنے کے بعد رکی نہیں بلکہ لاؤنج سے گزرتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی اب مزید کچھ کہنا بے کار تھا کچھ دیر تک کھڑا اپنی جگہ جما اس راستہ کو دیکھتا رہا جہاں سے وہ گزر کر گئی تھی اور پھر تیزی سے باہر جانے کے لیے واپس پلٹا۔

”ارے کہاں جا رہے ہو بیٹا بیٹھ تو جاؤ۔“ بڑی اماں کی آواز اسے سنائی تو دی لیکن وہ رکا نہیں اور گیٹ کھول کر غصہ سے باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼
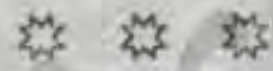
وقت اپنی چال چلتا ہوا مزید آگے بڑھ گیا اور اس گزرتے وقت نے فلاح کی کئی عادتوں کو مزید پختہ کر دیا اس نے موٹر سائیکل چلانی سیکھ لی تھی اور اپنا یہ شوق وہ اکثر و بیشتر احسن کی موٹر سائیکل چلا کر پورا کرتی خود کو لڑکی سمجھنا وہ اپنی توہین سمجھتی کرنل صاحب اسے ہمیشہ ”میرا شیر“ کہہ کر پکارتے اور یہ لفظ فلاح کے اندر کئی گنا خون بڑھا دیتا اب تو حلیمہ بیگم بھی ڈھکے چھپے الفاظ میں اسے سمجھانے کی کوشش کرتیں لیکن وہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیتی ماہین فائن آرٹس کی طالبہ تھی اور ایک مقامی انسٹیٹیوٹ سے فیشن ڈیزائننگ کر رہی تھی جبکہ فلاح فرسٹ ایئر کی طالبہ تھی وہ اپنے کالج میں بھی باسکٹ بال کی بہترین کھلاڑی تھی اس کے تمام اسٹائل اور لک لڑکیوں کو بہت پسند تھے۔

احسن اس کے کالج کے قریب بوائز کالج میں پڑھتا تھا جبکہ حسن ابروڈ چلا گیا تھا وہ کالج احسن ہی کے ساتھ آتی جاتی تھی ابھی بھی وہ لڑکوں والے اسٹائل سے ہی موٹر سائیکل پر بیٹھتی بلکہ اکثر موٹر سائیکل چلاتی بھی خود ہی تھی حلیمہ بیگم کی ذاتی رائے یہ تھی کہ اب اگر کوئی چیز فلاح میں تبدیلی لا سکتی ہے تو وہ صرف اور صرف یہ ہے کہ اس کی شادی کر دی جائے اسی لیے اب وہ دل سے چاہتی تھیں کہ ماہین اور عفام کی شادی کر دی جائے تاکہ پھر فلاح کے لیے بھی کوئی مناسب رشتہ ڈھونڈ کر اسے بھی رخصت کر دیا جائے اور اسی سلسلے میں آج فائزہ اپنے میاں عمران کے ساتھ آئی ہوئی تھیں حیدر بھی چھٹیوں پر گھر میں ہی تھے بظاہر تو اس رشتہ پر گھر میں کسی کو بھی اعتراض نہ تھا پھر بھی رسمی سی سوچ بچار کے لیے ٹائم لے لیا گیا عفام کسی کام سے اسلام آباد گیا ہوا تھا جبکہ عفان اپنے پاپا اور انکل کے ساتھ آیا ہوا تھا اور جب سے آیا تھا باہر فلاح کے ساتھ کرکٹ ہی کھیل رہا تھا بڑی اماں چاہتی تھیں کہ فائزہ ڈنر تک رکیں لیکن اچانک ہی عمران کے آنے والی کسی ضروری فون کے سبب انہیں جلد واپس جانا پڑا ماہین کی آج شام کی کلاس تھی وہ تقریباً ”نو بجے گھر آئی تو ڈائننگ ٹیبل پر رکھے ہوئے سامان کو دیکھ کر حیران رہ گئی مٹھائی اور فروٹ کے ٹوکرے، کیک، ڈرائی فروٹ یہ سب کون لے کر آیا اس سے قبل کہ وہ کسی سے سوال کرتی فلاح نے خود ہی اس کا تجسس دور کر دیا۔

”دیکھیں آپی پھوپھو آپ کے لیے کتنا کچھ لے کر آئی ہیں؟“ وہ ڈھیر سارے شاپرز لیے یک دم ہی اس کے پاس آگئی۔

”اتنا ڈھیروں سامان پھوپھو صرف میرے لیے ہی لے کر آئی ہیں۔“ وہ ابھی تک حیران ہی تھی۔ ”نہیں ایک سوٹ بڑی اماں کا اور دو میرے بھی ہیں۔“

وہ شاپرز سے اپنے سوٹ نکال کر دکھاتے ہوئے بولی۔ سوٹ کی حد تک تو ٹھیک تھا لیکن سامنے رکھی مٹھائی اور دیگر سامان ماہین کو بہت کچھ سمجھا رہا تھا۔

”خیریت ہے پھوپھو یہ سب کچھ لائی کیوں ہیں؟ کہیں عفام کا رشتہ تو طے نہیں ہو گیا؟“ وہ جان بوجھ کر انجان سی بن کر بولی۔

”ارے کہیں کی کیا ضرورت ہے اس کا رشتہ تو تم سے ہی طے تھا بس صرف تھوڑی رسمی کارروائی ضروری ہوتی ہے جسے پورا کرنے کے لیے آج فائزہ اور عمران آئے تھے۔“ خوشی بڑی اماں کی آواز سے جھلک رہی تھی۔

”میرا اور عفام کا رشتہ یہ کب طے ہوا؟“ وہ معصومیت کی حد تک انجان بن کر بولی۔ ”کیوں مذاق کر رہی ہیں بڑی اماں ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔“ پہلے تو حلیمہ سمجھیں کہ وہ مذاق کر رہی ہے لیکن اس کے سنجیدہ چہرے اور سخت لہجہ نے انہیں مزید کچھ کہنے سے روک دیا وہ سننا چاہتی تھیں کہ ماہین آگے کیا کہنے والی ہے۔ اس لیے خاموشی سے اس کی جانب تکتی رہیں۔

”ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں اماں میں جو کہہ رہی ہوں

"بالکل سچ ہے ——— آپ لوگوں نے مجھ سے پوچھے بنا یہ سب سوچ بھی کیسے لیا کہ میں عفام سے شادی کرلوں گی۔"

"سوچنے والی تو بیٹا کوئی بات ہی نہ تھی یہ بات تو یقیناً" تم اور عفام شروع سے ہی جانتے تھے پھر جو تم آج کہہ رہی ہو یہ صرف میرے لیے بلکہ سب کے لیے ہی حیرت انگیز ہے مجھے سمجھ ہی نہیں آرہا کہ تم جو کہہ رہی ہو اس کی وجہ کیا ہے۔"

"وجہ صرف اتنی ہے اماں کہ میں نے کبھی عفام کو اس نظر سے دیکھا ہی نہیں اور یہ بھی مجھے آج ہی پتا چلا ہے کہ وہ مجھ سے منسوب تھا" جانے وہ بے خبر تھی یا بننے کی کوشش کررہی تھی جو بھی تھا صورت حال کافی سنجیدہ ہوگئی تھی حلیمہ بیگم کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ وہ ماہین کی باتوں کا کیا جواب دیں انہوں نے بہتر یہ ہی سمجھا کہ فی الحال وہ اس مسئلہ پر خاموشی اختیار کرلیں خاموشی سے بنا کوئی جواب دیئے لاؤنج سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئیں وہ ابھی حیدر یا فائزہ سے کوئی بات نہ کرنا چاہتی تھیں ان کا خیال تھا کہ عفام اسلام آباد سے واپس آکر ماہین سے خود ہی بات کرلے گا ہو سکتا ہے دونوں کے درمیان کوئی ناراضی ہوگئی ہو وہ عمران اور فائزہ کے دوبارہ آنے سے قبل ایک بار پھر ماہین سے بات کرنا چاہتی تھیں یہ ہی سوچ کر آج وہ خود اس کے کمرے میں آگئیں۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں یکایک عفام میں کیا عیب نظر آنے لگا ہے اچھا بھلا گھر کا دیکھا بھالا بچہ ہے اور پھر تم سے کس قدر محبت کرتا ہے یہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔" حلیمہ بیگم نے ایک آخری کوشش کے طور پر اسے سمجھایا جبکہ وہ مزے سے بیٹھی اپنے ناخنوں پر نیل پالش لگارہی تھی بالکل ایسے جیسے حلیمہ بیگم کا مخاطب وہ نہیں کوئی اور ہو۔

"ماہین میرے بچہ میں نے آج فائزہ سے تمہارے انکار کا ذرا سا ذکر بھی کیا تھا جسے سن کر وہ اس قدر پریشان ہوئی کہ میں مزید کوئی بات کر ہی نہ سکی تم جانتی ہو فائزہ اور حیدر ایک دوسرے سے کس قدر محبت کرتے ہیں اور دونوں کی شدید خواہش کو دیکھتے ہوئے ہی ہم نے یہ فیصلہ کیا تھا اب جانے تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ ایسا نہ کرو ماہین، تمہارا انکار میرے دونوں بچوں کے بیچ میں دراڑ ڈال دے گا۔" وہ اسے سمجھانے کی ایک اور کوشش کرتے ہوئے بولیں۔

"اُفوہ اماں اب میں کوئی بے زبان جانور تو نہیں ہوں جسے دوسروں کی محبت کے لیے قربان کردیا جائے جب میں نے کہہ دیا کہ مجھے عفام سے شادی نہیں کرنی تو کیوں آپ یہ بات سب کو نہیں بتارہیں اور اگر آپ نہیں بتاسکتیں تو میں خود بتادیتی ہوں وہ میرا اچھا دوست ضرور ہے لیکن شوہر نہیں ہوسکتا اور اگر اب بھی آپ کو فائزہ پھوپھو سے رشتہ داری کا اتنا شوق ہے تو فلاح کا رشتہ کردیں اس سے۔"

وہ ترخ کر بولی یہ ماہین اس ماہین سے بہت مختلف تھی جسے بچپن سے حلیمہ جانتی تھیں ماہین کے بدلتے انداز انہیں بہت کچھ سمجھا رہے تھے ضرور اس کے پیچھے کوئی اور بھی تھا اور وہ کوئی کون تھا یہ جاننا حلیمہ بیگم کے لیے سب سے زیادہ ضروری امر تھا۔

"اب کیوں خاموش ہوگئیں فلاح اور عفام کا رشتہ طے کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔" نیل پالش لگا کر بند کرکے اسے اپنی ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ کر وہ واپس پلٹی اور اپنی بات کو ایک دفعہ پھر دوہراتے ہوئے وہ ہی سوال کیا جسے سن کر پہلے ہی حلیمہ بیگم کا پارہ ہائی ہوچکا تھا۔

"دماغ خراب تو نہیں ہوگیا تمہارا پورے چھ سال بڑا ہے عفام فلاح سے اور ویسے بھی ساری زندگی وہ تمہارا دم بھرتا رہا اور رشتہ طے کردوں میں اس کا فلاح سے" "صرف چھ سال ہی بڑا ہے نا؟ تو کیا ہوا؟ پھوپھو فائزہ سے انکل عمران پورے دس سال بڑے ہیں تو کیا دونوں کی اچھی نہیں بن رہی؟"

ان کی دوسری بات کو اس نے یکسر نظر انداز کردیا اور حلیمہ بیگم کے چہرے پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی اس کی آج کی گفتگو نے حلیمہ بیگم کو بہت کچھ سمجھا دیا تھا اور اب ضروری تھا کہ بیٹی کے انکار سے اس کے باپ کو بروقت آگاہ کردیا جائے

کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اب اس رشتہ کی بات مزید آگے بڑھے یہ ہی سوچتے ہوئے انہوں نے حیدر کو تمام صورت حال سے آگاہ کردیا ماہین کے انکار نے پل بھر کو انہیں بھی حیران سا کردیا کیونکہ ماہین کے رویہ سے وہ آج تک سمجھتے رہے کہ وہ عفام کو پسند کرتی ہے۔

"دیکھیں اماں زندگی اس نے گزارنی ہے میں نے یا آپ نے نہیں' بہتر ہے کہ آپ فائزہ کو سب حالات سے آگاہ کریں اور اس سے کہیں کہ وہ اگر ماہین سے پوچھے کہ اس کے انکار کی وجہ کیا ہے؟"

وہ ایک روشن خیال شخص تھے پل بھر میں ہی تمام صورت حال ان کی سمجھ میں آگئی تھی اور اب وہ دل سے چاہتے تھے کہ اگر ماہین کسی اور کو پسند کرتی ہے تو پھر اس کا رشتہ وہاں ہی طے ہونا چاہیے اور اس سلسلے میں انہیں اپنی بہن پر مکمل بھروسا تھا کہ وہ اس تمام مسئلے میں یقیناً" ان کا ہی ساتھ دیں گی اور پھر حلیمہ نے اسی شام تمام حالات فائزہ کے سامنے رکھ دیئے جسے سنتے ہی فائزہ بھی دیگر تمام افراد خانہ کی طرح ہکا بکا رہ گئیں۔ "اماں یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" پہلے تو انہیں یقین ہی نہیں آیا کہ جو کچھ انہوں نے سنا ہے وہ واقعی صحیح ہے یا انہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔

"میں جو کہہ رہی ہوں سچ کہہ رہی ہوں ماہین نے عفام سے شادی کرنے سے انکار کردیا ہے" حلیمہ بیگم کا لہجہ خود بخود دھیما ہوگیا کیونکہ وہ اپنی اکلوتی بیٹی کی دلی خواہش سے تو جانے کب سے آگاہ تھیں۔

"پر اماں..." جانے کیا سوچ کر فائزہ نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی اور خود بخود ہی ان کا ذہن پچھلے ایک مہینے سے تبدیل شدہ ماہین کی جانب چلا گیا ماہین کا رویہ پہلے سے کافی تبدیل ہوچکا تھا یہ انہیں اس سے قبل بھی محسوس ہوا تھا لیکن انہوں نے زیادہ قابل غور نہ سمجھا۔ حیرت تو انہیں اس بات پر تھی کہ ماہین کی یہ تبدیلی انہیں پہلے محسوس کیوں نہ ہوئی۔

"میں بھی کس قدر بے وقوف ہوں ابھی جب میں لوٹ آئی تھی تو ماہین بھی میرے ساتھ ہی یونیورسٹی سے واپس آئی تھی اور کس طرح مجھے نظر انداز کرکے اندر داخل ہوئی میں تو یہ سمجھی کہ شاید شرمارہی ہے لیکن شاید اسے میری آمد اچھی محسوس نہ ہوئی تھی۔" اپنی سوچ کو الفاظ کا روپ دے کر اپنی ماں کے سامنے انہوں نے اظہار خیال کرنا ضروری سمجھا ان کی اس بات کا کوئی جواب حلیمہ کے پاس نہ تھا وہ صرف ٹھنڈا سانس بھر کر رہ گئیں۔

"بہر حال جو بھی ہے اب حیدر نے یہ ذمہ داری بھی تمہیں ہی سونپی ہے کہ تم ماہین سے اس کی ماں بن کر پوچھو کہ اس انکار کا جواز کیا ہے؟ اور اگر جواز کوئی معقول ہے تو ٹھیک ہے ورنہ پھر ایک دفعہ اسے خود سمجھالو" "آج تو نہیں میں ان شاء اللہ پھر کسی دن آکر اس سے بات کروں گی۔"

فائزہ اپنے خراب دل کے ساتھ ماہین سے فی الحال کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھیں یہ ہی وجہ تھی کہ خاموشی سے واپس پلٹ آئیں یہاں تک کہ انہوں نے آج پانی کا ایک گھونٹ بھی اپنے پیارے بھائی اور ماں کے گھر سے نہ پیا جس کا دکھ حلیمہ کو کافی دیر تک رلاتا رہا۔

☆ ☆ ☆
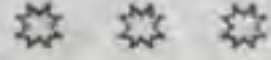
"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہوگیا تمہیں پتا بھی ہے تم کیا کہہ رہی ہو؟"

عفام آج ہی اسلام آباد سے واپس آیا تھا وہ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے ابروڈ جانا چاہتا تھا اسی سلسلے میں اسلام آباد ایمبیسی گیا ہوا تھا پندرہ دن کے بعد جب وہ گھر واپس آیا تو ماہین کا انکار سنتے ہی سیدھا اس کی طرف آگیا اور اب پچھلے پندرہ منٹ سے وہ مسلسل ماہین سے یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ اس کے انکار کا سبب کیا ہے۔

"میں طلحہ کو پسند کرتی ہوں اس سے مل کر مجھے احساس ہوا کہ میری زندگی میں آنے والا رائٹ مین صرف وہ ہی ہو سکتا ہے۔" ماہین کے اس جواب نے عفام کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا کیونکہ اب کچھ کہنے

سننے کی گنجائش ہی باقی نہ رہی تھی وہ دلبرداشتہ سا وہاں سے آگیا۔ جہاں بالکل گیٹ کے سامنے ہی فلاح احسن کے ساتھ مل کر اس کی موٹر سائیکل دھو رہی تھی وہ ہی ہمیشہ والا لاپرواحلیہ۔ لیکن آج تو اسے ڈانٹنا ایک طرف اس پر ایک تنبیہی نگاہ ڈالنی بھی اس نے گوارا نہ کی اور خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ کر ان کے پاس سے گزر گیا۔

☼ ☼ ☼
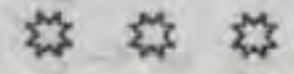
"امی جان آپ کا دماغ تو ٹھیک ہے آپ نے یہ سب سوچا بھی کس طرح میں اسے اپنی چھوٹی بہن کی طرح سمجھتا ہوں۔"

فلاح دادی کے کہنے پر احسن کے ساتھ پھوپھو کے گھر حلیم دینے آئی تھی بیرونی گیٹ کھلا ہوا تھا یہ ہی وجہ تھی کہ وہ اندر داخل ہو گئی۔ کچن میں کوئی نہیں تھا لاؤنج بھی خالی ہی پڑا تھا پھوپھو کی تلاش میں آگے بڑھتی فلاح عفام کے کمرے سے آتی تیز آواز سن کر وہیں تھم گئی موضوع گفتگو کون تھا؟ پہلے تو اسے کچھ سمجھ ہی نہیں آیا لیکن فطری تجسس نے اسے آگے بڑھنے سے روک دیا اور وہ وہیں کمرے کے دروازے کے باہر کھڑی ہو گئی تاکہ مزید گفتگو سن سکے۔

"دیکھو بیٹا تم جانتے ہو میں اور حیدر ایک دوسرے سے کس قدر محبت کرتے ہیں ہماری شروع سے ہی یہ خواہش رہی کہ تمہارا اور ماہین کا رشتہ طے ہو جائے لیکن اب اگر وہ آمادہ نہیں ہے تو کوئی زبردستی تو نہیں کی جا سکتی اور ویسے بھی فلاح مجھے ہمیشہ ہی ماہین سے زیادہ عزیز رہی ہے۔"

"یہ پھوپھو میرا نام کیوں لے رہی ہیں؟" فلاح نے حیرت سے خود سے سوال کیا جس کا جواب بھی اسے جلد ہی مل گیا۔

"آپ کو پسند ہے مجھے تو نہیں' آپ خود کو میری جگہ رکھ کر سوچیں ایک ایسی لڑکی جو خود کو لڑکا سمجھنے میں فخر محسوس کرتی ہو میری زندگی میں کس طرح اچھی بیوی ثابت ہو سکتی ہے پھر حرکتیں دیکھی ہیں آپ نے اس کی میں اسے ایک لمحہ برداشت نہیں کر سکتا آپ ساری زندگی کے لیے اسے میرے سر پر مسلط کرنے پر تلی ہوئی ہیں کیسی ماں ہیں آپ بیٹے سے زیادہ بھائی کی محبت آپ پر سوار ہے اور اسی محبت کے زیر اثر آپ کو میری زندگی کی بربادی کا بھی کوئی احساس نہیں رہا حیرت ہے امی مجھے آپ پر کہاں ماہین اور کہاں فلاح مجھے ماہین کا متبادل پیش کرنے سے قبل اگر آپ نے ذرا سا بھی سوچا ہوتا تو جو کچھ ابھی آپ نے مجھ سے کہا ہے شاید کبھی نہ کہتیں۔" پردہ کی جانب بڑھتا فلاح کا ہاتھ اپنی جگہ ساکت ہو گیا اندر ہونے والی تمام گفتگو کسی حد تک اس کی سمجھ میں آ گئی یقیناً" اندر موضوع گفتگو اسی کی ذات تھی عفام کے تجزیہ نے اسے خاصا شرمندہ سا کر دیا۔

"دیکھو بیٹا شادی کے بعد خود ہی ٹھیک ہو جائے گی ابھی تو بچی ہے۔" "آپ کے لیے اور بڑی اماں کے لیے وہ ساری زندگی بچی ہی رہے گی لیکن دنیا کی نظر میں وہ بالغ ہو چکی ہے اور ویسے بھی اب وہ کبھی ٹھیک نہیں ہو سکتی کیونکہ بچپن کی پختہ عادتیں اتنی جلدی ختم نہیں ہوتیں اس کے بارے میں آپ کی یہ سوچ محض غلط فہمی ہے اور کچھ نہیں اسی لیے بہتر ہے کہ آپ ماہین کی جگہ کوئی اور لڑکی دیکھ لیں مجھے اعتراض نہ ہو گا لیکن فلاح تو بالکل بھی نہیں' مر کر بھی نہیں کیونکہ وہ زندگی میں مجھے اپنی حرکتوں سمیت کبھی پسند آ ہی نہیں سکتی اور یہ میں آپ سے پورے وثوق کے ساتھ کہنے کو تیار ہوں لہٰذا آج کے بعد آپ مجھ سے اس حوالے سے کبھی بھی فلاح کا ذکر دوبارہ نہ کریں تو بہتر ہو گا۔"

وہ خاموشی سے واپس پلٹ گئی احسن گیٹ کے باہر موٹر سائیکل پر موجود تھا فلاح کے ہاتھ میں باؤل دیکھ کر حیران ہو گیا۔

"یہ کیوں واپس لے آئیں گھر پر کوئی نہیں ہے کیا؟"

خود ہی سوال' خود ہی جواب احسن کی یہ عادت بڑی پرانی تھی۔ مختصر سا جواب دے کر وہ احسن کے پیچھے اپنے سابقہ انداز میں بیٹھ گئی' اسے یہ تو پتا تھا ماہین نے عفام کے رشتہ سے انکار کر دیا ہے لیکن اس کے بدلے فلاح کا نام رکھا گیا ہے اس بات سے وہ لاعلم تھی' حلیم اس نے احسن کو دے دی اور خود گھر آگئی اس نے گھر پر بھی کسی سے اس بات کا ذکر نہ کیا لیکن اپنے بارے میں عفام کی رائے نے اس کے دل میں موجود عفام کے خلاف جذبات کو کافی حد تک بھڑکا دیا تھا۔

جلد ہی ماہین کا رشتہ طلحہ سے طے ہو گیا طلحہ میڈیا سائنس کا طالب علم تھا اور آج کل ایک ٹی وی چینل سے وابستہ تھا منگنی کی سادہ سی رسم گھر میں ہی رکھی گئی شادی ایک سال بعد متوقع تھی تاکہ ماہین اپنی تعلیم سے فارغ ہو جائے عفام بھی ابروڈ چلا گیا جہاں نہ صرف اسے جاب مل گئی بلکہ ساتھ ہی ساتھ ایک یونیورسٹی میں داخلہ بھی مل گیا تھا۔

شادی کی تیاری کی تمام تر ذمہ داری فائزہ کو سونپ کر حیدر مطمئن ہو گئے اور فائزہ بھی صرف بھائی کی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر بددلی کے ساتھ ماہین کی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئیں اسی حوالے سے انہوں نے فلاح کے لیے بھی خود اپنی مرضی کے کچھ ڈریسز کا آرڈر دے دیا تھا ورنہ فلاح کو تو اس قسم کی تیاریوں کا کوئی خاص شوق نہ تھا وہ اپنے کالج میں ہونے والے انٹر میڈیٹ گیمز کے مقابلوں کی تیاری میں مصروف تھی۔ کالج سے واپسی پر وہ اپنے کوچ کی ہدایت کے مطابق پریکٹس کے لیے چلی جاتی اور اکثر ہی شام کو گھر واپس آتی اسے بالکل اندازہ نہ تھا کہ پھوپھو نے شادی کے حوالے سے اس کے لیے کس طرح کے ڈریسز تیار کروائے ہیں لیکن جب وہ ڈریسز تیار ہو کر آئے تو فلاح اتنے بھاری کپڑے دیکھ کر گھبرا اٹھی پھر بھی خاموش رہی اسے ویسے بھی اپنے پھوپھو سے بہت محبت تھی۔ ماہین کی شادی تھی یا کچھ، بہرحال جو بھی تھا فلاح نے ایک سال کے دوران اپنے بال کافی حد تک بڑھا لیے تھے اس کے سیدھے اور سلکی بال شانوں سے نیچے چلے گئے تھے جنہیں شادی کے حوالے سے اس نے پھوپھو کے ساتھ جا کر اسٹیپ کٹنگ کروا لیے پھوپھو کے سمجھانے پر وہ آج کل زیادہ تر گھر پر ہی ہوتی ویسے بھی وہ ماہین کی شادی کے لیے خاصی پرجوش اور خوش تھی کیونکہ اس گھر میں ماہین اور وہ دو ہی تو رشتے تھے جو ایک دوسرے کے ساتھ اپنی خوشیاں اور غم شیئر کرتے تھے اور فلاح کو ہمیشہ سے ہی اپنی یہ خوبصورت سی بڑی بہن بہت پسند تھی اور ساتھ ہی ساتھ طلحہ بھی جو نا صرف ماہین کے حوالے سے فلاح کو عزیز تھا بلکہ وہ خود بھی بہترین عادات و اطوار کا مالک تھا شکل و صورت میں وہ عفام سے زیادہ خوبصورت تو نہ تھا پھر بھی کافی ہینڈسم اور اسمارٹ شخص تھا۔

فلاح کی تمام تیاری ماہین کی شادی کے حوالے سے پھوپھو نے مکمل کر دی تھی یہاں تک کہ اتنے بھاری ڈریس کے ساتھ پھوپھو میچنگ جیولری اور شوز بھی لے آئی تھیں پھوپھو کی اتنی محبت کے باوجود جب بھی فلاح کو عفام کی باتیں یاد آجاتیں اس کے دل میں غصہ کے جذبات فوراً" ابھر آتے لیکن پھر یہ سوچ کر کہ اس سارے قصہ میں پھوپھو کا کیا قصور ہے وہ خود کو پر سکون کرنے کی کوشش کرتی جس میں کسی حد تک وہ کامیاب بھی ہو جاتی۔

ان دنوں جب اسے چیمپئن شپ کے مقابلے کے لیے پشاور جانا تھا ماہین کی شادی کی تاریخ رکھ دی گئی ٹورنامنٹ کے حوالے سے کی جانے والی فلاح کی ساری تیاری خاک میں مل گئی حیدر صاحب نے تو فیصلہ کا اختیار فلاح کو ہی دے دیا تھا لیکن اس کی دانش مندی نے رشتہ پر کیریئر کو قربان کر دیا اس نے سوچا کہ آج اگر وہ ماہین کی شادی چھوڑ کر ٹورنامنٹ جوائن کرلے گی تو کبھی بھی شادی کے ان لمحات کو دوبارہ نہ پا سکے گی جہاں اس کی ضرورت ہو گی کیونکہ شادی کی کئی رسموں میں اس کی موجودگی از حد ضروری تھی اس کے اس فیصلہ کو ہر فرد نے ہی بہت سراہا۔

ماہین جانتی تھی کہ اس ٹورنامنٹ میں شرکت فلاح کا کتنا بڑا خواب تھا جسے اس نے اپنی بہن کی محبت میں ٹھکرا دیا تھا اور اس کے اس فیصلے نے ماہین کے دل میں بہن کی محبت کو کئی گنا بڑھا دیا تھا اسے اپنی شادی کے

حوالے سے فلاح کی مصروفیات دیکھ کر اچھا لگتا اور ان دنوں اسے فلاح قدرے مختلف نظر آئی وہ ہر تقریب میں پھوپھو کی ہدایت کے مطابق تیار ہوتی حالانکہ اسے یہ سب بہت ہی عجیب سا لگ رہا تھا اس نے تو کبھی عام دنوں میں سادہ سی شلوار قمیص پر دوپٹہ لینے کی زحمت نہ کی تھی کہاں اتنے بھاری ملبوسات وہ بھی بڑے بڑے دوپٹوں کے ساتھ جو نہ چاہتے ہوئے بھی اسے پہننا پڑے۔ مایوں والے دن پیلے جامہ وار کے کرتے اور پاجامے میں ملبوس فلاح دونوں ہاتھوں میں بھری چوڑیوں اور ہلکے سے میک اپ کے ساتھ اس قدر مختلف لگ رہی تھی کہ آئینہ میں خود کو دیکھ کر گئی پل تو اسے خود بھی یقین نہ آیا کہ جو لڑکی آئینہ میں کھڑی نظر آرہی ہے وہ فلاح حیدر ہی ہے یہ سب اسے اپنی نظر کا دھوکا لگا کہاں ہر وقت لڑکوں والے انداز میں فٹ بال کھیلتی موٹر سائیکل چلاتی فلاح جس کے بات کرنے کا انداز بھی بالکل لڑکوں والا تھا اور کہاں آئینہ میں نظر آنے والی خوبصورت سی نرم و نازک لڑکی کا عکس جو آج حقیقی معنوں میں ماہین کی بہن لگ رہی تھی سچ ہے لباس انسان کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے صرف ایک لباس کی تبدیلی کے ساتھ ہی فلاح کی ظاہری شخصیت میں بھی ایک واضح فرق پیدا ہو گیا تھا جسے نا صرف سب نے محسوس کیا بلکہ سب کو اچھا بھی لگا اور تقریباً" ہر فرد نے ہی اس کو خوب سراہا۔

شروع میں تو اس ڈریسنگ سے فلاح کو کافی مشکل ہوئی لیکن رفتہ رفتہ وہ عادی سی ہو گئی پھر بھی اسے اتنی تیاری کے ساتھ سبک خرامی سے چلنا اور لوگوں سے ملنا جلنا کچھ عجیب سا محسوس ہو رہا تھا کیونکہ وہ ان تمام باتوں کی عادی نہ تھی اس کی ذات میں رونما ہونے والی یہ تبدیلی بڑی ہی خوش آئند تھی جس نے حلیمہ بیگم کو قدرے مطمئن سا کر دیا لیکن یہ تبدیلی عارضی تھی۔

شادی کا ہنگامہ سرد پڑتے ہی وہ اپنی پرانی جون میں واپس آگئی وہ ہی موٹر سائیکل، احسن کرکٹ اور فٹ بال محنت سے بڑھائے گئے بال پھر سے چھوٹے ہو گئے اور اب تو اس کی حرکتوں نے حلیمہ بیگم کو بھی پریشان کر دیا "دیکھو فلاح اب تمہاری عمر لڑکوں کی طرح کد کڑے لگانے والی نہیں ہے" فلاح کو وقتاً" فوقتاً" سمجھانا اب ان کی روٹین میں شامل ہو گیا تھا آج انہیں احساس ہوا کہ عفام جو کچھ کہتا تھا وہ کس قدر سچ تھا لیکن اب حقیقت میں فلاح کی پختہ عادتوں کو تبدیل کرنا بہت مشکل امر تھا۔ "فلاح بچہ اب تم شلوار قمیص پہنا کرو، اور آئندہ بال بھی نہ کٹوانا کیونکہ ایسی لڑکیاں کسی کو پسند نہیں آتیں بھلا بتاؤ کون تم سے شادی کرے گا اس حلیہ اور حرکتوں کے ساتھ۔" حلیمہ کافی پریشان تھیں۔ "کوئی نہ کرے بڑی اماں کیونکہ مجھے شادی کرنی بھی نہیں ہے۔" سیب کو دانتوں سے کاٹتے ہوئے اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

"استغفار لڑکی بھلا بغیر شادی کے بھی زندگی گزاری جاسکتی ہے۔"

"شادی کر کے زندگی گزارنا بھی کوئی لازمی نہیں ہے۔"

باہر احسن آگیا تھا اور دونوں ابھی باؤلنگ کرنے جا رہے تھے اس لیے جلدی جلدی جوگرز پہنتے ہوئے دادی کو جواب دے کر باہر کی جانب لپکی اب حلیمہ بیگم کو صرف ایک ہی کوشش کرنی تھی اور وہ تھی فلاح کی شادی جس کے لیے انہوں نے فائزہ سے کہا ہوا تھا کہ اگر کوئی اچھا رشتہ ہے تو فلاح کے لیے نظر میں رکھے۔

✲ ✲ ✲

"امی یہ شادی کی تصویروں میں اورنج سوٹ میں فلاح ہی ہے نا؟"

آج وہ کافی دن بعد آن لائن ہوا تھا اور ماہین کی شادی کی تصویریں دیکھ رہا تھا جو کہ عفان کی آئی۔ ڈی میں موجود تھیں۔

"ہاں ماشاء اللہ وہ ہی ہے۔" فائزہ کو بیٹے کے لہجے میں چھلکتا اشتیاق کچھ اچھا نہیں لگا۔

"اور تم سناؤ کیسے ہو؟" سرسری سا جواب دے کر انہوں نے اس کی خیریت دریافت کی وہ آج بھی عفام کی اس دن والی باتیں بھولی نہ تھیں جو اس نے فلاح کی ذات پر تنقید کرتے ہوئے کی تھیں۔

وہ بے شک عفام کی ماں تھیں لیکن انہیں فلاح بھی اپنی بیٹیوں ہی کی طرح عزیز تھی یہ ہی وجہ تھی کہ عفام کا اشتیاق بھرا لہجہ انہیں ذرا اچھا نہ لگا۔

"اور ماہین کیسی ہے؟"

"وہ بھی ٹھیک ہے آج کل ہنی مون پر سنگاپور گئی ہوئی ہے۔"

"ماں یہ فلاح بالکل ماہین جیسی نہیں لگ رہی۔" وہ پھر سے فلاح پر آگیا۔

"پھر فلاح" انہیں اب بھی اچھا نہیں لگا کہ عفام اس کا ذکر کرے۔

"ہاں بیٹا ظاہر ہے دونوں بہنیں ہیں تو ایک جیسی ہی ہوں گی لیکن بہرحال عادتوں میں وہ ماہین سے کافی مختلف ہے خیر چھوڑو تم نے ساری تصویریں تو دیکھ ہی لی ہوں گی ماہین تو دلہن بن کر ماشاء اللہ بہت ہی خوب صورت لگ رہی تھی۔" آج کافی عرصہ بعد عفام نے ماہین سے متعلق کوئی سوال کیا تھا اسی لیے فائزہ نے جواب کافی تفصیل سے دیا ورنہ وہ ہمیشہ نانی اور ماموں ہی کی خیریت دریافت کرتا تھا اس نے کبھی بھی ماہین یا فلاح کے متعلق کوئی بات نہ کی تھی بالکل ایسے جیسے اسے ان دونوں سے کوئی دلچسپی نہ ہو یہ ہی وجہ تھی کہ آج اتنے عرصہ کے بعد ماہین اور فلاح کے متعلق کی جانے والی گفتگو فائزہ کو حیرت کے ساتھ ساتھ خوشی بھی دے رہی تھی جس کا فی الحال وہ اظہار نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

"جی امی خوب صورت تو وہ ویسے ہی ہے لیکن شادی کے موقع پر تیار ہو کر تو اور بھی خوب صورت لگ رہی ہے۔" اس نے دل سے ماہین کی خوبصورتی کو سراہا۔

"ہاں بیٹا بس اللہ اسے ہمیشہ خوش رکھے۔"

"آمین۔" عفام نے اسے دل سے دعا دی اور پھر تھوڑی دیر تک ادھر ادھر کی باتوں کے بعد انہوں نے نیٹ آف کر دیا اور ایک بار پھر دل میں چھپی ہوئی کئی سال پرانی خواہش ابھر کر سامنے آگئی۔

"کاش فلاح میرے عفام کی دلہن بن سکے" اور یہ خواہش شاید ان کے دل سے ایسے نکلی کہ سیدھی عرش تک جا پہنچی یا غالباً" وہ وقت ہی قبولیت کی کسی گھڑی کا تھا کہ چند ہی دنوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ خواہش اس طرح پوری کی کہ وہ خود بھی دنگ ہی رہ گئیں حلیمہ بیگم شوگر کی پرانی مریضہ تھیں اور آج کل شوگر کے ساتھ ساتھ ان کا دل بھی کمزور ہو گیا تھا۔ شومئی قسمت کہ انہیں سانس کی تکلیف بھی لاحق ہو گئی تھی اور ان تمام بیماریوں نے انہیں فلاح کی فکر میں بری طرح مبتلا کر دیا تھا اور اپنی اس فکر کا اظہار وہ زیادہ سے زیادہ فائزہ سے ہی کر سکتی تھیں۔

"سوچتی ہوں اگر مجھے کچھ ہو گیا تو فلاح کا کیا بنے گا؟"

دل کا خدشہ زبان پر آہی گیا فائزہ جو کچھ دیر قبل ہی ماں کو دیکھنے آئی تھیں ان کی بات سنتے ہی دہل اٹھیں۔

"افوہ اماں کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ اللہ آپ کو لمبی زندگی دے خود اپنے ہاتھوں سے اسے رخصت کریں اور پھر اس کے باپ کو بھی سلامت رکھے۔"

"باپ کا تو تم کو پتا ہی ہے آج یہاں اور کل وہاں ٹرانسفر اسے دربدر لیے پھرتی ہے وہ تو میرا دم تھا جو بیٹیاں ایک ہی شہر میں چلی گئیں ورنہ جانے کس کس جگہ کس کس شہر میں باپ کے ساتھ پھرتیں ماں تو تھی نہیں اکیلا باپ کہاں تک ان کو دیکھتا اور اب جو مجھے کچھ ہو گیا تو وہ جہاں جائے گا فلاح کو بھی ساتھ ہی لے جائے گا یہاں تو اپنوں میں ہے وہاں غیروں میں کس طرح ایسی لڑکی کی حفاظت کرے گا جو خود کو لڑکی ہی نہیں مانتی اس لیے چاہتی ہوں بیٹا اپنی زندگی میں اسے گھر کا کر دوں تمہیں بھی کہتی ہوں کوئی اچھا لڑکا ہو تو مجھے بتاؤ میں اس لڑکی کی شادی کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔" حلیمہ بیگم کی تفصیلی وضاحت نے جانے کیا اثر کیا کہ بنا سوچے سمجھے بھی فائزہ نے عفام کا نام ان کے سامنے رکھ دیا۔

"دیکھیں اماں اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں عفام کے لیے حیدر سے بات کروں۔" اپنی دلی خواہش کو

انہوں نے لفظوں کا عملی جامہ پہنایا۔
"نہیں بیٹا یہ ناممکن ہے۔" حلیمہ بیگم نے قطعی انداز اپنایا۔
"میں جانتی ہو وہ فلاح کو بالکل پسند نہیں کرتا اور میں اپنی مشکلیں کم کرنے کے لیے اپنی معصوم بچی کی زندگی کو مشکلوں کے حوالے نہیں کر سکتی۔" عفام کا انکار آج بھی انہیں یاد تھا۔
"لیکن اماں وہ بات تو کافی پرانی ہو گئی آپ اس انکار کو ابھی تک لے کر بیٹھی ہیں۔"
"جو بھی ہو بیٹا عفام تو وہ ہی ہے نا بات پرانی ہوئی عفام نہیں۔"
"لیکن اماں اب عفام پہلے سے کافی بدل گیا ہے شاید باہر رہ کر اسے اپنوں کی قدر آ گئی ہے۔" فائزہ نے بیٹے کی سائیڈ لیتے ہوئے ماں کو سمجھایا۔
"مجھے پوری امید ہے کہ اب وہ اس رشتہ سے انکار نہیں کرے گا۔"
جانے کیوں یہ یقین تھا ان کے دل کو کہ اب عفام فلاح کے لیے انکار نہ کرے گا اور یہ ہی اپنا یقین انہوں نے اپنی ماں کو بھی دلایا۔
"دیکھو بیٹا کوئی بھی بات منہ سے نکالنے سے قبل اپنے بیٹے سے تصدیق کر لو کہ وہ کیا چاہتا ہے کیونکہ جب تک بات دل میں رہے اپنی اور جو منہ سے نکل جائے تو پرائی اور ایسا نہ ہو کہ بات تمہارے منہ سے نکل کر دنیا کے کانوں تک پہنچ جائے اور تمہارا بیٹا ایک بار پھر اس رشتہ سے انکار کر دے اور اس کا یہ انکار میری بچی کی دل آزاری کا سبب بن جائے گا جو میں نہیں چاہتی اس سے پہلے جو ہوا وہ آج تک اس کے علم میں نہیں ہے لیکن اب جو اسے کچھ پتا چل گیا تو وہ بہت دلبرداشتہ ہو گی۔"
"یقیناً" حلیمہ بیگم کی سادگی تھی جو وہ سمجھ رہی تھیں کہ فلاح آج تک عفام کے اس انکار سے بے خبر ہے پھر جانے فائزہ نے عفام سے پوچھا یا خود ہی فیصلہ کر لیا دو دن بعد ہی دونوں میاں بیوی آئے اور حیدر کے سامنے اپنا مدعا بڑے خوبصورت انداز میں بیان کر گئے۔
ان کی اس خواہش پر حیدر کو تو کوئی انکار نہ تھا ورنہ ہی انہیں فلاح سے ماہین جیسی کوئی امید تھی یہ ہی وجہ تھی کہ انہوں نے فوراً "ہی ہاں" کر دی فلاح نے سنا تو چاہا کہ انکار کر دے لیکن ماہین کا انکار اور اس کا رد عمل فلاح کو اپنے ارادے سے باز رکھنے میں کامیاب ہو گیا وہ نہیں چاہتی تھی ایک بار پھر حلیمہ بیگم کی تربیت پر کوئی الزام آئے کیونکہ ماہین کے سلسلے میں اکثر لوگوں کا یہ ہی خیال تھا کہ اسے دادی کے بے جا لاڈ پیار نے بگاڑ کر رکھ دیا تھا ان ہی وجوہات نے اس کی زبان پر تالا لگا دیا اور پھر جلد ہی ایک سہانی سی شام فائزہ اور عمران اپنی دونوں بیٹیوں اور داماد کے ساتھ آئے اور فلاح کے ہاتھ میں عفام کے نام کی خوبصورت سی انگوٹھی پہنا گئے لیکن جانے کیوں اس انگوٹھی نے بھی اس کے جذبات میں کوئی ہلچل نہ مچائی انگوٹھی اور عفام کا نام اس کے دل میں کوئی خوب صورت جذبہ بیدار کرنے میں ناکام رہے وہ بالکل بے تاثر چہرے اور انداز کے ساتھ سب کچھ دیکھتی رہی اسے کچھ بھی اچھا نہ لگ رہا تھا وہ تو صرف رشتوں کے لحاظ میں خاموش تھی ورنہ اندر سے اس کا دل بالکل مردہ ہو چکا تھا عفام کے الفاظ اس کے آس پاس ہی چکراتے پھر رہے تھے ان الفاظ کی بازگشت اسے آج بھی جوں کی توں سنائی دے رہی تھی بالکل ایسے جیسے یہ سب کچھ آج ہی ہوا ہو عفام کی تیز غصیلی آواز نے آس پاس موجود لوگوں کے شور کو بالکل غائب کر دیا تھا وہ سب کچھ بھول گئی اسے یاد تھا تو صرف یہ کہ عفام اسے ایک دفعہ پہلے ریجیکٹ کر چکا ہے اور وہ بھی بہت بری طرح اس کی شخصیت کی دھجیاں اڑا کر اس کے توہین آمیز الفاظ فلاح کو اندر سے رلا رہے تھے اسے سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے کیا ہے اس کا دماغ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو چکا تھا اس نے خود کو حالات کے دھارے پر بہتا چھوڑ دیا۔
عفام کے واپس آتے ہی شادی کی تیاریاں زور و شور سے شروع ہو گئیں فلاح باسکٹ بال کے ساتھ ساتھ اب فٹ بال بھی کھیل رہی تھی اور اب تو جب بھی پھوپھو یا دادی اسے عفام کے حوالے سے خود کو تبدیل کرنے کا کہتیں اس کے اندر ایک ضد سی ابھرتی کہ عفام اسے آج بھی اسی حلیے میں دیکھے جس میں ہمیشہ سے رہتی آئی تھی وہ عفام کے لیے خود کو تبدیل کرنے کے حق میں بالکل نہ تھی یہ ہی وجہ تھی کہ عفام کی آمد کی خبر نے اس پر کوئی اثر نہ ڈالا اور اسی شام جب وہ جینز ٹی شرٹ اور جوگرز میں اپنی کٹ کے ساتھ کلب جانے کے لیے نکلی تو ایک دم ہی اس کا سامنا عفام سے ہو گیا جو ایک بالکل بدلی ہوئی فلاح کا تصور لے کر بڑا ہی شاداں و فرحاں نانی سے ملنے آیا تھا سابقہ حلیہ والی فلاح کو دیکھ کر حیران ہی رہ گیا وقت کے ساتھ اس کا رنگ و روپ ضرور بدل گیا تھا بلکہ کافی نکھر گیا تھا لیکن آج بھی وہ جینز ٹی شرٹ میں ملبوس احسن کے ساتھ موٹر سائیکل پر بالکل لڑکوں والے انداز میں ہی بیٹھی عفام کو بالکل مایوس کر گئی وہ یک دم ہی پریشان سا ہو گیا اور اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات فلاح ایک پل میں ہی جانچ گئی وہ ویسے بھی چہرے پڑھنے میں بڑی ماہر تھی جبکہ عفام کے چہرے کی ناگواری صاف دکھائی دے رہی تھی۔
"اگر عفام آج بھی مجھے اتنا ہی ناپسند کرتا ہے تو پھر کیوں مجھ سے شادی کر رہا ہے۔" عفام پر نظر ڈالتے ہی فلاح کے ذہن میں پہلا سوال یہ ہی آیا اور پھر شادی تک یہ ایک سوال فلاح کے ذہن میں کانٹے کی طرح چبھتا رہا اور عفام بھی شادی تک اس پچھتاوے میں گھرا رہا کہ محض شادی کی تصویروں میں بدلی ہوئی فلاح کو دیکھ کر وہ کیسے دھوکہ کھا گیا؟ اس نے کیوں نہ سوچا کہ اس کی یہ تبدیلی محض شادی کے لیے بھی ہو سکتی ہے لیکن بہرحال اب کچھ نہ ہو سکتا تھا اب جو بھی تھا اسے اپنا نصیب سمجھ کر قبول کرنا تھا ایک ماہ بعد شادی کی تاریخ رکھ دی گئی حلیمہ نے اس کا گھر سے نکلنا بالکل بند کروا دیا ساری جینز ٹی شرٹ کو تالا لگا کر الماری میں بند کر دیا گھر میں پہننے کے لیے شلوار قمیص دوپٹہ کے ساتھ ہی لائی گئیں تاکہ ایک ماہ میں وہ عادی ہو جائے۔
فٹ بال کا میچ تھا جس کے لیے اسے حیدر صاحب کے کہنے پر بڑی مشکل سے حلیمہ سے اجازت ملی اور جب رات میں وہ ٹریک سوٹ میں ملبوس گھر داخل ہوئی تو سامنے ہی موجود پھوپھو اور عفام کو دیکھ کر عجیب سی کیفیت میں گھر گئی پچیس دن بعد اس کی شادی تھی اور وہ بالوں کی پونی بنائے منہ میں چیونگم ڈالے اس طرح وہاں موجود تھی جیسے اس کی شادی عفام کے بجائے کسی اور سے طے ہے۔ آج اپنے اس حلیے پر اسے تھوڑی سی شرمندگی ضرور ہوئی جو اگلے ہی پل عفان کی بات سن کر زائل ہو گئی۔
"اوہو چیمپئن آئی ہیں' میڈم میچ کیسا رہا؟" وہ غالباً اندر سے باہر آیا تھا اس لیے لاؤنج میں شرمندہ سی کھڑی فلاح کے قریب آ کر بڑی خوشگواری سے بولا۔
"بہت ہی شاندار ہماری ٹیم آج بھی جیت گئی۔"
"گڈ جس ٹیم میں ہماری فلاح جیسی کھلاڑی ہو گی وہ ہار ہی نہیں سکتی۔"
عفان نے اسے بھرپور انداز میں داد دی وہ دونوں اپنی گفتگو کے دوران باقی لوگوں کو بالکل نظر انداز کر چکے تھے۔
"او تھینک یو سو مچ عفان" فلاح کے لیے عفان کی تعریف اور تعریف کرنے کا انداز بہت متاثر کن تھا اور وہ حقیقت میں دل سے اس کی شکر گزار ہوئی جس کی موجودگی نے اسے خاصا حوصلہ دیا۔ "تم آج بھی میچ کھیلنے گئی تھیں؟" فائزہ ناگواری سے بولیں۔
"جی امی آج اس کا لاسٹ میچ تھا پھر تو ظاہر ہے شادی کے بعد اس کی ٹیم فلاح نامی ایک اچھی کھلاڑی کو کھو دے گی۔" یہ جواب عفان نے دیا "کیوں کیا شادی کے بعد فلاح فٹ بال نہیں کھیلے گی حیرت ہے؟"
عفام ہنس دیا اب جانے یہ عفام نے مذاق کیا تھا یا اس کا مذاق اڑایا تھا جو بھی تھا عفام کا یوں بولنا فلاح کو بالکل پسند نہیں آیا۔
"نہیں عفان ابھی تو مجھے اپنے کالج کے اسپورٹس ڈے پر بھی اپنی ٹیم کی نمائندگی کرنی ہے۔" جھک کر پلیٹ سے کباب اٹھا کر اپنے منہ میں ڈالتی وہ سیدھی

ہو کر بولی اور بنا کسی کے جواب کا انتظار کیے اپنی پونی جھلاتی اندر کی جانب چل دی جبکہ اس کے انداز گفتگو نے فائزہ اور حلیمہ دونوں کو شرمندہ سا کر دیا حالانکہ وہ جانتی تھیں فلاح بدتمیز نہیں ہے پھر بھی جانے کیوں عفام کے سامنے اس کا رویہ انہیں ہمیشہ شرمندہ ہی کر دیتا تھا اور پھر اس دن کے بعد سے دادی نے اس کے گھر سے باہر نکلنے پر مکمل پابندی عائد کر دی ہر ٹائم اس کے بالوں میں تیل لگایا جانے لگا کئی رنگوں میں رنگے اس کے بالوں کو ایک ہی کلر دے دیا گیا مینی کیور پیڈی کیور کے ساتھ ساتھ دوسری ٹریٹمنٹ بھی شروع ہو گئی وہ دادی اور پھوپھو کی زیر نگرانی چپ چاپ سب کچھ کرتی گئی بالکل ایک روبوٹ کی مانند جس کی اپنی کوئی مرضی نہ ہو اور جو صرف دوسروں کے بٹن دبانے پر ہر وہ کام کر جائے جو دوسروں کی خواہش کے عین مطابق ہو ان ہی مصروفیات میں شادی میں صرف چند ہی دن باقی رہ گئے پھوپھو نے اس کے بال اسٹریپ کٹنگ کروا کر اسٹھکنگ کروا دیئے تھے بقول اس کی بڑی نند کے وہ بہت خوب صورت لگنے لگی تھی پھوپھو بھی جب آتیں ہمیشہ اس کی تعریف ہی کیے جاتیں لیکن یہ سب کچھ اس کے دل کو اچھا نہ لگ رہا تھا اس دن کے بعد سے عفام دوبارہ نہ آیا تھا لیکن آخری بار عفام کی آنکھوں میں جھلکنے والی ناگواری اسے عجیب سے احساس سے دوچار کر رہی تھی اسے احساس ہوتا کہ اس شادی کے حوالے سے یقیناً" عفام کے ساتھ زبردستی کی گئی ہے۔ پھوپھو نے اپنے لائق بیٹے کے ساتھ یہ زیادتی کیوں کی؟ یہ خیال اکثر ہی اسے پریشان کرتا اور اسی پریشانی میں گھرے شادی کا مبارک دن بھی آن پہنچا دوپہر میں مسجد میں نکاح کی رسم ادا کر دی گئی تھی جس کے بعد وہ سیدھی پارلر چلی گئی جہاں سے تیار ہو کر اسے ہال آنا تھا رسٹ اور فان کلر کے خوبصورت سوٹ میں ملبوس جب وہ ہال پہنچی تو بے حد خوب صورت لگ رہی تھی جس کا احساس اسے لوگوں کی تعریفوں اور خود پر پڑنے والی ستائشی نظروں سے بخوبی ہو رہا تھا لیکن جانے کیوں وہ پھر بھی خوش نہ تھی کوئی بات اندر ہی اندر اسے پریشان کر رہی تھی اسے اپنے آس پاس بالکل سناٹا سا محسوس ہو رہا تھا یقیناً جب دل کے اندر سناٹا ہو تو باہر کا شور بھی سنائی نہیں دیتا اسے پتا ہی نہیں چلا کہ کب عفام کو رسموں کی ادائیگی کے لیے اس کے برابر بٹھا دیا گیا تھا۔

ماہین پنک کلر کی ساڑھی میں بہت خوب صورت لگ رہی تھی جب وہ دودھ پلائی کی رسم کے لیے اسٹیج پر آئی تو جانے کیوں فلاح کو محسوس ہوا کہ باتیں کرتے کرتے عفام کی آواز یک دم بند ہو گئی ہو اس نے ایک ذرا سی ترچھی نظر عفام پر ڈالی جو دل و جان سے ماہین کی جانب متوجہ تھا فلاح کا دل ڈوب سا گیا۔

تو عفام آج بھی ماہین سے محبت کرتا ہے؟ ایسا شخص جو اپنی پہلی محبت ہی فراموش نہ کر سکا ہو مجھے کیا محبت دے گا' عفام کے خلاف ایک اور منفی خیال نے سر اٹھایا جسے جھٹکنے کی کوشش اس نے بالکل نہ کی ماہین کی محبت کے نقوش عفام کے دل پر بہت گہرے تھے یہ بات تو وہ شروع سے ہی جانتی تھی پھر بھی یہ سمجھ رہی تھی کہ اسے اپنے شوہر کے ساتھ خوش و خرم دیکھ کر عفام سنبھل جائے گا لیکن آج اس کا یہ خیال بودا ثابت ہوا پھر کب رسمیں ختم ہوئیں کب وہ رخصت ہو کر گھر آئی اسے کچھ ہوش نہ رہا اس کی اپنے گھر آمد پر فائزہ نے دل و جان سے اس کا استقبال کیا فلاح کی شکل میں ان کی ایک دیرینہ خواہش پوری ہوئی تھی تمام رسموں کے بعد اسے کمرے میں لا کر بٹھا دیا گیا جو سرخ گلابوں سے سجا عفام کے ذوق کی داد دے رہا تھا لیکن فلاح کو یہ سب دنیا دکھاوا محسوس ہوا۔ دنیا کو دیا جانے والا ایک دھوکا ہم شادی سے خوش ہیں یہ سوچ کر وہ طنز سے مسکرا دی۔

رات کے ڈیڑھ بجے تمام کام ختم کر کے جب عفام کمرے کے دروازے پر پہنچا تو نروس سا ہو گیا ایک دم اسے محسوس ہوا کہ وہ فلاح کا سامنا کبھی نہیں کر سکتا اپنا سابقہ رویہ یاد کر کے وہ کچھ نادم سا ہو گیا اور دروازہ کھول کر آہستگی سے اندر داخل ہوا لیکن سامنے نظر آنے والے منظر نے اس کی مشکل کو کافی حد تک کم کر دیا فلاح اپنے کپڑے تبدیل کر کے سامنے رکھے صوفہ پر سو چکی تھی یا سونے کی ایکٹنگ کر رہی تھی جو بھی تھا اس کی اس حرکت نے عفام کو کافی ریلیکس کر دیا وہ خود بھی اس سلسلے میں تھوڑا سا مزید ٹائم چاہتا تھا اسی لیے خاموشی سے آگے بڑھا اور جیب میں موجود بریسلیٹ کی ڈبیا نکال کر صوفہ کے قریب رکھے ٹیبل پر رکھ دی اور اپنا لباس تبدیل کر کے سونے کے لیے لیٹ گیا۔

جانے کیا وقت ہوا تھا کمرے میں ملگجی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی جب اس کی آنکھ کسی آواز سے کھلی ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے قریب ہی کوئی دھیما سا میوزک بجا ہو پہلے تو اسے کچھ سمجھ ہی نہ آیا لیکن جیسے ہی اس نے نیم غنودگی کے عالم میں گلاب کی لڑیوں پر نظر ڈالی بے اختیار ہی پلٹ کر صوفے کی جانب دیکھا فلاح وہاں موجود نہ تھی بلکہ صوفے کے قریب ہی جائے نماز پر بیٹھی دعا کر رہی تھی وہ غالباً" فجر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھی عفام خاموشی سے نیم وا آنکھوں سے اس کی جانب دیکھتا رہا دعا کے بعد اس نے منہ پر ہاتھ پھیرا تو اس کی چوڑیوں کی جھنکار کسی میوزک کی مانند عفام کی سماعتوں سے ٹکرائی یہ وہ ہی آواز تھی جس کے باعث عفام کی آنکھ کھلی تھی اس نے جائے نماز سمیٹی اور الماری سے قرآن شریف لے کر صوفے پر جا بیٹھی قریبی ٹیبل پر رکھے لیمپ کی روشنی میں وہ قرآن پاک پڑھنے میں مصروف ہو گئی۔

فلاح کا یہ نیا روپ خاصا دلکش اور انوکھا تھا جس سے آج پہلی بار عفام واقف ہوا تھا حلیمہ بیگم کی مذہبی تربیت کے باعث ماہین کو اس نے ہمیشہ نماز پابندی سے پڑھتے دیکھا تھا لیکن فلاح کو تو وہ لاپروا اور بے وقوف سی لڑکی سمجھنے کے ساتھ ساتھ مذہب سے بھی لاتعلق ہی سمجھتا رہا اس کا لباس اور زندگی گزارنے کے رنگ ڈھنگ دیکھتے ہوئے کبھی یہ سوچا بھی نہ تھا کہ فلاح کو نماز اور قرآن بھی پڑھنا آتا ہوگا اب جو دیکھا تو دل کے اندر اطمینان سا اتر گیا لیکن خود ڈھٹائی سے دوبارہ سو گیا کیونکہ وہ ہمیشہ اپنی امی کے کہنے کے باوجود نماز میں ڈنڈی مارنے کا عادی تھا۔

صبح ماہین اپنے میاں طلحہ کے ساتھ ناشتے کے لوازمات سمیت آگئی شوکنگ پنک سوٹ میں ملبوس شوخ و چنچل سی ماہین بڑی ہی دلفریب لگ رہی تھی عفام تیار ہو کر ڈائننگ روم میں آیا تو ایک نظر ماہین پر ڈالتے ہی خود بخود اس کی دوسری نظر فلاح پر جا پڑی سادہ سا شفاف چہرہ کسی بھی میک اپ سے قطعی عاری سبز کلر کا کڑھائی والا سوٹ جس کے ساتھ کا دوپٹہ لاپروائی سے اس کے شانوں پر جھول رہا تھا جیولری کے نام پر صرف چوڑیاں ہی اس کے ہاتھ میں تھیں وہ خاموشی سی کرسی پر بیٹھی جانے کن خیالوں میں گم تھی جبکہ ماہین ہمیشہ کی طرح خوب زور سے بول رہی تھی یہ ہی سبب تھا کہ ڈائننگ ہال میں موجود تقریباً" تمام ہی افراد اس کی جانب متوجہ تھے کسی کی بھی توجہ کا مرکز فلاح نہ تھی جبکہ نئی نویلی دلہن ہونے کے ناتے یہ اس کا حق تھا کہ اسے وی آئی پی کا درجہ دیا جاتا عفام نے ایک ہی نظر میں سارے ماحول کا جائزہ لے لیا اور خاموشی سے کرسی کھینچ کر فلاح کے برابر جا بیٹھا۔

"اوہو آگئے دولہا صاحب بس آپ کا ہی انتظار تھا۔"

ماہین چہکی اور فوراً" ہی پلیٹ میں حلوہ نکال کر پوری کے ساتھ عفام کی جانب بڑھا دیا۔

"یہ لو تمہارا پسندیدہ ناشتا مجھے پتا ہے تمہیں شروع سے ہی پوری حلوے کے ساتھ ہی اچھی لگتی ہے۔"

عجیب استحقاق بھرا لہجہ جو ــــ اس پل عفام کو بالکل بھی اچھا نہ لگا حالانکہ کزن ہونے کے ناتے وہ دونوں ایک دوسرے کی پسند ناپسند سے بخوبی آگاہ تھے پھر بھی جانے کیوں اس کا اس طرح جتانا عفام کو ذرا نہ بھایا۔

"سوری ماہین اب تو میں حلوہ بالکل بھی نہیں کھاتا" پلیٹ ماہین کے ہاتھ سے لے کر اس نے ٹیبل پر رکھ دی۔

"دراصل میرا وزن پہلے سے خاصا بڑھ گیا ہے جس کے سبب میں میٹھا کھانا کافی عرصہ قبل چھوڑ چکا

ہوں۔" ماہین کی حیرت کو دور کرنے کے لیے اس نے مزید وضاحت کی "فلاح ذرا بریڈ پر چکن اسپریڈ لگادو اور ہاں مجھے اچھی سی چائے بھی بنادو بنا ایک چمچہ چینی کے ساتھ۔"

اب وہ مکمل طور پر فلاح کی جانب متوجہ تھا فلاح نے صرف ایک نظر اس پر ڈالی اور پھر ماہین کو دیکھا جو طلحہ کے ساتھ باتوں میں مصروف ہوچکی تھی اور خاموشی سے عفام کا مطلوبہ ناشتا اس کے سامنے رکھ دیا اور شاید یہ عفام کی زندگی کا پہلا دن تھا جب اسے فلاح کے مقابلے میں ماہین کچھ کمتر سی لگی اس کا زور زور سے بولنا' بلند آواز میں قہقہہ لگانا عفام کو کچھ عجیب سا محسوس ہو رہا تھا یا شاید نکاح نامہ پر ہونے والے سائن نے اسے اندر تک بدل دیا تھا اسے لگا وہ فلاح سے محبت کرنے لگا ہے فلاح اسے نہایت ہی نرم روشنی کی ایک ایسی کرن کی مانند محسوس ہوئی جو بدن پر پڑتے ہی روح کو گرمائش اور حرارت بخشتی ہے اسے آج سورج کی تیز تپش اور نرم شعاعوں میں فرق محسوس ہوا ماہین کو تنہا سورج قرار دیتے ہوئے اپنی اس تفہیم پر وہ دل ہی دل میں خود ہی ہنس دیا۔

☼ ☼ ☼

حلیمہ بیگم اپنی تنہائی اور بیماری کے سبب شادی کے بعد اپنی بیٹی ہی کے گھر منتقل ہوگئی تھیں حالانکہ وہ اس پر بالکل آمادہ نہ تھیں لیکن فائزہ اور عمران کی کوششوں کے سبب یہ سب ممکن ہوا تھا اور فلاح کو تو ان کی موجودگی نے دلی تسکین دی تھی یہ ہی وجہ تھی وہ اپنا زیادہ وقت دادی کے ساتھ ہی گزارتی اور سب کے ساتھ ساتھ وہ عفام کی ہر ضرورت کا بھی خیال رکھتی اس کا ہر کام بنا کہے ہی کردیتی اس کے باوجود ان دونوں کے درمیان حائل ان جانی دیوار جو پہلے دن بنی تھی آج تک جوں کی توں موجود تھی جسے توڑنے کی کوشش شاید دونوں نے ہی نہیں کی تھی' فلاح تو اپنے دل سے آج تک عفام کے وہ الفاظ ہی نہیں نکال سکی تھی جو اس نے اس کی ذات پر تنقید کرتے ہوئے کہے تھے جبکہ عفام اس سب سے بے خبر تھا اسے یہ ضرور محسوس ہوتا کہ شاید فلاح اس رشتے پر راضی نہ تھی لیکن اس کی وجہ کیا تھی وہ لاکھ کوشش کے باوجود جان نہ پاتا فلاح کا گریز اسے کچھ عجیب سا لگتا جانے کیوں وہ اب دل سے چاہتا تھا کہ فلاح اس کی جانب متوجہ ہو' اسے اہمیت دے اور اس کے دل میں جگہ بنانے کی کوشش کرے لیکن پچھلے ایک ماہ سے فلاح نے کوئی بھی ایسا عمل نہ کیا تھا جس سے عفام کو ایسا محسوس ہوتا کہ فلاح بھی اس کی توجہ چاہتی ہے۔

"کہیں فلاح کسی اور کو تو پسند نہیں کرتی تھی؟"

یہ خیال اکثر ہی اس کے دماغ میں چکراتا جسے وہ جب بھی جھٹکنے کی کوشش کرتا فلاح کا کوئی نہ کوئی رد عمل اسے پھر سے کھڑا کردیتا لیکن اگلے ہی لمحہ در آنے والی سوچ اس کے دماغ کی اسکرین کو پھر سے صاف کردیتی "نہیں فلاح عام لڑکیوں سے بہت مختلف ہے یہ عشق و عاشقی اس کے بس کی بات کبھی تھی ہی نہ اسے اگر زندگی میں کسی چیز سے دلچسپی تھی تو وہ تھا اسپورٹس اس کے علاوہ کوئی قابل اعتراض بات اس کی زندگی میں شامل نہ تھی۔" اور اس بات کی گواہی اس کا دل بھی دیتا تھا پھر کیا وجہ تھی! عفام کو کچھ سمجھ نہ آرہا تھا فلاح کی ہر دم خاموشی اسے الجھا دیتی اسے محسوس ہوتا اس سب کا ذمہ دار وہ خود ہے اس ہی کی بے جا تنقید کے سبب ایک سیدھی سادی اور معصوم سی لڑکی اپنی ذات کے خول میں بند ہوگئی تھی اب وہ اکثر و بیشتر کوشش کرتا کہ فلاح کے گرد بنے خول کو توڑ کر پہلے والی فلاح کو باہر نکال سکے جو فی الحال ممکن ہوتا نظر نہ آتا تھا۔

آج ماہرہ کے گھر دعوت تھی فائزہ اور عمران عفان کے ساتھ چلے گئے تھے جبکہ بڑی اماں اپنی طبیعت کی خرابی کے باعث جانے سے انکار کرچکی تھیں عفام نے آفس سے واپس آکر تیار ہونا تھا کیونکہ فلاح بھی گھر ہی تھی عمران کی خاص ہدایت تھی کہ وہ اور فلاح دونوں ایک ساتھ ڈنر کے لیے وہاں آئیں یہ ڈنر ان کی شادی کی خوشی میں ہی رکھا گیا تھا آفس میں کام زیادہ

ہونے کے سبب وہ تقریباً" نو بجے کے قریب جب گھر پہنچا تو فلاح کمرے میں نہ تھی عفام اپنے کپڑے لے کر باتھ روم میں گھس گیا نہا دھو کر وہ باہر نکلا تو سامنے ڈریسنگ ٹیبل پر کھڑی فلاح غالباً" کانوں میں بندے پہن رہی تھی اس کا عکس آئینہ میں جھلملا رہا تھا جانے عفام کے دل میں کیا آیا خاموشی سے اس کے پیچھے جا کر کھڑا ہوگیا اتنا پیچھے کہ وہ اگر مڑتی تو عفام کے سینے سے ٹکرا جاتی فلاح بنا کچھ کہے خاموشی سے اپنے سامنے رکھی چوڑیاں پہننے لگی عفام اپنے بالوں میں کنگھا کرلینے کے باوجود اپنی جگہ ہی کھڑا رہا اس وقت وہ صرف پینٹ میں ملبوس تھا جبکہ اس کی استری شدہ شرٹ بیڈ پر رکھی تھی فلاح کو عجیب سی الجھن محسوس ہونے لگی اب کی بار جو وہ چوڑیاں اٹھانے کے لیے جھکی تو فوراً" ہی سائیڈ سے ہوتی ہوئی باہر نکل گئی عفام دھیرے سے ہنس دیا۔

"میرا ارادہ تمہیں کھانے کا نہیں تھا۔"

"آپ مجھے کھا بھی نہیں سکتے کیونکہ میری طرح میرا ذائقہ بھی کچھ خاص اچھا نہیں ہے یقیناً" آپ کو پسند نہ آئے گا۔"

فوراً" جواب دے کر وہ خاموشی سے باہر نکل گئی چونکہ اسے ابھی حلیمہ بیگم کو کھانا بھی دینا تھا اور اس کے پیچھے کھڑا عفام ان الفاظ پر غور کرتا رہ گیا جو فلاح جاتے جاتے کہہ گئی تھی۔ "یہ ابھی تک مجھ سے بدظن ہے حیرت ہے میں تو اسے کبھی بھی اتنا حساس نہ سمجھتا تھا کہ باتوں کو دل کی گہرائیوں میں دفن کرلینے والی یہ تو بہت ہی لاپروا سی لڑکی تھی اس کا مطلب یہ ہوا کہ فلاح یہ سمجھ رہی کہ میں اسے ابھی تک ناپسند کرتا ہوں جبکہ ایسا تو نہیں ہے۔ اب میں کس طرح اس چھوٹی سی لڑکی کی یہ غلط فہمی دور کروں جو وہ دل میں لیے مجھ سے بدگمان گھوم رہی ہے۔"

اور یہ ہی سوچتے ہوئے اس نے آنے والے کئی دن گزار دیے لیکن اس مسئلہ کا حل فی الحال اس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا پھر بھی اپنے طور پر وہ وقتاً" فوقتاً" کوشش کرتا ان تمام باتوں کے ازالے کی جو کبھی اس سے نادانستگی میں سرزد ہوئی تھیں لیکن فلاح مصالحت کے سلسلے میں کی جانے والی اس کی ہر کوشش کو بڑی سہولت سے رد کردیتی جس پر کبھی کبھی عفام جھنجھلا جاتا لیکن پھر سب بھول کر اپنی کوششوں کو نئے سرے سے شروع کردیتا۔

☼ ☼ ☼

موسم بہار آچکا تھا جس کا اندازہ اس سلسلے میں ہونے والے مختلف فیسٹیول سے بخوبی لگایا جاسکتا تھا ان تمام فیسٹیول میں پتنگ بازی بھی اپنے عروج پر ہوتی عفام جانتا تھا کہ فلاح پتنگ اڑانے کی بہت شوقین ہے یہ ہی سوچ کر شام میں گھر آتا ہوا اس کے لیے بہت ساری پتنگیں اور ڈوری خرید لایا فلاح اسے سامنے کہیں نظر نہ آئی شاید وہ اپنے کمرے میں تھی وہ خاموشی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا وہ اپنی الماری میں گھسی جانے کیا ڈھونڈ رہی تھی عفام نے سارا سامان بیڈ پر رکھ دیا کھٹکے کی آواز پر فلاح نے پلٹ کر دیکھا۔

"السلام علیکم۔۔۔۔" عفام پر نظر پڑتے ہی اس نے سلام کیا۔

عفام کا خیال تھا کہ بیڈ پر موجود لوازمات دیکھ کر وہ یک دم ہی حیران ہوجائے گی اور یقیناً" خوش بھی ہوگی کیونکہ اس کی خوشیوں کا محور ہمیشہ سے ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں ہی رہی تھیں وہ جو بڑے غور سے فلاح کی جانب دیکھ رہا تھا اس کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہ پاکر حیران ضرور ہوا لیکن فوراً" ہی سنبھل بھی گیا شاید فلاح نے یہ سب دیکھا نہ ہو اپنے دل کو اس نے طفل تسلی دیتے ہوئے سمجھایا۔

"چائے پئیں گے آپ"

بالکل بے تاثر چہرہ عفام کا جوش کافی ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔

"نہیں" جواب دینے کے ساتھ ساتھ اس نے اپنی شرٹ کے بٹن بھی کھول لیے تاکہ باتھ روم جا کر فریش ہوسکے اس کے انکار کرتے ہی فلاح واپس مڑی۔

"تم نے دیکھا نہیں میں تمہارے لیے کیا لایا

ہوں" بالآخر وہ بول ہی اٹھا دروازے کی ناب پر رکھا فلاح کا ہاتھ ساکت ہو گیا اس نے وہیں کھڑے کھڑے مڑ کر ایک نظر عفام پر ڈالی اور دوسری بیڈ پر موجود سامان پر اور پھر دھیرے سے ہنس دی۔

"یہ چیزیں آپ میرے لیے لائے ہیں؟" استفہامیہ انداز میں سوال کیا گیا۔

"ظاہر ہے میں تو نہیں اڑاتا۔" وہ قدرے چڑ کر بولا۔

"ہاں تو آپ سے کس نے کہا کہ میں اڑاتی ہوں۔" بڑے مزے سے جواب دے کر وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی عفام کا دل چاہا یہ سب کچھ اٹھا کر اس کے سر پر دے مارے کس قدر پیار سے وہ یہ سب خرید کر لایا تھا اور اس لڑکی نے ایک ہی پل میں اس کے پیار و محبت کو ملیامیٹ کر دیا اور پھر شام کو ہی عفام نے یہ سارا سامان مالی کے بیٹے کے حوالے کر دیا فلاح سے مصالحت کی اس کی یہ کوشش بھی بے کار ہی گئی۔

عمران کو اپنی کسی ڈیل کے سلسلے میں لندن جانا تھا وہ اپنے ساتھ فائزہ اور عفان کو بھی لے گئے اب گھر میں صرف عفام اور فلاح ہی تھے یا پھر حلیمہ بیگم جن کی خدمت کو فلاح نے اپنی زندگی کا شعار بنا لیا تھا حیدر کی پوسٹنگ بلتستان ہو گئی تھی جانے سے پہلے وہ فلاح سے ملنے آئے تو ڈھیروں ڈھیر سامان دے گئے فلاح شروع سے ہی باپ کی اس دوری کی عادی تھی ماہین کبھی کبھار طلحہ کے ساتھ ملنے آجاتی تھی اس کے یہاں ابھی تک اولاد نہ ہوئی تھی اس سلسلے میں اس کا علاج جاری تھا آج بھی طلحہ ڈاکٹر سے واپسی پر اس کو یہاں چھوڑ گیا فلاح دل و جان سے بہن کی خدمت میں مصروف تھی جبکہ ماہین خلاف توقع خاصی خاموش سی تھی۔

"کیا بات ہے آپی' آپ اتنی پریشان کیوں ہیں؟" آخر فلاح سے برداشت نہ ہوا اور پوچھ ہی بیٹھی ماہین نے ایک ٹھنڈا سانس بھر کر اس کی جانب دیکھا اور بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

"فلاح ـــــ" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے فلاح کو پکارا۔

"تم عفام کے ساتھ خوش تو ہو نا۔" خلاف توقع کیا جانے والا یہ سوال فلاح کو بالکل خاموش کر گیا۔

"مجھے بتاؤ عفام کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہے؟" جانے آج ماہین کو کیا ہوا تھا فلاح کا ہاتھ تھام کر اپنے ہونٹوں سے لگاتے ہوئے بڑے ہی پیار سے بولی اور کمرے کے دروازے کو آہستہ سے کھولتے عفام کے ہاتھ اپنی جگہ تھم گئے اس کا پورا جسم ہمہ تن گوش ہو گیا وہ ہر حال میں فلاح کا جواب جاننا چاہتا تھا اور شاید یہ موقع آج اسے قدرت نے خود ہی فراہم کر دیا تھا۔

"پیر آج آپ کو کیا ہوا جو مجھ سے ایسا سوال کر رہی ہیں؟" فلاح کا انداز سراسر ٹالنے والا تھا۔

"اس لیے میری جان کہ تمہاری شادی کو آج آٹھ ماہ ہو گئے اور ابھی تک تمہاری کوکھ خالی ہے۔"

"یہ تو قدرت کی مرضی ہے آپی اگر اس میں میری یا عفام کی مرضی کا کوئی دخل ہوتا تو پھر آپ کی گود ابھی تک کیوں خالی ہے جبکہ آپ کی طلحہ بھائی سے شادی میں آپ دونوں ہی کی مرضی شامل حال تھی۔"

"یہ یقیناً" ماہین کی بات کا جواب نہ تھا جبکہ باہر کھڑا عفام چاہتا تھا کہ جو ماہین نے پوچھا ہے فلاح صرف اس کا ہی جواب دے۔

"وہ ٹھیک ہے فلاح لیکن میں اب پریگننٹ ہوں آج ہی میری رپورٹ آئی ہیں اسی لیے میں نے سوچا کہ تم سے پوچھوں تمہاری خالی گود کا سبب کیا ہے؟" سوال دوسرا رخ اختیار کر چکا تھا۔

"دراصل ماہین فلاح ابھی بہت کم عمر ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ کچھ عرصہ تک اس پر کوئی اضافی بوجھ نہ ڈالا جائے اسی لیے میں نے اسے آزاد کر رکھا ہے۔" اب عفام کے پاس کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ کمرے میں داخل ہو کر ماہین کے سوال کا جواب دے کیونکہ اس کا جواب یقیناً" فلاح نہیں دے سکتی تھی عفام کی بروقت آمد نے فلاح کو مطمئن سا کر دیا اس نے تشکر بھری نگاہ اس پر ڈالی اور کمرے میں موجود برتن اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گئی اور عفام کو اس سوال کا جواب نہ مل سکا جو ماہین نے ابتدا میں کیا تھا لیکن اب وہ دل سے چاہتا تھا کہ فلاح سے پوچھے کہ آیا وہ اس کے ساتھ خوش ہے یا نہیں۔

حلیمہ کی اچانک ہی طبیعت خراب ہو گئی سانس اکھڑ اکھڑ کر آنے لگی فلاح کے ـــ تو ایک دم ہی ہاتھ پاؤں پھول گئے عفام گھر پر نہ تھا فوراً" ہی اسے فون کیا لیکن کئی بار ملانے پر بھی اس نے کال ریسیو نہ کی اب کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اپنی دادی کو اکیلی ہی کسی قریبی اسپتال پہنچائے اس کی مدد کے لیے گھر پر روشن بابا موجود تھے جو بیک وقت ڈرائیور اور واچ مین کے فرائض سرانجام دیتے تھے ان کی مدد سے فلاح جیسے تیسے حلیمہ بیگم کو قریبی اسپتال کی ایمرجنسی لے کر پہنچی اس تمام عمل کے دوران رو رو کر اس کی آنکھیں پھول کر سوج گئی تھیں اور اسے عفام پر بھی سخت غصہ آرہا تھا جو اس قدر ایمرجنسی میں بھی فون ریسیو نہ کر رہا تھا حلیمہ کے پھیپھڑوں میں پانی چلا گیا تھا انہیں فوراً" آئی سی یو میں منتقل کر دیا گیا فلاح باہر رکھی کرسیوں پر نڈھال سی بیٹھ گئی دادی کو کھونے کا خوف اس کے حواس پر بری طرح سوار ہو گیا وہ سسک سسک کر رو رہی تھی بالکل تنہا اور اکیلی جب اچانک ہی اسے اپنے قریب عفام کی آواز سنائی دی۔

"کیا ہوا فلاح بڑی اماں کہاں ہیں؟ وہ ٹھیک تو ہیں نا؟" عفام کی تشویش زدہ آواز سنتے ہی اس نے گھٹنوں سے سر اٹھایا اپنے سامنے کھڑے عفام کو دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی اسے اپنے ساتھ ایک مضبوط سہارے کا احساس ہوا لیکن اس کے حلق سے کوئی آواز نہ نکلی اور وہ مسلسل سسکتی رہی۔

"بریو گرل فلاح حوصلہ کرو یار کچھ نہیں ہوگا اماں کو۔"

وہ اس کا سر تھپتھپا رہا تھا اب فلاح سے مزید برداشت نہ ہوا وہ عفام کے گلے لگ کر بلکنے لگی۔

"عفام میں بڑی اماں کے بغیر مر جاؤں گی آپ نہیں جانتے وہ میرے لیے سب کچھ ہیں میری ماں' میرا باپ

اور میری سب سے اچھی دوست عفام پلیز بڑی اماں کو بچالیں اگر انہیں کچھ ہوگیا تو میرا تو کوئی بھی نہیں ہے آپ کے پاس تو ہر رشتہ ہے لیکن میرے پاس تو صرف چند ہی رشتے ہیں جن میں سب سے قریبی رشتہ دادی کا ہی ہے۔"

وہ بلا سوچے سمجھے بولے جارہی تھی۔

"اور میں مجھ سے تمہارا رشتہ قریبی نہیں ہے؟"

وہ پوچھنا چاہتا تھا مگر پوچھ نہ پایا خاموشی سے اس کا سر تھپتھپاتا رہا اس کی گریہ وزاری عفام کا دل دکھا رہی تھی۔ "خاموش ہوجاؤ فلاح انشاء اللہ اماں ٹھیک ہوجائیں گی انہیں کچھ نہیں ہوگا دعا کرو ان کے لیے۔" گھبرا تو وہ خود بھی رہا تھا لیکن پھر بھی اسے تسلی دیتا ہوا بولا۔

"اور آپ نے میرا فون کیوں نہیں ریسو کیا جانے کتنی بار میں نے آپ کو کال کی؟" عفام سے علیحدہ ہوتے ہوئے اس نے شکوہ کیا۔

"بس یار میں ذرا میٹنگ میں مصروف تھا اور فون سائلنس پر تھا فارغ ہوتے ہی دیکھا تمہاری تقریباً" پچاس مس کال تھیں تمہیں کال بیک کی تم نے فون ریسو ہی نہ کیا پھر میں نے روشن بابا کو فون کیا تو انہوں نے مجھے تمام تفصیل بتائی اور میں فوراً" اسپتال پہنچ گیا۔"

آستین کہنیوں تک فولڈ کیے وہ دھیرے دھیرے تمام تفصیل بتاتے ہوئے بڑا اچھا لگ رہا تھا۔ لیکن میں اسے پسند نہیں ہوں عفام کو غور سے دیکھتے ہوئے فلاح کو پھر سے سب کچھ یاد آگیا۔ "تم نے کچھ کھایا ہے؟" وہ دوپہر سے اسپتال میں بھوکی پیاسی تھی لیکن بھوک کا احساس اسے عفام کے سوال نے دلایا۔

"نہیں" اس نے فوراً" نفی میں سر ہلایا۔

"چلو میں ذرا اماں کو دیکھ لوں پھر تمہیں کھانا کھلانے لے جاتا ہوں۔"

اور پھر آدھے گھنٹے بعد وہ عفام کے ساتھ اسپتال کے کیفے ٹیریا میں موجود تھی بالکل خاموش ستے ہوئے چہرے کے ساتھ جبکہ اسپتال کا کیفے ٹیریا ہونے کے باوجود آس پاس کا ماحول خاصا خوشگوار تھا کچھ میڈیکل کی طالبات بھی موجود تھیں جو تقریباً" فلاح ہی کی ہم عمر تھیں لیکن اس سے قدرے مختلف ہنستی کھیلتی اور زور زور سے باتیں کرتیں ایسے میں عفام کو فلاح کی خاموشی کچھ عجیب سی محسوس ہوئی۔

"فلاح۔" اس نے اپنی کہنیاں ٹیبل پر رکھ کر آگے کی طرف جھکتے ہوئے پکارا۔

"جی۔" فلاح جو آہستہ آہستہ ایک ایک دانہ کرکے فرائیڈ رائس کھارہی تھی چمچہ روک کر مجسم سماعت بن گئی۔

"تم ہنستی کیوں نہیں ہو؟"

آج دس ماہ میں پہلی بار عفام کو احساس ہوا کہ اس نے شادی کے بعد فلاح کو ہنستے ہوئے ہی نہیں دیکھا جبکہ پہلے تو وہ بہت ہنستی کھیلتی سی لڑکی تھی تو پھر یہ ایک دم اتنی تبدیل کیوں ہوگئی عفام کا سوال اتنا غیر متوقع تھا کہ فلاح کی سمجھ میں ہی نہ آیا کہ کیا جواب دے "کیا پوچھ رہا ہوں میں تم سے؟" اس نے اپنا سوال پھر سے دہرایا۔

"تم ہنستی کیوں نہیں ہو؟"

"بھلا کبھی کوئی اکیلے بھی ہنستا ہے عفام۔"

اس نے سوالیہ نظروں سے تکتے ہوئے پوچھا اس کی یہ بات عفام کی سمجھ میں بالکل نہ آئی کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔

"میں شادی کے بعد سے ہی تنہا ہوں بالکل تنہا اور اس تنہائی میں اگر میں ہنسوں گی تو کیا لوگ مجھے پاگل نہیں کہیں گے؟"

"تم تنہا ہو یہ تم نے کیسے سوچ لیا تمہارے ساتھ تو ہم سب ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میں خود عفام حسن تمہارے ساتھ ہوں پھر تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ تم تنہا ہو۔" آج وہ اس بدگمان لڑکی کو سب کچھ سچ سچ بتادینا چاہتا تھا اسے لگا اگر آج اس کے دل کی بات لبوں پر نہ آئی تو وہ ساری زندگی اپنا حال دل بیان نہ کرسکے گا۔

"آپ ہی تو میرے ساتھ نہیں ہیں ورنہ شاید میں کبھی تنہا نہ ہوتی۔"

شاید وہ بھی تنہائی کا عذاب سہتے سہتے تھک سی گئی

تھی اسی لیے شکوہ کر بیٹھی ورنہ شکوہ شکایت اس کی عادت میں شامل نہ تھے۔ "مجھے آج تک یہ سمجھ ہی نہ آیا کہ آپ نے مجھ سے شادی کیوں کی؟ جب کہ سب ہی جانتے ہیں کہ میں کبھی بھی آپ کو پسند نہ تھی۔"

وہ اپنے ہی خیالوں میں گم بولے چلی گئی اور عفام بنا ٹوکے سنتا رہا کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ آج اسے وہ سب کچھ پتا چل جائے جو فلاح کے دل میں ہے "تم سے کسی نے کہا کہ تم مجھے پسند نہ تھیں۔"

وہ ذرا کی ذرا رکی تو عفام فوراً" بول اٹھا۔

"آپ نے خود" فلاح کا جواب عفام کو حیرت زدہ کر گیا جہاں تک اسے یاد پڑتا تھا اس کے انکار کا علم صرف فائزہ اور حلیمہ کے علاوہ کسی تیسرے کو نہ تھا پھر فلاح کو کس نے بتایا امی نے یا تائی نے لیکن اسے ان دونوں سے ہی ایسی بچکانہ حرکت کی امید نہ تھی۔

"تمہیں یہ سب کس نے کہا؟" وہ حیرت سے بولا۔

"میں نے خود سنا اس دن جب آپ پھوپھو کو میرے سلسلے میں منع کررہے تھے میں احسن کے ساتھ حلیم دینے آئی تھی اور اتفاقاً" ہی آپ کی وہ ساری باتیں سن لی تھیں۔" آج اسپتال کی تنہائی نے اسے اندر سے توڑ ڈالا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ ہر بات عفام سے کلیئر کرلینا چاہتی تھی آج تین ہی گھنٹوں میں اسے احساس ہوگیا تھا کہ وہ تنہا اپنی ذات میں کچھ بھی نہ تھی اور اسے ہر حال میں مرد کا سہارا درکار تھا اسی سوچ نے اسے مجبور کردیا کہ وہ عفام کے خیالات جان کر آگے کوئی فیصلہ کرسکے ویسے بھی آٹھ ماہ سے اپنی ذات کے گرد بنا ہوا اس کا خول پچھلے کچھ دنوں سے عفام کے سامنے ٹوٹنے لگا تھا۔

"فلاح یقین جانو اس دن تم نے جو کچھ میری زبان سے سنا اس کا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہ تھا وہ تو شاید صرف امین کا غصہ تھا جو غلط الفاظ کی شکل میں میری زبان سے ادا ہوا۔" فلاح نے اس کی تمام باتیں سن لی تھیں یہ خیال ہی عفام کو شرمندہ کردینے کے لیے کافی تھا۔

"فلاح میں اپنے ان الفاظ پر بے حد شرمندہ ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم مجھے معاف کردو۔" یکایک اس نے فلاح کے سامنے اپنے ہاتھ معافی والے انداز میں جوڑ دیے۔

"یہ کیا کررہے ہیں آپ میرا یہ مقصد نہ تھا۔" وہ سچ مچ گھبرا اٹھی "پلیز عفام سب لوگ دیکھ رہے ہیں" شاید پاس والی ٹیبل پر موجود دونوں لڑکیاں ان کی طرف ہی متوجہ تھیں۔

"دیکھتے رہیں مجھے کسی کی پروا نہیں ہے لیکن آج میں اس وقت تک یہاں سے نہیں اٹھوں گا جب تک تم مجھے معاف نہ کرو گی۔"

چھ فٹ کا نوجوان اس کے سامنے ہاتھ جوڑے بیٹھا کچھ عجیب سا لگ رہا تھا اسے اس طرح بیٹھے دیکھ کر فلاح کھلکھلا کر ہنس دی اور اس کی اس ہنسی نے عفام کے اندر سرشاری سی بھردی اسے لگا اس کے چاروں طرف پانی کے جھرنے بہہ رہے ہوں فلاح اتنا خوب صورت ہنستی تھی یہ تو اسے آج ہی پتا چلا تھا۔

"لڑکی ہمیشہ ہنستی رہا کرو کیونکہ تم ہنستی ہوئی بہت خوب صورت لگتی ہو۔" وہ اس کی طرف جھک کر گنگنایا اور فلاح کو یکایک آس پاس کا موسم بہت خوب صورت لگنے لگا اسے لگا جسے بہار آگئی ہو اور محبت کے پھول اس کے چاروں طرف کھل اٹھے ہوں پل بھر میں ہی اس کے دل سے ہر بدگمانی دور ہوگئی کیونکہ وہ ایک عورت تھی اور عورت کا ظرف اور دل بہت بڑا ہوتا ہے ذرا سی محبت کی بوچھاڑ اس کے دل پر پڑی تمام دھول مٹی کو صاف کردیتی ہے اور بالکل ایسا ہی فلاح کے ساتھ بھی ہوا عفام کی محبت کے احساس نے اس کے دل پر چھائے بدگمانی کے بادلوں کو دھودیا اور اب اس کا شفاف دل کورے کاغذ کی مانند تھا جس پر صرف اور صرف عفام کا خوب صورت نام ہی جگمگا رہا تھا۔

☼ ☼

اُم ثمامہ

"دادی ہمارے گھر منی آئی ہے۔" عدیل ایک سو اسی کی اسپیڈ سے دوڑتا آیا اور بیچ صحن میں کھڑے ہو کر خبر نشر کردی۔ "ہائے غضب خدا کا اس عمر میں منی تیری ماں کو بڑھاپے میں یہ کیا سوجھی۔ اب تو تھوڑے سالوں میں تیری عمر منگنی شادی کی ہو جانی تھی۔" تخت پر بیٹھی روغن بادام سر پر لگاتی رضیہ بیگم کے ہاتھ رکے اور زبان چلنے لگی۔

"ارے تیری ماں کیا یہ چاند چڑھانے کے لیے الگ ہوئی تھی۔" فردوس نے دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے عدیل سے پوچھا؟

اور بے چارا عدیل حیران پریشان دادی اور تائی کی باتوں کا مطلب سمجھنے کی کوششیں کرنے لگا اور جب بارہ سالہ عدیل کو دونوں کی باتوں کا مطلب سمجھ میں آیا وہ بلبلا اٹھا۔

"دادی۔۔۔" پنجابی فلموں کے ہیرو کی طرح وہ تھوڑا ساتر چھا ہو کر غرایا۔

"ابو قربانی کے لیے گائے لائے ہیں، جس کا نام چھوٹے نے منی رکھا ہے۔"

"تو پھر یوں کہہ نا۔۔۔" رضیہ بیگم نے دوبارہ روغن بادام کی شیشی اٹھائی اور شروع ہو گئیں، توپوں کا رخ اب پھر چھوٹی بہو کی طرف مڑ گیا تھا۔

"اولاد کو جیسی فلمی تربیت دی ہے وہ تو ویسے ہی نام رکھے گی۔ ہوتی کوئی میرے جیسی اچھی ماں تو بیٹے کو کہتی۔ گائے کا نام ماہ جبین رکھ لو، خیر النساء رکھ لو۔"

"ہاں۔۔۔ جیسے بڑی پھوپھو کے یہاں نساء کمپنی کی پوری رینج ہے۔ خیر النساء، مہر النساء، زیب النساء وہ تو بیٹے کا نام بھی عرق النساء رکھ لیتیں۔ مگر عین وقت پر پھوپھا جی کو عقل آ گئی تو بیٹے کا نام مستقیم رکھ لیا۔" عدیل بھی حساب برابر کرنے والوں میں سے تھا۔ چھوٹی سی عمر میں ماں اور باپ دونوں کی چالاکی اس لڑکے میں سمائی تھی۔

"ادھر آ کم بخت، بہت تیز ہے، ہر وہ خبر پل بھر میں نشر کرنے چلا آتا ہے، جس سے ہمارے کلیجے میں آگ لگ جائے۔ ویسے تو ہفتوں دادی کا خیال نہیں آتا۔"

اس سے پہلے کہ دادی کی چپل عین نشانے پر لگ کر عید پر عدیل کی بیوٹی کو گرہن لگاتی، وہ ایک جست میں دروازہ پار کر گیا۔

"ارے نصیب والے ہیں پوری گائے ذبح کریں گے اور پھر گوشت فریج میں بھر کر پورے چھ مہینے تک قورمہ، بریانی، کباب، نہاری، کوفتے بنا بنا کر کھائیں گے اور ہمارے دل جلائیں گے۔"

شام کو قربان گھر میں داخل ہوا تو مربہ کھاتی رضیہ بیگم نے ذرا اونچی آواز میں خود کلامی کی۔

اہل خانہ اور عزیز و اقارب تو چند چچوڑی ہوئی ہڈیوں، دو چار چربی کے ٹکڑوں اور ایک آدھی بوٹی کے علاوہ کچھ نہیں بھیجتے۔ اب بھلا اس میں ذائقہ دار مسالے والے پر ذوق کھانے بن سکتے ہیں۔"

فردوس کو ڈائری میں لکھی ایک ایک ترکیب یاد آنے لگی جو اس نے ٹی وی کے آگے بیٹھ کر عید قربان کے لیے بڑے شوق سے لکھ لکھ کر رکھی تھیں۔ مگر پچھلے سال فریحہ نے ایسا دھوکا دیا تھا کہ قربانی اور قربانی کے گوشت سے بننے والے کھانے سب خواب و خیال ہو گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

احسان مرحوم نے اچھے وقتوں میں جب ثمن کرے کا گھر تعمیر کیا تو انہوں نے اس کا نام سکون ولد رکھا تھا۔ مگر جیون ساتھی کے طور پر رضیہ بیگم کے ساتھ کی وجہ سے وہ عمر بھر سکون کی تلاش میں رہے! پر ایک دن ناامید ہو کر چپ چاپ راہی ملک عدم ہوئے۔

مرحوم احسان اور رضیہ بیگم کی چار اولادیں تھیں۔ سب سے بڑے قربان پھر عدنان اور پھر دو بیٹیاں نور العین اور حور العین۔۔۔ بڑا قربان باپ کی طرح ایمان دار، نیک اور سیدھا سادا تھا۔ اس نے کم عمری میں ہی باپ کے مرنے کے بعد باپ کی پرچون کی دکان سنبھال لی۔۔۔ باقی کی ساری اولاد ماں کا پرتو تھی۔ آرام آسائش اور نمود و نمائش کی دلدادہ۔۔۔ چھوٹا عدنان پڑھ

لکھ کر کسٹم میں کلرک لگ گیا تھا جس کی اوپر کی کمائی کی وجہ سے گھر میں خوب رونق تھی۔ وہ ماں بہنوں پر خوب لٹاتا تھا۔

قربان نے ایک دو بار دبے لفظوں میں حرام کی کمائی کے نقصانات گنوائے۔ مگر نقار خانے میں طوطی کی کون سنتا ہے۔ حکومت بھی اس ہی کی بنتی ہے جس کے ووٹ زیادہ ہوں۔

پھر رضیہ بیگم نے قربان کی شادی اپنی بھانجی فردوس سے کردی۔ حالانکہ قربان کا مزاج فردوس سے میل نہیں کھاتا تھا۔ مگر سعادت کے تحت یہاں بھی انکار نہ کیا۔

عدنان کی کمائی کی وجہ سے دونوں بہنوں کو بھی اماں نے جلدی ہی فارغ کردیا۔ اچھے جہیز کے ساتھ دونوں کے جلد رشتے مل گئے۔ ورنہ دونوں میں حور اور نور کی اس قدر کمی تھی کہ گھر ہی بیٹھی رہتیں۔

اب اماں کا خیال گھر کو سنوارنے کا تھا۔ جوان سب بکھیڑوں کی وجہ سے ادھورا تھا۔ گھر میں کوئی خاص آسائش نہیں تھی اور فردوس تو دو جوڑوں میں ہی رخصت ہو کر آگئی تھی۔ بہن کا خیال بھی تو کرنا تھا۔ اماں کب سے عدنان کے پیچھے پڑی تھیں کہ کوئی اچھی کھاتے پیتے گھرانے کی لڑکی سے اس کی شادی کروادوں۔ تاکہ بغیر خرچ اور مشقت کے گھر بھر جائے۔ مگر اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اپنی پسند اور مرضی کے مطابق شادی کرے گا۔

آخر پانچ سال بعد قرعہ فال فریحہ کے نام کھلا۔ جو عدنان کے باس کی اکلوتی بیٹی تھی۔ عقل اور شکل دونوں میں عدنان سے کم تھی۔ مگر دولت میں پلڑا بھاری تھا۔ سو ڈھیر سارا سونا' پیسہ اور جہیز لے کر فریحہ سکون ولا میں بے سکونی پھیلانے آن وارد ہوئی۔

وقت دھیرے دھیرے سرما کی دھوپ کی طرح دیوار سے سرکنے لگا سکون ولا میں خلاف توقع سکون ہی سکون تھا۔ کیونکہ فریحہ کی کڑوی کسیلی باتیں نخرہ اور بدتمیزیاں رضیہ بیگم اور فردوس ہنس ہنس کر سہہ لیتی تھیں۔ اس صبر و شکر کی ٹھوس وجوہات گرمیوں میں اے سی کی ٹھنڈک جو ہال کمرے میں لگا ہوا تھا۔ سردیوں میں گیزر کا گرم پانی لوڈشیڈنگ کے دوران یوپی ایس پر چلتے فرفر پنکھے سال میں دو' دو لان اور لیلن کے سوٹ تھے۔

قربان کو اللہ نے تین عدد رحمتوں سے نوازا تھا اور عدنان کے یہاں دو لڑکے تھے۔

اچانک ایک دن سکون ولا کی در و دیوار میں بھونچال آگیا۔ فریحہ اور عدنان نے الگ ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ رضیہ بیگم اور فردوس نے لاکھ منتیں کیں مگر ان کی ہاں نہ میں نہیں بدلی۔

بقول ان کے اب بچے بڑے ہو رہے تھے اور وہ اس تھرڈ کلاس کالونی میں اپنے بچوں کو پروان نہیں چڑھا سکتے تھے اور یہ ساری پٹی اس فریحہ کی پڑھائی ہوئی تھی۔ پلاٹ تو اس کے ابا نے شادی کے موقع پر اسے گفٹ کیا تھا۔ جس پر مکان کی تعمیر بالا ہی بالا ہو گئی تھی اور پھر ایک دن وہ ٹرک میں سکون ولا کا سکون بھر کر چلتی بنی۔

نئے گھر کی دعوت میں اس نے ساس اور جٹھانی کو بلایا تھا۔ مگر وہ نہیں گئی تھیں۔ اب وہ اس نخریلی بدشکل فریحہ کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھیں۔ خالی گھر میں چیزوں کے بھار کے نیچے سے فریحہ کی برائیاں ایک ایک کر کے نکل رہی تھیں۔ ٹوٹل بائیکاٹ تھا۔ کبھی کبھی عدنان اماں کے پاس چلا آتا تھا یا پھر ہفتے دس دن میں قربان اپنی عادت سے مجبور خیریت دریافت کرنے چلے جاتے تھے اور پھر مہینے میں ایک چکر عدیل کا بھی لگتا تھا۔ نئی آئی کسی بھی چیز کے بارے میں بریکنگ نیوز دینے کے لیے یکا ماں کا ایجنٹ تھا۔

پچھلے سال گھر میں قربانی نہیں ہوئی تھی۔ قربان ایک لحاظ سے خوش تھا کہ گھر میں اب حرام کمائی کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ مگر بچیوں کے اترے چہرے' بیگم کی کل کل اور اماں کا پھولا ہوا چہرہ ایک سال گزر جانے کے بعد بھی اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ اس لیے اس نے سارا سال پیسے بچا کر کمیٹی ڈالی تھی اور اس نے سوچا تھا کہ اس بار وہ قربانی ضرور کرے گا۔

"قربان بھائی ایک ٹپال چائے کا پیکٹ اور دو کلو دیتی تیل دو۔" وہ اپنی سوچوں میں اس قدر محو تھا کہ گاہک کے آنے کا پتا ہی نہیں چلا اور وہ کرسی سے اٹھ کر ریک سے چائے کا پیکٹ نکالنے لگا۔

"ارے فردوس ادھر تو آ' کہاں گم ہو گئی۔ آ دیکھ تو یہ قربان کیا کہہ رہا ہے۔ وہ عید قربان کے لیے بکرا لینے جارہا ہے۔"

"اماں آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ فریحہ کی گائے کے دکھ میں سٹھیا تو نہیں گئیں۔"

"یہ سامنے بیٹھا ہے تیرا شوہر' خود اس سے پوچھ لے۔" اماں نے سٹھیانے والی بات پر منہ بناتے ہوئے کہا۔

"اور پھر اللہ حیاتی دے ــــ بکرا ذبح ہوگا تو منحوس فریحہ کی گائے کے دیے ہوئے کچھ زخم تو مندمل ہو ہی جائیں گے۔ چھ مہینے نہ سہی کچھ عرصہ تو ہم بھی لذیذ کھانے کھائیں گے۔"

فردوس نے اب بھی بے یقینی سے قربان کی طرف دیکھا۔ مگر جب اس نے جیب سے کمیٹی والے پیسے نکال کر دکھائے اور اقرار میں گردن ہلائی تو وہ اٹھ کر اندر کی طرف چل دی۔

"ارے بہو کہاں چل دیں؟"

"کہاں اپنی ڈائری پیٹی سے نکال رہی ہوں' جو میں نے رو دھو کر پچھلے سال پیٹی میں ڈال دی تھی۔" فردوس خوش ہو کر بولی۔

بچیاں بھی شور مچانے لگیں۔ بکرے کا نام تجویز ہونے لگا۔ اسے کہاں گھمانا' کہاں باندھنا اور کیا' کیا کھلانا ہے' سب کچھ طے کیا جانے لگا۔

قربان اماں سے بہت ساری دعائیں لے کر بکرا منڈی کی طرف روانہ ہوا۔ دعائیں تو رضیہ بیگم کے روم روم سے نکل رہی تھیں۔ قربان اور بکرے کے لیے نہیں' بلکہ قورمہ' بریانی' چانپیں' کوفتوں کے لیے۔

"سلام اماں۔" نور العین اور حور العین اپنے بچوں کے ساتھ گھر میں داخل ہوئیں۔

"آ گئی اماں کی یاد۔ ورنہ تو ہر چھٹی والے دن بھائی کے یہاں ہی موجود ہوتی ہو تم دونوں۔" رضیہ بیگم نے سلام کا جواب دیتے ہوئے تنک کر کہا۔

"ہاں تو بھائی صاحب بکرے کی خبر نشر کر آئے ہوں گے۔ ماں اور بھائی کی محبت نہیں بکرے کے گوشت کی نرم نرم بوٹیاں کھینچ لائی ہیں۔" فردوس ــــ دل میں سوچتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی۔

"ارے اماں یوں کیوں کہتی ہو وہ تو بس فریحہ بھابھی کا گھر وہاں سے قریب پڑتا ہے اور بچوں کی بھی عدیل نبیل سے زیادہ بنتی ہے۔ ورنہ ہمارا میکا تو اللہ سلامت رکھے آپ کے دم سے ہی ہے۔" دونوں نے ماں کے کندھے دباتے ہوئے کہا۔

"ہاں وہاں چائے کے ساتھ لوازمات بھی ملتے ہیں اور یہاں صرف چائے بسکٹ۔"

فردوس نے پھر سوچا اور برا سامنہ بنا کر چائے کا پانی رکھنے باورچی خانے کی طرف چل دی۔

"ارے تم تو میری طرح بھولی بھالی ہو اور وہ دنیا جہان کی چلتر عورت' سو پچاس کے پکوڑے سموسے کھلا کر تم سے ڈھیروں کام لیتی ہے۔

مجھے خود مستقیم نے بتایا تھا کہ چھوٹی مامی' مما اور خالہ سے کبھی کچے قیمے کے ڈھیروں کباب سل پر پسواتی ہیں کہ سل کے پسے کبابوں کا مزا ہی اور ہے۔ کبھی ٹرنک میں رکھے کپڑوں کو اتنی سیڑھیاں چڑھوا اتار کر دھوپ لگواتی ہیں اور کبھی گھر بھر کے چادریں و پردے دھلواتی ہیں کہ دھوبی اور ماسی دونوں سلک کی اتنی اچھی چیزوں کو دھوتے ہوئے خراب کردیتے ہیں۔" اماں بھی کہاں بخشنے والی تھیں۔

"چھوڑو اماں ایک تو تم سے ملنے آئے اور تمہاری تو شکایتیں ہی ختم نہیں ہو رہیں۔ اس سے تو اچھا تھا ہم وہیں چلے جاتے' کم از کم وہی کباب اور بریانی تو کھانے کو ملتی اور پچھلے چکر تو عدنان بھائی پیپسی کی بڑی بوتل بھی لائے تھے۔"

"ہاں وہ جو پینسٹھ روپے کی ہو گئی ہے۔" اماں کہاں

بعض آنے والی تھیں۔

"فردوس بھابھی چائے مت چڑھانا۔" حور نے کچن میں جھانکتے ہوئے آواز لگائی۔

"چلو شکر ہے جان چھوٹی، پتی چینی کون سا ورختوں پر اگتی ہے۔" وہ شکر کا کلمہ پڑھتی باورچی کھانے سے باہر نکلی۔

"ہم اتنے دن بعد آئے ہیں۔ آج تو آپ کے ہاتھ کے اسپیشل دہلی مرغ چھولے اور نان کھائیں گے۔ وہ بھی سلاد، رائتے کے ساتھ۔" حور نے چارپائی پر لیٹتے ہوئے کہا اور فردوس نے مارے بندھے الماری میں سے پانچ سو کا نوٹ نکالا اور پڑوس کے لڑکے کو آواز دینے لگی۔ آخر کو نندیں تھیں۔ اگر ناراض ہو کر چلی جاتیں تو اگلے چکر تک اماں نے اس کا جینا دوبھر رکھنا تھا۔

مرغ چھولے کھانے اور اچھی سی چائے پینے کے بعد قربان کا انتظار ہونے لگا اور رات کے کھانے کی فرمائش بھی سوچ لی گئی۔ مگر اللہ بھلا کرے دونوں کے بچوں کا جنہوں نے ناک میں دم کر کے ماؤں کو گھر جانے پر مجبور کردیا۔ مگر جاتے جاتے وہ اماں کو راضی کر گئیں کہ بکرے کی ایک ایک سالم ران ہمارے گھر بھیجی جائے گی۔ آخر کو بہنوں کا بڑا حق ہوتا ہے۔

قربان مویشی منڈی کے سامنے بس سے اترا تو اس نے سب سے پہلے اسی جیب پر سے ہاتھ ہٹایا جو جیب کترے پکڑے اکھڑ گیا تھا۔ وہ شاداں اور فرحاں گیٹ سے اندر داخل ہوگیا۔

وی آئی بلاکز میں ایک سے بڑھ کر ایک جانور کھڑا اپنی جھب دکھا رہا تھا۔ کیا سرو قد چمکتی رنگت، بڑی بڑی غلافی آنکھیں، انوکھا رنگ روپ، مست چال ڈھال، ایک سے ایک ریشم اور گوٹے کی کڑھی ہوئی چادریں دمکتے ہوئے زیورات، منڈی نہ تھی مقابلہ حسن کا میلہ لگ رہا تھا۔ جہاں بکرے، دنبے اور گائے ٹاپ ماڈلز کی طرح اکڑے کھڑے تھے۔ ملک میں بجلی کا شدید ترین بحران تھا۔ مگران کے لیے بڑے بڑے پیڈسٹل فین بنا روک ٹوک چل رہے تھے۔

"بھائی اس بکرے کی قیمت کیا ہے۔" قربان نے ایک صحت مند اور بڑے بڑے سینگوں والے بکرے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"اڑے بابا تم تو جوہری لگتا ہے ہیرے پر ہاتھ رکھا ہے۔ اس ہیرے کی قیمت صرف چالیس ہزار ہے۔" مالک کے معصومیت سے صرف پر زور دیتے ہوئے کہا۔

اور قربان کو لگا واقعی اس میں کہیں نہ کہیں کوئی ہیرا جڑا ہے۔ مالک نے اس کی قیمت بھی ساتھ ہی بتا دی ہے۔ اس نے گھبرا کر جلدی سے بکرے پر سے ہاتھ ہٹا لیا کہ کہیں ہاتھ لگانے کے ہی دو چار ہزار نہ مانگ لے۔

پھر جس کی بھی اس نے قیمت پوچھی، سن کر ایسے لگتا وہ قربانی کے لیے بکرا نہیں، بلکہ ہائیر کا اے سی خریدنے آیا ہے۔ پھر وہ بکرا منڈی کی اے سی کلاس سے اکانومی میں آگیا۔

منڈی کے اس حصے میں داخل ہوتے ہی قربان کا دماغ گھاس، جانوروں اور ان کی گئی چھوٹی چھوٹی سیاہ مہربانیوں کی خوشبو کی وجہ سے چکرا کر رہ گیا۔ ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی کے مترادف منڈی کے اس حصے میں زمین جا بجا گیلی تھی۔ پھر قربان نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی، یہاں بھی بکرے ہی بکرے تھے۔ مگر سب کے سب کمزور اور لاغر۔ وہ تو گھر سے بڑا شاندار سا جانور خریدنے آیا تھا۔

پھر بڑے مول تول ہوئے کسی بکرے کا سینگ ہل رہا تھا تو کسی کے دانت نقلی تھے۔ کسی کی باڈی ہڑ ہڑ دبنگ تھی۔

اپنی سال بھر کی بچت کے عوض قربان نے ایک بکرا خرید ہی لیا جو اس کے خوابوں کے مطابق جناح ایونیو کے ہیرو جیسا تو نہیں تھا۔ مگر باجی کنول کے سر تاج سے گیا گزرا بھی نہیں تھا۔ اس نے مالک کو قیمت ادا کی اور بکرے کو بڑے پیار سے گود میں اٹھا لیا۔ کیونکہ قربان کو ڈر تھا کہ اگر اس نے بکرے کو زیادہ پیدل چلایا تو اس کی کمر یا بل نہ کھا جائے یا پھر اس کے نازک اندام

کہیں ٹانگوں سے الگ نہ ہو جائیں۔ فی الحال وہ قربان کی متاع جان تھا۔

"یمن اقصا! آئمہ جلدی سے ادھر آؤ، دیکھو میں بکرا لے آیا ہوں۔" گھر داخل ہوتے ہی قربان نے بچیوں کو آواز دی۔ رضیہ بیگم اور فردوس بھی جلدی سے باہر نکل آئیں۔

"ارے بیٹا لینے گئے تھے بکرا اور اٹھا لائے بکرے کا بچہ کیا اسے پال پوس کر اگلے سال قربانی دو گے۔"

فردوس کی آنکھوں میں بھی پسندیدگی کا کوئی خاص تاثر نہیں تھا۔ کیونکہ بکرے میں موجود گوشت اسے اپنی ڈائری میں لکھی ترکیبوں کے لیے کافی کم لگ رہا تھا۔ البتہ بچیاں خوش تھیں۔ انہیں ایک کھلونا مل گیا تھا۔ ایک نے رسی پکڑ لی، دوسری گھاس کھلانے لگی، تیسری آگے پانی رکھنے لگی۔

"اماں میرے پاس جتنے پیسے تھے۔ ان میں یہی آرہا تھا اور اس کے قد پر مت جاؤ۔ عمران بھائی کی طرح گنوں اور عمر میں پورا ہے۔ ارے بیگم جلدی سے لینگ بنالو میں نہا کر آتا ہوں، حالت خراب ہو گئی اس در نایاب کو خریدنے میں۔"

رات ہو چکی تھی۔ بکرا صحن میں ایک کونے میں بیٹھا تھا۔ بچیوں نے اس کا نام راجہ رکھا تھا اور ابھی تک اس کے ارد گرد بیٹھی تھیں۔

"قربان یہ بکرا گونگا تو نہیں ہے۔ جب سے آیا ہے ایک دفعہ بھی میں، میں نہیں کی کہ کم از کم پڑوسیوں کو ہی خبر ہو جائے کہ ہم بھی قربانی کر رہے ہیں۔" فردوس نے فکر مند ہو کر پوچھا۔

"اور ہاں بیٹا صبح بہنیں آئی تھیں تمہیں بہت سلام کہہ رہی تھیں۔ تمہارا کافی انتظار کیا۔ مگر کم بخت پرائی نسل نے دو گھڑی ٹکنے نہیں دیا۔ ورنہ بے چاریاں تم سے مل لیتیں اور رات کا کھانا بھی کھا لیتیں۔ بکرے کی دو عدد سالم رانیں نور اور حور کے گھر بھیجنی ہیں۔ بن باپ کی بچیاں ہیں۔ سسرال والے کیا کہیں گے کہ بڑے بھائی نے قربانی کی تو پاؤ بھر گوشت بھیج دیا۔" رضیہ بیگم نے چھالیہ کترتے ہوئے حکم صادر کیا۔

"اور سنیں ایک سالم ران میری اماں کے یہاں بھی جائے گی۔ پہلی بار آپ قربانی کر رہے ہیں۔ ان کا بھی اتنا حق بنتا ہے، جتنا کسی اور کا۔" کسی اور کا پر زور دیتے ہوئے فردوس نے جتایا۔

"اور ہاں اگر بہو کے میکے میں ران جائے گی تو اللہ سلامت رکھے میرے میکے کے طور پر تو ایک ماموں ہی زندہ بچے ہیں، تم ایک سالم ران ان کو بھی دے آنا۔" اماں نے پان کی گلوری منہ میں دباتے ہوئے کہا۔

"اور ہاں یاد آیا ایک سالم ران عدنان کے یہاں بھی دے آنا۔ اس فریحہ بیگم کو بھی تو پتا چلے کہ ہم بھی کوئی ایسے گئے گزرے نہیں ہیں۔"

"اماں بکرے کی چار ہی ٹانگیں ہوتی ہیں۔" دونوں کے آرڈر سن کر زچ ہوتے قربان نے یاد دلایا۔

"اے چل کوئی بات نہیں، اگلی بار پانچ ٹانگوں والا بکرا لے آنا۔" اماں نے اطمینان سے پان دان بند کرتے ہوئے کہا۔

"اور ہاں گھر کے لیے کلیجی گردے، قیمہ، پسندے نکلوانا مت بھولنا کہ قصائی بعد میں چڑ چڑ کرتے ہیں کہ دیر ہو رہی ہے یا پہلے نہیں بتایا۔" فردوس کے دماغ میں تو ڈائری اور اس میں لکھی ترکیبیں ہی بسی ہوئی تھیں۔

"اور ہاں قربان بیٹا جو گوشت بچے وہ غریبوں میں ضرور بانٹنا کہ ان کا بڑا حق ہوتا ہے قربانی پر۔" اماں نے ناصحانہ انداز میں آخری نصیحت کی اور پاندان لے کر تخت پر سے اٹھ گئیں۔

اور ان کو جاتا دیکھ کر قربان سوچنے لگا کہ ان سب فرمائشوں کو پورا کرنے کے بعد بکرے میں بچے گا ہی کیا۔ کھال اور سری پائے کی پرچی تو صبح ہوتے ہی آجانی تھی۔ وہ چاہتا تھا قربانی اسلامی طریقے سے ہو اور اسی طریقے سے تقسیم بھی کی جائے۔ مگر وہ بھی ابا مرحوم کی طرح حد درجہ شریف بلکہ بزدل قسم کا انسان تھا۔۔۔ دل ہی دل میں کڑھنے کے علاوہ کچھ اور نہیں کر سکتا تھا۔

عید میں چند دن رہ گئے تھے۔ قربان اور بچیوں نے راجہ کی بہت خدمت کی تھی۔ جس سے اس کا وزن کچھ بڑھ گیا تھا اور وہ خوش اخلاق بھی ہو گیا تھا۔ جیسے ہی قربان دکان سے گھر آتا وہ میں میں کرنے لگتا۔
عدیل بھی بکرے کا دیدار کرنے کا آیا تھا اور فتویٰ دے گیا تھا کہ ہماری منی کے ایک ٹانگ سے بھی چھوٹا ہے۔ تمہارا یہ ہڑ ہڑ دبنگ۔

☼ ☼ ☼

ابھی فردوس کھانا لگا ہی رہی تھی کہ قربان کے فون پر کال آنے لگی۔ جسے سن کر وہ ایک دم پریشان ہو کر باہر کی طرف نکل گیا۔ رضیہ اور فردوس آوازیں دیتی رہ گئیں مگر وہ پل بھر میں گلی کا کونا پار کر گیا۔
شام ہونے والی تھی۔ قربان ابھی تک واپس نہیں آیا تھا اور اس کا فون بھی مسلسل بند جا رہا تھا۔ فردوس کو اب فکر ہونے لگی ـــــ بچیاں بھی اب روہانسی ہو رہی تھیں۔ آخر فردوس نے عدنان کا نمبر لگایا تو وہ بھی بند جا رہا تھا۔ رضیہ بیگم چادر اوڑھ کر پڑوس میں جانے ہی والی تھیں کہ ان کے بیٹے کو یہاں وہاں بھیج کر پتا کروائیں کہ رکشا رکنے کی آواز آئی۔
رضیہ بیگم اور فردوس دونوں جلدی سے دروازے کی طرف لپکیں کہ اچانک قربان کے ساتھ فریحہ اور عدیل، نبیل اندر داخل ہوئے۔ فریحہ گھر میں داخل ہوتے ہی رضیہ بیگم کے گلے لگ کر زار و قطار رونے لگی۔
"منیبے عدنان تو ٹھیک ہے نا۔" فردوس نے حقیقتاً پریشان ہو کر پوچھا۔
بچوں اور فریحہ کو بٹھانے کے بعد قربان نے بتایا کہ جس آفس میں عدنان اور فریحہ کے ابا کام کرتے ہیں۔ وہاں فراڈ کا ایک بہت بڑا کیس ہو گیا ہے۔
اور ان دونوں کے نام بھی اس میں لیے جا رہے ہیں اور دونوں کو پولیس پکڑ کر لے گئی ہے۔ میں سارا دن ان ہی چکروں میں تھا۔ اب فریحہ اور بچوں کو لے آیا ہوں۔ اکیلے رو رو کر پریشان ہو رہے تھے۔ تم انہیں سنبھالو، میں باہر جا کر پھر کوئی سبیل کرتا ہوں۔ میں جس مسجد میں نماز پڑھنے جاتا ہوں ان کے پیش امام کا بیٹا وکیل ہے۔ میری اس سے اچھی سلام دعا ہے۔ اس سے جا کر ملتا ہوں۔ ویسے میں نے معلوم کروالیا ہے۔ اس دفعہ اس کیس میں فریحہ کے ابا اور عدنان کا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ باقی اللہ معاف کرنے والا ہے۔ تم سب دعا کرو۔ قربان کے نکلتے ہی رضیہ بیگم سب جھگڑے بھول کر فریحہ کو چپ کروانے لگیں اور دل ہی دل میں بیٹے کی سلامتی کی دعائیں کرنے لگیں۔ فردوس بھی بچوں کو کھانا گرم کر کے دینے لگی۔ عدیل آج بالکل چپ چپ تھا۔
فریحہ ابھی ابھی نماز پڑھ کر آئی تھی۔ رات کافی بیت گئی تھی مگر قربان ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔
"اماں اور بھابھی آپ لوگ مجھے معاف کر دیں۔" فریحہ نے روتے ہوئے بے اختیار ان دونوں کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔ یہ وہ فریحہ ہرگز نہیں تھی جس کا نخرہ سر کے بال کی آخری چوٹی پر ہوا کرتا تھا۔
"ہم نے آپ لوگوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا اور آپ اور قربان بھائی کس طرح میرا اور بچوں کا خیال کر رہے ہیں۔ صبح سے قربان بھائی نے اپنی دکان نہیں کھولی۔ آج اگر آپ لوگ بھی منہ موڑ لیتے تو میں کہاں جاتی۔ ابا بھی جیل میں ہیں۔ امیر رشتہ داروں نے ایک دن بھی آکر خبر نہیں لی۔"
"ارے نہیں فریحہ اپنے کس لیے ہوئے ہیں۔ لاکھ ناراضی سہی مگر جب جب کوئی مصیبت پڑے تو ان کے دل ایک ہی لے میں دھڑکتے ہیں۔ عدنان قربان کا بھائی ہے۔ مانا کہ اس سے غلطیاں ہوئیں۔ وہ دولت کی دوڑ میں حلال حرام کا فرق ہی بھول گیا اور ہم بھی اس کے ساتھ برابر کے گناہ گار ہیں۔ آسائشات کے چکروں میں کبھی اس کو اس غلط کام سے روکا ہی نہیں۔ اللہ بڑا غفور و رحیم ہے۔ اپنے گناہوں کی معافی مانگ کر صدق دل سے جو دعا کی جائے قبول ہوتی ہے۔ تم اپنے ابا اور شوہر کے لیے دعا کرو، قربان کہہ رہا تھا ایک بار کیس میں جرم ثابت ہو گیا تو پھر ان کا چھوٹنا ناممکن ہے۔"

"اماں میں نے آیت کریمہ کے ورد کے لیے محلے سے بچیاں بلوائی ہیں۔ آپ لوگ بھی وضو کر لیں۔ میں زردے کو دم دے دوں تو پھر ہم سب مل کر آیت کریمہ پڑھیں گے۔" فردوس نے باورچی خانے سے نکل کر اپنے پن میں حصہ بتایا۔
تین دن کی دوڑ دھوپ کے بعد دونوں افراد گھر آگئے تھے۔ مگر اس سارے معاملے میں عدنان کا گھر فریحہ کا زیور، گاڑی سامان سب کچھ اونے پونے بک گیا تھا۔ جب جا کر کہیں خلاصی ہوئی تھی۔ کیس تھا بھی تو بہت بڑا۔

☼ ☼ ☼

صبح عید قربان تھی ۔ قربان نے سب کے ساتھ کھانا کھانے کے بعد راجا کی طرف دیکھا۔ تین دن کی پریشانی میں وہ ایک دن بھی اس کے پاس نہیں گیا تھا۔ بچیاں اور عدیل، نبیل اسی ڈیڑھ بالش کے ہڑ ہڑ دبنگ کے ساتھ کھیل رہے تھے۔
عصر کی اذان ہونے والی تھی۔ قربان وضو کر کے نلکے کی طرف گیا تو وہاں عدنان پہلے سے ہی وضو کر رہا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ تخت پر اماں فردوس اور فریحہ ایک دوسرے کو عید کے کپڑے دکھا رہی تھیں۔
آج کی صبح بہت چمکیلی اور روشن تھی عدنان اور قربان ابھی ابھی بچوں کے ساتھ عید کی نماز پڑھ کر آئے تھے اور اب عیدی تقسیم کر رہے تھے کہ اتنے میں قصائی کے آنے کا شور اٹھ گیا۔
فریحہ اور فردوس بکرا ذبح ہونے کا انتظار کرنے لگیں۔ عدیل، نبیل صحن میں آ کھڑے ہوئے اور بچیاں دکھ اور ڈر کے مارے اندر ہی دبک گئیں۔ رضیہ بیگم تسبیح پر کلمہ طیبہ کا ورد کر رہی تھیں۔ تاکہ مرحوم شوہر کو ایصال ثواب کر سکیں۔ فردوس نے ڈائری واپس پیٹی میں ڈال دی تھی اور آج سکون ولا میں سچا سکون تھا۔
قربان نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ اس نے قصائی سے بکرے کا ایک جیسا گوشت بنوایا۔ جس میں چانپیں، گردے، کلیجی سب مکس تھیں۔ پھر اس نے سارے گوشت کو تین مساوی حصوں میں تقسیم کیا اور اپنے حصے کے گوشت میں سے آدھا گوشت اندر فردوس کو دیا۔ تاکہ وہ کھانا بنا سکے اور آدھا غریبوں اور مسکینوں والے حصے میں شامل کر دیا۔
عدنان اور بچے گوشت بانٹنے چل دیے۔ اب قربان صحن میں رکھی کرسی پر مسرور سا بیٹھا سوچ رہا تھا کہ راجہ کی قربانی کے ساتھ ساتھ بہت سی قربانیاں ہو گئی تھیں۔ عدنان کے نفس کی قربانی، فریحہ کے غرور اور کم عقلی کی قربانی، فردوس کی ڈائری کی قربانی اور اماں کے چٹ پٹے کھانوں کی قربانی۔
مگر صد شکر وہ سب اللہ کی ناراضی سے پہلے ہی راہ راست پر آگئے تھے۔ قربان کی یہ پہلی قربانی ہمیشہ یادگار رہنی تھی۔

☼ ☼

ناولٹ

کب تک جان جوانی ہے؟
یہ سانس تو آنی جانی ہے
میں بھی ایک کہانی ہوں
تو بھی ایک کہانی ہے

ہر انسان جس میں جان ہے' اس پر جوانی آتی ہے۔ لیکن صرف جوانی ہی نہیں۔۔۔ زندگی کئی ادوار پر مشتمل ہے۔ جسے عام طور پر تین حصوں میں منقسم کیا جاتا ہے۔ یعنی بچپن' جوانی اور بڑھاپا۔ فکر نہ فاقہ' عیش کر کاکا۔۔۔ جی ہاں کچھ لوگوں کے بارے میں ہمارے دانشور اور لکھاری حضرات کا یہی کہنا ہے کہ وہ سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوتے ہیں اور بچپن سے پچپن تک عیش کی زندگی گزارتے ہیں اور ان کے لیے راوی چین ہی چین لکھتا ہے۔ ان ہی لوگوں کے بارے میں سیانوں کا قول ہے کہ "فکر نہ فاقہ' عیش کر کاکا" جن کے بچپن اور پچپن کا مڈ یعنی جوانی بھی اسی عیش و عشرت میں گزرتی ہے۔ لیکن یہ "سہولت" سب کے لیے ہرگز نہیں ہے۔

اگر زندگی تین حصوں پر منقسم ہے تو ہمارا معاشرہ بھی کئی حصوں پر منقسم ہے۔ اونچ نیچ' ذات پات' امیری غریبی وغیرہ وغیرہ اسٹیٹس کی دوڑ نے اخلاقی اقدار کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔ لیکن یہ تقسیم صرف معاشرے ہی کا حصہ نہیں' کیونکہ یہ تقسیم تو وِدھاتا' جیون داتا' ایشور اور یزدان نے خود کی ہے۔ کہنے کو تو اس نے ہر انسان کو ایک جیسا پیدا کیا' آنکھ' ناک' کان' ہاتھ' غرض یہ کہ سب کچھ ہر ایک کو برابر دیا اور پھر برابری کا درس بھی دیا۔ لیکن ایک چیز اس نے ایسی بنا دی جو ہر انسان کو دوسرے انسان سے الگ کر دیتی ہے۔ وہ چیز جو شاہ و گدا میں فرق پیدا کرتی ہے۔ یہاں اس پالن ہار نے بڑی واضح ڈنڈی ماری۔ جس کی وجہ سے کوئی تو سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوا اور کسی کو سونے کی جگہ تک دستیاب نہیں۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ وہ کون سی چیز ہے؟

"چلیے میں آپ کو بتائے دیتی ہوں۔" اس چیز کا نام "نصیب" ہے۔ وہ نصیب جو مہربان ہو تو زندگی بڑی رنگین' دلکش اور مہربان دکھائی دیتی ہے۔ لیکن اگر خدانا خواستہ نصیب روٹھ جائے تو زندگی حادثات کا مجموعہ بن کر رہ جاتی ہے۔ درد و الم ساون کی بارش کی طرح برسنے لگتے ہیں۔ تب انسان کو زندگی کے اس تحفے سے بھی نفرت ہونے لگتی ہے۔ محبت اور نفرت کے یہی جذبات اس زمین پر بہت سی کہانیوں کو جنم دیتے ہیں اور یہ چلتی پھرتی کہانیاں آپ کو ہر چہرے کے پیچھے نظر آئیں گی۔ حضرت انسان ان ہی کہانیوں کی ایک چلتی پھرتی کتاب ہی تو ہے۔ دکھ اور سکھ' خوشی اور غم' حادثے اور المیے ان کہانیوں کو رقم کرتے ہیں بقول شاعر۔

وقت کرتا ہے پرورش برسوں
حادثہ ایک دم نہیں ہوتا

انسان اپنی اولاد کی پرورش کرتا ہے اور وقت اپنی اولاد کی۔ حادثے اسی وقت کی اولاد ہیں۔ کاتب تقدیر نصیب کی ڈوری ہلاتا ہے اور نصیب وقت کی لگام کو جھٹکا دیتا ہے۔ یوں وقت آجاتا ہے اور وہ اپنی اولاد کو انسان کی اس اولاد کے مقابلے پر اتارتا ہے جسے اشرف المخلوقات ہونے کا زعم بھی ہوتا ہے۔ تب کہانی شروع ہو جاتی ہے۔

ہمیں تم سے ہوا ہے پیار ہم کیا کریں
آپ ہی بتائیں ہم کیا کریں

"او! خدا کے لیے لائبہ کبھی تو اپنا منہ بند رکھا کرو، ہر وقت بھاں بھاں کرتی رہتی ہو، تمہیں کوئی اور کام نہیں کیا؟" لائبہ حسن حسب معمول برتن مانجھتے ہوئے بڑے مگن انداز میں باآواز بلند گا رہی تھی جب علی رضوان نے اسے ڈانٹا۔

"ویسے ساجن جی! ام میرا مطلب ہے کزن جی تم کچن میں کیا کرنے آئے تھے؟ کوئی کام تھا؟ کیونکہ میری خاطر اتنی گرمی میں یہاں آنا تمہارے بس کی بات نہیں ویسے بھی تم ہو تو بڑے مطلب پرست" لائبہ نے برتن سائڈ پر رکھتے ہوئے کچھ جتانے والے انداز میں پوچھا۔

"تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ باہر گیٹ بہت دیر سے بج رہا تھا اگر تمہارا منہ بند ہوتا تو تمہیں دروازے پر ہونے والی دستک ضرور سنائی دیتی باہر دروازہ بج رہا تھا اندر تمہیں دادی جان آوازیں دے رہی تھیں اور یہاں تم چلا رہی تھیں نجانے کس نے تمہاری بھونڈی آواز کی تعریف کردی ہے جو ہر وقت پھٹے ڈھول کی طرح بجتی رہتی ہو۔" علی نے بھی ٹھیک ٹھاک اس کی خبر لی۔

"اچھا اب سمجھی محترم کو اس بات کا افسوس ہے کہ حضور کو خود گیٹ تک جانا پڑا چلیے عالی جاہ! کنیز اپنی کوتاہی پر معذرت خواہ ہے اگر صاحب عالم کا غصہ اتر گیا ہو تو اندر تشریف لے چلیے میں کھانا لگانے لگی ہوں کھالیں ورنہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔" علی کو تپتے دیکھ کر لائبہ نے اسے مزید تپانے کے لیے نہایت شاہانہ انداز میں کہا تو وہ بیچ میں بگڑ گیا۔

"تم نہایت ہی ڈھیٹ لڑکی ہو کبھی نہیں سدھرو گی۔" اپنی ڈانٹ ڈپٹ کا کوئی اثر نہ دیکھ کر وہ غصے سے پاؤں پٹختا ہوا کچن سے نکل گیا۔

"کیوں بگڑ رہا تھا لائبہ پہ؟ بیٹا کیوں اسے ستاتا ہے؟ یتیم بچی ہے اللہ نہ کرے اگر اس کی آہ لگ گئی تو؟"

دادی نے علی کو اپنے پاس بٹھاتے ہوئے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"دادی جان! آپ اس یتیم بچی کو بھی سمجھائیں ناں لڑکی ہے لڑکیوں کی طرح رہے لڑکوں کی طرح گلا پھاڑ پھاڑ کر گاتی رہتی ہے مجھے اس کی حرکتیں سخت بری لگتی ہیں۔" وہ جلا بھنا تو پہلے سے ہی تھا سو جواباً پھٹ پڑا۔

"بیٹا! اسی کے دم سے اس گھر میں رونق ہے وہ نہ ہو تو مانو یہ گھر ویرانہ ہے اس کے ہنسنے بولنے پر مت خفا ہوا کر۔" دادی جان نے پیار بھرے انداز میں سمجھاتے ہوئے جواب دیا۔

"دادی جان! مجھے اس کے ہنسنے بولنے پر اعتراض نہیں ہے بس اس کی گلوکاری مجھے پسند نہیں۔" علی نے صاف انداز میں جواب دیا تو دادی جان مسکرا کر چپ ہو گئیں۔ علی انہیں عزیز تھا ہی لیکن لائبہ بھی کم پیاری نہ تھی۔

☼ ☼ ☼

کلثوم بی بی جوانی میں ہی بیوہ ہو گئی تھیں۔ انہوں نے بڑی محنتوں مشقتوں سے اپنے بچوں کو پالا، پڑھایا لکھایا اور پھر باری باری بیاہ بھی دیا۔ بہو تو انہیں اچھی ملی ہی تھی قسمت سے داماد بھی انہیں تابعدار اور محبت کرنے والا ملا تھا۔ لائبہ کی پیدائش کے دوران ہی انیلا کا انتقال ہو گیا تھا۔ کلثوم بی بی اپنی جواں سالہ بیٹی کی موت پر صدمے سے گنگ ہو گئیں اور جب ساجد حسن نے ننھی منی لائبہ کو ان کی گود میں دیا تو انہیں یوں لگا جیسے ان کی انیلا واپس آگئی ہو۔ بچی کی دیکھ بھال نانی سے بہتر کوئی اور نہیں کر سکتا اور یوں انیلا کا چہلم ہوتے ہی کلثوم بی بی لائبہ کو اپنے گھر لے آئیں اور آتے ہی بیٹے اور بہو کو سنا دیا کہ لائبہ اب ہمیشہ اسی گھر میں رہے گی۔ وہ اسے علی کی دلہن بنائیں گی۔ بیٹے اور بہو کو بھی ان کا یہ فیصلہ پسند آیا اور کسی نے کوئی اعتراض نہ کیا یوں ننھی منی لائبہ نانی اور ممانی کی گود میں علی کا نام سنتے سنتے بڑی ہو گئی۔

ایک دن اس نے نانی اور مامی کو یہ کہتے سنا کہ لائبہ اور علی کی جوڑی ماشاء اللہ بہت پیاری بالکل چاند سورج کی جوڑی ہے۔ چھوٹی عمر تھی کچا ذہن تھا بات اثر کر گئی اور اس کے دل کے کورے کاغذ پر علی رضوان کی تصویر نقش ہو گئی۔ یوں لاشعور سے ہی لائبہ حسن علی رضوان کی محبت دل میں بسائے اور آنکھوں میں اس کے خواب سجائے شعور کی منزل تک آپہنچی۔ لائبہ کو جس قدر علی سے محبت تھی وہ اسی قدر اس سے چڑتا تھا۔ اسے لائبہ کا گانا گنگنانا سخت برا لگتا تھا اور لائبہ اس کی موجودگی میں کچھ زیادہ ہی اپنے فن کا مظاہرہ کرتی تھی جو علی کو تپانے کے لیے کافی ہوتا تھا۔

☼ ☼ ☼

دل نے یہ کہا ہے دل سے
محبت ہو گئی ہے تم سے
میری جان میرے دلبر میرا اعتبار کرو
میری دھڑکنوں کو سمجھو تم بھی مجھ سے پیار کرو

وہ صحن میں جھاڑو لگاتے ہوئے زور و شور سے اپنی گلوکاری کے جلا بخش رہی تھی قریب ہی علی بیٹھا اخبار بینی کر رہا تھا۔ وہ صاف سمجھ رہا تھا اس کا اشارہ کس طرف ہے، لیکن وہ انجان بنا رہا۔ وہ چند سیکنڈ تو سنتا رہا پھر دندناتا ہوا گیٹ کے پاس آگیا جہاں لائبہ کوڑا اکٹھا کر رہی تھی۔

"آخر تمہیں مسئلہ کیا ہے؟" وہ زور سے دھاڑا۔

"بہت شدید تکلیف ہے شاید ہارٹ پرابلم۔" اس نے مسکین سی صورت بنا کر جواب دیا تو وہ جھنجلا گیا۔

"شٹ اپ! تم اول درجے کی ڈھیٹ لڑکی ہو۔" وہ غصے سے پھٹ پڑا۔

"اور تم انتہائی ضدی اور مجھے ڈھیٹ بننے پر تمہاری ضد نے مجبور کیا ہے۔ اگر تم ضد چھوڑ دو تو میں بھی ڈھیٹ نہ بنوں۔" لائبہ نے بھیگے بھیگے لہجے میں جواب دیا۔

"دیکھو لائبہ میں تم سے ہزار بار کہہ چکا ہوں کہ مجھے تم سے کوئی لگاؤ نہیں، میں تمہیں بالکل نہیں چاہتا ہم دونوں کبھی ایک نہیں ہو سکتے ہماری منزلیں الگ ہیں بلکہ میری زندگی میں تمہارا تصور بھی نہیں۔ میرا خیال اپنے دل سے نکال دو اور پلیز لوٹ جاؤ۔ یہ یک طرفہ چاہت تمہیں کچھ نہیں دے گی" وہ اسے بے چارگی سے سمجھانے لگا۔

"ایک بار صرف ایک بار علی مجھے چاہ کر تو دیکھو میرے متعلق سوچو تو سہی۔ علی میں تمہارا خیال اپنے دل سے کیسے نکال دوں؟ تمہیں چاہنا میری زندگی ہے اور میری واپسی کا تو سوچنا بھی مت لائبہ حسن اس راہ کی مسافر ہے جہاں واپسی کا کوئی موڑ نہیں اگر میں واپس پلٹوں گی تو پتھر کی ہو جاؤں گی اور میں جینا چاہتی ہوں علی! تم میری زندگی ہو اور اپنی زندگی مجھے بہت عزیز ہے۔" لائبہ نے بے بسی سے کہا۔

"مرو تم چاہتی رہو مجھے میری بلا سے، دیکھنا تم ایک دن میں چپکے سے گھر سے چلا جاؤں گا اور کچھ عرصے بعد ایک اسمارٹ سی بیگم لے کر لوٹ آؤں گا تب اپنی عقل اور اپنی چاہت پہ بیٹھ کر ماتم کرنا۔" علی نے جل

بھن کر جواب دیا۔
"تم کسی خوش فہمی میں مت رہنا تمہیں تو میں شوٹ کروں گی ہی تمہاری بیگم کی بھی تکہ بوٹی کردوں گی کسی کی مجال ہے جو میری محبت پر ڈاکا ڈالے۔" علی کو منہ بناتے دیکھ کر اس نے دھمکی دیتے ہوئے کہا۔ اور اندر بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

"دادی جان! میرے لیے بہت سی دعائیں کرنا آج پھر ایک جگہ انٹرویو کے لیے جارہا ہوں۔" علی نے دادی سے پیار لیتے ہوئے کہا۔
"اللہ کامیاب کرے میرے بچے کو۔" انہوں نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے دعا دی۔
"آمین۔۔۔" پاس بیٹھی لائبہ نے پرزور انداز میں آمین کہا تو علی کا موڈ آف ہوگیا۔ وہ لائبہ سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔
"علی! میں بھی تمہارے لیے دعا کروں گی۔" کچھ سوچ کر لائبہ نے شوخی سے کہا۔ کیونکہ دو دن سے دونوں کی بات چیت بند تھی اور ان کی ناراضی دو دن سے زیادہ نہیں چلتی تھی۔ ہر بار لائبہ کو ہی منانا پڑتا تھا اور اب بھی ایسا ہی ہوا تھا حسب معمول لائبہ نے ہی صلح میں پہل کی۔
"کوئی ضرورت نہیں۔ شکریہ بہت بہت مجھے تمہاری دعاؤں کی کوئی ضرورت نہیں۔" اس نے بگڑ کر جواب دیا۔
"دیکھا نانو! یہ پھر مجھ سے لڑ رہا ہے۔" لائبہ نے جھٹ سے شکایت لگائی۔
"بری بات علی بیٹا! ایسے نہیں کہتے دیکھنا اس کی دعا ضرور قبول ہوگی۔" نانو نے منہ بسورتی ہوئی لائبہ کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔
"دادی جان! جس دعا میں غرض شامل ہو وہ کبھی قبول نہیں ہوتی۔" علی نے لائبہ کو دیکھتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا۔
"کیوں؟ کیوں؟ مجھے کیا غرض ہے تمہاری نوکری سے؟ اللہ سلامت رکھے میرے ماموں جی کو۔" اس نے بڑے مان سے ماموں کا حوالہ دیا۔
"اور کیا بیٹا بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔" نانو نے اس کی بات کی تائید کی۔
"ظاہری سی بات ہے دادی جان! جب تک میری نوکری نہیں ہوگی محترمہ کو لال جوڑا نہیں ملے گا دلہن نہیں بن سکے گی۔" اس نے کڑے تیور سے بتایا تو دادی جان ہنس دیں جبکہ وہ شرمندہ ہوگئی۔ علی کے ساتھ اس کی لاکھ بے تکلفی سہی لیکن نانو کے سامنے ایسی بات وہ جھینپ سی گئی اور مزید کچھ بولے وہاں سے اٹھ گئی۔
"تو علی رضوان! تم یہ جانتے ہو کہ تمہاری جاب لگتے ہی ہماری شادی ہوجائے گی پھر تم جاب کے لیے اتنی جدوجہد۔۔۔ کرتے ہو؟ اس کا مطلب ہے کہ تمہیں بھی میرا خیال ہے تم بھی ایسا ہی چاہتے ہو۔ مجھے تنگ کرنے کے لیے میری محبت سے انکار کرتے ہو۔" علی رضوان تو چلا گیا' لیکن اس کے لیے سوچ کی نئی راہیں کھول گیا۔
"اللہ کرے آج میرے علی کی نوکری لگ جائے تو میں تم دونوں کے فرض سے بھی سبکدوش ہوجاؤں۔ اپنی آنکھوں سے تم دونوں کی خوشی دیکھ لوں۔" انہوں نے لائبہ کو محبت سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بری طرح شرما گئی۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم!" لائبہ نے گیٹ کھولتے ہی جھٹ سلام جھاڑا اور ایک طرف ہوگئی تاکہ علی بائیک اندر لاسکے۔
"ویسے علی! سلام کا جواب دینا تو ہر مسلمان عورت اور مرد پر فرض ہے۔" چند قدم چلنے کے بعد لائبہ نے جتایا۔
"کیا ضروری ہے کہ میں آتے جاتے تمہارے منہ لگا کروں؟" پتا ہوا تو وہ پہلے سے ہی تپا ہوا تھا سو بنا کسی لحاظ کے پھٹ پڑا۔
"توبہ ہے علی! تم تو ہر وقت مرچیں ہی چباتے رہتے ہو بھی ہے جو کبھی ڈھنگ سے بات کرلو۔" وہ بھی علی سے جھگڑنے لگی اور علی دل ہی دل میں اسے کوستا ہوا اندر کی طرف بڑھ گیا جبکہ لائبہ کا رخ کچن کی طرف تھا۔
"کیا بنا بیٹا؟ کیسا رہا انٹرویو؟" جب علی کچھ دیر بعد فریش ہو کر آیا تو رضوان صاحب نے سنجیدگی سے پوچھا۔
"وہی ابو جی! جو پچھلے تین سالوں سے ہو رہا ہے۔ پچاس جگہ انٹرویو دے چکا ہوں' لیکن بے سود یہ انٹرویو وغیرہ صرف خانہ پری کے لیے ہوتے ہیں بندہ تو وہ پہلے رکھ چکے ہوتے ہیں۔ آخر ایسا کب تک چلے گا کب تک حق دار کا حق مارا جائے گا؟" اس نے اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے۔
"چلو کوئی بات نہیں بیٹا تم دل چھوٹا مت کرو۔ اللہ بہتر کرے گا۔" انہوں نے بیٹے کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ علی پانی لینے کے لیے کچن میں آیا۔
"علی چائے پیو گے؟ اسٹرونگ سی۔" لائبہ نے صلح جو انداز میں پوچھا جبکہ علی نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا بلکہ پانی پی کر کچن سے جانے لگا۔

دل کے بدلے دل تو ساری دنیا دیتی ہے
ہم تو دل کے ساتھ اپنی جان بھی دے دیں گے

اسے پلٹتے دیکھ کر لائبہ نے آواز کو دردناک بناتے ہوئے صدا لگائی تو نہ چاہتے ہوئے بھی علی کو پلٹنا پڑا۔
"مس لائبہ حسن! اپنے یہ تھرڈ کلاس ہتھکنڈے کسی اور پر آزماؤ! میں تمہاری ان بے ہودہ اور گھٹیا اداؤں میں آنے والا نہیں ہوں۔" علی نے نہایت حقارت اور نفرت بھرے لہجے میں کہا تو ایک پل کے لیے لائبہ کا دل ڈوب ڈوب گیا ہزار چاہتوں محبتوں اور مروتوں کے باوجود علی اس سے صدیوں کے فاصلے پر تھا اس پر محبت اثر کرتی تھی نہ مروت۔
"علی آج تم میری محبت کی توہین کر رہے ہو' لیکن یاد رکھنا ایک وقت ایسا آئے گا جب تم میری چاہت کے طلب گار بن کر میرے سامنے دامن پھیلاؤ گے' اس وقت تمہیں دینے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں ہوگا۔" لائبہ نے بھیگے لہجے میں کہا۔

"بے فکر رہو وہ دن کبھی نہیں آئے گا کہ علی رضوان تمہارے سامنے سوالی بن کر کھڑا ہو اور تم سے تمہاری محبت کی بھیک مانگے۔ اتنا برا وقت علی رضوان کی زندگی میں کبھی نہیں آئے گا۔ ارے تم جیسی تو آج بھی میرے جوتے کی نوک پر ہیں، میں تو آج بھی تم جیسی کو ٹھوکروں میں اڑاتا ہوں۔" اس نے نہایت ہی نفرت اور تکبر سے جواب دیا تو لائبہ تڑپ کے رہ گئی۔

"بس کرو علی خدا کے لیے بس کرو اتنا تکبر اتنا غرور مت کرو کہ خدا کا قہر تم پر نازل ہو یہ اختیار تمہیں ضرور ہے کہ تم میری محبت ٹھکرا دو، لیکن تمہیں یہ حق ہرگز نہیں کہ تم میری تذلیل کرو، میرے جذبات کی توہین کرو۔"

"او کے۔ اگر تمہیں اتنا ہی اپنی عزت نفس کا خیال ہے تو پلیز آئندہ میرے منہ مت لگنا، میں بالکل لحاظ نہیں کروں گا۔" علی نے بڑی بے رحمی سے جواب دیا اور وہاں سے چل دیا۔

"یہ تم اچھا نہیں کر رہے علی میرے دل کو اپنے قدموں تلے روند کر تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ تم بھی ایک دن تڑپو گے آج تمہیں میری محبت کا احساس نہیں میرا دل جو صرف تمہارے نام پر دھڑکتا ہے۔ آج تم نے کتنی بے دردی سے اسے توڑ دیا۔" اس کے جانے کے بعد وہ سسک سسک کر رونے لگی آج اسے احساس ہوا تھا کہ علی کو اس سے رتی بھر بھی محبت نہیں اگر اس کے دل میں اس کے لیے تھوڑی سی بھی جگہ ہوتی تو وہ اتنے سخت الفاظ کبھی استعمال نہ کرتا۔

☼ ☼ ☼

وہ اپنے کمرے میں بے چینی سے ٹہلتا ہوا مسلسل لائبہ کے بارے میں سوچ رہا تھا اسے احساس تھا کہ اس نے کچھ اچھا نہیں کیا جذبات میں آ کر کچھ زیادہ ہی سخت الفاظ بول گیا تھا پر وہ بھی کیا کرتا اس دل میں لائبہ کے لیے بالکل جگہ نہیں تھی۔ اسے اپنی زندگی میں شامل کرنے کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا اور وہ بے وقوف اور جذباتی لڑکی نہ جانے کب سے آس لگائے بیٹھی تھی اس کے لاکھ منع کرنے کے باوجود اسی کے خواب دیکھ رہی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ لائبہ واپس پلٹ جائے اور اس کا خیال اپنے دل سے نکال دے۔ اسے نرمی سے پیار سے ہزار بار سمجھا چکا تھا کہ وہ اس کا خیال اپنے دل سے نکال دے پر نہ جانے وہ کس مٹی کی بنی تھی کچھ سمجھتی ہی نہیں تھی پلٹنا تو دور کی بات دن بہ دن اس کی محبت میں آگے ہی بڑھتی جا رہی تھی۔

"ایم سوری لائبہ! جس راہ کی کوئی منزل نہ ہو اس پر چلنا بے وقوفی ہے اور سوائے پچھتاوے کے کچھ حاصل نہیں۔" آخر تھک کر اس نے بیڈ کی کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے پلکیں موند لیں۔۔۔

☼ ☼ ☼

"لائبہ یہاں آؤ بیٹا!" وہ صفائی کر رہی تھی جب مامی جی نے اسے اپنے پاس بلایا۔

"جی مامی جی!" وہ جھاڑن ہاتھ میں لیے ان کے پاس چلی آئی۔

"ادھر بیٹھو میرے پاس۔" انہوں نے محبت سے اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا تو وہ چپ چاپ ان کے پہلو سے لگ گئی۔

"علی نے کچھ کہا ہے؟ کیا اس سے جھگڑا ہوا ہے؟" مامی جی نے قیاس لگاتے ہوئے پوچھا تو اس کے نین جل تھل ہو گئے۔

"او! اس کا مطلب ہے علی نے ہی کچھ کہا ہے۔ تب ہی میری بیٹی کچھ دنوں سے چپ چپ ہے۔" انہوں نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا تو وہ بلک بلک کر رونے لگی۔

"بری بات بیٹا! ایسے نہیں روتے۔ علی کی باتوں کو دل پر مت لیا کرو وہ زبان کا لاکھ کڑوا سہی پر دل کا برا نہیں ہے۔ تم تو جانتی ہو کہ آج کل وہ بے روزگاری کی وجہ سے بہت پریشان ہے تمہارے ماموں جی کی ریٹائرمنٹ قریب آگئی ہے اور علی کو ابھی تک کوئی ڈھنگ کی جاب نہیں ملی اور گھر کے حالات تیرے سامنے ہے۔" انہوں نے اسے طریقے اور پیار سے

سمجھاتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی علی کی پریشانی کی وجہ بھی بتائی تو وہ کچھ شرمندہ سی ہو گئی۔

"بیٹا! دعا کرو علی کو نوکری مل جائے پھر میں تم دونوں کو ایک مضبوط ڈور سے باندھ دوں گی پھر لڑنا جھگڑنا جو چاہے کرنا۔" مامی جی نے اسے گلے لگاتے ہوئے ہنس کر کہا تو وہ روتی آنکھوں سے مسکرا دی اور مامی جی نے اس کی پیشانی چوم لی۔

☼ ☼ ☼

کپڑے پریس کرتے ہوئے وہ حسب معمول ہولے ہولے گنگنا رہی تھی۔ پاس ہی نانو بیٹھی تھیں اور علی ان کی ٹانگیں دبا رہا تھا۔ اس دن کی جھڑپ کے بعد دونوں کی بات چیت بالکل بند تھی بلکہ لائبہ کی کوشش ہوتی کہ وہ علی کے سامنے ہی نہ آئے علی تو خیر کیا مناتا اس بار لائبہ نے بھی دل پر پتھر رکھ لیا تھا اور عہد کر لیا تھا کہ اب علی کو بالکل نہیں منانا لائبہ کو رلا کر علی کو دکھ ہوا تھا۔

ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ اس نے اپنے دل میں ایک ہلکی سی خلش محسوس کی۔ وہ مسلسل علی کو نظر انداز کیے ہوئے تھی۔ ادھر اس کا ایک ایک لفظ علی کے دل پر اثر کر رہا تھا۔

"میڈم نور جہاں صاحبہ! اگر آپ کا گیت ختم ہو گیا ہو تو پلیز ایک کپ چائے بنا دیں اسٹرونگ سی شدید طلب ہو رہی ہے۔" بے اختیار ہی علی اٹھا اور لائبہ کے ہاتھ سے استری لیتے ہوئے فرمائش کی۔ علی اور بولنے میں پہل کرے لائبہ کو اپنی سماعتوں پر یقین نہ آیا۔ وہ حیران نگاہوں سے اسے تکنے لگی۔

"ایسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کیا دیکھ رہی ہو؟ چائے مانگی ہے کوئی قارون کا خزانہ نہیں جو تم حیرت زدہ ہو گئیں۔" علی نے اس کی حیران آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ہوش میں آگئی اور سوئچ بند کر کے کچن کی طرف آگئی۔

"سنو لائبہ! اگر مجھ سے بات کرنا گوارا نہیں تو پلیز چائے بنانے کی زحمت بھی مت کرنا، میں خود بنا لوں گا۔" اسے خاموشی سے کام کرتے دیکھ کر علی نے سنجیدگی سے کہا اس کا اشارہ اس کی ناراضی کی طرف تھا۔

"کیا کروں علی؟ مجبوری ہے جب ایک گھر میں رہنا ہے تو بات بھی کرنا ہی پڑے گی اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں۔" اس نے احسان جتانے والے انداز میں جواب دیا تو علی مسکرا دیا۔

"او کے تو پھر میں اپنا انتظام کہیں اور کر لیتا ہوں۔" علی بھی ادھار رکھنے والوں میں سے نہ تھا جھٹ جواب دیا۔

"تم جانو تمہارا کام مجھے کیا؟" لائبہ نے ادائے بے نیازی سے کہا تو وہ سر کھجا کر رہ گیا اسے لائبہ سے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

توجے نئیں پاس چنا کی ساڈے پاس وے؟
دن وی اداس ساڈا راتاں وی اداس!

"ارے تمہیں ابھی بھی شکوہ ہے کہ میں تمہارے پاس نہیں۔" علی نے شرارت سے کہا تو وہ گاتے گاتے ایکدم چپ کر گئی۔

"تم کب آئے؟" لائبہ نے پلٹ کر پوچھا۔

"حیرت ہے تمہیں میرے آنے کی خبر نہیں ہوئی حالانکہ تم تو کہتی ہو کہ میرے قدموں کی آہٹ کے ساتھ تمہارے دل کی دھڑکنیں چلتی ہیں۔" علی نے اس کی کہی ہوئی بات دہراتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ بالکل سچ ہے علی! اور یہ بھی حقیقت ہے کہ تمہارا دل کبھی میرے لیے نہیں دھڑکا۔ یہ میری بدنصیبی ہے تمہارا تو کوئی قصور نہیں۔" لائبہ نے سنجیدگی سے کہا تو اس کا بھیگا بھیگا لہجہ علی کو دکھی کر گیا۔

"اچھا اب بس کرو رات بہت ہو گئی ہے۔ چھوڑو کچن کا پیچھا اور آرام کرو باقی برتن صبح دھو لینا۔" علی نے بات بدلتے ہوئے اسے وقت کا احساس دلایا۔

"بس فارغ ہو گئی ہوں ویسے تم اس وقت یہاں کیا کرنے آئے تھے؟" اس نے برتن ریک میں سیٹ

کرتے ہوئے سرسری انداز میں پوچھا۔
"اگر کچھ کھانے کو ہے تو دے دو بھوک محسوس ہو رہی ہے۔ رات کو کھانا ٹھیک سے نہیں کھایا تھا۔" علی نے مسکین سی صورت بناتے ہوئے اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا تو لائبہ مسکرادی۔
"تم اوپر چلو میں کھانا لاتی ہوں۔ مجھے چھت سے کپڑے بھی اتارنے ہیں رات شاید بارش ہو ساون میں کچھ پتا نہیں چلتا ہے کہ کب کیا ہو جائے۔" لائبہ نے فریج سے آٹا اور سالن کا ڈونگا نکالتے ہوئے مصروف انداز میں کہا تو علی واپس پلٹ گیا جبکہ وہ جلدی جلدی روٹیاں بیلنے لگی۔
"نانو میں اوپر علی کو کھانا دینے جا رہی ہوں چھت سے کپڑے بھی اتارنے ہیں۔" لائبہ نے دروازے سے ہی نانو کو بتایا اور ٹرے اٹھا کر اوپر علی کے کمرے میں چلی آئی۔
"لائبہ تم کتنی اچھی ہوں نا تمہیں میرا کتنا خیال ہے۔" علی نے اس کے ہاتھ سے کھانے کی ٹرے لیتے ہوئے ممنونیت سے کہا۔
"اچھا اب تعریفیں بند کرو اور کھانا کھاؤ، میں اوپر سے کپڑے اتار لاؤں۔" لائبہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور کمرے سے نکل گئی۔
کچھ دیر بعد لائبہ کپڑے اتار کر لائی تو علی کھانا شروع کر چکا تھا۔
"تھینک یو سو مچ! لائبہ تم واقعی بہت اچھی ہو۔" علی نے پر خلوص انداز میں اس کی تعریف کی۔
"کیا بات ہے علی؟ آج تم مجھ پر کچھ زیادہ ہی مہربان نہیں ہو رہے؟ کہاں تو ہر وقت گولے برساتے تھے اور اب میری تعریفیں کرتے ہوئے تمہارا منہ نہیں تھکتا۔" لائبہ نے سوکھے کپڑے سائیڈ پر رکھتے ہوئے صاف گوئی سے کہا۔
"کیوں بھئی تم پر تھوڑا مہربان ہونے کا مجھے کوئی حق نہیں! تم جو ہر وقت مجھ پر مہربان رہتی ہو تو کیا میں نے کچھ کہا۔" علی نے اسے دیکھتے ہوئے شوخی سے جواباً پوچھا۔
"محبت اور مہربانی میں بہت فرق ہوتا ہے علی! اور میں تم سے محبت کرتی ہوں۔" لائبہ نے آہستگی سے کہا۔
"ایم سوری لائبہ تمہارے کسی خواب کی تعبیر میرے اختیار میں نہیں۔ تم میری منزل نہیں۔" علی نے سنجیدگی سے کہا اور دیر تک اسے سمجھاتا رہا۔
"بس تم میرا خیال اپنے دل سے نکال دو۔" آخر میں علی نے آہستگی سے کہا۔
"اوہ لائٹ کو بھی ابھی ہی جانا تھا۔" اس سے پہلے کہ علی کچھ کہتا ایک دم ہی لائٹ چلی گئی۔ علی سخت جھنجھلایا۔
"علی مجھے نیچے تک چھوڑ آؤ اندھیرے میں ڈر لگتا ہے۔" لائبہ نے اندھیرے میں ہی کپڑے سمیٹتے ہوئے کہا تو وہ اس سے پہلے دروازے کی طرف بڑھا۔
"دیکھ کے آنا لائبہ۔" علی نے چلتے چلتے اسے بھی تاکید کی۔ باہر بارش ایک دم تیز ہو گئی اور ساتھ ہی گرج چمک ہونے لگی۔
"علی پلیز رکو نا۔" لائبہ نے گھپ اندھیرے میں دیکھنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے گھبرا کر کہا۔
"ادھر ہی ہوں یار تم یہ کپڑے صبح لے جانا ادھر آؤ۔" علی نے اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔
"علی!" وہ گھبرائی۔
"آجاؤ بھئی آجاؤ۔" علی نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھامتے ہوئے اسے پکارا۔ باہر بجلی زور سے کڑکی تو لائبہ کی تو جان نکل گئی۔
"علی!" وہ خوف زدہ ہو کر چیخی اور بے ساختہ ہی علی سے لپٹ گئی اور علی نے بھی اسے بے اختیار اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا اس کا دل بے ہنگم انداز میں دھڑکنے لگا سانسوں کی رفتار بڑھ گئی جذبات میں ایک ہلچل سی مچ گئی اک ضرورت کا احساس شدت سے ہونے لگا۔ تاریکی اور تنہائی پھر اس سے لپٹی ہوئی جواں لڑکی خواہشات نے سر اٹھایا اور من جلا دل کچھ اور ہی تقاضا کرنے لگا۔
"علی پلیز چھوڑو مجھے! یہ کیا بدتمیزی ہے؟" اس کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی۔
"علی! علی ہوش کرو سنبھالو خود کو یہ کیا کر رہے ہو۔ علی چھوڑو مجھے۔" وہ بھرپور مزاحمت کرنے لگی۔
"لائبہ! تمہیں مجھ سے محبت ہے نا؟" وہ بہکے بہکے لہجے میں بولا۔
"علی! یہ کون سا وقت ہے ایسی باتوں کا؟ تم۔۔۔ تم ہوش کھو رہے ہو علی! خدا کے لیے چھوڑو مجھے۔" وہ اس کے ارادوں کو بھانپ کر خوف زدہ انداز میں جواباً بولی اور خود کو چھڑانے کی بھرپور مزاحمت کرنے لگی، لیکن بے سود۔ علی کی آہنی گرفت سے نکلنا اس کے لیے ناممکن تھا۔
"لائبہ! اگر سچی محبت ہو تو انسان آگ کا دریا عبور کر لیتا ہے اور تم میری اتنی سی خواہش پوری نہیں کر رہیں اپنی محبت کا اظہار تو تم ہزار بار کر چکی ہو آج ثبوت بھی دے دو کہ واقعی تمہیں مجھ سے محبت ہے۔ آج مجھے یقین دلا دو کہ تم مجھے دل سے چاہتی ہو۔" وہ بہکنے لگا اس کا لہجہ گمبھیر اور انداز بے ساختہ ہو گیا۔
"علی! یہ کون سا طریقہ ہے محبت کو آزمانے کا؟ علی رحم کرو مجھ پر۔" وہ اس کی بانہوں کے آہنی شکنجے میں جکڑی فریاد کرنے لگی۔ باہر بادل ایک بار پھر پوری شدت سے گرجے بجلی کڑکی اور لائبہ جو خود کو چھڑانے کی کوشش اور بھرپور مزاحمت کر رہی تھی خوف زدہ ہو کر خود بخود علی سے لپٹ گئی۔ باہر ایک طوفان برپا تھا جس کی لپیٹ میں پورا شہر تھا اور ایک طوفان علی رضوان کے کمرے میں حشر برپا کیے ہوئے تھا جس نے صرف لائبہ حسن کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔
"یہ اچھا نہیں ہوا علی! یہ اچھا نہیں ہوا۔ تم نے بہت برا کیا۔" وہ تکیے پر سر پٹخ پٹخ کر فریاد کرنے لگی۔ علی بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائے کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ رات جو ہوا اس کا علی کو بھی ملال تھا۔ بارش تو تھمانے رات کس پہر رک گئی تھی طوفان بھی تھم گیا تھا لیکن جو قیامت لائبہ حسن پر ٹوٹی تھی اس کا خمیازہ بھگتنا ابھی باقی تھا۔
"علی یہ تم نے کیا کر دیا؟ مجھے محبت کرنے کی کتنی کڑی سزا دی ہے۔ یا اللہ میں کیا کروں؟ میں کہاں جاؤں؟" وہ بلک بلک کر آہ و بکا کرنے لگی۔
"لائبہ! اب واویلا مچانے کا کوئی فائدہ نہیں رات جو کچھ ہوا تم اس میں برابر کی شریک ہو۔" کچھ دیر بعد علی نے سنجیدگی سے کہا۔
"نہیں علی نہیں! تم نے میرے ساتھ زبردستی کی ہے۔ مجھے محبت کے نام پر لوٹا ہے۔" وہ بکھر بکھر گئی۔
"لائبہ حسن میں نے تمہارے گلے پر چاقو نہیں رکھا تھا اور نہ ہی تمہیں گن پوائنٹ پر مجبور کیا تھا۔ میں نے تو بس اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا جسے تم نے کچھ تردد کے بعد قبول کر لیا۔ رات جو کچھ بھی ہوا ہم دونوں کی باہمی رضامندی سے ہوا۔ اب بہتری اسی میں ہے کہ اس واقعہ کو یہیں دفن کر دیں۔ یہ سمجھو کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔" علی نے نہایت سنگدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ وہ کسی طور بھی اپنا قصور ماننے کو تیار نہیں تھا۔
"علی! پلیز مجھ سے نکاح کر لو آج ہی۔" اس نے علی کا گریبان جھنجھوڑتے ہوئے التجا کی۔ وہ یوں اچھلا جیسے بچھو نے ڈنک مارا ہو۔
"تم ہوش میں تو ہو؟ یہ کیا بکواس ہے؟ اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی تم سمجھ رہی ہو کہ میں تم سے شادی کروں گا؟" وہ الٹا اس پر برسنے لگا۔
"علی سمجھنے کی کوشش کرو۔ میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اب تم میری خواہش نہیں، بلکہ مجبوری ہو، میری ضرورت ہو۔ پلیز علی انکار مت کرنا۔" وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر منت پہ اتر آئی۔
"او۔۔۔ تو یہ بات ہے لائبہ حسن! تم اپنے منصوبے میں ناکام ہو گئی ہو۔ اب میں سمجھا۔ یہ تمہاری چال تھی مجھے پانے کی لیکن میں بھی کوئی اناڑی نہیں ہوں جو یہ گیم ہار جاؤں۔ چپ چاپ نیچے چلی جاؤ اور خبردار جو کسی کو کچھ بتانے کی کوشش کی تو ورنہ میں بھی صاف کہہ دوں گا کہ تم خود چل کر میرے پاس آئی تھیں۔ اب تمہاری عزت اسی میں ہے کہ تم خاموش رہو۔

علی کل بھی تمہارا نہیں تھا اور نہ کبھی ہو گا۔ اٹھو جلدی سے جاؤ دادی جان فجر کی نماز کے لیے اٹھنے والی ہوں گی۔" علی نے طنزیہ نگاہوں سے لائبہ کو دیکھتے ہوئے شدید حقارت سے کہا تو لائبہ کو اس لمحے علی سے شدید نفرت محسوس ہوئی۔ اس کا جی چاہا کہ وہ علی کے حسین و جمیل چہرے کے پیچھے چھپے اس کے مکروہ چہرے کو نوچ لے۔ اس کا رواں رواں علی کے لیے بددعا کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼
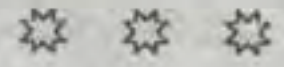
آج لائبہ پورے ایک ہفتے بعد کچھ ہوش میں آئی تھی۔ اسے بس اتنا یاد تھا کہ وہ بمشکل خود کو گھسیٹتے ہوئے نیچے آئی تھی۔ بیڈ پر لیٹنے کے بعد اسے کچھ خبر نہیں کہ کیا ہوا۔

"اٹھ گئی میری بیٹی، دیکھو میں نے آج تمہاری پسند کا کھانا بنایا ہے۔ چلو شاباش جلدی سے کھالو، ورنہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔" مامی جی نے کھانے کی ٹرے تپائی پر رکھتے ہوئے کہا اور خود اسے سہارا دے کر بٹھانے لگیں۔ اسے تکیوں کے سہارے بٹھا کر مامی جی خود اسے اپنے ہاتھ سے کھانا کھلانے لگیں۔ اس نے بمشکل چند نوالے کھائے اور مزید کھانے سے انکار کر دیا۔

"بیٹا تم بیمار تھیں۔ علی چند دن قبل اپنے کسی دوست کے پاس لاہور گیا ہے۔ کہہ رہا تھا وہیں نوکری کے لیے کوشش کرے گا۔ یہاں تو مشکل ہے کہ کوئی نوکری ملے۔" نانو نے اسے تفصیل بتائی تو اس نے تلخی سے آنکھیں بند کر لیں۔ "نانو آپ کا لاڈلا تو بہت بزدل نکلا۔ ساری رسوائیاں میرے دامن میں ڈال کر خود بھاگ نکلا۔ خدا کرے علی تم ساری زندگی بے سکون رہو۔ تمہیں کبھی چین نصیب نہ ہو۔" وہ دل ہی دل میں علی کو بددعائیں دینے لگی اور تھک کر دوبارہ لیٹ گئی۔

☼ ☼ ☼

"اماں جی! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ یہ ناممکن ہے۔" رضوان صاحب ماں کی نئی فرمائش سن کر تپ سے گئے۔

"مجبوری ہے میرے بچے میں کب ایسا دل سے کہہ رہی ہوں پر جوان اولاد کے ساتھ زبردستی بھی تو نہیں کی جا سکتی۔ علی نے فون کر کے لائبہ سے شادی کرنے سے صاف انکار کر دیا ہے اور آج صبح تو لائبہ بھی کہہ رہی تھی کہ اسے کبھی بھی علی سے شادی نہیں کرنی۔" انہوں نے دونوں بچوں کی خواہش کے بارے میں بتایا۔

"اماں جی! آپ فکر نہ کریں۔ بس ایک بار علی کو آنے دیں۔ میں خود اس سے بات کروں گا سمجھاؤں گا۔"

رضوان صاحب نے ماں کو سمجھاتے ہوئے جواب دیا۔

"تمہارا سمجھانا بے کار ہے بیٹا علی نہیں آئے گا۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا ہے جب تک گھر سے لائبہ رخصت نہیں ہو جاتی وہ نہیں آئے گا۔" انہوں نے بے بسی سے بتایا تو رضوان صاحب سر تھام کر بیٹھ گئے۔

"مت پریشان ہو بیٹا یہ سب تقدیر کے کھیل ہیں۔ اگر تو کہے تو میں نوید کو پیغام بھجوا دوں۔ اب بچی کو عمر علی کے نام پہ بٹھانا فضول ہے۔" اماں جی نے کچھ سوچنے کے بعد بیٹے سے مشورہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"اماں جی! آپ اچھی طرح دیکھ بھال لیں۔ اگر رشتہ مناسب ہے تو منگنی وغیرہ کی فضول رسم کو رہنے دیں۔ ایک بار ہی رخصتی کر دیں۔ اچھا ہے بچی گھر بار کی ہو جائے۔" رضوان صاحب نے اپنی رائے سے آگاہ کرتے ہوئے جواب دیا اور پھر اماں جی انہیں نوید کے بارے میں تفصیل سے بتانے لگیں۔

"بیٹا! ہم نے تو کچھ اور ہی سوچا تھا پر تقدیر کو کچھ اور ہی منظور ہے۔ میں نے تمہیں ہمیشہ اس گھر میں رکھنے کا فیصلہ کیا تھا پر میرے ایسے نصیب کہاں علی تمہارے لائق ہی نہیں تھا۔ نوید بہت اچھا لڑکا ہے۔ مکمل چھان بین کے بعد تمہارے ماموں جی نے شادی کی تاریخ دے دی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میری بیٹی اپنے ماموں کا مان رکھے گی۔" مامی جی نے اسے سمجھاتے ہوئے تفصیل بتائی تو نین جل تھل ہو گئے اور اس کی ہچکی بندھ گئی۔

"میں جانتی ہوں بیٹا تمہارے دل کی مجھے خبر ہے پر میں مجبور ہوں۔" انہوں نے اسے سینے سے لگا کر چوم لیا۔

"تو تم میرا نصیب نہیں تھے علی رضوان۔ صرف میری چاہت تھے۔ میری دیوانگی، میرے پاگل دل کی آرزو۔ کاش۔ کاش میں نے تمہیں چاہا نہ ہوتا۔ تمہارے خواب آنکھوں میں نہ سجائے ہوتے تو آج مجھے کوئی ملال نہ ہوتا۔ میں نے اپنا سب کچھ تم پر نچھاور کر دیا اور تم نے مجھے نارسائیوں کے بھنور میں جھونک دیا۔ بہت ظلم کیا تم نے میرے ساتھ۔"

☼ ☼ ☼

"اماں جی گھر کتنا خالی خالی لگ رہا ہے۔ کتنی رونق تھی لائبہ کے دم سے۔ ادھر ادھر آتے جاتے کچھ نہ کچھ گاتی ہی رہتی تھی۔ پر علی کے جانے کے بعد ایک چپ سی لگ گئی تھی اس کو۔ بہت برا کیا علی نے ہمارے ساتھ اس معصوم کو بھی دکھ دیا اب تو یہ گھر کاٹنے کو دوڑتا ہے۔" مریم بیگم نے گھر کا آنگن سونا سونا محسوس کر کے ساس سے کہا۔

"بس بہو! نصیب کے کھیل ہیں۔ تقدیر بدلنا کب بندے کے اختیار میں ہے۔ اب بچی کے لیے دعا کرو کہ اپنے گھر میں خوش رہے۔ شاد و آباد رہے۔ اب علی کا فون آئے تو اسے بھی گھر آنے کا کہو اور اس کے لیے بھی کوئی لڑکی دیکھو۔ دلہن گھر آئے گی تو رونق بھی ہو جائے گی۔" اماں جی نے اک آہ بھرتے ہوئے جواب دیا اور ساتھ ہی علی کی شادی کی تجویز پیش کی جو مریم بیگم کو بھی بہت پسند آئی اور مسکراتی ہوئی اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

☼ ☼ ☼

"نوید پلیز اٹھ جائیے نا۔ میں نے پکوڑے بنا لیے ہیں اور چائے بھی دم پر ہے۔" لائبہ نے گہری نیند سوتے ہوئے نوید کو جگاتے ہوئے جھنجلا کر کہا تو نوید نے کروٹ بدلی اور لائبہ کو کھینچ کر اوپر گرا لیا۔

"کیا مصیبت ہے یار۔ میں سوتا ہوں تو تمہیں پریشانی ہوتی ہے اور جاگتا ہوں تو تمہیں مجھ سے گھبراہٹ ہوتی ہے۔ اب یہ بندہ کیا کرے۔" انہوں نے اس کو چھیڑتے ہوئے شرارت سے کہا۔

"اچھا ایک بات پوچھوں، سچ سچ بتاؤ گی۔"

"جی پوچھیے۔" اس کی ہلکی سی آواز آئی۔

"لائبہ! تم میرے ساتھ واقعی خوش ہو یا خوش نظر آنے کی کوشش کرتی ہو؟" نوید نے لائبہ کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا تو اس کی نگاہیں جھک گئیں۔

"آپ کیا محسوس کرتے ہیں؟" اس نے خود کو سنبھال کر جواباً پوچھا۔

"بھئی میرا تو مت پوچھو۔ میں جتنی محبت تم سے کرتا ہوں نا اگر اتنی محبت پتھر سے کروں تو وہ بھی پگھل کر موم بن جائے۔ تو بھلا تم میری محبت پا کر خوش کیوں نہیں ہو گی؟ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ جنت اسی زندگی کا نام ہے۔ میں نے جو چاہا وہ پا لیا۔ جو خواب دیکھا وہ پورا ہو گیا۔" انہوں نے سچائی سے جواب دیا۔

"اچھا اب خیالوں کی دنیا سے نکل آیئے اور خواب دیکھنا بند کریں۔ اور اٹھ جائیے۔" لائبہ نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ بھی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے واش روم کی طرف بڑھ گئے۔

☼ ☼ ☼

"امی اب بس بھی کریں۔ کتنا روئیں گی؟" علی نے ماں سے الگ ہوتے ہوئے کہا اور ان کے آنسو صاف کیے۔

"تو نے بہت برا کیا علی۔ ہم سب کے ارمان مٹی کر دیے۔ مجھے کتنی آرزو تھی لائبہ کو تیری دلہن بنانے کی۔" مریم بیگم نے آنکھیں رگڑتے ہوئے بیٹے سے شکوہ کیا۔

"امی پلیز جانے دیں اب اس قصے کو۔ اب لائبہ اپنے گھر کی ہو گئی ہے۔ بھول جائیے سب کچھ بس

ہمارے ستارے نہیں ملے۔" اس نے جھنجلائے ہوئے انداز میں جواب دے کر بات ختم کی۔

"اچھا دادی جان چھوڑیں ان باتوں کو' کوئی اور بات کریں' یہ بتائیں کہ لائبہ نے اپنی شادی پر مجھے یاد کیا تھا۔" سو بات بدلتے ہوئے اس نے دادی سے کہا۔

"یاد کیا بھی ہوگا تو دل میں ہی کیا ہوگا۔ مجھ سے تو کوئی بات نہیں کی۔ تمہارے جانے کے بعد تو اسے اک چپ سی لگ گئی تھی۔ ہنسنا بولنا ہی بھول گئی تھی۔ کھلا ہوا گلاب تھی میری بچی' ایک دم مرجھا گئی۔ شادی کے دن بھی گم سم سی تھی۔ پر بھلا ہو نوید کا جس نے اسے بہلا لیا چند دنوں میں ہی نوید نے اسے اپنا بنایا۔" دادی نے اسے لائبہ کے بارے میں مکمل تفصیل سے آگاہ کیا تو وہ دل ہی دل میں کچھ شرمندہ سا ہوا۔

"دادی جان! لائبہ نے میرے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ کچھ کہا نہیں۔" علی نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔ اس کے دل میں چور تھا۔ تب ہی پوچھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ لائبہ نے اس رات کے بارے میں کسی سے کوئی بات تو نہیں کی۔

"ارے نہیں بیٹا۔ جاتے ہوئے تم نے اس کی حالت تو دیکھی تھی۔ پورے پندرہ دن بستر پر رہی۔ جب ٹھیک ہوئی تو اس کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ایسے میں وہ کیا بات کرتی؟ پر دکھی بہت تھی۔ اللہ اللہ کر کے اب سنبھلی ہے۔ ہر دوسرے دن نوید اسے ملوانے لاتا ہے۔ نوید تو بہت خوش ہے۔ اسے پا کر بہت قدر دان ہے میری بچی کا۔ اب دعا ہے کہ دونوں سدا خوش رہیں۔" انہوں نے محبت سے چور لہجے میں بتایا۔ لائبہ کے بارے جان کر اسے دلی اطمینان ہوا۔

"اچھا دادی جان میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔ تھکن سے برا حال ہے۔" علی تھکے تھکے انداز میں کہتا اوپر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ اسے احساس ہوا کہ جیسے نیچے کوئی آیا ہے اور وہ جلدی سے فریش ہو کر نیچے آ گیا۔ اپنی تھکن کی پروا کیے بغیر۔

"نئی زندگی اور نیا ہم سفر مبارک ہو کزن۔" وہ کچن میں نانو کے لیے پانی لینے آئی تھی کہ نہ جانے کہاں سے علی رضوان نکل کر اس کے سامنے آ گیا۔

"تم۔۔۔" اس نے پلٹ کر شعلہ بار نگاہوں سے علی رضوان کو دیکھا۔

"علی رضوان! ہٹو سامنے سے۔" اس نے نفرت سے کہا۔

"ناراض ہو لائبہ؟" علی نے آہستگی سے پوچھا۔

"بکواس بند کرو اور ہٹو سامنے سے۔ مجھے راستہ دو اور ایک بات اور کان کھول کر سن لو کہ تم لائبہ حسن سے نہیں' بلکہ مسز لائبہ نوید سے مخاطب ہو۔ اب راستہ دو مجھے۔" اس نے حقارت سے کہا اور اس کی سائیڈ سے نکل گئی اور علی اپنی ہی نظروں میں گر گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا قصور ناقابل معافی ہے۔ وہ اس سے جتنی نفرت کرتی' جتنی حقارت سے بولتی کم تھا۔ لائبہ کے جانے کے بعد ایک عجیب سے احساس نے اسے گھیر لیا۔ اک بے کلی سی دل کو لاحق ہو گئی۔ وہ اپنی اس کیفیت کو کوئی بھی نام دینے سے قاصر تھا۔

"نانو آپ تو کہتی ہیں کہ آپ نے بولتی مینا مجھے دی ہے۔ پر یہ تو گم سم پری ہے بولتی ہی نہیں۔" نوید نانو سے لائبہ کی شکایتیں لگاتے ہوئے بولا اور اندر آتے علی رضوان کے قدم تھم سے گئے۔

"علی! آ جاؤ بیٹا رک کیوں گئے یہ نوید ہے لائبہ کا میاں۔" نانو نے اسے دروازے میں کھڑے دیکھ کر پکارا تو زبردستی علی مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور نوید سے بغل گیر ہو گیا۔

"آپ جناب کہاں تھے اب تک۔ شادی میں بھی نظر نہیں آئے آپ۔" نوید نے یکدم ہی بے تکلفی سے پوچھا۔

"آج صبح ہی آیا ہوں۔ لاہور اپنے دوست سے ملنے گیا تھا اور کچھ نوکری وغیرہ کا بندوبست بھی کرنا تھا!" علی نے مسکرا کر جواب دیا۔ یہ دونوں کی پہلی ملاقات تھی اور باتیں ایسے ایک دوسرے سے کر رہے

تھے جیسے برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔

"نوید چلیے میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔" علی کو نوید کے پاس بیٹھتے دیکھ کر لائبہ نے کہا اور یکدم جانے کو کھڑی ہو گئی۔

"ارے بیٹا کدھر چلیں؟ کھانا کھا کر جانا۔ بس تمہارے ماموں بھی آتے ہی ہوں گے میں کھانا لگاتی ہوں۔" مامی جی نے نوید سے پہلے جواب دیا۔

"نہیں مامی جی' کھانے کو دل ہی نہیں چاہ رہا' اب ہم جائیں گے۔" لائبہ کے انکار پر مامی کچھ نہیں بولیں اور لائبہ نے انکار کیا تو نوید بھی جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اوکے علی اب تم چکر لگانا۔" پھر لائبہ مامی اور نانو سے ملنے کے بعد باہر نکلی۔ علی کی طرف اس نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ ملنا تو دور کی بات تھی اور یہ علی کے ساتھ ساتھ نانو اور مامی نے بھی محسوس کیا۔ وہ بس سوچ کر رہ گئیں کہ آخر کیا بات ہے جو لائبہ علی کو نظر انداز کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"بس امی' مجھے زیادہ کی چاہ نہیں۔ لڑکی قابل قبول پڑھی لکھی ہو اور گھریلو ٹائپ ہو۔" علی نے اپنی پسند بتائی تو مریم بیگم اور دادی جان اسے تعجب سے دیکھنے لگیں۔

"بیٹا یہ سب چاہیے تھا تو پھر لائبہ کو کیوں ٹھکرایا' اس میں کیا کمی تھی؟" آخر چند سیکنڈ بعد دادی جان نے حیرت اور تعجب سے پوچھا تو وہ اداسی سے مسکرا دیا۔

"پتا نہیں دادی جان اس وقت میرا دل اس کی طرف مائل ہی نہیں ہوا۔" علی نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟ اس وقت؟ تو کیا اب؟" دادی جان نے الجھ کر پوچھنا چاہا تو علی کی نگاہیں جھک گئیں اور دل میں اک ٹیس سی اٹھی۔ پھر وہ ماں اور دادی جان کے پاس بیٹھا نہیں' بلکہ اٹھ کر باہر نکل گیا۔

تو دادی جان بھی رنجیدہ ہو گئیں۔ انہیں احساس ہو گیا تھا کہ علی اب پچھتا رہا ہے۔

"پر اب کیا فائدہ پچھتانے کا۔ قسمت بدلنا انسان کے بس کی بات نہیں۔"

"جی اماں جی! آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں کہ اب پچھتانے کا کوئی فائدہ نہیں اگر یہ لڑکا پہلے کچھ عقل سے کام لیتا تو اب پچھتانے کی کوئی نوبت نہ آتی۔ پر اب تو قسمت بھی کچھ نہیں کر سکتی۔ کیونکہ لائبہ اپنے گھر بار کی ہو چکی ہے اور خوش بھی ہے اپنے گھر میں۔ ہم تو اب ان دونوں کے لیے دعا ہی کر سکتے ہیں ہمارے پاس تو اب کوئی اور راستہ نہیں۔"

☼ ☼ ☼

"آج نانو کی طرف چلیں؟" نوید نے چائے کا آخری سپ لیتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں بھئی میرا دل نہیں چاہ رہا۔" لائبہ نے صاف انکار کرتے ہوئے جواب دیا۔

"یار تم اس صدی کی پہلی لڑکی ہو جس کا میکے جانے کو دل نہیں چاہ رہا۔ حالانکہ لڑکیاں تو بھاگ بھاگ کر میکے حاضری لگاتی ہیں۔" نوید نے ہنس کر کہا تو وہ بھی مسکرا دی۔

"نوید اگر میں بھاگ بھاگ کر میکے جاتی رہی تو پھر میرا دل اپنے گھر نہیں لگے گا۔ میں اپنا دل اپنے گھر میں لگانا چاہتی ہوں۔ آپ کے ساتھ خوش رہنا چاہتی ہوں۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا تو نوید کو اس کا جواب نہال کر گیا۔

"اوکے پھر تیار ہو جاؤ۔ آج ڈنر باہر کریں گے۔" نوید نے مسکرا کر کہا تو وہ بھی مسکرا کر چائے کے خالی برتن سمیٹنے لگی اور نوید تیار ہونے کے لیے اندر کی طرف بڑھ گئے۔ نوید جب فریش ہو کر آئے تو لائبہ کو دیکھ کر فکر مند ہو گئے۔ کیونکہ اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام رکھا تھا۔

"لائبہ۔۔۔ لائبہ! کیا ہوا جان۔" وہ لپک کر اس کے پاس آئے۔

"نوید میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔" اس نے

بمشکل بتایا۔

"او کے! اٹھو، ڈاکٹر کی طرف چلتے ہیں۔" نوید نے اسے سہارا دیتے ہوئے اٹھایا۔

اور قریبی کلینک چلے آئے۔

☼ ☼ ☼

تو یہ تھی میری خوش حال ازدواجی زندگی، جس کی مدت صرف ایک ماہ تھی۔ نوید سے بات چیت بند ہوئے تیسرا دن تھا۔ ڈاکٹر نے تو خوش خبری سنائی تھی جسے سن کر نوید ہواؤں میں اڑنے لگے تھے۔ لیکن جب ڈاکٹر نے انکشاف کیا کہ پریگننسی چودہ ہفتے کی ہے تو نوید کا چہرہ تاریک ہوگیا۔ کیونکہ ان کی شادی کو ابھی بمشکل چار ہفتے ہوئے تھے گھر آتے ہی نوید کمرے میں بند ہوگئے اور لائبہ ڈرائنگ روم میں ہی بیٹھی رہ گئی۔ انہوں نے لائبہ سے کچھ پوچھا اور نہ ہی بات کرنا گوارا کی۔ وہ صبح وقت سے پہلے ہی آفس روانہ ہوگئے۔ ادھر لائبہ الگ پریشان تھی کہ یہ کیا ہوگیا؟ وہ تو اس منحوس رات کو بھولنا چاہتی تھی اور کسی حد تک بھول بھی گئی تھی۔ پر وہ رات سیاہ بختی بن کر اس کا پیچھا کرتی ہوئی آگئی تھی۔

"لائبہ! تم نے جس کے ساتھ منہ کالا کیا ہے اپنی غلاظت لے کر اسی کے پاس چلی جاؤ۔ میں کسی گندگی کو اپنے گھر میں پروان نہیں چڑھنے دوں گا۔" نوید تین دن بعد بولے بھی تو کیا بولے؟

"پلیز نوید ایسا مت کہیے۔" وہ رو دی۔

"بکواس بند کرو اور چلی جاؤ یہاں سے۔ میں تمہاری منحوس صورت دیکھنا بھی نہیں چاہتا۔" وہ زور سے دھاڑے اور کمرے سے نکل گئے اور لائبہ بلک بلک کر رونے لگی۔ یہ دونوں کی پہلی جھڑپ تھی اور پھر تو لڑائی جھگڑا ان کا معمول بن گیا۔ نوید اس شخص کا نام جاننا چاہتے تھے جو لائبہ کا گناہ گار تھا۔ لائبہ نے اس معاملے میں مکمل چپ سادھ رکھی تھی۔ وہ ان کی ہر زیادتی، ہر ظلم خاموشی سے برداشت کر رہی تھی۔ وہ قصوروار تھی۔ اس لیے ہر سزا ہمت اور بہادری سے سہہ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

نانو اور مامی جی نے علی کے لیے لڑکی پسند کرلی تھی۔ وہ اسے بھی خوش خبری سنانے آئی تھیں اس کی حالت دیکھ کر وہ کچھ پریشان ہوگئیں۔ مامی جی نے اسے گلے لگا کر نئے مہمان کی مبارک باد دی تو وہ بلک بلک کر رو دی۔ مامی نے تو اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہا تھا پر اس نے سختی سے انکار کردیا۔ گھر میں علی کی شادی کی تیاریاں شروع تھیں اس لیے نانو اور مامی بہت کم اس کی طرف آتی تھیں۔

"نوید بیٹا! یہ علی کی شادی کا کارڈ ہے تم دونوں نے پہلے آنا ہے۔" نانو نے ایک سنہری کارڈ نوید کو دیتے ہوئے محبت سے کہا تو اس کا جی چاہا کہ کارڈ نوید کے ہاتھ سے جھپٹ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کردے۔ اس نے بمشکل اپنے جذبات کو قابو میں رکھا اور شادی میں شرکت کی ہامی بھرلی۔ نوید نے شادی کے انتظامات میں بھرپور حصہ لیا اور بہت سارے کام اپنے ذمے لیے وہ تقریباً" روز ہی ماموں کی طرف جاتا اس نے اپنے اور لائبہ کے معاملات کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا البتہ لائبہ کو ایک پل بھی سکھ کا سانس نہ لینے دیتا۔ لائبہ پہلے تو نہ گئی پر بارات پر اسے مجبوراً" جانا پڑا بارات کی روانگی سے کچھ دیر قبل اس نے مامی اور نانو سے معذرت کرلی کہ وہ بارات کے ساتھ نہیں جائے گی اس کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ اس کی حالت کے پیش نظر انہوں نے بھی اسے ساتھ چلنے پر مجبور نہیں کیا۔ اور جب بارات واپس آئی تو وہ بھی دلہن سے سرسری سا ملنے کے بعد گھر لوٹ آئی کیونکہ زیادہ دیر علی رضوان کی خوشیوں میں شریک رہنا اس کے بس سے باہر ہو رہا تھا اس کا شدت سے جی چاہ رہا تھا کہ ہنستے مسکراتے علی کا چہرہ نوچ نوچ کر لہولہان کردے اور سرعام اس کی ذلیل حرکت کو بے نقاب کردے، لیکن ایسا کرنے میں اس کی اپنی بھی رسوائی تھی وہ نوید کی شکر گزار تھی اس نے ابھی تک کسی سے

کچھ نہیں کہا تھا۔ نجانے مامی اور نانو کی محبت نے اسے خاموش رہنے پر مجبور کیا تھا یا پھر ماموں جی کی شرافت اور سادگی اسے کچھ کہنے سے روک رہی تھی۔ ولیمے کی تقریب میں صرف نوید نے ہی شرکت کی تھی لائبہ گھر میں ہی رہی آخر وہ دن بھی آگیا جب اس نے ایک کمزور اور نحیف سے بچے کو جنم دیا۔ نانو اور مامی دونوں ہی حیران تھیں کہ بچہ وقت سے پہلے کیسے آگیا، لیکن کمزور سا بچہ دیکھ کر انہیں احساس ہوگیا کہ وقت سے پہلے بچہ پیدا ہونے سے بچے ایسے ہی ہوتے ہیں۔

☼ ☼ ☼

"لائبہ یہ جس کا گناہ ہے اسی کے منہ پر مارو۔ میں اس سے زیادہ برداشت نہیں کرسکتا۔" وہ بچے کو چینج کروا رہی تھی جب نوید اس کے سر پر دھاڑے۔

"کاش! لائبہ کاش مجھے تم سے محبت نہ ہوتی۔ کاش میں نے تمہیں اتنی شدت سے نہ چاہا ہوتا۔ تم نے مجھے کس دوراہے پر لاکر چھوڑا ہے نہ آگے بڑھ سکتا ہوں نہ واپس پلٹ سکتا ہوں۔ تمہارے ساتھ رہنا محال ہے تو تمہارے بغیر جینا عذاب، محبت کرنے کی تم نے یہ کیسی سزا دی مجھے؟" وہ اس کے بال مٹھیوں میں بھینچے بے بسی اور بے چارگی سے بولے تو وہ خود بھی شدت سے رو دی۔ اس نے بھی تو محبت کرنے کے جرم کی یہ سزا پائی تھی۔ وہ کس سے جاکر شکوہ کرتی؟ کسے اپنی بربادی کی داستان سناتی؟ کس سے جاکر فریاد کرتی؟

☼ ☼ ☼

"لائبہ! یہاں آؤ میرے پاس۔" وہ بچے کو سلانے کے بعد درست حالت میں لٹا رہی تھی جب نوید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور صوفے پر لا بٹھایا۔ ان کا سرد انداز اسے منجمد کر گیا ان کا لہجہ بلا کی سنجیدگی لیے ہوئے تھا۔

"دیکھو میں آج آخری بار تم سے پوچھ رہا ہوں مجھے سچ سچ بتادو کہ اس بچے کا باپ کون ہے؟" انہوں نے کڑے تیوروں سے لائبہ کو گھورتے ہوئے پوچھا تو وہ ٹھنڈے پسینے میں بھیگ گئی۔

"بولو جواب دو ابھی اور اسی وقت جلدی کرو۔" اس کی مسلسل خاموشی سے تپ کر وہ زور سے دھاڑے، لیکن جواب ندارد لائبہ حسن کی آنکھیں برس رہی تھیں لب خاموش، نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

"دیکھو تم دونوں کو مزید برداشت کرنا میری برداشت سے باہر ہے۔ میں نے یہ ڈیڑھ سال کس اذیت سے گزارا ہے تمہیں کچھ اندازا نہیں اب میں مزید بے غیرت نہیں بن سکتا ہم دونوں کی بہتری اسی میں ہے کہ ہم اپنے راستے الگ کرلیں۔ تم اپنے بچے کو لے کر اپنے میکے چلی جاؤ میں آج سے بلکہ ابھی سے تمہارے ساتھ ہر تعلق ہر رشتے کو توڑتا ہوں، میں باقائمی ہوش و حواس تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ طلاق دیتا ہوں۔ طلاق دیتا ہوں اب تمہارا اور کوئی رشتہ نہیں، لیکن اب میں تمہیں گھر سے جانے کے لیے نہیں کہوں گا کیوں کہ یہ مکان تمہارا ہی ہے تمہارے حق مہر میں لکھا ہے، میں اسی ہفتے پاکستان سے باہر جارہا ہوں ایک دو دن تک تمہیں طلاق کے کاغذات بھی مل جائیں گے اس طرح تمہارے گھر والوں کو بھی پتا چل جائے گا کہ تم میری طرف سے بالکل آزاد ہو۔" نوید نے نہایت ہی سہولت سے تین الفاظ ادا کیے اور ڈیڑھ سالہ تعلق کو ایک منٹ میں ہی توڑ دیا۔ وہ حق دق سی نوید کی صورت دیکھتی رہ گئی۔

"میں نے بہت چاہا کہ تم سے نباہ کرلوں، لیکن میری محبت پر میری غیرت حاوی ہوگئی جو کچھ تم یہاں سے لے کر جانا چاہو لے جاسکتی ہو کیوں کہ ابھی میں تین دن کے لیے اسی گھر میں ہوں اسی لیے میں نہیں چاہتا کہ ان تین دنوں میں تمہیں کوئی پریشانی ہو۔ میرے یہاں سے چلے جانے کے بعد آسانی سے تم اس گھر میں رہ سکتی ہو اس بچے کے باپ کے ساتھ۔" انہوں نے اس کے سامنے سے اٹھتے ہوئے طنزیہ نظروں سے اس کو دیکھتے ہوئے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں کہا تو لائبہ بلک بلک کر رو دی۔ نوید تھکے تھکے قدموں سے کمرے سے باہر نکل گئے۔

☼ ☼ ☼

"آخر ہوا کیا تھا؟ نوید نے ایسا کیا کہہ دیا تھا کہ تم نے گھر چھوڑ دیا۔ میاں بیوی میں چھوٹے موٹے جھگڑے تو ہوتے ہی رہتے ہیں پر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ بندہ گھر ہی چھوڑ دے۔" نانو نے اسے گلے لگائے سمجھانے والے انداز میں کہا تو وہ مچل مچل کر رونے لگی وہ ابھی ابھی آئی تھی بچہ آسیہ کی گود میں تھا اور وہ خود نانو کی آغوش میں وہ سوچ رہی تھی کہ نانو کو کیسے بتائے کہ نوید کے ساتھ اس کی علیحدگی ہوگئی اور وجہ کیا بتائے؟ آخر یہ بات کب تک چھپی رہے گی کہ وہ ایک ناجائز بچے کی ماں ہے۔ اب تو نوید بھی بنا کسی لحاظ کے ہر بات صاف صاف بتادیں گے۔

"وہ ہوتا کون ہے لائبہ کو گھر سے نکالنے والا؟ اس نے لائبہ کو لاوارث سمجھ رکھا ہے؟ میں ابھی اس سے بات کرتا ہوں۔ اس کے ہوش ٹھکانے نہ لگائے تو میرا بھی نام نہیں۔" جب علی کو لائبہ کے آنے کی خبر ہوئی تو وہ آگ بگولہ ہوگیا۔

"خدا کے لیے علی! یہ ان میاں بیوی کا معاملہ ہے آپ بیچ میں مت پڑیے۔" اسے آپے سے باہر دیکھ کر آسیہ اسے سمجھانے لگی۔

"کیوں بیچ میں نہ پڑوں؟ اس نے لائبہ کو گھر سے نکال دیا ہے اور میں خاموشی سے بلکہ ہم خاموشی سے دیکھتے رہیں۔" وہ مزید بگڑنے لگا۔

"چپ کر جاؤ علی! خدا کے لیے چپ کر جاؤ میرے معاملے میں بولنے کا تمہیں کوئی حق نہیں۔" لائبہ نے جب علی کو چیختے چلاتے دیکھا تو وہ اسی پر پھٹ پڑی۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ علی کا گریبان پکڑ کر اسے جتاتی کہ یہ اسی کی لگائی ہوئی آگ ہے، جس میں وہ ڈیڑھ سال سے جل رہی ہے۔ آج نوید نے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔ یہ بھی اس کا بڑا پن تھا کہ اس نے چار لوگوں کو سنانے کی بجائے خاموشی سے فیصلہ کر دیا تھا اور یوں فی الحال اس کی عزت رہ گئی تھی۔ وہ رو رو کر بے حال ہو رہی تھی اور باوجود کوشش کے نانو کو وہ یہ نا بتا پا رہی تھی کہ نوید نے اسے طلاق دے دی ہے۔ وہ پریشان تھی کہ جب طلاق کے کاغذات آئیں گے تو کیا وجہ بتائے گی؟ کیسے علی رضوان کے چہرے سے نقاب اٹھائے گی؟ کیسے اعتراف کرے گی کہ اس کا مجرم علی ہے؟

"بس اب چپ کر جاؤ اور نہیں رونا میں ایک دو دن تک نوید کو خود فون کروں گی۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا بس اللہ پر بھروسہ رکھو اور ہم سب پر یقین کرو۔" نانو نے اسے بہلایا۔

☼ ☼ ☼

رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب علی نے اسے جگایا۔ علی کو دیکھ کر اس کا موڈ آف ہوگیا۔

"لائبہ! جلدی سے اٹھو ہمیں ابھی جانا ہے۔" اسے جاگتے دیکھ کر علی نے آہستگی سے کہا۔

"اس وقت کہاں جانا ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"اٹھ گئیں بیٹا جلدی آؤ۔" اس سے پہلے کہ علی کوئی جواب دیتا ماموں جی بھی وہیں چلے آئے۔

"ماموں جی۔" اس وقت وہ انہیں دیکھ کر کچھ پریشان ہوگئی۔

"حوصلہ رکھو بیٹا' ان شاء اللہ خیریت ہوگی خدا خیر کرے گا۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ہولے سے جواب دیا۔

"لائبہ ابھی اسپتال سے فون آیا ہے۔ نوید کی بائیک کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔" علی نے دھیرے سے اسے اصل حقیقت بتائی تو اس کا دل کانپ گیا۔

"الٰہی خیر کرنا نوید کو اپنی حفظ و امان میں رکھنا۔" بے ساختہ ہی اس کے دل سے دعا نکلی تھی' لیکن شاید بہت دیر ہو چکی تھی کیوں کہ وہ لوگ جب اسپتال پہنچے تو اس وقت نوید اس دار فانی کو الوداع کہہ چکے تھے۔

☼ ☼ ☼

"لائبہ بیٹا اپنا ضروری سامان باندھ لو اور چلنے کی تیاری کرو۔" وہ گہری سوچوں میں گم بیٹھی تھی جب ا

نی نے اسے مخاطب کر کے چلنے کے لیے کہا تو وہ ٹکر ٹکر ان کی صورت دیکھنے لگی۔

"لائبہ بیٹا نوید کا چہلم ہوئے بھی آج ایک ہفتہ ہوگیا ہے اب یہاں رہ کر کیا کرنا ہے؟ اکیلی کیسے رہو گی' میں بھی مزید تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی ——— تم بھی تیار رہنا شام کو علی آئے گا نہیں اور اماں جی کو لینے۔" کوئی سوال نہ پا کر انہوں نے مزید کہا اور اس کی پیشانی چومی۔

"مامی جی! میں کب تک آپ پر بوجھ بنی رہوں گی۔ اب مجھے اپنا بوجھ خود اٹھانے دیں۔ اب میں تنہا نہیں ہوں۔" اس نے سر جھکا کر آہستگی سے جواب دیا۔

"فضول باتیں مت کرو ہم نے کبھی بھی تمہیں علی سے کم نہیں سمجھا۔ بس یہ قسمت کے کھیل نرالے ہیں ورنہ ہم نے تو کچھ اور ہی سوچا تھا خیر پرانی باتوں کا اب کیا ذکر؟" انہوں نے فوراً" ہی بات بدل دی۔

"میں مریم سے کہہ کر اوپر والا پورشن تمہارے لیے خالی کروالوں گی۔ علی اپنی بیوی کے ساتھ نیچے شفٹ ہو جائے گا۔" نانو نے اس کی پریشانی دور کرتے ہوئے جواب دیا تو اس کی کچھ تسلی ہوئی اور پھر واقعی نانو نے ویسا ہی کیا ٹھیک دو دن بعد آسیہ کا جہیز نیچے شفٹ ہوگیا اور لائبہ کا سامان اوپر سیٹ کر دیا گیا اور یوں وہ علی کا سامنا کرنے سے بچ گئی کافی حد تک کیونکہ وہ صبح ذرا دیر سے اٹھتی جب علی آفس جا چکا ہوتا اور شام کو علی کے آنے سے پہلے ہی بچے کو لے کر اوپر آجاتی اور چھٹی کا دن وہ اوپر ہی گزارتی جبکہ آسیہ بچے کو نیچے لے جاتی نانو نے سچ ہی کہا تھا آسیہ واقعی بہت اچھے دل کی تھی اور اس کا بہت خیال رکھتی تھی اسے لائبہ کی بیوگی کا بہت دکھ تھا آسیہ کی شادی کو دو سال ہو چکے تھے' لیکن اس کی گود ابھی تک خالی تھی جس کا سب کو بہت افسوس تھا۔

☼ ☼ ☼

لائبہ کا بیٹا حمزہ پورے گھر کی رونق تھا اور سب کا لاڈلا بھی اور آسیہ تو اس پر جان دیتی تھی۔ وہ اچھے دل کی پر خلوص لڑکی تھی۔ شاید اسی لیے اچھے دل والے اپنی عمر کم لکھوا کر آتے ہیں جیسے نوید ایک ہمدرد اور پر خلوص انسان تھا زندگی نے اس کے ساتھ وفا نہ کی اور وہ بہت جلد اس دنیا سے رخصت ہوگیا اسی طرح آسیہ بھی ایک سرد سی رات کو دو جڑواں بچیوں کو جنم دے کر اپنے ابدی سفر پر روانہ ہوگئی۔ ایسے میں لائبہ نے ہمت کر کے بن ماں کی بچیوں کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا مامی جی سے دونوں بچیوں کی دیکھ بھال ٹھیک سے نہیں ہو پا رہی تھی اور نانو بوڑھی جان وہ بھلا آخری عمر میں بچے کیسے پالتیں؟ اسی لیے لائبہ نے دونوں بچیوں کو اپنی ذمے داری بنالیا اب وہ زیادہ تر نانو کے کمرے میں ہی ہوتی اس کا اپنا بیٹا حمزہ اب اسکول جانے لگا تھا۔

"اماں جی خیر تو ہے نہ؟ کوئی پریشانی تو نہیں۔" مریم بیگم نے ساس کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے فکر مندی سے پوچھا کیوں کہ اماں جی چائے لینے کے بعد پھر گہری سوچ میں گم ہوگئی تھیں۔

"بہو میں علی کی بچیوں کا سوچ رہی تھی کیسے پلیں گی؟ ابھی تو لائبہ نے سنبھالا ہوا ہے کل کلاں کو اس کی دوسری شادی ہو جاتی ہے تو پھر کیا ہوگا؟ پتا نہیں کس کی نظر لگ گئی ہمارے گھر کو پہلے نوید کی جواں موت اور اب آسیہ..." انہوں نے دکھ بھرے انداز میں جواب دیا۔

"اماں جی اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں علی سے بات کروں اگر وہ مان جائے تو لائبہ اور علی کا نکاح کر دیتے ہیں اس طرح لائبہ کو بھی آسرا مل جائے گا اور علی کا گھر بھی آباد ہو جائے گا۔" کچھ دیر بعد مریم بیگم نے اپنی خواہش کا اظہار کر دیا۔

"ارے بہو اعتراض کیا تم نے تو میرے دل کی بات کی ہے۔" انہوں نے خوش ہو کر جواب دیا۔ مریم بیگم نے شوہر سے مشورہ کرنے کے بعد اسی رات علی سے بات کی اس نے بنا کسی اعتراض کے سعادت مندی سے ماں کی بات مان لی اور جب نانو نے لائبہ سے بات کی تو وہ سنتے سے اکھڑ گئی اس نے نہایت ہی سخت انداز میں انکار کر دیا اور پھر مامی کے لاکھ سمجھانے پر بھی اس

کی نہ ہاں میں نہ بدلی۔

☼ ☼ ☼

اور جب علی کو لائبہ کے انکار کی خبر ہوئی تو اس نے دادی جان سے اجازت لی کہ وہ لائبہ سے بات کرے گا اور اسے عقد ثانی پر راضی کرے گا۔ دادی جان نے خوشی سے علی کو اجازت دے دی لائبہ سے بات کرنے کی۔

"لائبہ میں اندر آجاؤں؟" وہ دروازے میں کھڑا اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔

"علی تم دروازے کے اندر آچکے ہو۔" لائبہ نے اسے دیکھ کر ناگواری سے کہا اور بچوں پر کمبل درست کرنے لگی۔

"علی تم اس وقت یہاں کیوں آئے ہو؟" اسے صوفے پر بیٹھتے دیکھ کر لائبہ نے بگڑ کر پوچھا۔

"لائبہ مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" علی نے مسکرا کر جواب دیا۔

"لیکن مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی جاؤ یہاں سے۔" وہ تڑخ گئی۔

"لائبہ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم پرانی رنجشوں کو بھلا کر پھر سے دوست بن جائیں؟" علی نے اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے صلح جو انداز میں پوچھا۔

"ہم نہ کبھی دوست تھے اور نہ ہی آئندہ ہم میں دوستی ہو سکتی ہے۔" لائبہ نے کاٹ دار لہجے میں جواب دیا تو علی کا سر ندامت سے جھک گیا۔

"لائبہ تم نے نکاح سے انکار کیوں کیا؟ آخر اس میں کیا برائی ہے؟" چند سیکنڈ بعد علی نے صاف انداز میں پوچھا۔

"اچھائی ہو یا برائی تم کون ہوتے ہو مجھ سے وضاحت طلب کرنے والے؟ مجھے تمہارا ساتھ قبول نہیں، میں نے انکار کر دیا بس بات ختم۔" اس نے اکھڑے انداز میں جواب دیا۔

"لائبہ پلیز! یوں بات ختم نہیں کی جا سکتی اب حالات کچھ اور ہیں ہمیں ایک دوسرے کی ضرورت ہے اور حقیقت یہ ہے کہ میں تمہیں چاہنے لگا ہوں۔" علی نے اسے نگاہوں کی گرفت میں لیتے ہوئے آہستگی سے کہا تو اس کا رواں رواں سلگنے لگا۔

"علی رضوان! وہ دن گئے جب تم میری چاہت تھے مجھے تمہاری ضرورت تھی۔ تمہارا حصول میری مجبوری بن گئی تھی، اب ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ نہ تم میری چاہت رہے ہو نہ مجھے تمہاری ضرورت ہے اور نہ ہی ایسی کوئی مجبوری ہے کہ میں تم سے نکاح کر لوں۔ لائبہ حسن تو بہت پہلے مر گئی تھی جو تم سے محبت کرتی تھی تم پر فدا تھی۔ مجھ سے ایسی کوئی امید مت رکھنا میں تم سے نفرت کرتی ہوں شدید نفرت سمجھے تم۔" لائبہ نے سخت غضب ناک لہجے میں اسے کھری کھری سناتے ہوئے کہا تو ایک بار پھر علی رضوان نے ندامت سے سر جھکا لیا۔

☼ ☼ ☼

"تو نے بات کی تھی لائبہ سے؟ کیا جواب دیا اس نے؟" چند روز بعد موقع ملتے ہی دادی جان نے اس سے پوچھا تو افسردگی سے مسکرا دیا۔

"دادی جان! لائبہ اب میری پہنچ سے دور نکل گئی ہے جب میں نے اسے ٹھکرایا تھا اس وقت وہ ایک کمزور اور بے بس سی لڑکی تھی، لیکن آج وہ مضبوط اور نڈر عورت ہے اپنی زندگی کا ہر فیصلہ کرنے میں خود مختار ہے اسے پریشان مت کریں اس کی خوشی میں ہی ہم سب کی خوشی ہے۔" اس نے ہولے سے جواب دیا علی کے گھر والے تو چاہتے تھے کہ علی کی دوسری شادی ہو جائے، لیکن علی نے خود ہی انکار کر دیا اسے خدشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی ایسی عورت آئے جسے لائبہ اور اس کے بچے کا وجود ناگوار گزرے ضروری نہیں تھا کہ آنے والی عورت آسیہ کی طرح اچھے دل و دماغ کی مالک ہو۔

وقت کا پنچھی اپنی مخصوص رفتار سے اڑنے لگا اور اڑتے اڑتے بہت آگے نکل گیا۔ وقت اس تیزی سے گزرا تھا کہ سب ہی حیران تھے۔ حمزہ جو صرف چند ماہ کا

ماں کی گود میں نانو کے گھر آیا تھا اب بھرپور نوجوان کے روپ میں تھا۔ لائبہ اسے نظر بھر کر دیکھنے سے بھی ڈرتی تھی کہ کہیں ماں کی نظر ہی نہ لگ جائے۔ علی کی دونوں بچیاں حنا اور رابعہ بھی جوان ہو چکی تھیں۔ دونوں ہی حمزہ کو ایک بھائی کی طرح چاہتی تھیں اور حمزہ نے بھی کبھی انہیں بہنوں سے کم نہیں سمجھا تھا۔ لائبہ نے بچپن سے ہی انہیں قدم قدم پر یہ باور کرایا تھا کہ تینوں بالکل بھائی بہنوں جیسے ہی ہیں اور بچوں نے بھی اس نصیحت کو اپنے دل پر لکھ لیا تھا جبکہ علی رضوان ان تینوں کی محبت اور خلوص کو دیکھ کر کچھ اور ہی سمجھ بیٹھا۔

☼ ☼ ☼

حمزہ ٹیبل بجاتے ہوئے بڑی ترنگ سے گا رہا تھا نانو جی بڑی محبت سے اسے دیکھ رہی تھیں جبکہ پاس بیٹھی حنا کا موڈ سخت آف تھا۔ دونوں میں ابھی ابھی تازہ جھڑپ ہوئی تھی۔

"ویری گڈ ویری گڈ بھائی۔" رابعہ زور زور سے تالیاں بجا کر اسے داد دے رہی تھی لائبہ اور ماں جی کسی خاص موضوع پر بات کر رہی تھیں۔ اس لیے ان دونوں کا دھیان ان کی طرف نہیں تھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟ کیا ہنگامہ مچا رکھا ہے؟ اب تم بچے نہیں رہے۔" علی نے آتے ہی حمزہ کو ڈانٹا۔ لائبہ نے نہایت ہی سلگتی نگاہ سے علی کو دیکھا، لیکن بولی کچھ نہیں۔

"سوری انکل یہ بدتمیزی نہیں بلکہ میرا فیورٹ گیت ہے یہ گیت میں بڑی نانو کو سنا رہا تھا بڑی نانو کو میری آواز بہت پسند ہے۔ البتہ کچھ لوگ میرے ٹیلنٹ سے جلتے ہیں۔" حمزہ نے حنا کو دیکھتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں جواب دیا۔

"بالکل اپنی ماں پہ ہو۔" علی نے جھنجلا کر کہا اور دادی جان کے پاس بیٹھ گیا۔

"شکر ہے کہ اپنی ہی ماں پر گیا ہے۔" لائبہ نے کاٹ دار لہجے میں جواب دیا۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ دو ڈھائی سال سے علی کا رویہ حمزہ کے ساتھ کچھ اکھڑا اکھڑا سا ہے۔

"یہ پکڑو اپنی ماں کو دو۔" کچھ دیر بعد علی نے اپنے بریف کیس سے چند فائلز نکال حمزہ کو دیتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ کیا ہے انکل؟" حمزہ نے فائلز ماں کو دیتے ہوئے سرسری انداز میں پوچھا۔

"انشورنس کے پیپرز ہے۔ تمہارے والد صاحب کے۔" علی نے مختصر بتایا۔

"اچھی طرح چیک کر لو لائبہ بعد میں یہ نا کہنا کہ گڑبڑ ہو گئی ہے۔" علی نے لائبہ کو پیپر کا جائزہ لیتے دیکھ کر کہا۔

"وہ تو خیر میں اچھی طرح چیک کروں گی تمہارا کیا بھروسا ازل کے بے ایمان بندے ہو۔ کیا خبر کس وقت کہاں ڈنڈی مار جاؤ۔" لائبہ نے طنزیہ انداز میں جواب دیا تو علی نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔ وہ اس کا اشارہ سمجھ گیا تھا۔

"ہائے آنی! ایسے تو نا کہیے میرے بابا تو اتنے اچھے ہیں۔" رابعہ نے منہ بنا کر کہا۔ اسے لائبہ کا یوں کہنا اچھا نہ لگا تھا۔

"ہاں بیٹا۔ تمہارے بابا تو بہت ہی اچھے ہیں۔" لائبہ نے علی کو دیکھ کر معنی خیز انداز میں جواب دیا اور اٹھ کر باہر چلی گئی اور علی رضوان سر نہ اٹھا سکا۔

☼ ☼ ☼

"اماں جی! آپ نے بات کی لائبہ سے حنا اور حمزہ کی؟" کچھ یاد آنے پر مریم بیگم نے ساس سے پوچھا۔

"کہاں بات کی بہو، اکیلی ملے تو بات کروں۔ کبھی ایک اس کے گلے سے لٹکا ہوتا ہے، تو کبھی دوسرے کو بغل میں دبائے ملتی ہے۔ ویسے مجھے یقین ہے اسے انکار نہیں ہوگا۔ دونوں بچے ایک دوسرے کی سنگت میں خوش رہتے ہیں اور پھر اپنی حنا کو لائبہ سے محبت بھی بہت کرتی ہے۔" اماں جی نے بہو کو تسلی دیتے ہوئے

تفصیلی جواب دیا۔
"اماں جی! لگتا تو مجھے بھی یہ ہی ہے پر کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ پرانی باتوں کو دل میں رکھے۔" مریم بیگم نے ساس کے خیالات کی تائید کرتے ہوئے ساتھ ہی اپنے خدشے کا بھی اظہار کر دیا۔
"نہیں بہو ایسی بات نہیں۔ اگر اس کے دل میں کچھ ہوتا تو نوید کی وفات کے بعد یہاں آ کر کبھی نہ رہتی۔" انہوں نے بہو کے خدشات دور کرتے ہوئے جواب دیا تو مریم بیگم بھی مطمئن ہو گئیں۔
لائبہ، نانو کی خواہش سن کر ایک ٹک انہیں دیکھتی رہ گئی۔ "حمزہ اور حنا؟ بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟"
"میں نے کوئی انوکھی بات تو نہیں کی خیر سے حمزہ جوان ہے۔ اللہ رکھے شادی کی عمر کو پہنچ گیا ہے۔ جب بچی گھر میں موجود ہے تو پہلا حق اسی کا ہوا نا اور پھر علی بھی تو ایسا ہی چاہتا ہے۔" نانو نے اسے گم سم دیکھ کر دوبارہ اپنی خواہش کا اظہار کیا۔
"نانو پلیز! آئندہ ایسا سوچیے گا بھی مت۔" اس نے سختی سے انکار کیا اور وہاں سے اٹھ گئی۔ کاش نانو کاش آپ کو حقیقت کی خبر ہوتی تو آپ خواب میں بھی نہ سوچتیں۔ وہ بہت دیر سے اسی مسئلے پر سوچ رہی تھی۔
"ہیلو ممی! کہاں گم ہیں؟" حمزہ اس کے سامنے کھڑا اسے متوجہ کر رہا تھا۔ جبکہ وہ گہری سوچ میں گم کہیں دور، بہت دور کھوئی ہوئی تھی۔
"تم کب آئے بیٹا؟" اس نے خود کو سنبھال کر پوچھا۔
"بہت دیر سے آیا ہوں۔ نیچے تھا بڑی نانو کے پاس۔" اس نے ماں کی گود میں سر رکھتے ہوئے جواب دیا۔
"حمزہ بیٹا! ایک کام کرو۔ کل ہی شیخ صاحب کو مکان خالی کرنے کا کہہ آؤ۔" لائبہ نے بیٹے کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
"خیریت ممی؟ مکان کا کیا کرنا ہے؟" حمزہ نے حیرت سے جواباً پوچھا۔
"ہاں بیٹا خیریت ہی ہے۔" لائبہ نے اسے ٹالا۔
"ممی! کوئی بات تو نہیں ہو گئی؟ کسی نے کچھ کہا تو نہیں؟" وہ ماں کا کھویا کھویا انداز دیکھ کر متفکر ہو گیا۔
"ارے نہیں بیٹا! ایسی کوئی بات نہیں۔ اب تم اس قابل ہو کہ اپنی ماں کو سہارا دے سکو، سنبھال سکو اپنی ماں کو اور پھر تمہاری شادی بھی تو کرنی ہے۔ تمہیں اپنا گھر بھی تو بنانا ہے۔ جب تک تم چھوٹے تھے اور بات تھی۔ اب بلاوجہ یہاں پڑے رہنے کا کوئی جواز نہیں۔" لائبہ نے اسے سمجھایا تو وہ مطمئن ہو گیا۔

☼ ☼ ☼
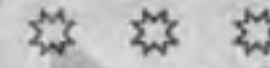
"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی اماں جی! آخر ہماری حنا میں کیا کمی ہے؟ لائبہ نے کیوں انکار کر دیا؟ حنا لائبہ کی گود میں پلی بڑھی ہے۔ لائبہ کی جتنی عزت اور قدر حنا کرے گی، کوئی باہر سے آئی ہوئی لڑکی کہاں کرے گی۔" مریم بیگم نے جب لائبہ کے انکار کا سنا تو ساس کے سامنے شکوہ شکایات لے کر بیٹھ گئیں۔
"بہو! اب ہم اپنی بچی زبردستی تو اس کے گلے میں ڈال نہیں سکتے۔ اب اس کی مرضی۔" انہوں نے بے چارگی سے جواب دیا۔ لائبہ کے انکار سے انہیں بھی دکھ ہوا تھا۔
"اماں جی ہم تو اس لیے ایسا چاہتے تھے کہ دونوں گھر کے بچے ہیں۔ کوئی غیروں والی بات نہیں اور میرے علی کا کوئی بیٹا بھی تو نہیں ہے۔ بیٹیوں کا کیا ہے پرایا دھن ہیں۔" وہ دکھ اور آزردگی سے بولے جا رہی تھیں اور اماں جی کے پاس ان کی باتوں کا کوئی جواب نہ تھا۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ میری بیٹی میں کیا کمی ہے جو تم اسے ٹھکرا رہی ہو؟" چند سیکنڈ خاموش رہنے کے بعد آخر علی نے پوچھ ہی لیا۔
"علی تمہاری بیٹی میں کوئی کمی نہیں ہے۔ وہ لاکھوں میں ایک ہے۔ بس میں ایسا نہیں چاہتی۔" اس نے سرسری انداز میں جواب دیا۔
"کیوں، کیا برائی ہے اس میں؟ تم کیوں ایسا نہیں چاہتیں۔" علی نے سلگ کر پوچھا۔
"ضروری نہیں کہ جو کام نہ کیا جائے اس میں کوئی برائی ہی ہو۔ بس میں نہیں چاہتی کہ تم سے کوئی نیا تعلق قائم ہو۔" اس نے صاف انداز میں جواب دیا۔
"صاف بات کیوں نہیں کہتیں کہ تم مجھ سے انتقام لینے کے لیے اپنے بیٹے کو استعمال کر رہی ہو۔ تم چاہتی ہو کہ حنا کے ساتھ بھی وہی ہو جو کچھ تمہارے ساتھ ہو چکا ہے۔" علی نے بنا سوچے سمجھے لائبہ پر وار کیا تو وہ بلبلا اٹھی۔
"بکواس بند کرو علی۔ تم گھٹیا انسان، تم کیا جانو؟ تمہاری طرح تمہاری سوچ بھی گھٹیا اور گری ہوئی ہے۔"
"سچ ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے لائبہ بیگم۔ تب ہی انسان کی برداشت سے باہر ہوتا ہے۔ اسی لیے انسان چیختا ہے، چلاتا ہے، آج میں نے تمہارے چہرے سے نقاب اٹھایا تو تم بلبلا اٹھیں۔" علی رضوان بھی ادھار رکھنے والوں میں سے نہیں تھا۔ اس نے بھی دل کا غبار نکالا۔
"علی! اگر میں نے حقیقت سے پردہ اٹھایا تو تم خود اپنی خواہش پر ماتم کرو گے۔ ندامت ہو گی تمہیں اپنی سوچ پر۔ تم کیوں نہیں سمجھتے علی جو تم چاہ رہے ہو وہ درست نہیں ہے۔" لائبہ نے بے بسی و بے چارگی سے کہا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ علی کو کیسے سمجھائے؟ اس کی خواہش جائز نہیں۔ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔
"کیوں درست نہیں لائبہ؟ کیا تمہارے بیٹے میں سرخاب کے پر لگے ہیں جو حنا۔۔۔"
"خدا کے لیے علی چپ کر جاؤ۔ بار بار اپنی بیٹی کے ساتھ میرے بیٹے کا نام لے کر ان کے مقدس رشتے کو گالی مت دو! مت پاکیزہ رشتوں کی توہین کرو۔ تم نہیں جانتے علی کہ تم مجھے گناہ کرنے کا کہہ رہے ہو۔ ایسا گناہ جو آج تک کبھی نہیں ہوا۔ اپنی بے جا خواہش کی خاطر

ان کے تقدس کو پامال مت کرو۔ خدا کے لیے علی خدا کے لیے بار بار ان دونوں کا نام مت لو۔" وہ علی کی ایک ہی رٹ سن سن کر چیخ پڑی اور رو، رو کر بولتی ہی چلی گئی۔ جو بات اس نے چوبیس سال سے چھپا کر رکھی تھی وہ آج اس کی زبان پر آگئی تھی۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟ ان سب باتوں سے تمہارا کیا مطلب ہے؟" اس کا شدت سے رونا اور عجیب و غریب باتیں سن کر علی رضوان نے الجھ کر پوچھا۔

"علی تمہیں یاد ہے نا وہ ساون کی برستی تاریک رات تمہارا وہ شیطانی کھیل۔" لائبہ نے سسک کر کہا تو علی ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"علی میں آج تک اسی کھیل کا خمیازہ بھگت رہی ہوں ساری زندگی اسی رات کی لگائی گئی آگ میں جلی ہوں۔ وہ طوفانی رات میرا سب کچھ برباد کر گئی۔" اور پھر لائبہ نے اس رات سے لے کر نوید کی موت تک کی تمام روداد حرف بہ حرف اسے سنا دی جسے سن کر علی رضوان سناٹے میں رہ گیا۔

"نہیں لائبہ نہیں۔ یہ ناممکن ہے۔" اس کا دل کسی طور بھی یہ ماننے کو تیار نہ تھا کہ حمزہ اس کا بیٹا ہے۔ وہ ساری زندگی اولاد نرینہ کے لیے ترستا رہا تھا۔ تمام حقیقت جان کر وہ تڑپ کے رہ گیا۔

"کاش لائبہ! کاش یہ سب تم نے مجھے پہلے بتایا ہوتا تو تم ساری زندگی کانٹوں پر آبلہ پا نہ گزارتیں۔ جرم میرا تھا اور سزا تم نے تنہا جھیلی۔ لیکن یقین جانو لائبہ سکون سے میں بھی نہیں رہا۔ تمہیں کھو کر میں بہت پچھتایا۔ تمہارے بعد مجھے احساس ہوا کہ تمہاری محبت تو میری رگ رگ میں رچی بسی تھی۔ نہ جانے اس وقت مجھے کیا ہو گیا تھا؟ کیوں میں نے تمہاری طرف سے آنکھیں بند کرلیں۔ کاش کہ گزرا ہوا وقت لوٹ آئے یا پھر کوئی ایسا طریقہ ہو کہ میں اپنی کی گئی زیادتیوں کا ازالہ کرسکوں۔ تمہیں وہ سب لوٹا دوں جو تم سے میں نے چھینا ہے۔ میں کتنا بدنصیب باپ ہوں لائبہ کہ اپنے بیٹے کو سرعام بیٹا کہہ کر سینے سے نہیں لگا سکتا۔

میں بہت برا ہوں لائبہ، بہت برا، پھر بھی تم سے معافی کا طالب گار ہوں۔ مجھے معاف کردو لائبہ۔" وہ ہاتھ جوڑے سراپا التجا تھا۔

"تم نے تمام زندگی کانٹوں پر چل کر گزار دی اور کبھی شکوہ بھی نہیں کیا۔" آج علی رضوان کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ آج وہ حقیقت میں پچھتا رہا تھا۔ آج اسے احساس ہوا تھا کہ اس نے لائبہ کو ٹھکرا کتنی بڑی غلطی کی تھی۔

"علی رضوان! تم سے آخری گزارش ہے۔ حمزہ کو کچھ مت بتانا۔ حقیقت جان کر وہ خود اپنی ہی نظروں میں گر جائے گا۔ وہ فخر سے سر اٹھا کر جی نہیں پائے گا اور ابھی تو ساری زندگی اس کے سامنے پڑی ہے۔" لائبہ نے ہاتھ جوڑتے ہوئے علی رضوان سے التجا کی تو علی نے بے بس نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"لائبہ جب خدا نے تمہیں بے پردہ نہیں کیا تو میں کون ہوتا ہوں تمہارے راز افشا کرنے والا۔ بے فکر رہو تمہارے تقدس پر کبھی حرف نہیں آئے گا۔" علی رضوان نے گہری سنجیدگی سے جواب اور شکستہ قدموں سے پلٹ گیا اور لائبہ کے دل سے ڈر خوف کے بادل چھٹ گئے۔ واقعی علی نے سچ کہا تھا کہ خدا کو اس کی پردہ داری منظور تھی۔ تب ہی تو نوید اس کی زندگی میں چلا آیا۔

وہ رب عظیم جو بروز حشر بھی انسان کو باپ کی بجائے ماں کے نام سے اٹھائے گا۔ اسے اپنے رب پر ناز تھا جس نے نا صرف اس دنیا میں اس کا پردہ رکھ لیا تھا بلکہ آخرت میں بھی اس کا پردہ رکھنے والا تھا۔

"بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے، بے شک تو رحیم و کریم ہے۔"

وہ سجدے میں سر رکھے زار و قطار رونے لگی اور اس کی آنکھیں ساون بھادوں بن گئیں۔

☼ ☼

آسیہ ریاض

"یہ مجھے کیا ہوتا جارہا ہے۔ آخر کب تک اس کی یادوں کی تیز چھائیاں، الاؤ بن کر میرے وجود کو اپنے شعلوں میں لپیٹتی رہیں گی۔ مجھے اپنے ذہن پر، اپنے دل پر کب اختیار ملے گا۔ آرزو اور انتظار کے چاروں کا یہ نہ ختم ہونے والا سلسلہ کب ابدی سکون کے دائمی لمحوں میں بدلے گا۔" حنا کروٹیں بدلتے بے چین ہو کر اٹھ بیٹھی۔ بستر کی ان گنت سلوٹیں اس کے دل کی اضطرابی موجیں بن گئی تھیں۔

عامر بھائی اور بھابھی اپنے کمرے میں نہایت آرام اور سکون کی نیند سو رہے تھے۔ اماں بی بھی دن بھر کی تھکن سے چور ہو کر بے خبر سو رہی تھیں۔

حنا نے تھک کر گھڑی کی جانب دیکھا جو رات کے تین بجا رہی تھی۔ اس کے حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے۔ اس نے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کر غٹا غٹ تین، چار گلاس حلق تک چڑھا لیے۔

کھڑکی سے پونم کے چاند کی نرم روشنی ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکوں کے ساتھ اندر آرہی تھی۔ فضا میں ایک بیکراں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کہتے ہیں کسی بھی یاد کو جتنا دبایا جاتا ہے، اتنی ہی شدت سے وہ ابھر آتی ہے۔ وہ بھی مجبور ہو گئی اور خود کو اس خوابناک ماحول کے سپرد کردیا۔ یادوں کو یک دم ڈھیل دے دی۔

☼ ☼ ☼

"حنا" عامر بھائی کی آواز گونجی اور وہ کچن سے ویسے ہی ڈرائنگ روم میں آگھسی اور سن سی کھڑی رہ گئی۔ عامر کے ساتھ کوئی دوست تھا۔

"حنا کیا کر رہی ہو؟ کم از کم چائے ہی پلا دو۔" عامر نے مسکراتے ہوئے کہا وہ سٹپٹا کر رہ گئی۔

"ان سے تو ملو۔" عامر بھائی نے آگے بڑھ کر اس کا بازو تھاما اور کہنے لگے۔

"حماد۔ یہ ہماری کام والی ہے، حنا۔"

عامر کے لبوں پر وہی شوخ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ حنا شرمندہ ہو گئی۔ عامر نے شاید اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے حالات کی نزاکت کا اندازہ لگا لیا پھر شاید اپنی چائے کا مستقبل خطرہ میں نظر آنے لگا۔ فوراً" مسکرا کر کہنے لگے۔

"نہیں بھئی میری اپنی امی کی لڑکی ہے۔ بی ایس سی

کے فائنل ایئر میں ہے اور حنا یہ ہے میرا عزیز ترین دوست حماد۔" عامر نے تعارف کروایا۔ حنا نے سرسری نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ حماد کے چہرے پر عجیب سی بے بسی تھی' وہ شرمندہ سا تھا۔

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔" اس نے کہا۔

"مجھے بھی۔" حماد نے روایتی انداز میں کہا۔

"میں چائے بھجواتی ہوں۔" حنا تیزی سے کہتی ہوئی ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔ یہ حماد سے اس کی پہلی ملاقات تھی۔ کچن میں واپس آکر چائے بناتے ہوئے وہ عامر بھائی کی شرارت پر مسکراتی رہی اور بے چارہ حماد۔ سیدھا سادا انسان ہے۔ یہ حنا کا خیال تھا۔

حماد سے حنا کا سامنا دوسری بار ڈائننگ ٹیبل پر ہوا۔ بھابھی صبح سے حسن کو لے کر اپنے میکے گئی ہوئی تھیں اور اماں بی کبھی ٹیبل پر بیٹھ کر نہیں کھاتی تھیں۔ عامر کا موڈ کچھ سیریس تھا۔ ان لوگوں کی گفتگو سے پتا چل رہا تھا کہ عامر ان کو تین' چار دن رکنے کے لیے اصرار کر رہے ہیں اور وہ شاید اپنی مجبوری کا عذر کر رہا ہے۔ عامر کی ضد کے آگے اسے جھکنا ہی پڑا اور وہ مزید چند روز قیام کے لیے راضی ہو گیا۔ حنا خاموشی سے کھانا کھا رہی تھی اور اب ان دونوں میں ادب' سیاست' فن اور جانے کون کون سے موضوعات پر بحث ہو رہی تھی کہ اچانک وہ حنا سے مخاطب ہوا۔

"آپ کچھ خاموش خاموش سی ہیں یا پھر گفتگو آپ کی ذوق کے معیار کی نہیں ہے؟"

"جی نہیں!" نہ جانے کیوں اس کا لہجہ سرد ہو گیا۔ "ایسی بات نہیں ہے۔ میں احترام رزق کی قائل ہوں۔" کہہ کہ وہ اپنی پلیٹ میں جھک گئی۔ دونوں شرمندہ سے ہو کر خاموشی سے کھانے لگے۔ اس نے باتوں میں حصہ نہیں لیا اور نوک جھوک آگے نہ بڑھ سکی۔

رات جب حنا اپنے کمرے میں سونے کی تیاریاں کر رہی تھی۔ عامر اچانک چلے آئے اور باتوں باتوں میں نہایت سنجیدگی سے حماد کے بارے میں بتایا۔ وہ ان کے کلاس فیلو تھے۔ ماں' باپ کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا۔ چھوٹا بھائی' جو کہ بی کام کے فائنل ایئر میں تھا۔ حادثے کا شکار ہو گیا۔ وہ اس دنیا میں تنہا رہ گئے۔ اب اسلام آباد کے کسی کالج میں لیکچرار تھے۔ کراچی کسی کام کے سلسلے میں آئے تھے کہ اچانک عامر سے ملاقات ہو گئی اور عامر انہیں زبردستی گھر لے آئے تھے اور ان تمام تفصیلات کو جان کر جیسے وہ اچانک مجرم سی بن گئی۔ اپنا طرز عمل اسے کچوکے دینے لگا۔ اس کا رویہ بلاوجہ حماد سے سخت ہو گیا تھا۔ دونوں بار ہی اس نے بہت بے رخی برتی تھی ان سے۔

اور پھر حنا کے برتاؤ میں تبدیلی آگئی۔ وہ ہر لحاظ سے ان کا خیال رکھنے لگی اور تب حنا کو معلوم ہوا کہ اس سیدھی سادی شخصیت کے پیچھے کتنا مکمل اور بھرپور انسان چھپا ہوا ہے۔ زندگی کا وہ کون سا گوشہ تھا جس پر ان کی نظر نہ ہو۔ دنیا کا وہ کون سا موضوع تھا جس پر انہیں دسترس نہ حاصل ہو' پھر عامر کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے ضروری اخراجات کے بعد تنخواہ کا بیشتر حصہ کالج کے مستحق طلبا کی فیس اور ہوسٹل کے اخراجات کی نذر کر دیتے ہیں اور ان تمام باتوں نے مل کر ہمدردی سے انسیت کی شکل اختیار کر لی۔ حماد کو سامنے دیکھ کر حنا کو کچھ ہونے لگتا۔ ایک بے نام سی خلش... ایک انجانی سی گدگدی۔

ویسے وہ ان لڑکیوں میں سے نہیں تھی جن کے لیے لڑکا ایک منفرد کشش رکھتا ہو۔ ہر لڑکے کو دیکھ کر ان کے دلوں کے تار جھنجھنا جاتے ہوں۔ ان تمام باتوں سے وہ یکسر دور تھی۔ اسے اگر متاثر کیا تھا تو وہ حماد کے کردار کی وہ استقامت تھی جو عام نظروں سے پوشیدہ تھی۔

اور حنا ایک انجانی آگ میں جلنے لگی لیکن یہ آگ یکطرفہ تھی۔

دونوں میں دنیا بھر کے موضوعات پر گفتگو ہوتی۔ ہر قسم کی تفریحات کی جاتیں۔ لیکن کیا مجال جو ان کی نظر چند سیکنڈ کے لیے ہی۔ حنا کی جانب کسی دلچسپی کے ساتھ متوجہ ہوتی ہو۔ وہ جیسے ان کے لیے شجر ممنوعہ تھی۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر حنا نے عورت کی انا جہاں تک اجازت دے سکتی تھی۔ ہر ممکنہ کوشش کر ڈالی کہ انہیں اپنی الجھنوں سے آگاہ کر دے۔ اپنی بے چینیوں میں رازداں بنا دے۔ لیکن وہ تو جیسے جانتے بوجھتے ہر شے سے انجان ہو چکے تھے۔ انہیں دنوں خالہ نے عزیز کے لیے حنا کا رشتہ مانگ لیا۔ عزیز' حنا سے صرف تین سال بڑا تھا۔ لیکن مکینیکل انجینئرنگ کی اعلا تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ حال ہی میں کسی بڑی کمپنی میں انجینئر لگ ہو چکا تھا۔ ہنس مکھ اور کھلنڈرا قسم کا انسان تھا جس کے نزدیک قہقہے ہی زندگی کا دوسرا نام تھا۔ اگر حماد یہاں نہ آئے ہوتے تو شاید حنا اعتراض بھی نہ کرتی۔ لیکن اب تو بات ہی دوسری تھی۔ ادھر حنا کا دل انجانے اندیشوں سے دھڑک ہی رہا تھا۔ ادھر امی نے بالا بالا ہی سب سے مشورہ کر کے اپنی رضامندی دے دی۔

اگرچہ عامر نے اس معاملہ میں اس سے رائے دریافت نہیں کی تھی۔ لیکن یہ بات وہ بھی سمجھ سکتی تھی کہ عامر کو اس پر کتنا اعتماد ہے اور پھر انہوں نے بچپن سے حنا اور عزیز کے ساتھ کو' ہنسی مذاق کو' دل لگی کو اس کی پسند پر محمول کیا تھا اور اسی لیے رسمی طور پر اس کی پسند دریافت کرنا بھی انہوں نے غیر ضروری سمجھا۔

ویسے حالات کا رخ ان کی نظروں کے سامنے ہی کب تھا۔ دن رات گھٹن سے تنگ آکر ایک دن حنا نے فیصلہ کر لیا کہ اب حماد سے کھل کر بات کر لینی چاہیے۔

☼ ☼ ☼
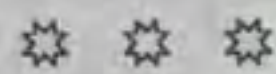
دوپہر کا وقت تھا۔ بھابھی اور امی' خالہ کے گھر گئی ہوئی تھیں۔ بھابھی نے اسے بھی بہت مجبور کیا تھا۔ لیکن اس نے سر درد کا بہانہ کر دیا۔ عامر دفتر گئے ہوئے تھے۔ کہ کچھ ہی دیر میں حماد باہر سے آگئے۔ جب سے حنا کا التفات بڑھ گیا تھا۔ ان کے برتاؤ میں کچھ رکھائی سی آگئی تھی۔ حنا اس کی وجہ سے خوب واقف تھی۔

وہ کھانے کی ٹیبل پر سر جھکائے کھانے میں مصروف تھے۔ حنا نے آہستہ سے کھنکھار کر گلا صاف کیا اور انہیں مخاطب کیا۔

"میں... آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

"جی۔" وہ حنا کے لہجے کے اجنبی پن پر کچھ چونک پڑے۔

"آپ جانتے ہی ہیں کہ... میں معموں میں گفتگو کرنے کی عادی نہیں ہوں۔" وہ اسے غور سے دیکھ رہے تھے۔

"آج کل جو بات گھر میں گردش کر رہی ہے وہ عامر کے ذریعے آپ کو پتا چل ہی گئی ہو گی۔ اب آپ مجھے کچھ بھی کہہ لیں۔ لیکن میں وہاں اپنی زندگی کا سودا نہیں کروں گی۔ نہ صرف وہاں' بلکہ کہیں بھی نہیں... اور اس کی وجہ سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ اب اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

اس کی سانس پھول چکی تھی اور وہ اپنے اندر ایک ندامت سی محسوس کر رہی تھی۔ اس کے اندر چھپی ہوئی عورت اپنی انا کے مجروح کیے جانے کا شکوہ کر رہی تھی۔ مگر دل مطمئن تھا کہ اس نے دل کے فیصلہ کے مطابق عمل کیا تھا۔

حماد کچھ لمحوں تک اسے خاموشی سے دیکھتے رہے۔ پھر نہایت دھیمے لہجے میں کہنے لگے۔

"حنا! کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں خود اپنی نظروں سے گر جاؤں۔ ایسی حرکت کروں جو چبھن بن کر اعتماد' خلوص اور دوستی کے نام پر سدا کھٹکتی رہے؟ تم نے اس دنیا کا صرف سطحی روپ دیکھا ہے۔ تم واقف نہیں ہو کہ دنیا میں بعض جذبے ایسے ہوتے ہیں جن پر انسان اپنی آبرو' مال' جان' محبت' ایمان غرض ہر شے قربان کر دیتا ہے اور دوستی ان تمام جذبوں میں سب سے بلند جذبہ ہے۔ فرض کرو اگر تم میری پسند کے معیار پر پوری بھی اتری ہو تو کیا تم مجھ سے یہ توقع کرتی ہو کہ میں تمہارے بھائی' اپنے دوست عامر سے تمہارے لیے کہہ سکوں گا۔ جذباتی بننے سے زندگی سنور نہیں جاتی۔ اگر تم اتنے معمولی سے ایثار پر یوں اپنے ذہن کو

پراگندگی کا شکار بنالوگی تو پہاڑ سی زندگی کاٹنا تو تمہارے لیے ایک پرابلم ہوجائے گا۔"

وہ ایک لمحے رکے۔ ان کا لہجہ عجیب یاسیت میں ڈوبا ہوا تھا۔ ان کا ایک ایک لفظ اس کے دل میں تیر کی طرح پیوست ہوتا جارہا تھا۔

"محبت میں انسان کچھ کھو کرہی کچھ پاتا ہے۔ پھر تم تو پڑھی لکھی ہو سمجھ دار ہو۔ تمنا اور حصول کے مفہوم سے آگاہ ہو۔ تمنا جب تک تمنا رہتی ہے زندگی کو روشن بنائے رکھتی ہے اور حصول کے بعد انسان ایک ناقابل بیان بے کلی میں مبتلا ہوجاتا ہے۔" وہ کچھ رکے۔

"میں تو صرف اتنا سمجھتی ہوں کہ محبت میں ناکام ہوکر آدمی ٹوٹ جاتا ہے۔ بکھر جاتا ہے وہ جو دل میں ایک حدت سی ہوا کرتی ہے' بجھ جاتی ہے اور پھر یہ ناکامی انسان کو خودکشی' انتقام اور نہ جانے کن کن باتوں کے انجام تک لے جاتی ہے۔" اس نے کہا اور پھر وہ اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے چھپائے سسکتی ہوئی وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی اور اسی شام عامر کے لاکھ روکنے کے باوجود حماد اسلام آباد — چلے گئے۔

موذن فجر کی نماز کے لیے بلا رہا تھا۔ حنا نے چونک کر کھڑکی سے باہر دیکھا تو رات ختم ہورہی تھی۔ صبح قریب تھی۔ دور کہیں خالق کی وحدانیت کا اعلان ہورہا تھا۔ وہ اپنے آنسوؤں کو پونچھتی ہوئی اٹھ بیٹھی اور پروردگار کے حضور میں اپنے سکون کے لیے دعا کرنے کی تیاری کرنے لگی۔

وضو سے فراغت پاکر نماز کے لیے کھڑی ہوئی اور پھر دعا کے لیے سجدے میں گرنے کے بعد اپنے آپ پر قابو نہیں رہا اور وہ ہچکیوں کے درمیان مالک حقیقی سے سکون کی بھیک مانگنے لگی۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ ہوا میں تحلیل ہوگئی ہو۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں۔

وقت کی سوئیاں مخصوص رفتار سے گھومتی رہیں۔ دن' ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں میں تبدیل ہوتے رہے۔ حنا کی حالت اس جواری کے مانند تھی جو جیتنے کی امید لے کر اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر ہار چکا ہو۔

حنا کی حالت گھر کے کسی بھی شخص سے پوشیدہ نہیں تھی۔ شادی کی تیاریاں شروع ہوگئی تھیں۔ حنا کی اس میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ آخر اس نے خود کو حالات کے سپرد کردیا اور تقدیر سے سمجھوتا کرلیا۔ حماد نے دوستی کی لاج رکھی تھی۔ حنا نے حماد کی لاج رکھ لی۔

چار دن بعد شادی تھی۔ وہ فجر کی نماز پڑھ کر اپنے رب سے دل کے سکون کی دعا مانگ رہی تھی۔

"اے مالک! مجھے سکون دے' دل کی خوشی دے' میں تجھ سے اور کچھ طلب نہیں کرتی۔"

اس نے اچانک اپنے سر پر کسی کے ہاتھ کا بوجھ محسوس کرکے سجدے سے سر اٹھایا۔ عامر نم آلود آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"پگلی!" عامر کی رندھی ہوئی آواز گونجی۔

"بے وقوف! تو نے بھیا کو اپنا دشمن سمجھی تھی؟ کیا تیری خوشی میری خوشی نہیں ہے؟ پاگل تو نے مجھ سے نہ سہی اپنی بھابھی سے ہی کم از کم اشاروں میں رائے جتلادی ہوتی تو آج اتنے دنوں تک اتنی ذہنی اذیتوں سے تو نہ دوچار ہوتی۔"

اور وہ میرا دوست... ہر موضوع پر بات کرتا تھا' نہیں کرتا تھا تو اس موضوع پر وہ تو شکر ہے مجھے اس کا وہ خط مل گیا جو اس نے آخری بار تمہارے نام بھیجا تھا۔ پھر مجھے سارے حالات کا پتا چلا اور میں اتنا ظالم نہیں کہ دوست کو بھی کھودوں اور بہن کو بھی... میں نے امی سے کہہ دیا ہے خالہ کو منع کردیں۔ میری بہن اسلام آباد ہی رخصت ہوکر جائے گی۔ مگر میرے دوست کے ساتھ... ٹھیک ہے نا؟" عامر نے مسکرا کے پوچھا اور حنا بے یقینی سے انہیں دیکھتی رہی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ دعائیں اس طرح بھی قبول ہوتی ہیں۔ اس نے بھیگی آنکھوں اور مسکراتے لبوں سے عامر کو دیکھا اور جھینپ کر گردن جھکالی۔ اس کی دعائیں قبول ہوگئی تھیں۔ اسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا تھا۔

☼ ☼

فرزان ایک دن کام کرتے کرتے تھک جاتا ہے تو چائے پینے کی نیت سے باہر جاتا ہے جہاں اس کی ملاقات چند علماء کرام سے ہوتی ہے جو اسے باقاعدگی سے مسجد آنے اور نیک اعمال کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ فرزان کی ان سے بحث ہو جاتی ہے۔ تو تکرار میں بہت سے لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ اسی دوران پولیس آ جاتی ہے جو ان سب کو پکڑ کر تھانے لے جاتی ہے وہاں پر بھی فرزان پولیس والوں سے عجیب و غریب گفتگو کرتا ہے۔ پولیس والے اسے پاگل قرار دے کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اذان کو ایک اسٹیج پلے کرنے کی آفر ملتی ہے۔ ساری ذمہ داریاں اسی پر ہوتی ہیں۔ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ تیاریوں میں لگ جاتا ہے۔ اسکرپٹ کے مطابق ڈرامے میں ایک لڑکی کی ضرورت ہے مگر ان کی ٹیم میں کوئی لڑکی نہیں ہے۔ ایک دوست رانا فہیم اسے بتاتا ہے کہ وہ ایک ایسی لڑکی کو جانتا ہے جو یہ کردار بہت اچھا کر سکتی ہے۔ اذان اس لڑکی ماہم سے ملتا ہے۔ ماہم بہت پر اعتماد اور خوب صورت لڑکی ہے جو پوری ذمہ داری سے اپنا کام کرتی ہے۔ اذان اس کے حسن اور صلاحیتوں سے متاثر ہو جاتا ہے مگر اس کے سامنے اعتراف نہیں کرتا۔ ماہم اس کے گروپ کے تمام لڑکوں سے فری ہو جاتی ہے اور باری باری سب کو اپنا موبائل نمبر دیتی ہے۔ اذان کو یہ بات بہت بری لگتی ہے۔ مگر وہ اس سے موبائل نمبر نہیں مانگتا۔ اذان کا اسٹیج پلے بہت پسند کیا جاتا ہے مگر اسی دوران اس کے اپنے دوست رانا فہیم سے تلخی ہو جاتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ماہم اب تمہارے پلے میں کام نہیں کرے گی۔ تم کوئی متبادل انتظام کر لو۔ اذان جیسے تیسے باقی کے پروگرام کرتا ہے مگر وہ ماہم کو بھول نہیں سکا۔ وہ دل ہی دل میں اسے یاد کرتا ہے، اس کے دوست اور ٹیم ممبرز اسے بتاتے ہیں کہ ماہم فون پر سب ہی سے بات کرتی ہے لیکن وہ ملنے کے سخت خلاف ہے اور ایک مخصوص حد تک بات کرتی ہے۔ وہ دوستی کرنے کے حق میں نہیں۔ اس کا خیال ہے کہ جو شخص اس سے مخلص ہوگا اور اس سے شادی کا خواہش مند ہوگا وہ اسی سے تعلق رکھے گی۔ ماہم کے خیالات سن کر اذان کو خوشی ہوتی ہے۔ ماہم کا تعلق ایک غریب گھرانے سے ہوتا ہے اس کی ماں ایک اسکول میں کینٹین چلاتی ہے اور باپ سائیکل پر گھوم کر صبح کے ناشتے کے لیے چھولے بیچتا ہے۔ مگر وہ اپنی غربت کے باوجود ماہم کو اعلا تعلیم دلا رہے ہیں۔ ماہم بی کام کی اسٹوڈنٹ ہے۔ ذہین اور حساس مگر اپنی غربت سے نالاں ہے۔ اذان کو اپنے ایک دوست سے پتا چلتا ہے کہ ماہم ایک کریمنل آدمی سے ٹیلی فونک رابطے میں ہے اور اس کی دوستی کا دم بھرتی ہے۔ اذان کو تشویش ہوتی ہے مگر وہ اپنے دوستوں سے اس کا نمبر پوچھنا پسند نہیں کرتا۔ اسی دوران اس پر انکشاف ہوتا ہے کہ اس کا ایک دوست رشتے میں ماہم کا چچا لگتا ہے۔ اذان اس سے ماہم کا نمبر حاصل کر لیتا ہے۔ اذان اور ماہم کی دوستی ہو جاتی ہے۔ جو رفتہ رفتہ محبت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ محلے دار فیضی صاحب سے فرزان کی الٹی سیدھی حرکتوں کی شکایت کرتے ہیں۔ فیضی صاحب بہت شرمندہ ہوتے ہیں اور فرزان سے سخت رویہ اختیار کرتے ہیں۔ وہ دو ٹوک انداز میں کہتے ہیں کہ یا تو اپنے دوستوں کو چھوڑ دو یا اس گھر کو...... فرزان ضد میں آ کر اپنی بیوی زارا کو ساتھ لیتا ہے اور گھر چھوڑ دیتا ہے۔ فرزان کے گھر چھوڑنے کے بعد فیضی صاحب فرزان کی بہت کمی محسوس کرتے ہیں مگر اس کا اظہار نہیں کرتے۔ ذکیہ بیگم جو ایک ماں ہیں۔ بیٹے کی جدائی ان پر بھی بہت اثر انداز ہوتی ہے۔ وہ بیٹے کی وکالت کرتی ہیں مگر فیضی صاحب انہیں سمجھا دیتے ہیں کہ وہ یہ سختی بیٹے کی بھلائی کے لیے کر رہے ہیں۔ فرزان گھر چھوڑنے کے بعد مالی پریشانیوں کا شکار ہے اور اس کے گھریلو حالات بہت خراب ہیں۔ اس کا ایک دوست اسے ایک این جی او میں کام کرنے کی دعوت دیتا ہے جہاں اس کی ملاقات نیلم سے ہوتی ہے۔ نیلم کو فرزان بہت اچھا لگتا ہے مگر وہ اسے بتا دیتا ہے کہ وہ شادی شدہ ہے یوں نیلم کے دل میں فرزان کی محبت پروان چڑھنے سے پہلے ہی ختم ہو جاتی ہے۔ فیضی صاحب کو بیٹے کی نافرمانی اور جدائی نے مل کر اندر سے توڑ دیا ہے۔ انہی دنوں فیضی صاحب کا دوسرے شہر جانا ہوتا ہے۔ وہ وہاں جا کر شدید بیمار ہو جاتے ہیں۔ اذان فرزان سے کہتا ہے کہ وہ جا کر ان سے معافی مانگ لے اور انہیں گھر لے آئے مگر فرزان اس سے بھی بدتمیزی کرتا ہے اور اس کی بات ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔ فرزان کو فیضی صاحب کے انتقال کی خبر ملتی ہے تو اسے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر دل ہی دل میں بہت شرمندگی ہوتی ہے مگر بجائے اس کے کہ وہ اپنی اصلاح کرتا اور غلط کام کرنے لگتا ہے۔ تدفین والے دن شراب کے نشے میں دھت ہو کر الٹی سیدھی حرکتیں کرتا ہے۔ فرزان کی وہی روٹین ہوتی ہے اب تو اسے روکنے ٹوکنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا اس کی اور اس کے دوستوں کی چاندی ہو جاتی ہے، زارا دبے لفظوں میں اسے سمجھاتی ہے مگر وہ اسے ڈانٹ دیتا ہے۔ فرزان سنجیدگی سے سوچتا ہے کہ اسے اپنے آپ کو بدلنا چاہیے اور ڈھیر ساری دولت کمانی چاہیے وہ ان باتوں کا ذکر محبوب خان سے کرتا ہے۔

کٹ گئی شاخ کہ تھا جس پہ نشیمن اپنا
اب خدا جانے کہاں جا کے بسیرا ہوگا
ہم بھی بیٹھے ہیں اندھیرے میں یہ امید لیے
جبر کی رات کٹے گی تو سویرا ہوگا

پردہ ہٹ چکا تھا اور کھلی کھڑکی میں سے دور تک نظر آنے والے منظر کا احاطہ کرتی ہوئی اس کی آنکھیں اس ویران منظر سے بھی زیادہ ویران تھیں۔ اداس، مجہول اور شرمندہ شرمندہ سا پردہ اداس ہوا کے درد بھرے گیت کی لے پر کبھی کبھار مرتعش ہو کر لہرا جاتا۔ گہرے اندھیرے اور چاروں جانب اڑتی ہوئی شہر محبت کی راکھ نے اندھیروں کو مزید سیاہی بخش دی تھی۔

موبائل نہ جانے کب اس کے بے جان ہاتھوں سے چھوٹ کر مسہری پر جا گرا تھا اور وہ پتھر کا بت بنا اپنی جگہ پر بیٹھے کا بیٹھا رہ گیا۔ ماحول پر سوگواریت طاری تھی۔ چاروں طرف جیسے حنوط شدہ سناٹے کی حکمرانی تھی لیکن اندر اور باہر کے موسموں میں بڑا واضح فرق تھا۔ اس کے اندر ایک بھونچال آیا ہوا تھا۔ ایک ایسا بھونچال جو ہزاروں صنم خانوں کو ملیا میٹ کر دینے کی طاقت رکھتا تھا۔ ایک طوفان تھا۔ ایک ایسا طوفان جو اپنی قہر آفرینی سے لاشوں کو بھی چیخنے پر مجبور کر دے۔ باہر خاموشی تھی تو اندر پہاڑوں کے ادھر سے اُدھر ہونے پر پیدا ہونے والی گڑگڑاہٹ تھی۔ دھماکوں کا ایک سلسلہ تھا۔ ایک قیامت خیز بھڑکتی ہوئی آگ تھی جو اپنے جل بجھنے کے دوران سب کچھ خاکستر کر گئی تھی اور اب چاروں طرف ایک لامحدود خلا تھا صرف خلا۔۔۔

اور وہ خود کو اس خلا میں یکا و تنہا بے یار و مددگار یوں ڈولتا، لہراتا محسوس کر رہا تھا جیسے وہ وجود سے عدم وجود میں آ گیا ہو۔ جیسے اس کی بھاری بھرکم شخصیت بالکل بے وزن اور بے وقعت ہو گئی ہو کیونکہ خلا میں چیزوں کا وزن قائم رہ بھی نہیں پاتا۔ جب کوئی انسان اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اس کے جانے سے جو خلا نمودار ہوتا ہے اسے کبھی کوئی دوسرا پُر نہیں کر سکتا اور جب کوئی شخص آپ کی زندگی سے رخصت ہوتا ہے تو آپ کی زندگی خود ایک خلا بن کر رہ جاتی ہے۔

بچھڑنے والے بچھڑ جاتے ہیں، جانے والے چلے جاتے ہیں۔ لیکن وہ دنیا سے گئے ہوں یا زندگی سے ان کی کمی کس شدت سے حملہ آور ہوتی ہے کتنی حشر انگیز اور اذیت ناک ہوتی ہے اس کا اندازہ پیچھے بہت پیچھے باقی رہ جانے والوں کے علاوہ، تنہا رہ جانے والوں کے علاوہ کوئی نہیں لگا سکتا اور اذان کی زندگی کیا اس کی تو دنیا ہی اجڑ چکی تھی۔

اس کی آنکھوں سے اس کے خواب نوچ لیے گئے تھے۔ اس کی دھڑکنوں سے ان کا ردھم چھین لیا گیا تھا۔۔۔ اور جب دھڑکنیں ڈگمگا جائیں، خواب روٹھ جائیں، لٹ جائیں تو امنگیں کہاں باقی رہتی ہیں۔۔۔ زندہ رہنا بھی ایک امنگ ہی تو ہے۔۔۔

کائنات کی ہر چیز زمین، چاند، سورج، ستارے، سیارے ازل سے ایک مدار میں گردش کر رہے ہیں مگر زمین ہو یا سورج، چاند ہو یا ستارے سب کا کوئی نہ کوئی محور ضرور ہے۔ ہر چیز اپنے محور کے گرد گردش کر رہی ہے۔ یہ قانونِ قدرت ہے۔ جواز کائنات ہے۔ اصولِ فطرت ہے۔ اس سارے نظام میں ہر چیز اپنی جگہ ایک اٹل حیثیت رکھنے کے ساتھ ساتھ یہ تمام اشیا ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ کوئی ایک چیز بھی اپنی جگہ تبدیل کر لے تو شاید اس کا نتیجہ ایک بھیانک تباہی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ شومئی قسمت کہیے یا نوشتہ تقدیر کہ یہ تباہی اذان کا مقدر ٹھہری تھی۔

اس کی زندگی کا محور ختم ہو گیا تھا۔ چاند اپنے مدار سے باہر نکل گیا تھا۔

زلزلے، بھونچال، طوفان تو آنے تھے، شہاب ثاقب تو ٹوٹنے تھے لیکن اس تباہی کا رخ اب کس جانب ہونا تھا وہ اس کا اندازہ لگانے سے قاصر تھا۔ ایک حسین چہرہ اس کی چشم تصور میں نقش ہو کر رہ گیا تھا۔ لیکن تصور اور حقیقت میں بڑا واضح فرق ہوتا ہے۔ جو تصور میں تھا وہ اب دسترس میں نہیں رہا تھا۔

دل میں ایک ہوک سی اٹھی تو ذہن میں ابن انشا کی ایک نظم گونجنے لگی۔

پچھلے پہر کے سناٹے میں
کس کی سسکی کس کا نالہ
کمرے کی خاموش فضا میں در آیا ہے
زور ہوا کا ٹوٹ چکا ہے
کھلے دریچے کی جالی سے
ننھی ننھی بوندیں چھن کر
سب کونوں میں پھیل گئی ہیں
اور مرے اشکوں سے
ان کے ہاتھ کا تکیہ بھیگ گیا ہے
کتنی ظالم
کتنی گہری تاریکی ہے
کھلا دریچہ تھر تھر تھر کانپ رہا ہے
بھیگی مٹی سوندھی خوشبو چھوڑ رہی ہے
اودے بادل
کالے امبر کی جھیلوں میں ڈوب گئے ہیں
کس کے رخساروں کی لرزش دیکھ رہا ہوں
کس کی زلفوں کی شکنوں سے کھیل رہا ہوں
چپکے چپکے لیٹے لیٹے سوچ رہا ہوں
پچھلے پہر کا سناٹا ہے
کس کی سسکی کس کا نالہ
کمرے کی خاموش فضا میں در آیا ہے

اور یہ ہی در اندازی اسے عالم لاشعور سے جہانِ شعور میں واپس لانے کا سبب بنی لیکن یہ کوئی سسکی نہیں تھی کوئی نالہ وفریاد نہیں تھی۔ کوئی درد بھری آواز نہیں تھی بلکہ اس کی ماں کی آواز تھی جو خاصی خوش گواریت لیے ہوئے تھی۔

"خیریت تو ہے اذان! اتنے خاموش اور گم سم کیوں بیٹھے ہو" اس نے چونک کر اپنے شعور کے لڑکھڑاتے قدموں کو سر زمینِ ہوش پر جمانے کی کوشش کرتے ہوئے پہلے ذکیہ بیگم کے چہرے کی جانب دیکھا اور پھر نظروں کو دھیرے سے گردش دیتے ہوئے کندھے پر جمے ان کے ہاتھ کو۔۔۔

اسے اس بات پر شدید حیرت بھی تھی کہ اسے ان کے کمرے میں آنے اور پھر قریب آکر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھنے تک ان کے قدموں کی چاپ کیوں سنائی نہیں دی؟ ان کی آمد کا احساس کیوں نہیں ہوا؟

شاید وہ اپنے حواسوں میں تھا ہی نہیں۔۔۔ لیکن اب جب وہ ہوش وحواس میں اس بات کو محسوس کر رہا تھا کہ ماں کا ہاتھ اس کے کندھے پر ہے تو اس بات کا ادراک بھی رکھتا تھا کہ جنت پاؤں پاؤں چلتی ہوئی اس کے اتنے قریب آن پہنچی تھی کہ وہ کسی بدحواسی کے عملی مظاہرے کی جسارت تو در کنار ایسا سوچنا بھی گناہِ کبیرہ سمجھتا تھا سو وہ تعظیم کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور اندر سے اٹھتی ہوئی آہوں، سسکیوں، کراہوں کا گلا گھونٹتے ہوئے درد وکرب کو مسکراہٹ کا روپ دے کر ہونٹوں پر سجانے کے بعد گویا ہوا۔

"ارے امی جان! آپ اس وقت۔۔۔ مجھے بلا لیا ہوتا۔۔۔ آپ۔۔۔ آپ! کھڑی کیوں ہیں۔ بیٹھیے نا۔" اور پھر ماں کے دونوں ہاتھ تھامتے ہوئے انہیں مسہری پر بٹھانے کے بعد خود بھی ان کے سامنے دوزانو بیٹھ گیا۔

ذکیہ بیگم بغور اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے بولیں۔

"اذان بیٹا! تم ٹھیک تو ہو نا؟ کچھ پریشان دکھائی دیتے ہو۔۔۔ کیا ہوا ہے؟ کیا کوئی کاروباری مسئلہ ہے؟"

اور اذان پوری طرح چوکنا ہو گیا۔ وہ اپنی ماں کی پریشانیوں، تکلیفوں اور دکھوں سے بخوبی واقف تھا۔ سولہے کے ہزارویں حصے میں وہ اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ امی جان کے سامنے کسی کمزوری کا مظاہرہ نہیں کرنا ہے۔ وہ روٹھ جانے والی بشاشت کو منا کر واپس لاتے ہوئے بولا تو اس کے لہجے کا اعتماد ذکیہ بیگم کو مطمئن کرنے کے لیے کلیدی کردار ادا کر گیا۔

"ارے نہیں امی جان! آپ کس وہم میں پڑ گئیں۔۔۔ بس ایسے ہی نیند نہیں آرہی تھی تو بیٹھا سوچوں میں گم تھا۔ مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ آپ کس وقت کمرے میں آئیں۔"

"اچھا! ایسی کون سی سوچیں ہیں جن میں تم اتنا گم تھے۔ کچھ ہمیں بھی تو پتا چلے۔" ذکیہ بیگم کا لہجہ کسی حد تک ابھی بھی شکوک وشبہات کی غمازی کر رہا تھا لیکن اذان نے تہیہ کر لیا تھا کہ اپنے غم کی کہانی ان کو ہرگز پڑھنے نہیں دے گا۔ آن کی آن میں اس نے ان کھلے ہوئے، بکھرے ہوئے صفحات پر سفیدہ پھیر دیا اور اپنے لہجے میں قدرے خوش گواریت بھرتے ہوئے بولا۔

"کچھ خاص نہیں امی جان! چھوڑیں نا۔۔۔ آپ بھی پتا نہیں کن چکروں میں پڑ گئیں۔ بس ایسے ہی بیٹھا تھا۔ آپ بتائیں کیا حکم ہے؟"

اس کے لہجے کی خوش گواریت سراسر مصنوعی تھی لیکن ذکیہ بیگم کے چہرے پر نظر آنے والے رنگ اور آنکھوں میں لہراتی خوشی یقیناً اصلی تھی کیونکہ اذان کو ان کے تاثرات میں کوئی تصنع، ملاوٹ یا کھوٹ ہرگز نظر نہیں آیا تھا، وہ مطمئن ہو گئیں۔ پھر وہ بولیں تو ان کے لہجے سے ممتا کا امرت ٹپک رہا تھا۔۔۔ الفاظ چاہے کیسے بھی تھے لیکن اس شہد آگیں لہجے کے جواب میں اندر ہی بھسم ہوتی ہوئی دنیا کے آثار اس کی زبان تک نہیں آسکتے تھے۔ بس وہ خاموشی سے سنتا چلا گیا۔

"بیٹا! میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں نے تمہارے لیے ایک لڑکی پسند کر لی ہے اور لڑکی کیا وہ تو گڑیا ہے گڑیا۔۔۔ بالکل پریوں جیسی۔"

اذان کے ذہن میں ایک چھنا کا سا ہوا اور اس کے ہونٹوں سے لڑکھڑاتی ہوئی سی آواز میں ایک سسکتا ہوا لفظ برآمد ہوا۔ لفظ کیا تھا ایک انگارہ تھا۔ ایک چھالا تھا جو اس کی زبان پر خود بخود نمودار ہو گیا تھا۔

"پری۔۔۔"

بے اختیار ایوانِ ذہن میں کچھ لفظ جیسے خود بخود آتے گئے۔۔۔ اور ایک ترتیب سے اپنی اپنی نشستوں پر براجمان ہوتے چلے گئے۔ جب تمام الفاظ صف بہ صف ہو گئے تو اسے اپنی ہی تحریر کیے ہوئے چند مربوط مصرعے اس طرح سے یاد آگئے جیسے نیزے کی نوک اس کے پردۂ خیال کے آر پار ہو گئی ہو۔

حسیں گلابوں کی پنکھڑی ہے، وہ اک پری ہے
جو ایک شاعر کی زندگی ہے، وہ اک پری ہے
جو سوچ کے سُر خیال کی لے پہ محو ہو کر
مرے تخیل پہ ناچتی ہے، وہ اک پری ہے

اذیت کی ایک بارش تھی جس میں اس کی پور پور نہا گئی تھی لیکن ذکیہ بیگم اس کی ان تمام تر کیفیات سے بے نیاز اپنی ہی دھن میں بولے چلی جا رہی تھیں۔

"تو کیا ہوا۔۔۔ اگر وہ پری ہے تو میرا بیٹا بھی کسی شہزادے سے کم ہے کیا؟ مجھے اب اس کے علاوہ اور کوئی خواہش بھی نہیں ہے۔ تمہارا گھر بس جائے تو شاید میں بھی اس دنیا سے جاتے ہوئے سکون محسوس کروں۔"

اور اذان ان کے جملے پر تڑپ کر رہ گیا۔ وہ جلدی سے ان کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

"کیسی باتیں کرتی ہیں امی جان! ابا نہیں رہے، بھابھی نہیں رہیں، فرزان کا کچھ پتا نہیں ہے۔۔۔ اور اب آپ بھی مجھے چھوڑ کر جانے کی باتیں کر رہی ہیں۔ کیا آپ کو احساس ہے۔۔۔ کیا آپ سوچتی ہیں کہ میں کس کے سہارے رہوں گا۔۔۔ میرا ہے ہی کون۔۔۔؟ میری دنیا، میری آخرت، میری زمین، میرا آسمان، میری دنیا، میری جنت، میری کل کائنات تو آپ ہیں۔"

اذان کا جملہ ابھی پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ ذکیہ بیگم بے قرار ہو گئیں۔ لیکن ان کی اس بے قراری کی وجہ اذان کے الفاظ نہیں تھے بلکہ اس کے ہاتھ سے پھوٹتی ہوئی وہ حدت اور تپش تھی جس نے ذکیہ بیگم کو لمحوں میں پریشان کر کے رکھ دیا۔ اذان کا ہاتھ اتنی شدید گرماہٹ لیے ہوئے تھا کہ ذکیہ بیگم کو اپنے چہرے کا وہ حصہ جھلستا ہوا محسوس ہوا جہاں اذان نے ہاتھ رکھا تھا۔ انہوں نے تڑپ کر اذان کی پیشانی پر ہاتھ رکھا پھر حواس باختہ سے انداز میں اٹھ کر کھڑی ہوتے ہوئے بولیں۔

"ارے اذان! تمہیں تو شدید بخار ہے۔۔۔ اور تم یوں بیٹھے خود کو ہشاش بشاش ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے ہو جیسے کوئی بات ہی نہیں۔ ماں ہوں میں تمہاری۔۔۔ میں نے تو کمرے میں قدم رکھتے ہی بھانپ لیا تھا کہ کچھ نہ کچھ ایسا ضرور ہے جو غیر معمولی ہے۔ میں سمجھی کہ شاید تم کسی پریشانی کا شکار ہو۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی دوسرا نکلا۔ اتنی طبیعت خراب ہے اور تم نے مجھے بتایا تک نہیں۔" ذکیہ بیگم کے لہجے میں شدید گھبراہٹ اور پریشانی گھلی ہوئی تھی۔ وہ لپک کر کمرے سے باہر نکلیں۔ چند ہی لمحوں کے بعد ایک ہاتھ میں پانی کا گلاس اور دوسرے ہاتھ میں ٹیبلٹس کا پتا تھامے دوبارہ کمرے میں داخل ہوئیں۔ انہوں نے دو گولیاں نکال کر ہتھیلی پر رکھیں اور انہیں اذان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولیں۔

"لو یہ گولیاں کھاؤ۔" ان کے لہجے میں محبت کے ساتھ ہلکا سا تحکم بھی تھا۔

"آپ کو وہم ہو گیا ہے امی جان! میں ٹھیک ہوں مجھے کچھ نہیں ہوا۔" اذان نے کمزور سا احتجاج کیا تو ذکیہ بیگم محبت بھرے انداز میں ڈانٹتے ہوئے بولیں۔

"بکو مت۔۔۔ چپ چاپ یہ گولیاں کھاؤ۔۔۔ یہ لو پانی۔"

چار و ناچار اذان کو وہ ٹیبلٹس پھانکنی ہی پڑیں۔ اذان کے ہاتھوں سے گلاس لے کر انہوں نے ٹیبل پر رکھا اور واپس مڑتے ہوئے دوبارہ بیڈ کے قریب آگئیں ان کے شفقت بھرے ہاتھ ایک مرتبہ پھر اذان کے شانوں پر آجمے اور انہوں نے زبردستی اذان کو لیٹنے پر مجبور کر دیا۔ پھر اسے کندھوں تک کمبل اوڑھانے کے بعد گویا ہوئیں۔

"آنکھیں بند کرو اور چپ چاپ سو جاؤ۔۔۔ اور خبردار! جواب شتر مرغ کی طرح گردن اکڑا کر بیٹھے تو۔۔۔ میں واپس آکر دیکھوں گی کہ تم سوئے ہو یا نہیں۔" ان کے لہجے میں خاصی سختی تھی۔ پھر انہوں نے پلٹ کر لائٹ آف کی اور کمرے سے باہر نکلتے ہوئے اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا۔

کمرے میں ایک بار پھر اندھیرا تھا۔ سناٹا تھا۔ اذان تھا اور ذہن میں گونجتی ہوئی ابن انشاء کی نظم

جیون کھیل میں ہارے لوگو
بچھڑے لوگو، پیارے لوگو
برکھا کی لمبی راتوں میں
کمرے کی خاموش فضا میں
پچھلے پہر کے سناٹے میں
روتے روتے جاگنے والے
ہم لوگوں کو سو لینے دو
اور سویرا ہو لینے دو

☆☆☆

سزا کا حال سنائیں جزا کی بات کریں
خدا ملا ہو جنہیں وہ خدا کی بات کریں
ہر ایک دور کا مذہب نیا خدا لایا
کریں تو ہم بھی مگر کس خدا کی بات کریں

خدائے بزرگ و برتر، خالق ارض و سما، مالک کون و مکاں، وہ رب لم یزل جو دو جہانوں کا مالک و مختار ہے۔ جس کے کہنے پر، جس کے اشارے پر یہ پوری کائنات، یہ دنیا معرض وجود میں آئی۔ کیا وہی خدا ہے؟ اگر وہ خدا ہے تو پھر انسان کیا ہے؟ میں کیا ہوں؟ میرے وجود کا میری تولید کا، میرے اس دنیا میں آنے کا اور پھر بے تحاشا دولت جمع کرنے کا مقصد آخر کیا ہے؟ شب و روز کی ان تھک محنت میں کیوں کر رہا ہوں؟ اسی دولت کی خاطر تو انسان اپنا دین، ایمان سب کچھ بیچنے کو ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ تو پھر انسان کا معبود وہ ہی خدا ہے یا دولت کی یہ دیوی جسے آج کا انسان دیوانوں کی طرح پوجتا ہے؟

وہ سزاؤں سے ڈراتا ہے، بار بار بتاتا ہے، پل صراط سے گزرنے کی بات کرتا ہے۔ ہاویہ کا نام لے کر دہلاتا ہے، روز محشر کا ذکر کرتا ہے، حساب کتاب کا مژدہ سناتا ہے لیکن انسان ہر بات، ہر ارشاد، ہر فرمان کو بھلا کر جزا کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔ جسے وہ دولت کے روپ میں دیکھتا ہے۔ مذہب چاہے

کوئی بھی ہو کسی بھی دور میں اترا ہو اس نے صحیح اور غلط کی پہچان ضرور کرائی ہے۔ سیدھے اور غلط رستے کا فرق ضرور سمجھایا ہے، اندھیرے اور اجالے کو الگ الگ تقسیم کر کے ان کی پہچان کے لیے پیمانے بھی وضع کیے۔ لیکن اس کے باوجود پیسہ ہر دور میں انسان کی کمزوری رہا ہے۔ دولت کی ہوس ازل سے جاگی ہے اور شاید ابد تک زندہ رہے گی۔

تو پھر وہ کون لوگ ہیں جو سچ کے پیمبر کہلاتے ہیں؟ وہ کون لوگ ہیں جو راہ راست پر ہیں؟ شاید کہیں نہیں۔۔۔ تو کیا میں بھی نہیں۔۔۔؟ اس نے کرب سے آنکھیں بند کرتے ہوئے سوچا۔

ہمارے عہد کی تہذیب میں قبا ہی نہیں
اگر قبا ہو تو بند قبا کی بات کریں

ساحر کا شعر خیال کے کینوس پر لہرایا تو بات سے بات نکلی اور اسے ایک اور بات یاد آگئی۔

آخر کون تھا وہ؟ بار بار اس کے سامنے آنا اور پھر ہر بار گفتگو کا اختتام ایک ہی انداز میں کرنا، آخر کیا بھید تھا اس میں؟

"نہیں۔۔۔ میں اسے اتفاق کا نام نہیں دے سکتا۔۔۔ ایک بار۔۔۔ دو بار۔۔۔ لیکن بار بار ایک ہی عمل بغیر کسی وجہ کے رونما نہیں ہو سکتا۔ ضرور اس میں کوئی اسرار تھا جسے وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

بند آنکھوں کے سامنے ایک نکتہ سا روشن ہوا اور پھر دھیرے دھیرے اس کے حجم میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس کے ذہن کے پردہ اسکرین پر ایک ہیولہ سا ابھر آیا۔ پھر یہ ہیولہ رفتہ رفتہ واضح ہونے لگا۔

اچھلتا، کودتا، ناچتا، گاتا اور بے ہنگم رقص کرتا ایک مجہول وجود۔۔۔ ہوا کے دوش پر لہراتی بے ترتیب جھاڑ جھنکاڑ داڑھی اور اس کے تھرکتے ہوئے وجود پر ہوا کے ساتھ سرسراتے لباس کے چیتھڑے، منہ سے بہتی ہوئی رالیں، ہاتھ میں کسی درخت کی مڑی تڑی ڈنڈا نما شاخ اور بڑی بڑی دہکتی ہوئی لال انگارہ آنکھیں۔۔۔ جو اسے گرفت میں لیتیں تو وہ مسحور ہو جاتا، بے جان ہو جاتا، اسے یوں لگتا کہ ہوائیں رک گئی ہیں، چاروں طرف سنائی دینے والی آوازیں معدوم ہو کر رہ جاتیں۔ سائیں سائیں کرتا ماحول، موت سی خاموشی اور اندھے کنویں میں گرتا اس کا وجود۔۔۔ نہ وہ کچھ دیکھتا، نہ سنتا، نہ محسوس کرتا۔ اس کے چاروں طرف پھیلتی ہوئی سرخی جس میں وہ ڈوب جاتا۔ پھر جب وہ جھرجھری لے کر بے دار ہوتا تو اسے وہی سرخی عالم ہوش میں نظر آتی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے صرف دو آنکھیں ہوتیں، بڑی بڑی دہکتی ہوئی لال انگارہ آنکھیں۔۔۔

وہ خود کو ان آنکھوں کی گرفت سے آزاد کرواتا تو اسے ایک بار پھر وہی مجہول شخص، وہی مجذوب دکھائی دیتا جو اپنے سر پر وہ شاخ نما ڈنڈا بلند کیے بے ہنگم انداز میں رقص کر رہا ہوتا۔

پھر وہ اچانک بھاگ اٹھتا اور بھاگتے بھاگتے اس کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔ آخر یہ کیا ماجرا ہے؟
کیا میرا ذہن زنگ آلود ہو گیا ہے؟
کیا چاہتا ہے وہ شخص، میں سمجھ کیوں نہیں پا رہا؟

اس نے جھنجھلا کر سوچا اور پھر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

اس کی آنکھیں ابھی بھی بند تھیں، لیکن اب اس کا سر اس کی مخصوص ریوالونگ چیر کی پشت پر ٹکے ہوئے ہونے کے بجائے اس کے دونوں ہاتھوں کی گرفت میں تھا اور اس کی دونوں کہنیاں بلوریں میز کی سطح پر ٹکی ہوئی تھیں۔ چند لمحے لمبے لمبے سانس لینے کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں اور میز پر کروشیے کے کور سے ڈھانپے ہوئے گلاس سے کور ہٹا کر گلاس منہ سے لگا لیا پھر بڑے بڑے گھونٹ لے کر گلاس واپس رکھ کر اس نے تھکے تھکے سے انداز میں طویل انگڑائی لی اور ایک بار پھر کرسی کی پشت پر سر رکھتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔

چوہے کی دم میں دھاگا
چوہا دم دبا کے بھاگا

اس کی سماعتوں سے ٹکراتی ہوئی وہ مخصوص آواز یقیناً اسی مجذوب کی تھی۔

”ہوتا ہے۔۔۔ ہوتا ہے۔۔ ہنڈ ولوں کا نشہ ہی ایسا ہوتا ہے لیکن جب یہ نشہ ہرن ہوتا ہے تو اچھے خاصے ہرن کو گیدڑ بنا دیتا ہے۔ کہا تو تھا کہ جاگ جاؤ۔۔۔ تم نہیں جاگے۔۔۔ لیکن یاد رکھو جب وقت نے تمہاری دم میں دھاگا فٹ کیا تو چوہے کی طرح بھاگتے پھرو گے۔۔۔ چوہے کی طرح۔۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔ چوہے کی طرح۔۔۔

چوہے کی دم میں دھاگا
چوہا دم دبا کے بھاگا“

اس نے کسمسا کر پہلو بدلا اور پھر چونک کر آنکھیں کھول دیں لیکن آنکھیں کھولنے کی وجہ اس کے چاروں طرف گونجتی اس آواز کی بازگشت نہیں تھی بلکہ اس پر حاوی ہو جانے والی مسحور کن موسیقی کی وہ آواز تھی جس نے اسے چونک کر آنکھیں کھولنے کے ساتھ ساتھ دیوار گیر گھڑی کی جانب دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ جو شام کے چھ بجنے کا اعلان کر رہی تھی۔ اس نے ایک طویل سانس لی اور اپنی نشست سے کھڑا ہو گیا۔

جہازی سائز میز کے گرد گھوم کر باہر نکلتے ہوئے جب وہ آفس کے بیرونی دروازے کی جانب بڑھا تو اس کا مخصوص بریف حسب دستور اس کے ہاتھ میں آ چکا تھا۔

جوں ہی وہ کمرے سے باہر نکلا، باہر موجود چپراسی الرٹ ہو گیا۔ اس نے سستی سے اس کی جانب دیکھا اور پھر گویا ہوا۔

”آفس کو لاک کر دو۔ میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ اس لیے دیر تک نہیں بیٹھوں گا۔ چھ بج گئے ہیں، آج تم بھی دوسرے اسٹاف کے ساتھ ہی چھٹی کرو۔“

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا طویل کوریڈور میں آگے کی جانب بڑھتا چلا گیا۔ کوریڈور کراس کرتے ہی دائیں بائیں رکھی نشستوں پر بیٹھے باوردی گن مین اچھل کر کھڑے ہو گئے اور پھر اس کے ساتھ آگے بڑھنے لگے۔ وسیع و عریض آفس سے باہر نکلتے ہی اس کے وجود کو جیسے الیکٹرک شاک لگا اور وہ اپنی جگہ اچھل کر رہ گیا۔ اس کے آفس کے دروازے کے بالکل سامنے نظر آنے والا وہ منظر اس کے لیے اتنا حیرت انگیز تھا کہ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل کر کنپٹیوں سے جا لگیں۔ لیکن وہ اس کے تاثرات سے یکسر بے نیاز اپنے مخصوص انداز میں بے ہنگم رقص کرنے میں مصروف تھا۔

چند لمحوں کے لیے وہ ششدر کھڑا رہ گیا۔ لیکن یہ لمحات زیادہ طویل نہیں تھے جلد ہی اس نے اپنے آپ کو سنبھالا دیا اور پھر آگے بڑھتے ہوئے اس مجذوب سے کترا کر نکل جانے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اسے یہ ہی محسوس ہوا تھا کہ اس کا ہاتھ کسی انسان کے ہاتھ میں نہیں بلکہ جیسے کسی آہنی شکنجے میں آ گیا ہوا۔

اس نے گھبرا کر اس کی جانب دیکھا جو مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھامے کھڑا تھا۔ اگلے ہی لمحے اس کی آواز بلند ہوئی۔

”لکا چھپی کھیل رہے ہو؟ چھپ چھپ کر چلمن سے جھانکتے ہو؟“ مجذوب نے دوسرے ہاتھ کی انگلی اپنے دانتوں میں دبا کر کسی نا کتخدا لڑکی کی طرح شرماتے ہوئے کہا۔

”ہمیں شرم آتی ہے، تاک جھانک کوئی اچھی تھوڑی نہ ہے؟ مرد تو آمنے سامنے بات کرتے ہیں۔“

اور اس کی بات سن کر فرزان کے دماغ میں جیسے دھماکے سے ہونے لگے وہ حیرت سے گنگ کھڑا ایک ٹک اس عجوبے کو دیکھتا رہ گیا۔

آج پہلی مرتبہ وہ اس کی اشاروں کنایوں میں کی گئی گفتگو کو سمجھ رہا تھا۔ لیکن کبھی کبھی آگہی بھی وبال جان بن جایا کرتی ہے جو بات وہ سمجھا اس بات نے اسے لرزا کر رکھ دیا تھا۔

جو نتیجہ فرزان نے اس کی ڈھکی چھپی گفتگو سے اخذ کیا تھا وہ اسے خوف زدہ کرنے کے لیے کافی تھا۔ مجذوب کا اشارہ یقیناً اسی جانب تھا کہ وہ کچھ ہی دیر پہلے اسے اپنے ذہن کے پردہ اسکرین پر دیکھتا رہا تھا۔

”مگر یہ کیسے ممکن ہے؟ میں تو صرف سوچ رہا تھا۔۔۔ نہیں۔۔۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔۔۔۔ یہ تو شروع سے ہی بے سرو پا باتیں کر رہا ہے بھلا کوئی شخص اس کی سوچ سے کیونکر آگاہ ہو سکتا ہے؟ وہ سوچ جو اس کے اپنے ذہن میں پیدا ہو رہی ہے کوئی کیسے پڑھ سکتا ہے۔“

”دیکھ۔۔۔ پڑھائی لکھائی کی باتیں چھوڑ اور وہ سبق پڑھ لے جو تجھے بہت پہلے پڑھ لینا چاہیے تھا۔“

فرزان نے گھبرا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا اور اس کے وجود کو جیسے ایک جھٹکا سا لگا۔ چاروں طرف پھیلتی ہوئی، بڑھتی ہوئی چھا جانے والی سرخی نے اسے گڑبڑا کر رکھ دیا۔ اس نے بوکھلا کر نظریں چرائیں اور حیرت سے سوچا۔

”تو کیا اس نے ابھی بھی میرے دماغ میں پیدا ہونے والے خیال کو پڑھ لیا ہے۔“ ٹھیک اسی لمحے اس کے سر پر جیسے قیامت ٹوٹ پڑی۔ اس نے گھبرا کر ایک بار پھر مجذوب کی جانب دیکھا جو اپنے ہاتھ میں موجود کسی درخت کی مڑی تڑی شاخ کو اس کے سر پر رسید کرنے کے بعد اب غصیلی نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ پھر اس کی غضب ناک آواز بلند ہوئی۔

”کتنی بار کہا ہے کہ جاگ جا کب تک غفلت میں ٹامک ٹوئیاں مارتا رہے گا۔ ہر وقت حساب کتاب اچھا نہیں ہوتا۔ پارٹی بدل لے۔۔۔ لوٹا بن جا۔۔۔ اس طرف آ جا جدھر حساب نہیں بے حساب ہے۔۔۔ دعوت بار بار ملتی ہے، ہر روز، ہر وقت دعوت ملتی ہے جو قبول کرتا ہے وہ بادشاہ اور جو کان نہیں دھرتا وہ ٹاپتا ہی رہتا ہے۔ فیصلے کی گھڑی آ گئی ہے۔ ابھی بھی وقت ہے سوچ لے۔ ترازو میرے ہاتھ میں ہے اور فیصلہ تیرے ہاتھ میں۔۔۔ ایک پلڑے میں بادشاہی۔۔۔ اور دوسرے میں تمام ٹاپنے والے لیکن بادشاہی کا پلڑا اوپر نہیں اٹھتا۔۔۔ آئے گا تو کھائے گا۔۔۔ مزے اڑائے گا۔۔۔ نہیں تو پچھتائے گا۔۔۔ عشق میں رہنا ہے یا ٹاپتے رہنا ہے؟ سوچ لے۔۔۔ میں روز نہیں آؤں گا۔ مجھے اور بھی کام ہوتے ہیں۔۔۔ کپڑے سینے ہیں، بٹن ٹانکنے ہیں، مسجد کی دیوار بنانی ہے، گارہ بنانا ہے، ڈھول بجانا ہے، دھمال ڈالنی ہے۔ آٹھ مریضوں کو انجکشن لگانے ہیں، دال پکانی ہے، لنگر بانٹنا ہے اور ریس میں پہلے نمبر پر آنا ہے۔“

جملہ مکمل کرتے ہی حسب سابق اس نے ریس لگا دی اور چند ہی لمحوں میں اڑن چھو ہو گیا۔

انہیں پتا بھی چلے اور وہ خفا بھی نہ ہوں
اس احتیاط سے کیا مدعا کی بات کریں

☆☆☆

تلاوت کلام پاک اور نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض یاب ہونے کے بعد ہم آج کے اس اینول فنکشن کا باقاعدہ آغاز کرتے ہیں۔ طلبا اور طالبات کی دلچسپی اور ان کی فنی و تخلیقی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے ہم نے آج کے اس فنکشن میں حسب روایت سب سے پہلے ”طرحی مشاعرے“ کا اہتمام کیا ہے۔“

میڈم عشرت نے ایک لمحے کو خاموش ہو کر وسیع و عریض ہال میں بیٹھے اسٹوڈنٹس پر ایک طائرانہ نظر ڈالی پھر سلسلۂ کلام کو دوبارہ جوڑتے ہوئے بولیں۔

”ہماری یہ کاوش ان طلبا و طالبات کے لیے تحریک کا باعث بنتی ہے جو شعر و ادب سے لگاؤ رکھتے ہیں۔ حسب دستور امسال بھی ہم نے آج کے دن آپ لوگوں کی تحریر کی ہوئی غزلوں پر اوّل، دوم اور سوم پوزیشن حاصل کرنے والے طلبا و طالبات کے لیے انعامات رکھے ہیں۔ تعلیمی سرگرمیوں میں نمایاں کارکردگی کے حامل طلبا و طالبات میں بھی انعامات تقسیم کیے جائیں گے لیکن آج کے اس پروگرام میں ہم نے آپ سب کی دلچسپی کے لیے تھوڑی سی رد و بدل کی ہے۔ پرائز ڈسٹری بیوشن ہمیشہ کی طرح پرنسپل سر اکرام نہیں کریں گے بلکہ ہم نے اس شہر کی ایک ایسی شخصیت کو یہاں پر مدعو کیا ہے جنہیں آپ میں سے بیشتر اسٹوڈنٹس بخوبی جانتے ہوں گے۔ ان کا

تعلق ایک علمی و ادبی خانوادے سے ہے اور وہ خوب صورت لب و لہجے کے شاعر بھی ہیں۔ لیکن انہیں دعوت دینے سے پہلے میں آپ سب لوگوں کو یہ بتانا ضروری سمجھتی ہوں کہ ہمارے آج کے طرحی مشاعرے کی صدارت کا قرعہ فال بھی ان ہی کے نام نکلا ہے اور اس علمی و ادبی نشست کے بعد تقسیم انعامات بھی وہی کریں گے۔ امید کرتی ہوں کہ یہ خوش گوار تبدیلی آپ سب کو پسند آئے گی۔

میں اپنے معزز مہمان کو دعوت دینے جا رہی ہوں۔ بھرپور تالیوں سے استقبال کیجیے گا تشریف لا رہے ہیں جناب اذان فیضی۔"

پھر تالیوں کی گونج میں چلتا ہوا اذان ہال کمرے میں داخل ہوا اور دھیمے قدموں سے چلتا ہوا اسٹیج پر جا پہنچا۔ نفیس صوفے پر براجمان پرنسپل اکرام اللہ نیازی نے اٹھ کر چند قدم آگے بڑھتے ہوئے اس کا استقبال کیا اور مصافحہ کرنے کے بعد اسے اپنے ساتھ صوفے پر بٹھا لیا۔

اس کے ساتھ ہی ڈائس پر کھڑی ہوئی میڈم عشرت کی آواز گونجنے لگی۔

بہت شکریہ اذان فیضی صاحب! کہ آپ ہماری آج کی اس تقریب میں تشریف لائے۔ میں کامرس کالج اور اس کی تمام انتظامیہ کی جانب سے آپ کو خوش آمدید کہتی ہوں۔ عزیز طلبا پروگرام کا باقاعدہ آغاز کرتے ہیں۔ سب سے پہلے میں فائنل ایئر کے طالب علم عابد شبیر علی سے درخواست کروں گی کہ وہ اسٹیج پر تشریف لائیں اور طرح مصرعہ پر اپنے کلام سے نوازیں۔۔ عابد شبیر علی۔۔۔"

تمام اسٹوڈنٹس میں خاصا جوش و خروش پایا جا رہا تھا۔ عابد اپنی نشست سے اٹھ کر اسٹیج کی جانب بڑھا تو طلبہ نے تالیاں بجا کر اپنی بھرپور دلچسپی کا اظہار کیا۔ مائک پر پہنچ کر عابد نے کھنکھار کر گلا صاف کیا پھر فصیح و بلیغ لہجے میں گویا ہوا۔

"صدر ذی احتشام! معزز اساتذہ کرام! اور عزیز ساتھیو السلام علیکم!

جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ میں بھی اسی کشتی کا ایک مسافر ہوں جس پر آپ سب ایک ساتھ سوار ہیں اور میرے شریکِ سفر ہیں۔ میں کوئی شاعر نہیں ہوں لیکن اچھا شعر پڑھنے کا شوق رکھنے کے ساتھ ساتھ کچھ نہ کچھ جوڑ توڑ کرنے کی کوشش ضرور کرتا رہتا ہوں۔ مصرعہ طرح پر طبع آزمائی کی ہے۔ اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ آپ سب کی سماعتوں کی نذر کرتا ہوں۔ صدر ذی وقار کی اجازت کے ساتھ۔۔۔"

جملے کا اختتام کرنے پر اس نے پلٹ کر اذان کی طرف دیکھا اور اذان کے اثبات میں سر ہلانے پر اس نے غزل کا آغاز کیا۔

عابد ایک کے بعد ایک شعر سناتا چلا گیا اور اس دوران اذان اپنے سامنے رکھے رائٹنگ پیڈ پر وقفے وقفے سے کچھ تحریر کرتا رہا۔ عابد نے غزل ختم کی اور طلبا نے ایک بار پھر تالیاں بجا کر اس کی حوصلہ افزائی کی۔

میڈم عشرت کی آواز ایک مرتبہ پھر بلند ہوئی۔

"اور اب تشریف لاتے ہیں فائنل ایئر ہی کے ایک اور اسٹوڈنٹ نیر جمال۔۔۔"

طالب علموں نے ایک مرتبہ پھر آسمان سر پر اٹھا لیا۔ تالیوں کا شور کچھ تھما تو نیر کی آواز بلند ہونے لگی۔ نیر جمال کی غزل ختم ہونے تک اذان حسبِ سابق مسلسل کاغذ اور قلم سے کھیلتا رہا۔ جوں ہی وہ اسٹیج سے نیچے اترا میڈم عشرت کی آواز سنائی دی۔

"یہ تھے نیر جمال جو آپ کے سامنے اپنے خوب صورت اشعار پیش کر رہے تھے اور اب میں دعوت دیتی ہوں تھرڈ ایئر کی ہونہار طالبہ ماہم نظامی کو کہ وہ آئیں اور آپ کے سامنے اپنا کلام پیش کریں۔ ماہم نظامی۔۔۔"

تالیوں کی گونج ایک بار پھر بلند ہوئی اور اذان کی نظریں ہال کمرے میں بیٹھے طلبا پر جم کر رہ گئیں۔۔۔ لیکن اس کی نظروں کی مراد پوری ہوئی نہ ہی تالیوں کی گونج ختم ہوئی۔۔۔۔ اذان اچنبھے کا شکار تھا اور یہ اچنبھا صرف اذان تک ہی محدود نہیں رہا۔ مسلسل تالی

بجانے والے طلبا کے ہاتھ بھی سست پڑ گئے اور اب ان کی گردنیں بھی عقبی جانب گھوم گئی تھیں۔۔۔ ٹھیک اسی لمحے میڈم عشرت کی آواز دوبارہ سنائی دی۔

"ماہم نظامی! اسٹیج پر آئیں اور اپنا کلام سنائیں۔"

ہال میں جوابی طور پر اسٹوڈنٹس کی سرگوشیاں گردش کرنے لگیں۔ لیکن وہ زیادہ دیر تک جاری نہ رہ پائیں۔ عقبی نشستوں کے وسطی حصے میں سے نکل کر سامنے آتی ہوئی ماہم کے چہرے پر عجیب و غریب تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔ انتہائی سستی سے چلتی ہوئی وہ اسٹیج تک پہنچی اور پھر اذان سے نظریں ٹکرانے کے بعد لڑکھڑا سی گئی۔ لیکن جلد ہی اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور مائک پر آن کھڑی ہوئی۔

اذان کا رواں رواں جیسے سماعت بن گیا۔ ستے ہوئے چہرے کے ساتھ ماہم نے ایک بار پھر اذان کی جانب دیکھا اور پھر نظریں چراتے ہوئے چہرہ گھما کر ہال پر نظریں دوڑائیں۔ پھر جیسے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولی۔

"معزز اساتذہ کرام! اور عزیز ساتھیو! میں معذرت خواہ ہوں اور انتہائی شرمندہ بھی کہ میں آج کی اس محفل میں آپ لوگوں کو کچھ بھی نہیں سنا سکوں گی کیونکہ طبیعت ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے میں کچھ لکھ ہی نہیں سکی۔۔۔" ٹھیک اسی وقت کسی لڑکے کی شرارتی سی آواز بلند ہوئی۔

"تالیاں۔۔۔۔" اور ہال کمرہ ایک بار پھر تالیوں سے گونج اٹھا۔

اذان نے غصیلی نظروں سے اسٹوڈنٹس کی جانب گھور کر دیکھا لیکن تمام حاضرین کی طرح وہ بھی اس بات کا اندازہ لگانے سے قاصر رہا کہ آوازہ کسنے والا کون تھا۔ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا لیکن ماہم اسٹیج سے اتر کر جا چکی تھی۔ جب تک وہ اپنی سیٹ پر براجمان نہیں ہو گئی اذان کی نظریں مسلسل اس کا تعاقب کرتی رہیں۔ ایک کے بعد ایک طلبا آتے اور اپنا اپنی غزل سنا کر جاتے چلے گئے، اذان بظاہر تو مارکنگ کرتا رہا لیکن اس کی بھٹکتی ہوئی نظریں بار بار پیشانی سے پسینہ پونچھتی ہوئی ماہم کے چہرے سے جا الجھتیں۔

سیٹ پر بیٹھتے ہی ایک لڑکی نے ماہم کے کان میں کچھ سرگوشی کی تھی اور اس لڑکی کے چہرے پر چھائی ہوئی حیرت نے اذان کے ذہن میں جس جملے کی ترجمانی کی تھی وہ کچھ یوں تھا۔

"ماہم! تم نے تو اتنی اچھی غزل لکھی تھی پھر سنائی کیوں نہیں؟"

اور اذان کسمسا کر رہ گیا وہ اس بات کا اندازہ لگانے سے بھی قاصر رہا تھا کہ ماہم کا یہ فیصلہ اور یہ انداز کسی شرمندگی کا نتیجہ تھا یا تین ماہ پہلے کی جانے والی گفتگو کے ایک ایک لفظ میں سے پھوٹتی ہوئی اس نفرت کا شاخسانہ تھا جو اس نے آخری مرتبہ اذان سے کی تھی۔ وجہ کچھ بھی رہی ہو لیکن بہرحال اذان کے زخم ایک بار پھر تازہ ضرور ہو گئے تھے۔ اس نے بڑی مشکلوں سے خود کو سنبھالا تھا۔ ان تین مہینوں کے ہر ہر دن کو اس نے صدیوں کی طرح کاٹا تھا اور پھر جب تین مہینے کے بعد کامرس کالج کی جانب سے اسے اینول فنکشن کی صدارت کی دعوت دی گئی تو ایک بار پھر جیسے امید دامن گیر ہو گئی کہ شاید ماہم کو اپنے فیصلے پر کسی پچھتاوے کا احساس ہوا ہو۔ شاید اب اس کے رویے میں کوئی لچک آ گئی ہو اور یہ ہی سب کچھ سوچتے سوچتے وہ کشاں کشاں اس تقریب میں کھنچا چلا آیا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ ماہم اچھے شعر کہتی ہے اور وہ کالج کی اس تقریب میں ضرور حصہ لے گی۔ اس کی یہ سوچ کچھ غلط بھی ثابت نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اس کے اندازوں کے محل ضرور مسمار ہو گئے تھے۔ وہ اس تقریب میں شامل ہوتے ہوئے بھی شامل نہیں ہوئی تھی اور اذان کے اندر جیسے کوئی چیخ چیخ کر اس بات کا اعلان کر رہا تھا کہ ایسا صرف اس کے آنے کی وجہ سے ہوا تھا۔

نہ جانے کب تک اس کا وجود سوچوں کے سرتال

پر بے ہنگم رقص کرتا رہا اور پھر اس کا نام پکارا گیا۔
میڈم عشرت کی آواز سنائی دے رہی تھی۔
"پیارے طلبا و طالبات فیصلے کی گھڑی آ پہنچی، دل تھام کے بیٹھیں کہ اب سے چند ہی لمحوں کے بعد اول، دوم، سوم آنے والے طلبا کے نتائج کا اعلان کیا جائے گا لیکن اس سے پہلے میں مہمان شخصیت اور آج کی محفل کے صدر جناب اذان فیضی سے درخواست کروں گی کہ وہ آئیں اور ہمیں اپنے خوب صورت اشعار کے ساتھ ساتھ اپنے صدارتی کلمات سے بھی نوازیں۔ بھرپور استقبال کیجیے گا تشریف لاتے ہیں محترم اذان فیضی!"
تالیوں کے شور میں اذان ایک مرتبہ پھر اٹھ کر دھیمے قدموں سے چلتا ہوا ڈائس تک جا پہنچا۔
"عزیز ساتھیو!

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

ایسا اقبال نے کہا تھا لیکن میری نظر میں محبت ہی وہ واحد چیز ہے جو حقیقت ہے محبت بچوں، بوڑھوں اور جوانوں میں تمیز یا تخصیص کا نام نہیں نہ ہی محبت آپ کے جنون کا کوئی روشن ستارہ ہے۔ محبت تو ذرہ میں آفتاب کے جلوؤں کی دریافت ہے۔ محبت تو اکائی میں کل کا ادراک کراتی ہے۔ قطرے میں قلزم کی پنہائی کا عرفان بخشتی ہے۔ عالم شش جہات تک افہام ممکنات و ناممکنات تک رموزِ حیات و ممات تک محبت ہی محبت ہے۔ اس کائنات کی تمام تر روشنی محبت ہی کی مرہونِ منت ہے۔ موسیقی، شعر، فنِ تعمیر و تصویر، تخلیقِ ادب محبت کا پرتو ہے۔
محبت جو دو حصوں میں تقسیم کی جاتی ہے۔ آپ اسے دریا کے دو کناروں کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ ایک کنارے کا نام وصال تو دوسرے کا فراق کہلاتا ہے۔ وصال جو صرف ذات تک محدود ہے اور فراق ساری کائنات تک۔ عشق اس رمز سے بخوبی آگاہ ہے کہ ذات کہاں ہے اور جلوۂ ذات کہاں ہے۔ قطرہ دریا سے واصل ہوتا ہے تو اپنی ہستی کھو دیتا ہے اور دریا کا دیدِ قطرے کو سوزِ جاوداں بخش کر اسے کبھی شبنم کبھی موتی کبھی آنسو بنا دیا کرتا ہے۔
دو چیزوں کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ حسن اور عشق۔۔۔ حسن جو اس کائنات کی ہر جان دار اور بے جان تخلیق میں سانس لیتا ہے اور عشق۔۔۔" اذان نے سلسلۂ کلام منقطع کرنے کے بعد چند لمحوں کے لیے خاموشی اختیار کی۔ پھر اس کی نظریں ایک چہرے کا طواف کرنے کے بعد واپس پلٹیں اور اس نے سلسلۂ کلام دوبارہ جوڑا۔
"عشق کیا ہے؟ یہ تو کوئی صاحبِ عشق ہی بتا سکتا ہے۔۔۔

میں کہاں اور مری بساط کہاں

میں صرف اتنا کہوں گا کہ عشق درد کے چراغ جلاتا ہے جن ـــــ چراغوں میں خونِ دل جلتا ہے اور یہ چراغ ایسے ہوتے ہیں کہ زمانے میں چراغاں کر جاتے ہیں۔
سوچنے والی بات ہے کہ چاند سے ایسی کیا چیز نکلتی ہے کہ جو دنیا میں چاندنی بن کر بکھر جاتی ہے۔ اس میں کیا راز پوشیدہ ہے کہ دیارِ یار سے نکلنے والا بے قرار عاشق زمانے بھر کا قرار بن جاتا ہے۔
لوگ سمجھتے ہیں کہ وصال زندگی ہے اور فراق موت۔۔۔ لیکن میری نظر میں ایسا نہیں۔۔۔ فراق کسی محرومی کا نام نہیں۔۔۔ یہ تو محبوب سے حاصل ہونے والا وہ قیمتی خزانہ ہے وہ امانت ہے جو صرف اسی کو ملتی ہے جو اس کا اہل ہو۔
زمین، آسمان، پربت، پہاڑ جس امانت سے لرز جاتے ہیں وہ انسان کے دل کے لیے اس کی عطا کی ہوئی نعمت ہے اور اس نعمت کا نام ہے عشق۔۔۔ اور جب یہ عشق فراق بن جاتا ہے تو پھر یادوں کے کعبے میں عقیدت کے سجدے ہوتے ہیں۔ نہ آنکھ جھپکنے کا موقع نہ دل کو دھڑکنے کی اجازت، محویتِ جمال، بارگاہِ حسن میں سناٹا۔۔۔ نہ ہونے کی خبر، نہ ہونے کا علم۔"
اذان کی آواز ہال میں گونج رہی تھی اور بارگاہِ

حسن کے ساتھ ساتھ ہال میں بھی سناٹا چھایا ہوا تھا۔ لفظ جیسے کسی اور ہی جہان سے اتر کر امنڈتے چلے آرہے تھے اور اذان ان کے بہاؤ میں بہتا چلا جا رہا تھا۔ اس کی نظریں اپنے لفظوں کا ردِعمل تلاش کرنے کی ناکام کوشش میں لہولہان ہو گئی تھیں لیکن اسے اپنی اس کوشش میں صرف اور صرف ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک طویل سانس لینے کے بعد وہ دوبارہ گویا ہوا۔
"کہنے کو بہت کچھ ہے۔۔۔ بہت کچھ کہا جا چکا ہے۔ بہت کچھ کہہ سکتا ہوں لیکن بات طویل ہو جائے گی۔۔۔ سو لفظوں کی بساط کو لپیٹتا ہوں۔ آپ سب احباب کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے عزت بخشی، اس قابل سمجھا کہ مجھے اپنی آج کی اس تقریب میں شامل کیا۔ اپنے طالب علم ساتھیوں کا بھی شکریہ ادا کروں گا جنہوں نے میری اس ثقیل گفتگو کو کمال صبر و تحمل سے سنا اور برداشت کیا۔
ضبط کا دامن چھوٹ جانے سے پہلے چند تازہ اشعار آپ سب کی سماعتوں کی نذر کرتا ہوں اور ساتھ ہی اس بات کی معذرت بھی کہ اچانک مجھے احساس ہوا ہے کہ آپ سب دوستوں میں خواہش کے باوجود مزید بیٹھنا میرے لیے ممکن نہیں ہوگا۔ تقسیم اسناد و انعامات ہمیشہ کی طرح آپ کے پرنسپل صاحب فرمائیں گے۔ میری طبیعت میرا کچھ ساتھ نہیں دے رہی لہٰذا میں یہ چند اشعار سنانے کے بعد آپ سب دوستوں سے اجازت چاہوں گا۔ ایک بار پھر میں تہہ دل سے اپنے تمام طالب علم دوستوں کا اور کامرس کالج کی انتظامیہ کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ ایک مرتبہ پھر معذرت چاہوں گا۔
غزل کے چند اشعار پیش کرتا ہوں۔

ہمارا یہ تم کو سلام آخری ہے
سنو آج تم سے کلام آخری ہے
اگر ہو سکے تو بھلا دینا ہم کو
یہی ایک چھوٹا سا کام آخری ہے
ابھی آرزوؤں کے صحرا ہیں پیاسے
مگر آنسوؤں کا یہ جام آخری ہے
مریضِ محبت کی اے چارہ سازو
تمہارے نگر میں یہ شام آخری ہے
کہیں مل سکے گا نہ پھر کوئی ایسا
ترے حسن کا یہ غلام آخری ہے

تالیوں کی گونج دیر تک سنائی دیتی رہی لیکن اس آواز کو سننے کے لیے اذان وہاں رکا نہیں تھا۔ وہ ہال کا دروازہ عبور کر کے لمبے لمبے ڈگ بھرتا آگے ہی آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

☆☆☆

بریکوں کی تیز چرچراہٹ، گاڑیوں میں سے کود کود کر اترتے باوردی گارڈز کا فوجی انداز میں چلنا اور کسی اکڑی ہوئی گردن والے شخص کے عقب میں مؤدب ہو کر لپکنا، یہاں کی فضاؤں کے لیے کوئی نیا منظر نہیں تھا۔ ایسا روز ہوتا تھا۔ یہی انداز، امارت کا یہ مظاہرہ، شاید یہاں کا دستور تھا۔ کچھ بھی نیا نہیں تھا لیکن نہیں اب ایسا بھی نہیں۔ ایک تبدیلی تو ضرور تھی۔ کچھ نہ کچھ نیا نیا پن ضرور تھا جس نے دروازے پر کھڑے گیٹ کیپر کو چونکنے پر مجبور کر دیا تھا۔
اس کے لیے گارڈز کی وردیاں ہی شناخت کا ذریعہ تھیں۔ ان کے چہروں پر اس نے آج تک کبھی توجہ ہی نہیں دی تھی لیکن پیش رو کا چہرہ یقیناً اس کے لیے جانا پہچانا تھا۔ لیکن آج یہ چہرہ مختلف تھا۔ سو اس کا چونکنا ایک فطری عمل تھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور لبوں پر کئی ان کہے سوال مچلنے سے پہلے ہی دم توڑ گئے۔ سامنے موجود شخصیت کو دیکھنے کے بعد جرأتِ سوال باقی نہ رہی اور اس کی قوتِ گویائی جیسے سلب ہو کر رہ گئی۔
اور وہ خاموشی سے ایک جانب ہٹ گیا لیکن جگہ تبدیل کرنے سے پہلے گلاس ڈور کو کھولنا وہ ہرگز نہیں بھولا تھا۔ آنے والا اسی شان و شوکت کے ساتھ آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا اور باوردی گارڈز اس کے پیچھے۔۔۔ اب وہ ایک بہت بڑے ہال میں سے گزر رہا تھا جس کی دونوں جانب لمبی میزوں کے پیچھے

بہت سے لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف نظر آ رہے تھے۔ ان سب نے اچنبھے سے آنے والے کی جانب دیکھا اور پھر اس کے پیچھے چلتے باوردی گارڈز کو۔

ان کے چہروں پر چھائے حیرت کے تاثرات اس بات کا واضح ثبوت تھے کہ آنے والا شخص ان کے لیے اجنبی ہے لیکن وہ رکے بغیر یوں آگے ہی آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا جیسے وہ اس عمارت اور اس دفتر کے چپے چپے سے واقفیت رکھتا ہو۔

ہال کراس کرنے کے بعد وہ جیسے ہی طویل کوریڈور میں داخل ہوا تو کوریڈور کے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے بہت سے باوردی گن مین نظر آئے تو اس کے ساتھ نظر آنے والے گارڈز کے قدم بھی ان کے قریب پہنچ کر رکتے چلے گئے لیکن وہ بنا رکے چلتا چلا گیا اور پھر جب اس کے قدموں نے تھمنے سے آشنائی حاصل کی تو سامنے ہی ایک دروازہ نظر آیا۔ یہاں بھی ایک اردلی موجود تھا لیکن نو وارد کے چہرے پر موجود رعب و دبدبہ دیکھ کر یا اس کی ساحرانہ شخصیت سے مسحور ہو کر اردلی نے بغیر کچھ کہے دروازہ کھول دیا اور ان کے لمحے کے لیے رکنے والے قدم ایک مرتبہ پھر حرکت میں آ گئے۔

کمرے میں داخل ہوا تو ایک جہازی سائز کی ٹیبل کے عقب میں موجود فرزان ٹیلی فون پر مصروف گفتگو دکھائی دیا۔ وہ جوں ہی ٹیبل کے قریب پہنچا فرزان نے فون پر مصروف ہونے کے باوجود اٹھ کر اس سے مصافحہ کیا اور سامنے رکھی نشستوں کی جانب اشارہ کیا۔ نو وارد خاموشی سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا اور ہاتھ میں موجود فائل کو اس نے میز پر رکھ دیا۔ چند ہی لمحوں کے بعد فرزان نے ریسیور کریڈل پر رکھا اور اس کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔

”دا گریٹ بزنس مین مسٹر یاور زمان اور ہمارے اس چھوٹے سے دفتر میں۔۔۔؟ حیرت کے باوجود میں آپ کو ویلکم کہتا ہوں۔“

اور یاور زمان کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔

”حیرت تو مجھے ہو رہی ہے فرزان! اور وہ اس لیے کہ نہ تو تمہارا دفتر چھوٹا ہے اور نہ ہی تمہارا کاروبار۔۔۔ بہت کم وقت میں بہت زیادہ ترقی کی ہے تم نے۔۔۔ تمہاری ایک امانت تم تک واپس پہنچانی تھی۔۔۔ سوچا اسی بہانے تمہارا دفتر بھی دیکھ لوں۔“

یاور زمان نے خوش گوار لہجے میں بات کرتے ہوئے سامنے رکھی فائل اٹھا کر فرزان کی جانب بڑھائی۔

فرزان نے تھوڑا سا آگے کی جانب جھکتے ہوئے ہاتھ دراز کیا اور پھر فائل وصول کرتے ہوئے کھول کر ایک نظر دوڑائی پھر فائل کو کیبنٹ میں رکھ دیا۔

”یہ معاملہ کچھ ایسا اہم نہیں تھا کیونکہ یہ بات ہمارے درمیان پہلے ہی طے پا چکی تھی کہ جو آدمی آپ کو چیک ڈلیور کرنے جائے گا آپ یہ ایگریمنٹ اسی کے ہاتھ بھجوا دیں گے۔ سو میری حیرت اپنی جگہ برقرار ہے کہ آخر اتنی معمولی سی بات کے لیے آج پہلی مرتبہ آپ نے بہ نفس نفیس آنے کی زحمت کیوں فرمائی؟“

فرزان کا لہجہ سپاٹ اور نظریں یاور زمان کے چہرے پر تھیں۔ اس کی بات سن کر چند لمحوں کے لیے یاور زمان کی پیشانی پر شکنوں کے آثار نظر آئے جو جلد ہی معدوم بھی ہو گئے۔ پھر وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

”فرزان فیضی! اگر تم برا نہیں مناؤ تو تمہارے اس سوال کا جواب دینے سے پہلے میں بھی ایک سوال کر سکتا ہوں؟“

”شیور۔۔۔“ فرزان نے کندھے اچکاتے ہوئے جواب دیا لیکن اس کا چہرہ بدستور سپاٹ تھا۔

”آج تم میرے یہاں آنے کی وجہ دریافت کر رہے ہو۔۔۔ اور میری آمد نے بھی تمہیں حیرت میں مبتلا کر دیا ہے لیکن جب تم اس کاروبار کی بنیاد رکھنے جا رہے تھے، اس سے بہت پہلے میں نے تمہیں ایک پیش کش کی تھی۔۔۔ اور شاید اسی پیش کش کی بدولت آج تم اس کرسی پر بیٹھے نظر آ رہے ہو۔ مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ اس وقت تمہیں ذرا بھی حیرت نہیں ہوئی۔ ایک سوال تم نے آج کیا ہے لیکن ایک سوال تمہیں اس وقت کرنا چاہیے تھا کہ آخر میں پیش کش تمہیں کر کیوں رہا ہوں۔ اس وقت تو تم نے بالکل بھی نہیں پوچھا کہ میں تمہیں پیسے کیوں فراہم کر رہا ہوں۔ آخر میں تمہاری کامیابی کا خواہش مند کیوں ہوں؟“

یاور زمان نے اپنی بات کے اختتام پر اپنے لفظوں کا ردِعمل فرزان کے چہرے پر تلاش کرنا چاہا۔ لیکن صاف ظاہر ہے کہ اسے ناکامی ہوئی۔ فرزان کا چہرہ بھی سپاٹ تھا اور وہ بولا تو اس کا لہجہ بھی۔۔۔

”مسٹر یاور زمان! اگر آپ تفصیل میں جائیں گے تو بات بہت دور تک جائے گی۔۔۔ ہمارے یہاں بزرگوں کی ایک کہاوت کا اکثر ذکر کیا جاتا ہے کہ آدمی کو پھل کھانے سے مطلب ہونا چاہیے پیڑ گننے سے نہیں۔ آپ میرے لیے ایک ذریعہ ضرور بنے ہیں لیکن تخلیق کار نہیں۔۔۔

تخلیق کرنے والے نے جب انسان کو تخلیق کیا تو ذہنی استعداد اتنی ہی عطا کی جتنا کہ وہ اہل تھا۔ ہر انسان قابلیت اور اہلیت میں دوسرے سے یکسر مختلف ہوتا ہے۔۔۔ میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں، آپ نے ایسے بہت سے کامیاب لوگوں کو دیکھا ہوگا، ان کے بارے میں سنا ہوگا، جو بادشاہوں کے گھر میں پیدا ہوئے اور پھر خود بھی بادشاہ بنے۔۔۔ لیکن اسی دنیا میں ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ کچھ لوگ بہت ہی غریب گھرانوں میں پیدا ہوئے، کسمپرسی میں پرورش پائی، غربت نے پروان چڑھایا۔ لیکن وقت نے انہیں تختِ شاہی عطا کر دیا۔ آپ جانتے ہیں کہ ان دونوں قسم کے لوگوں میں قدرِ مشترک کیا تھی؟ شاید آپ نہیں بتا سکیں گے۔۔۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ جو لوگ بادشاہوں کے گھر میں پیدا ہوئے بادشاہ بنے، جو غریبوں کے گھروں میں پیدا ہوئے بادشاہ بنے، کیونکہ وہ لوگ پیدا ہی بادشاہت کرنے کے لیے ہوئے تھے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جب آدمی سفر کے لیے کمر باندھ لے تو وہ ایک منزل کا تعین کرتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک آدمی کراچی سے چلتا ہے اور لاہور کا قصد کرتا ہے، وہ اپنے اس سفر کے دوران پانی پر سفر کرے، ٹرین پر جائے، بس میں بیٹھ کر چلا جائے اور شاید کسی نہ کسی جگہ تانگہ پر بھی بیٹھنا پڑے لیکن وہ لاہور پہنچ ضرور جائے گا۔ کریڈٹ ذریعۂ سفر کو نہیں ارادۂ سفر کو جائے گا۔

میری منزل یہ کرسی تھی ذریعہ چاہے کچھ بھی رہا ہو، کوئی بھی بنا ہو، یہ کرسی میرا مقدر تھی، میری ضرورت تھی اور میرا حق تھی۔۔۔ سو مجھے مل گئی۔ ایک اور مثال اس حوالے سے آپ نے بھی سنی ہوگی کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے اگر یہ کرسی میری ضرورت تھی تو اس تک پہنچنے کے لیے اس وقت دی ہوئی آپ کی رقم بھی میری ضرورت تھی۔۔۔ میری ضرورت آپ نے پوری نہیں کی ہاں آپ کی وجہ سے ضرور پوری ہوئی۔ تو میں خوامخواہ کے سوالات کر کے کفرانِ نعمت کیوں کرتا۔۔۔؟“

فرزان کا جملہ مکمل ہوا تو یاور زمان کی پیشانی پر یکے بعد دیگرے نمودار ہونے والی شکنوں کا جال مزید گہرا ہونے کے ساتھ ساتھ جیسے جم کر رہ گیا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد جیسے وہ بولا تو اس کے لہجے میں ہلکی سی تلخی کی آمیزش بھی تھی۔

”تو تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تمہاری اس کامیابی کے پیچھے میرا کوئی عمل دخل نہیں ہے؟ میں اگر رقم فراہم نہیں کرتا تو وہ تمہیں کہیں نہ کہیں سے مل ہی جاتی۔“

یاور زمان کی بات سن کر فرزان کے پتلے پتلے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک باریک سی لکیر کھنچ گئی۔

”نہیں، میرا یہ مقصد ہرگز نہیں۔۔۔ شاید آپ بھول گئے، میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ یہ رقم مجھ پر آپ کا احسان ہے اور فرزان احسان فراموش نہیں ہے۔ وعدے کے مطابق میں نے آپ کی رقم شکریے کے ساتھ واپس بھی لوٹا دی ہے۔ جس کے جواب میں صاف ستھرے کاروباری لوگوں کی طرح آپ نے یہ

اگریمنٹ مجھے واپس کر دیا ہے۔"

فرزان نے کیبنٹ سے فائل اٹھا کر فضا میں لہراتے ہوئے جواب دیا اور پھر فائل واپس رکھتے ہوئے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد دوبارہ گویا ہوا۔

"اگر خدانا خواستہ کوئی ایسا وقت آجاتا ہے کہ آپ کو کسی بڑی رقم کی ضرورت پیش آجاتی ہے تو فرزان بھی اسی طرح آپ کے کام آکر خوشی محسوس کرے گا۔"

فرزان کی بات ختم ہوئی تو یاور زمان کے تنے ہوئے اعصاب قدرے ڈھیلے پڑ گئے۔ پھر وہ نرم لہجے میں گویا ہوا۔

"فرزان تم نے بہت جلد اپنا مقام بنا لیا ہے اور میری نظر میں بھی اب تم اس مقام پر پہنچ چکے ہو کہ میں تم سے وہ بات کروں جسے کرنے کے لیے میں نے اب تک انتظار کیا ہے۔

میری آج یہاں آمد کا اصل مقصد یہ ہی تھا کہ میں آج تم سے کھل کر بات کر سکوں۔ میں نہیں جانتا کہ تمہارے ذہن میں کیا ہے۔ لیکن تم یہ ضرور جانتے ہو کہ میرے ذہن میں تمام تر کاروباری معاملات کے بعد اگر کچھ ہے تو وہ صرف اور صرف میری بہن ہے۔

تم جانتے ہو فرزان کہ اس کی خوشی کے لیے میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔۔۔ میں نے اس بن ماں باپ کی بچی کو ماں اور باپ دونوں کی محبت دی ہے۔ میں بیک وقت اس کا باپ بھی ہوں اور اس کی ماں بھی۔۔۔ تم نے مجھے اپنے ماں باپ کے حوالے سے کچھ نہیں بتایا ورنہ شاید میں ان کے دروازے پر دستک دیتا۔ اس لیے یہ ایک ماں، ایک باپ اور ایک بھائی کی مجبوری بھی ہے کہ میں یہ بات براہِ راست تم سے کروں۔

تم تصور نہیں کر سکتے فرزان! کہ فریال مجھے کتنی پیاری ہے۔ میں اس کے لیے اپنا بزنس، اپنی دولت، اپنی جائیداد سب کچھ نچھاور کر سکتا ہوں۔ اس کے لیے اجڑ بھی سکتا ہوں اور اجاڑ بھی سکتا ہوں۔ اس کی خوشی میری خوشی۔ اس کی ایک مسکراہٹ پر میں اپنی جان دے سکتا ہوں تو اس کی پیشانی پر ایک شکن پر کسی کی جان لے بھی سکتا ہوں کہ میری دنیا فریال سے شروع ہو کر فریال ہی پر ختم ہوتی ہے۔

میری کل کائنات وہی ہے اور آج میں اپنی آنکھوں کا نور کسی اور کے دامن میں ڈالنا چاہتا ہوں۔ اپنی دنیا اور اپنی کائنات کسی اور کے حوالے کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں فریال کی شادی کر دوں۔۔۔"

یاور زمان ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا تو فرزان کی آواز سنائی دی۔

"میری دعا ہے کہ جتنی محبت اسے آج تک آپ سے ملی ہے اس سے کہیں زیادہ محبت اسے اپنے شوہر سے حاصل ہو۔۔۔ میرے لائق جو بھی حکم ہو میں حاضر ہوں۔۔"

یاور زمان نے چند لمحوں تک فرزان کی آنکھوں میں جھانکا پھر گویا ہوا۔

"جتنی محبت میں اس سے کرتا ہوں شاید اس سے کہیں زیادہ محبت وہ کسی اور سے کرتی ہے۔۔۔ اور فرزان میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں صرف فریال کا بھائی ہی نہیں اس کا باپ اور اس کی ماں بھی ہوں۔ شاید باپ اندازہ نہ لگا سکتا ہو، بھائی نہ سمجھ سکتا ہو لیکن ماں کی نظریں یہ ضرور بھانپ لیتی ہیں کہ اس کی بیٹی کیا چاہتی ہے اور شاید تم بھی اس بات سے ناواقف تو نہیں ہو۔۔۔ فریال تم سے محبت کرتی ہے اور میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اپنا یہ سب سے قیمتی اثاثہ میں تمہیں سونپ دوں۔۔۔ تم فریال سے شادی کر لو۔"

(باقی آئندہ)

سرورق کی شخصیت	
ماڈل	صائمہ
میک اپ	روز بیوٹی پارلر
فوٹوگرافر	موسیٰ رضا

چھٹی قسط

نفرت کرنے کے لیے دل کی سرزمین ہمیشہ سے زرخیز ہی پائی جاتی ہے۔ یہاں بیج ڈالا وہاں فصل تیار۔ کوئی بھی منفی جذبہ پنپنے کے لیے کسی چیز کی طلب نہیں کرتا، محنت نہیں مانگتا، سورج کے غروب ہونے کی طرح احساس بھی نہیں ہوتا اور ہم دل ہی دل میں کسی کے خلاف بہت آگے نکل جاتے ہیں۔ اس کے برعکس محبت کرنا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ محبت کرنی ہو تو سب سے پہلے اپنا آپ مارنا پڑتا ہے۔ اپنا نفس جذبات کے ہاتھوں گروی رکھ کر بہت سی ایسی باتیں بھی نظر انداز کرنی پڑتی ہیں جو کہ محبت کے دور سے پہلے شاید ہمارے احتجاج کا باعث بنتیں۔ رانجھا رانجھا کرتے جب خود پر رانجھا ہونے کا گمان گزرنے لگے تب محبت کی سرزمین میں پہلا قدم رکھنے کا یقین ہوتا ہے۔

مگر جو لوگ یک طرفہ نفرت کے قلعوں میں قید ہوتے ہیں اُن کے دلوں کی فصیلوں میں محبت کے برمے لگا کر اگر کوئی سوراخ کرنا بھی چاہے تو اکثر اوقات سوراخ کے ہو جانے اور فصیلوں کے ٹوٹ جانے کی کوئی بھی خبر اُن قلعوں کے اندر تک نہیں جا پاتی۔

یہی حال عائشہ بھابھی کا بھی تھا۔ سفری بیگ پر لگی ایئر ٹریول کی مختلف پرچیوں کی طرح جانے اُن کے دل میں ندی کے خلاف کیا کچھ اور کب سے چسپاں تھا جو کہ اب موقع ملتے ہی ان کے رویے اور لفظوں سے عیاں ہونے لگا تھا اور اکمل سے بات ہونے کے بعد سے تو وہ جلے پیر کی بلی بنی یہاں سے وہاں گھوم رہی تھیں۔ ندی کے پاس اگر موبائل نہیں تھا تو کیا وہ لینڈ لائن نمبر پر فون کر سکتا تھا۔ ثروت آپا بھی گھر پر تھیں اگر اکمل کے فون کرنے پر وہ ریسیو کرتیں تو ظاہر ہے کہ انہیں بھلا کیا اعتراض ہوتا اور وہ کیوں نا اس کی ندی سے بات کرواتیں۔ یہی بات اب انہیں بے چین کیے دے رہی تھی، کیونکہ اگر وہ اپنے دل میں اس کام کا مضبوط ارادہ کر لیتا تو بھلا ناصر سمیت کسی کو بھی کیا اعتراض ہوتا، بلکہ اوپر سے ظاہری طور پر چاہے غصہ ہی تھا، مگر پھر دل کے کسی کونے میں اطمینان بھی ضرور بیٹھا، مسکرانے لگتا کہ جیسا بھی اور جو کچھ بھی ہوا مگر بالآخر وہ ایک اچھے گھرانے کی بہو بن گئی ہے اور پھر جس طرح پہلے یہاں پر مشرق و مغرب میں ندی، ندی کی پکار رہا کرتی تھی وہاں بھی وہ تن تنہا ملکہ عالیہ بن کر عیش کیا کرتی اور یہ بات عائشہ بھابھی کو ہرگز گوارا نہیں تھی۔

مگر اب کریں تو کریں کیا، اگر اکمل کی طرف سے دیے گئے پرپوزل کو ندی سب کچھ بھلا کر قبول کر لے تو۔۔۔؟ اس ''تو'' کے آگے موجود سوالیہ نشان کے باعث عائشہ بری طرح جھنجھلائی ہوئی تھیں اور جانتی تھیں کہ اب یا تب اکمل فون کرنے ہی والا ہے تبھی ناصر بھائی کے آنے تک انہوں نے اپنا وقت ثروت آپا کے ساتھ لاؤنج میں ہی گزارنے کا سوچا تا کہ اس کا احتمال نہ ہو۔

ثروت آپا بھی اپنے بیٹے کو سلا کر ابھی ابھی لاؤنج میں آ کر صوفے پر بیٹھی تھیں اور ہاتھ میں ریموٹ لیے چینلز چینج کر رہی تھیں، جب عائشہ بھابھی نے دوسرے صوفے کے کارنر پر فون سیٹ کے قریب جگہ سنبھالتے ہوئے چہرے پر افسردگی طاری کی۔

''ایک شخص کی غلطی کس طرح بھرے پرے گھر کو اجاڑ کر رکھ دیتی ہے نا۔'' ثروت آپا نے ان کی بات پر بڑی افسردگی سے ٹھہری سانس خارج کرتے ہوئے مزید چینلز چینج کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

''عائشہ! گھر ہمیشہ بنتے بھی محبت سے ہیں اور اجڑتے بھی محبت کے ہاتھوں ہیں۔''

''کوئی بھلا محبت سے گھر کیوں اجاڑے گا؟''

عائشہ بھابھی کو ثروت آپا کی بات کچھ عجیب سی لگی تھی۔

''محبت کی آڑ لیے بغیر کسی کا ہنستا بستا گھر اجاڑنا تو مشکل ہی نہیں، بلکہ ناممکن بھی ہے۔'' ثروت آپا اپنی کہی ہوئی بات پر مکمل طور پر قائم تھیں۔

''ایک مثال دیتی ہوں، لیکن دیکھو اسے صرف مثال کے طور پر ہی سننا، سچ سمجھ کر مائنڈ نہ کر جانا۔''

''ارے نہیں نہیں، آپ بات کریں۔''

''مثال کے طور پر اگر تم اپنے لفظوں میں شیرینی گھول کر ناصر بھائی کو گھر والوں کے خلاف بھڑکاؤ اور انہیں اس بات کا یقین دلاؤ کہ گھر میں انہیں کوئی عزت نہیں دیتا اور ان کی کوئی ویلیو نہیں ہے اور بس اسی بات پر تم دل گرفتہ رہتی ہو۔'' ایسی عجیب سی اور سیدھی سیدھی مثال پر عائشہ کے ابرو ایک دوسرے کے قریب آتے محسوس ہوئے تھے مگر چونکہ اس کڑوی مثال کو محض مثال ہی سمجھنا تھا لہٰذا خاموش رہ کر ہاں میں ہاں ملانا بھی ان کی مجبوری تھی۔

''تو یقیناً وہ ان ہمدردی کے کمزور لمحوں میں خود ترسی کا شکار ہو کر دوسروں کے رویے میں چاہتے نہ چاہتے ہوئے اسی بات کی تصدیق کے عمل میں لگے رہیں گے کہ یقیناً اُن پر ظلم ہو رہا ہے، انہیں ان کے منصب یا حق کے مطابق عزت نہیں مل رہی۔ اس لیے انہیں بھی اپنے مثبت جذبات اُن سب کے بجائے تم پر ہی نچھاور کرنے چاہئیں چونکہ تم ہی اُن کی سب سے بڑی ہمدرد ہو۔''

آپا اپنے دل کی بات مثال کی آڑ میں کر رہی تھیں یا مثال کو آسان فہم بنانے کے لیے انہوں نے عائشہ کا نام استعمال کیا تھا۔ اس بات پر وہ آہستہ آہستہ اپنے دل کے اندر الجھتی جا رہی تھیں۔

''گھر کی پہلی اینٹ تو گرتی ہی تب ہے جو کوئی محبت کے لبادے میں لپٹا وجود ہمدردی کے شیریں میں ڈوبے الفاظ میں گھر کے اندر بڑے سکون سے لایا، لوگوں کو وہی سارا منظر ایک دوسرے انداز میں دکھاتا ہے۔ تب ہر ایک لفظ کا مطلب کہنے والے کی سوچ کے برعکس اُن ہمدردی میں ڈوبے لفظوں کے معیار پر سنا اور سمجھا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے شیطان نے اپنائیت کے لبادے میں ظاہر ہو کر حضرت آدم علیہ السلام اور بی بی حوا علیہ السلام کو دیس نکالے کا حکم سنوا دیا تھا۔ خود ہی سوچو اگر وہ شیطان ہی کے طور پر ظاہر ہوتا تو کیا اس کا کوئی بھی مشورہ قابل قبول ہوتا؟'' بڑے آرام سکون اور مکمل واضح انداز میں کی گئی باتوں کا جواب عائشہ بھابھی نے جان بوجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔ مبادا چور کی داڑھی میں تنکے والی بات ہی نہ ہو جائے۔

''توڑنے والے تو گھر کی ایک ایک چوکھٹ اور دہلیز بڑی ہی عقیدت سے چوم چوم کر توڑتے ہیں۔ ایک ایک اینٹ اکھاڑنے سے پہلے بڑے آنسو بہاتے ہیں۔ بے پناہ اور بے تحاشا محبتیں جتاتے ہیں اور ایسی محبتیں گھر کی بنیادوں کو آہستہ آہستہ دیمک بن کر یوں چاٹ جاتی ہیں کہ پھر اس جگہ نیا مکان تو ضرور بنتا ہے مگر اس مکان کو گھر بنانا اور وہ بھی مہربانیوں کی دیمک کی موجودگی میں ناممکن ہی رہتا ہے۔''

ثروت آپا کی باتوں میں اپنی دلچسپی کا نہ ہونا ظاہر کرنے کے لیے تائید میں سر ہلاتے ہوئے اٹھ کر ریموٹ لیا اور چینل بدلنے لگیں جس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اس موضوع پر مزید باتیں سننے کے موڈ میں نہیں تھیں۔ اس کے برعکس ثروت آپا کو تو جیسے بڑی مشکل سے یہ موقع ملا تھا سو چپ ہونے کا ارادہ ان کا بھی نہیں تھا۔

''ویسے بھی عائشہ، یہ بات تو تم بھی مانو گی نا کہ گھر کی بنیادوں میں زلزلہ برپا کرنے والے تو حقیقتاً گھر کے افراد کہلانے کے مستحق ہی نہیں ہوتے، کیونکہ گھر کے افراد کتنا ہی لڑ جھگڑ کیوں نہ لیں چند روز بعد سب کچھ بھلا کر وہ پھر سے ویسے ہی مخلص اور پیار کرنے والے نظر آتے ہیں جیسے پہلے۔''

''ہاں بات تو ظاہر ہے آپ کی سو فیصد ٹھیک ہے۔''

ٹی وی کو اپنی پہلی ترجیح قرار دیتے ہوئے عائشہ نے نظریں اسکرین پر ہی جمائے رکھنے کے دوران جواب دیا تو وہ گہری سانس لے کر رہ گئیں۔

"بس دکھ تو اسی بات کا ہے نا کہ جب کوئی بھی باہر کا فرد مصنوعی چاہت کا ڈھاٹا باندھے نقب لگا کر اندر آتا ہے اور گھر کے یوں پرخچے اڑا کر رکھ دیتا ہے کہ برسوں ساتھ رہنے والے برسوں کے اجنبی قرار پاتے ہیں۔"

ثروت آپا کے ایک ایک لفظ اور چہرے کے تمام تاثرات سے ان کی دل گرفتگی ظاہر ہو رہی تھی اور یہی بات عائشہ کو کاٹ رہی تھی۔

"وہ کہتے ہیں نا کہ

دشمن سے یوں تو سب محتاط رہتے ہیں مگر
زندہ رہنا اک ہنر ہے دوستوں کے درمیاں

"ارے واہ آپا! آپ نے تو شاعری بھی شروع کر دی ہے۔" اُن کے پڑھنے کے انداز پر عائشہ مسکرائے بنا نہ رہ پائی تھی۔

"نا بابا نا، میں کہاں، یہ تو جانے کہاں پڑھا تھا آج اپنے ہی حالات پر یاد آ گیا۔"

"آپ کو کن دوستوں سے فکر لاحق ہے ویسے؟" عائشہ کا آج یہاں بیٹھنا مجبوری تھا سو بات تو کرنا ہی تھی۔ موضوع چاہے کوئی بھی ہوتا۔

"ارے نہیں، میں تو بس ویسے ہی۔۔۔" انہوں نے بات ٹالی۔ مگر کچھ سوچتے ہوئے چند ہی لمحوں بعد دوبارہ بولیں۔

"ایک بات کہوں عائشہ! مان لو گی؟"

"ایسی کیا بات ہے آپا! آپ کہہ کر دیکھیں۔ اگر ماننے والی ہوئی تو پھر ظاہر ہے ضرور مانوں گی۔"

ثروت آپا کے وعدہ لینے کے انداز نے عائشہ بھابھی کو چونکا دیا تھا۔

"ندی جس عمر میں ہے، اس میں بعض اوقات غلطیاں بھی ہو ہی جاتی ہیں۔ ایسے میں ہمیں چاہیے نا کہ اس مسئلے کا خود کوئی حل نکالیں۔"

"آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں آپا! میں سمجھی نہیں۔"

"دراصل میں سوچ رہی تھی کہ ندی کے لیے یہاں وہاں رشتہ دیکھنے کے بجائے اگر تم اپنی گیا اکمل سے بات کرو تو ہو سکتا ہے گھر کی بات گھر میں ہی رہ جائے۔" ہچکچاتے ہوئے ہی سہی مگر ثروت آپا نے بالآخر اپنے دل کی بات کہہ ہی دی تھی اور ان کی اس بات کو سنتے ہی جیسے عائشہ بھابھی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ یعنی وہ جس بات سے خوف زدہ تھیں ثروت آپا اسی بات کو مسئلے کے حل کے طور پر پیش کر رہی تھیں۔

"ویسے ایک بات تو خود میں بھی کہنا چاہ رہی تھی آپا! آج نہیں بلکہ پچھلے کئی دنوں سے۔"

عائشہ نے پینترا بدلا۔

"اکمل کا خیال تو آپ کو شاید آج ہی آیا ہو گا نا، مگر میں سوچ رہی تھی کہ ندی نے تو چلو جو بھی گل کھلائے سو کھلائے ہی، اب گھر کا کوڑا کسی اور پر پھینکنا بھی تو مناسب نہیں لگتا نا۔"

"تمہاری بات کا مطلب۔۔۔؟"

عائشہ بھابھی کے بل کھاتے لہجے نے ثروت آپا کو اپنے سوال کے جواب کے لیے تو مایوس ہی کیا تھا۔

"مطلب یہ کہ اپنے دیور سے ندی کی شادی کے لیے کوئی کوشش کیوں نہیں کرتیں آپ؟ اچھا ہے بلکہ آپ کے سامنے ہو گی، آپ کے ساتھ رہے گی تو کسی میں جرأت نہیں ہو گی اسے اُس کی نادانیوں کا طعنہ دینے کی۔" ثروت آپا کو اس سے اتنے زہریلے وار کی توقع ہر گز نہیں تھی جبھی اس کی بات پر تلملا اٹھنا ایک فطری امر تھا۔

"اور اگر بالفرض کوئی اسے کچھ کہتا بھی ہے تو آپ دفاع کرنے کے لیے تو کم از کم موجود ہوں گی ہی نا اس کے پاس۔"

"تمہیں اندازہ بھی ہے کہ تم آخر کیا کہہ رہی ہو؟" اپنے طیش کو حتی الامکان کنٹرول کرتے ہوئے ثروت آپا بولیں۔

"ہاں، بس یہی کہ اپنے سسرال میں ندی کی شادی کی بات چلائیں اور کیا۔۔۔" کندھے اچکاتے ہوئے عائشہ بھابھی نے بات یوں لاپروائی اور بے

زاری سے کر ڈالی تھی کہ جیسے ندی کی شادی اور اس کی ساری زندگی کا نہیں بلکہ یہ ذرا مارکیٹ تک جانے کی بات ہو رہی ہو۔ کوئی ہمدردی، افسوس یا کسی قسم کا لگاؤ ظاہر کیے بغیر اُن کا یوں بات کرنا ثروت آپا کو گیلی چھری کی طرح سا لگا گیا تھا۔

"عائشہ! شاید تم بھول رہی ہو کہ شادی شدہ زندگی کے معاملے میں میرا نصیب اتفاق سے تم جیسا ثابت نہیں ہوا ہے اور نہ ہی میں کسی سلجھے ہوئے سسرال کی بہو بنی ہوں۔ اگر میں اُن کے درمیان ان جیسی بن کر زندگی گزار رہی ہوں تو وہ میری ہمت ہے اور رشتے کی بات کرنا تو دور تم نے جس طرح میری نند کے سامنے ندی کے ساتھ ہونے والا یہ واقعہ بیان کیا تھا صرف اُسی وجہ سے آج میں وہاں دب گئی ہوں، سر اٹھا کر چل نہیں سکتی اب اُن کے سامنے۔۔۔ اور وجہ ہو صرف تم۔"

"لیکن حقیقت سے ساری دنیا واقف تھی۔ اس بات کا خیال آپ کو تب کیوں نہیں آیا جب بابا کی پوچھ پر سب کے سامنے ندی کو موردِ الزام ٹھہرا دیا تھا تب تو آپ کو اپنی سسرال میں ہونے والی سبکی یاد رہی تھی اور نہ ہی اپنی عزت۔۔۔"

"عائشہ! خدا کا واسطہ ہے چپ کر جاؤ۔" ثروت آپا نے حقیقتاً اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

"پہلے سسرال والوں کی سنتے رہو اور اب یہاں آ کر تمہاری۔۔۔ معاف کرنا، میرے دماغ میں اب اتنی ہمت نہیں رہی ہے۔ حالات نے بہت کمزور کر دیا ہے مجھے، میں اب وہ پہلی والی ثروت نہیں رہی ہوں۔۔۔ پلیز چپ ہو جاؤ۔" عائشہ نے چونک کر ان کی پست آواز اور ارتعاش زدہ لہجے پر انہیں دیکھا تو وہ اٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھیں۔

"دیکھو عائشہ! تم میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔" عائشہ بھابھی کے ہاتھ سے ریموٹ لے کر سامنے شیشے کے تکونے میز پر رکھتے ہوئے بولیں۔

"میری بات بہت ٹھنڈے دماغ اور پرسکون دل کے ساتھ سنو۔ یہ اس کی پوری زندگی کا مسئلہ ہے اور اس میں تو کوئی دو رائے نہیں ہے کہ اُس سے غلطیاں بھی ہوئی ہیں، مگر تم خود سوچو نا اگر ہمارے جسم کا کوئی ایک حصہ کسی بیماری کے باعث خراب ہونے لگے تو بھلا ہم اسے کاٹ کر پھینک تھوڑی دیں گے۔ اس کا علاج کریں گے نا، کوئی تدبیر کریں گے تاکہ وہ پھر سے اُسی طرح بہتر حالت میں آ سکے۔" بات کا متن تو بخوبی عائشہ بھابھی کی سمجھ میں آ گیا تھا مگر اس کے باوجود ہونٹ سکیڑے چپ بیٹھی سپاٹ چہرے اور بے تاثر آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہیں۔

"دیکھو، ندی اچھی ہے یا بری مگر ہے تو ہماری چھوٹی اور بہت لاڈلی بہن نا۔۔۔ اگر اس معاملے کو پرے رکھ دیا جائے تو اُس نے کبھی کسی کی دل آزاری نہ تو اپنے رویے سے کی تھی اور نہ ہی لفظوں سے۔۔۔ اور یاد ہے نا یونیورسٹی سے تھک کر آنے اور ناصر بھائی کے لاکھ منع کرنے کے باوجود گھر آ کر تمہاری کتنی ہیلپ کرواتی تھی۔" ذرا سا کھسک کر انہوں نے عائشہ بھابھی کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے تھے۔

"آج اُسے ہماری ہیلپ کی ضرورت ہے عائشہ! اپنے ہی جسم کے ایک حصے کو ہماری توجہ اور محبت شاید پھر سے اسی جسم کے ساتھ جوڑے رکھے اور یہ تمہاری مدد کے بغیر تو قطعاً ناممکن اس لیے بھی ہے کہ ناصر بھائی آج کل اور کسی کے منہ سے بھی ندی کی حمایت کے لیے کوئی بات بھی سننے کو تیار نہیں ہیں۔"

"آئی ایم رئیلی سوری ثروت آپا۔۔۔!" بڑی نرمی اور سہولت سے عائشہ بھابھی نے اپنے ہاتھ ان کے ہاتھوں سے علیحدہ کیے اور بالوں میں انگلیاں چلانے کے بعد بولیں۔

"جسم کا کوئی حصہ ناسور بن جائے تو جسم ہی کی بہتری کے لیے اسے کاٹ کر پھینک دینا ہی بہتر خیال کیا جاتا ہے۔" ثروت آپا نے مایوسی سے ان کے چہرے کی سنجیدگی کو دیکھا۔

"اور میں بھی نہیں چاہوں گی کہ اپنے ہاتھوں سے کسی بھی قسم کی بیماری اکمل کی زندگی میں داخل

کردوں۔" دیر تک لاؤنج ہی میں بیٹھ کر اکمل کی متوقع فون کال کا انتظار کرنے والی عائشہ بھابھی کو وہاں سے اٹھنا ہی پڑا تھا کہ آج ثروت آپا پہ پڑنے والا ندی کی نحبت کا یہ دورہ اب اُن سے برداشت کرنا مشکل ہو گیا تھا۔

☆☆☆

سنو کیسا لگا اُس شخص سے ملنا بچھڑ جانا
ملا تو اجنبی تھا وہ بچھڑ کر آشنا ٹھہرا
پلٹ کر ہر طرف سے کیوں نظر پھر اُس پر آٹھہری
وفا کے سلسلوں کی وہ مسلسل انتہا ٹھہرا

ابھی کچھ دیر پہلے جب مہربانو ہاتھ میں پیتھالوجی کی کتاب تھامے اپنے بلاک سے نکلی تھی تو اچھی خاصی دھوپ تھی مگر اب آناً فاناً آسمان گہرے بادلوں سے جو ڈھکا تو موسلا دھار بارش شروع ہونے میں بس چند ہی لمحات لگے اور وہ جو درخت تلے گھاس پر بیٹھ کر پڑھنے کا ارادہ کیے باہر نکلی تھی اسے بھی جلد ہی کوریڈور کے نیچے پناہ لینی پڑی۔

لڑکیاں اپنے کمروں سے نکل کر بارش سے بڑے بھرپور انداز میں لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ گرلز ہاسٹل تھا اس لیے کسی کو بھی کوئی ہچکچاہٹ نہیں تھی۔ سب بڑے مطمئن انداز میں یہاں سے وہاں بارش کی بوندوں کے سنگ مستی کے موڈ میں تھیں۔ مہربانو خاموشی سے مسکراتے لبوں کے ساتھ بس انہیں دیکھے گئی۔

اسے یاد نہیں پڑتا کہ آج تک کبھی وہ بھی یوں بارش میں بھیگی ہو، اتنے بلند و بانگ قہقہے لگائے ہوں، اپنی کسی سہیلی کے ساتھ یوں بارش میں رسی کودی ہو۔۔۔ اس کی زندگی میں ایسا کچھ بھی تو نہیں تھا۔ کتنا کچھ تھا جو وہ اپنی زندگی میں مس کر چکی تھی۔ تعلیم تو ایک طرف، اُسے صحیح معنوں میں زندگی کا مطلب ہی یہاں آکر پتا چلا اور تب، جب وہ دوسری لڑکیوں کو یوں زندگی کے تمام رنگوں کے ساتھ جیتا دیکھتی تو یکبارگی دل میں ایک محرومی کا سا احساس جنم لیتا کہ وہ ظاہری طور پر سب کچھ ہونے کے باوجود کتنی تہی داماں ہے۔ اکیلے پن کا احساس بے طرح اس کے ذہن و دل پر ضربیں لگائے جاتا۔۔۔ کبھی اس کا بڑا دل چاہتا کہ وہ بھی اُن سب کی طرح ہنسے، کھلکھلائے اور خود کو اپنے زندہ ہونے کا احساس دلائے مگر وہ کوے کی طرح ہنس کی چال چلتے ہوئے خود اپنی بھی چال کو بھولنا نہیں چاہتی تھی اور تب اس کشمکش میں وہ اکثر نڈھال ہو جاتی۔ سامنے ایک دوسرے کو چھیڑتی لڑکیاں اور دل سے نکلنے والی گھٹی گھٹی سانسیں۔

ایک لمحے کو اُس نے سینے پر باندھے بازو کے درمیان موجود کتاب کو کسی اپنے، کسی ہمدرد کی طرح گلے لگایا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی اور خوش گوار ہوا کے ساتھ بارش کی پھوار جو اس پر پڑی تو سر پر لی گئی چادر اُس تیز بوچھاڑ نما پھوار سے بھیگ کر رہ گئی۔ بڑے دل فریب احساس کے ساتھ وہ پیچھے کی طرف مڑی اور کتاب ہاتھ میں لیے ہوئے جانے کہاں سے اُس دن آئس کریم پارلر پر ہونے والی اکمل سے ملاقات یاد آگئی۔

مسکراتی آنکھوں والا اکمل گو کہ اس دن مہربانو کی حد درجہ گھبراہٹ کی وجہ سے اپنا تعارف نہیں کروا پایا تھا مگر اس کے باوجود کچھ ایسا ضرور تھا کہ آج برستی بوندوں کے ساتھ اس کا خیال مہربانو کے ذہن میں اُترا تھا۔ چند قدم پیچھے ہو کر ستون سے ٹیک لگاتے ہوئے اس کے ذہن میں ایک ایک لمحہ دوبارہ سے فلم کی ریل کی طرح چلنے لگا تھا۔ اکمل کا اُسے بیٹھنے کے لیے کہنا اور پھر پیچھے آکر کتاب پکڑانا، اتفاق سے اُس دن بھی یہی کتاب تھی جو وہ لوٹانے آیا تھا۔

وہ سب باتیں ذہن میں دوہراتے ہوئے اسے پتا بھی نہیں چلا کہ کب وہ یونہی بس خواہ مخواہ مسکرانے لگی تھی۔ چونکی تو تب جب میری اور کنول بھی بھیگے کپڑوں کے ساتھ اس کے عین سامنے کھڑی تھیں۔ دونوں کی قمیصوں کے دامن سے پانی یوں ٹپکتا جا رہا تھا گویا ابھی ابھی دھو کر بنا نچوڑے ہی کپڑے پہن لیے گئے ہوں۔

"اوئے ہوئے، بڑی اسمائلیں ہو رہی ہیں۔" کنول نے خالصتاً لاہوری انداز میں کہا تو مسکراہٹ چھپانے کی کوشش میں مزید گہری ہوتی چلی گئی۔

"یعنی کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔" میری بھی بھلا کیوں پیچھے رہتی۔

"کس کو سوچا جا رہا ہے اتنی خاموشی سے، اتنے رومینٹک ماحول میں؟" دامن کو پکڑ کر نچوڑتے ہوئے کنول نے۔۔۔ ابرو اوپر نیچے کر کے مہربانو سے جواب مانگا۔

"ارے نہیں میں تو بس موسم انجوائے کر رہی تھی۔" مہربانو نے دامن بچایا۔

"ہاں بالکل، یہ سر سے کمر تک لپٹی چادر کے ساتھ ہی بارش کا موسم انجوائے ہوتا ہے۔" میری نے ایک بار پھر اس کی کلاس لینی چاہی۔

"ویسے تم ایک بات بتاؤ۔۔۔"

بارش جیسے یک دم شروع ہوئی تھی اسی طرح اب ختم بھی ہو گئی تھی۔ سر سبز پیڑ، پودے مزید نکھر کر ایک انوکھی ہی چھب دکھا رہے تھے مگر ہوا میں جو تازگی اور مہک تھی وہ ہر ذی روح کو شاد کیے دے رہی تھی۔ کوریڈور سے نکل کر وہ تینوں اب باہر آسمان تلے تھیں۔ جہاں اب کچھ دیر پہلے بھیگتی لڑکیاں کپڑے نچوڑتی وہیں پر سوکھ جانے کی بھی منتظر تھیں جبکہ کچھ لڑکیاں اب ہر بلاک کے مشترکہ غسل خانوں کے سامنے نہانے کے لیے اپنی باری کی منتظر تھیں۔

"ہاں بولو۔۔۔" سر پر پہلے سے موجود چادر کو مہربانو نے ایک بار پھر سیٹ کیا کہ یہی اس کی عادت تھی۔ ہاسٹل کے اندر بھی سر سے چادر کا پلو نہ اترنے دیتی۔ ہاں البتہ اپنے کمرے میں ہوتی تو بات اور تھی۔

"سچ سچ بتانا، اس وقت کسے یاد کر رہی تھیں جب ہم نے تمہیں ڈسٹرب کیا؟"

"حکیم اللہ محسود کو۔۔۔" مہربانو کے بولنے سے بھی پہلے کنول نے جل کر جواب دیا تھا۔

"میری! تم بھی نا، بالکل عقل سے پیدل ہو، اتنے اچھے موسم میں ظاہر ہے کسی ہیرو کو ہی سوچ رہی ہو گی۔"

"کیوں بھئی، یہ کون سی کتاب میں لکھا ہے کہ خوب صورت موسم میں بندہ صرف کسی ہیرو کو ہی سوچے، کوئی رومینٹک گانا سنتے ہوئے بھی اُسی کا خیال آئے، کوئی خوب صورت سی شاعری پڑھتے ہوئے بھی دل اسی کو سنانے کو چاہے، ہجوم میں بھی نظریں اسی ایک چہرے کو ڈھونڈیں، دل گرفتگی کے عالم میں بھی دل اسی کے کندھے پر سر رکھ کر رونا چاہے اور دل کی ہزار باتیں جو بندہ صرف اور صرف اسی سے مگر محض خود کلامی کے انداز میں کرتا ہو، کہاں لکھا ہے یہ قانون؟ مجھے بھی تو بتاؤ۔"

"اُن سے کہنا کبھی چہرے بھی پڑھے ہیں تم نے
جو کتابوں کی کیا کرتے ہیں باتیں اکثر"

کنول نے مہربانو کو دیکھتے ہوئے میری کو مخاطب کیا اور شعر کا مفہوم سمجھنے پر میری بھی سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"تمہیں نہ ہوا ہو، ہمیں تو چہرے دیکھ کر پتا چل جاتا ہے کہ پیچھے سے کتاب دینے کے بہانے آنے والا بندہ دل میں کیا سوچ رہا ہے۔" ذو معنی انداز میں میری نے کہا تو مہربانو کو یوں لگا گویا اس کی چوری پکڑی گئی ہو۔ مگر اس کے باوجود "اقرارِ جرم" نہ کرنے کا سوچتے ہوئے اُس نے اُن دونوں کی توجہ سامنے مختلف ٹولیوں میں موجود لڑکیوں کی طرف مبذول کروائی۔

آسمان ابھی تک ابر آلود تھا اور اسی موسم کے مزے کو کیش کروانے کا سوچ کر کینٹین میں گرما گرم بھاپ اڑاتے سموسے اور پکوڑے تیار کیے جانے لگے تھے۔ ایک کے بعد ایک کو خبر ملی تو سب اپنے اپنے والٹ تھامے جوق در جوق سموسوں، پکوڑوں کی طرف کھنچی چلی گئیں۔

"واہ یار! اللہ بھلا کرے کینٹین والے چاچا کا، سچی ایسے موسم میں آلو کے گرم سموسوں اور دہی پودینے کی چٹنی جیسی نعمت کا مقابلہ کوئی بھی چیز نہیں کر سکتی۔" کنول نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے پرشوق

انداز میں کہا تو مہربانو نے اس بات پر سکون کا سانس لیا کہ کم از کم وہ ان کی توجہ کسی دوسری جانب مبذول کروانے میں مکمل ـــــ کامیاب رہی ہے۔

☆☆☆

راہ دے وچ کھلونا اوکھا
اپنا آپ سکونا اوکھا
اپنی ودھ گئی دنیا داری
کلیاں بے کے رونا اوکھا
دُکھاں اتے ہر کوئی ہسدا
کسے دا درد ونڈانا اوکھا
گلاں نال نئیں رتبے مل دے
جوگی بھیس وٹانا اوکھا
کوئی کسی دی گل نئیں سن دا
لوکاں نوں سمجھاناں اوکھا

ملکانی سائیں کی طرف سے کیے گئے میران شاہ کی شادی کے مطالبے نے جہاں شاہ سائیں کو حیران کر دیا تھا وہیں میران ان کی اس اچانک کایا پلٹ پر حیران تھا۔

''اماں سائیں! آپ کو پتا بھی ہے آپ آخر کہہ کیا رہی ہیں۔'' سب سے پہلا ردعمل میران کی طرف سے انفراریڈ شعاعوں سے بھی کہیں زیادہ تیکھا اور چبھ جانے والے سوال کی صورت میں آیا۔

''آہو پتر! میں نے یہ بات بڑی سوچ وچار کے بعد کی ہے۔ کوئی ایویں ہی نئیں کہ اتھے دماغ میں کوئی گل آئی تے میں فٹوفٹ سب کو کہہ بھی دوں۔''

''کچھ فیصلے اگر ٹھنڈے دماغ سے اور سوچ سمجھ کر کیے جائیں تو محض ذہن میں آنے والے ان کے نتائج ہی بندے کو آئینہ دکھا دیتے ہیں۔'' شاہ سائیں نے میران شاہ کا جارحانہ ردِ عمل دیکھ کر اس کی حمایت میں بات کا آغاز کیا تھا۔

''انسانی نفسیات کے زیرِ اثر ایسے مقامات بھی انسان کی زندگی میں آتے ہیں جب وہ خود کو ہوا میں بھی اڑنے کے قابل سمجھنے لگتا ہے مگر دراصل ایسا ہوتا نہیں۔''

''ایسا ہی ہے شاہ سائیں ـ ـ ـ! اور اب کیا پردہ، خود میران پتر کا بھی بڑا دل ہے۔ اس کے کمرے میں ایک سوہنی صورت والی لڑکی کی تصویریں خود میں نے بھی دیکھی ہیں اور اُسی دن میں نے تے سوچ لیا تھا کہ جو ہونا ہے تے ہوتا رہے پر میں اپنے پتر کی زندگی میں خوشی لاؤں گی۔''

''اماں سائیں! میں نے آپ کو ایک مرتبہ پہلے بھی کہا تھا نا کہ میرے کمرے کی کسی چیز کی تلاشی نہ لیا کریں جا کے۔'' کسی لڑکی کی تصویروں کی بات پر شاہ سائیں نے بھی میران کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کی۔ گو کہ یہ اس جگہ کوئی خاص ایشو نہیں تھا مگر اس کے باوجود میران کا ایک دم چونکنا اور اس کی بوکھلاہٹ اُن کے لیے حیران کن تھی۔

''ہاں تے پتر! میں نے کون سی تلاشی لی تھی کمرے کی، میں تے صفائی کروانے کے لیے کنیزاں کے ساتھ کمرے وچ گئی تے الماری کھلی پڑی تھی میں بند کرنے لگی تے کھلے ہوئے دراز وچ تصویریں نظر آ گئیں۔''

''مگر اماں سائیں! تصویریں ہونے اور شادی کے معاملے میں بڑا فرق ہے۔'' شاہ سائیں کی موجودگی کی وجہ سے لحاظ کا ایک پردہ اُن کے درمیان حائل تھا اور اسی وجہ سے وہ ان سے قدرے نرمی سے بات کر رہا تھا ورنہ اُن سے بات کرتے وقت وہ ہمیشہ ہی اُن کا ماں ہونا بھول جایا کرتا تھا اور اُن کے لاڈ پیار کی چادر تلے اکثر ہی اپنی زبان کا کھردرا پن چھپا دیا کرتا اور وہ پھر بھی ہمیشہ ممتا کی ماری اس کے آگے پیچھے پھرا کرتیں۔

''نا پتر! سچی سچی ایک بات تو بتا۔'' انگشتِ شہادت ٹھوڑی پر رکھ کر انہوں نے بات کی تمہید باندھی تو انگلی میں موجود ہیرے کی انگوٹھی نے سر کے عین اوپر لگے کرسٹل کے فانوس سے نکلتی دودھیا روشنی کو اپنے ہونے کا احساس خود سے نکلتی چمک دمک سے دلایا۔ مگر اس سفید دودھیا روشنی میں بھی میران شاہ کے چہرے کے پھیکے پن میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

''تیرا دل نہیں کرتا شادی کو؟'' ملکانی سائیں کے لہجے کی بے بسی واہلمن سے نکل کر بکھرتے ہیروں کی مانند بے قدموں پورے کمرے میں پھیل گئی تھی۔

شاہ سائیں اور میران کی نظریں ملکانی سائیں کی بات کو سننے کے بعد ایک دوسرے سے ٹکرائیں مگر میران زیادہ دیر تک انہیں دیکھ نہیں سکا تھا جبھی نظریں چرا گئیں۔

''اب یہ نہ کہہ دیں کہ نہیں کرتا، کیونکہ میں نے نیر مانتا کوئی نہیں ہے۔'' دبیز قالین پر دبے پاؤں خراماں خراماں چلتی سونی صوفوں کے عقب سے ہوتی ہوئی ملکانی سائیں تک آ پہنچی تھی۔ انہوں نے بڑے لاڈ سے اسے اٹھایا تو وہ بھی کسی پیڑ کی لچکیلی ڈال کی طرح اُن کے بازوؤں میں ہی جھول گئی۔ ملکانی سائیں نے اسے گود میں بٹھایا اور اس کے سر پہ پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے شاہ سائیں کی طرف دیکھنے لگیں جو کہ سگریٹ جلانے کے بعد اُس کا گہرا کش لے رہے تھے۔

''یہ بے چارہ کیا کہے گا اور کیا نہیں کہے گا، یہ تو اس عمر کی ایک فطری ضرورت اور خواہش ہے مگر ـ ـ ـ'' شاہ سائیں تذبذب کا شکار معلوم ہوئے۔

''مگر تے اگر کچھ نئیں شاہ سائیں! میں نے اپنے پتر کو ست وانسی بچے کی طرح پالا ہے۔ یہ زمین، جائیداد، فیکٹریاں کچھ وی نئیں ہیں جے اگر ہمارا بچہ ہی خوش نہ رہے۔''

''تو کیا میں نے کبھی ایسا چاہا ہے کہ یہ خوش نہ رہے؟''

''نئیں شاہ سائیں! میرا تے ایہہ مطلب نہیں تھا۔''

''میران! تمہارا کیا خیال ہے؟ شادی کر دیں تمہاری؟'' میران نے جس نظر سے انہیں دیکھا ایسا لگا گویا زہر کی انی کسی نے اُن کے اندر گھونپ ڈالی ہو۔

''ایہہ کیا بتائے گا، میں ماں ہوں شاہ سائیں! جو اولاد کی سانس لینے کی رفتار سے جان لیتی ہے کہ اُن کا موڈ کیا ہے۔'' شاہ سائیں نے تائید طلب نظروں سے میران کو دیکھا، مگر اس کے چہرے پر جذبات کی کوئی بھی رمق نہیں تھی اس کے برعکس ملکانی سائیں کا چہرہ جوشِ جذبات سے سرخ ہو رہا تھا۔

''شادی صرف گھر میں ایک لڑکی کو لے آنے کا نام نہیں ہے ملکانی اور پھر یہ بھی سوچ لو کہ ہمارے اپنے گھر میں بھی بیٹی ہے۔ کسی کی بیٹی کی زندگی خراب کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ ہم پہلے اس مسئلے پر اچھی طرح سوچ لیں۔''

''نا تے زندگی کیا خراب ہونی ہے شاہ سائیں! ایسا کیا ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے اور پھر لڑکیوں کو اور کیا چاہیے ہوتا ہے۔ روپیہ، پیسہ، آگے پیچھے پھرتے ملازم ـ ـ ـ اسی عیش و عشرت کو تو یہ شہری لڑکیاں مانتی ہیں۔''

''زندگی صرف عیش و عشرت ہی حاصل کرنے کا نام نہیں ہے اور بھی بہت سے تقاضے ہوتے ہیں۔ نبھا لو گے میران؟'' ایک بار پھر انہوں نے گیند میران کے کورٹ میں ڈال کر ایش ٹرے میں سگریٹ کی راکھ جھاڑی تو وہ کسی کشمکش کا شکار معلوم ہوا۔

''میں اپنی نُوہ (بہو) کو ہاتھ کا چھالا بنا کر رکھوں گی، شاہ سائیں! بس آپ مان جائیں۔'' ملکانی سائیں تو جیسے پنجوں کے بل تیار بیٹھی تھیں۔ شاہ سائیں نے چند لمحے توقف کیا اور پھر بولے۔

''جیسے تم دونوں ماں بیٹے کی مرضی اور میرے لیے بھلا اس سے بڑھ کر خوشی کی بات کیا ہو گی کہ میرا بیٹا دولہا بنے اور ہم اس کی بارات لے کر جائیں۔'' وہ مسکرا دیے تھے۔

''مہربانی شاہ سائیں! اور پھر لوگوں کے منہ بند کرنے کا یہی سب توں بہترین ذریعہ ہے۔ ایک اِدھر سے پوچھتا ہے، شادی نئیں کرنی پُت کی، دوسرا اُدھر سے پوچھتا ہے، پُت کی شادی کا لگتا ہے کوئی خیال نہیں ہے ـ ـ ـ ہونہہ اب دیکھیں پتر، کیسے سب کے منہ بند ہوتے ہیں۔'' خوشی سے نہال ملکانی سائیں نے پیار سے سونی کو اپنی آغوش کا مزید احساس دلایا۔ وہ بھی اُن کا مزاج جان کر اپنے نرم نرم

پنجے کبھی اُن کے ہاتھوں پر لگاتی اور کبھی منہ پر۔
''اور پھر شاہ سائیں! وہ لڑکی بھی لڑکیوں میں سے کوئی لڑکی ہے۔ اپنی خوب صورت ہے اپنی سوہنی ہے کہ بس میں تے کیا بتاؤں۔''
''ذات برادری کا بھی کچھ اتا پتا ہے یا صرف لڑکی ہی دیکھ کر خوش ہو رہی ہو؟''
''ہاں ایہہ تو میں نے وی نہیں پوچھا۔۔۔ کیوں میران؟''
''اماں سائیں! ہے تو وہ ہماری ہی برادری کی۔۔۔ میرا مطلب ہے سید گھرانے سے ہے۔ مگر۔۔۔'' شاہ سائیں کی موجودگی کی وجہ سے وہ کھل کر بات نہیں کر پا رہا تھا۔
''مگر۔۔۔؟''
''مگر یہ کہ آپ کیا سمجھتی ہیں کہ اگر اسے میرے بارے میں پتا چل جائے تو کیا وہ پھر بھی شادی کے لیے تیار ہو جائے گی؟''
بات چونکہ شروع تو ہو ہی گئی تھی جبھی میران نے بھی مختصر لفظوں کا چناؤ کرتے ہوئے آپ بات کرنے کی ٹھان ہی لی۔
''تے پتر! تیرے بارے میں انہیں کش وی بتانے کی ضرورت ہی کیا ہے بھلا۔۔۔ پڑھی لکھی تو میں اتنی نہیں، پر جاہل وی نہ سمجھ کر اپنی ماں کو۔۔۔ سب جانتی ہوں کس کے سامنے کون سی بات کرنی ہے اور کون سی چھپانی ہے۔'' انگشت شہادت اور انگوٹھے کی مدد سے نوک دار مونچھوں کو مزید بل دیتے ہوئے سگریٹ سے سیاہی مائل ہوتے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔
''تو دیکھیں ذرا۔۔۔ کیسے تیری ماں تجھے سامنے لائے بغیر تیری شادی کروائے گی۔'' ملکانی سائیں کے لہجے میں غرور در آیا تھا۔ بڑے فخر سے انہوں نے داد آمیز نظروں سے شاہ سائیں کو دیکھا جن کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔
اکلوتے بیٹے کی شادی کی باتوں پر تو کم حیثیت (مالی اعتبار سے) لوگوں کی بھی باچھیں کھل جایا کرتی ہیں۔ چہرے پر خوشیاں رقص کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ باوجود اس کے کہ بعض اوقات شادی کے موقع پر لیا گیا قرضہ اتارنے میں انہیں مدت لگتی ہے مگر ان تمام فکروں اور پریشانیوں سے آزاد ہو کر وہ بھی اپنے بچے کی شادی کی تیاریوں اور خوشی کے اس جشن کو ہر ممکن حد تک یادگار بنانے کی حکمت عملی ترتیب دیتے ہوئے زمین پر قدم ٹکاتے نظر نہیں آتے۔ مگر اس سب کے برعکس شاہ سائیں کا اس موقع پر تمام معاملے سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے سنجیدگی اختیار کرنا میران اور ملکانی دونوں کے اندر ہوتی اس انوکھی خوشی کی کھدبد کو کھل کر باہر آنے کا موقع نہیں دے رہی تھی۔
وجہ سے ملکانی سائیں بھی بخوبی واقف تھیں اور انجان تو میران شاہ بھی ہرگز نہ تھا۔ چند لمحے ایک دوسرے کے چہرے پڑھتے گزرے۔
''ایڈمیشن تو ویسے بھی تمہارا یونیورسٹی سے کینسل ہو گیا ہے۔ دوبارہ ایڈمیشن کروانے کی تم نے کوئی کوشش نہیں کی پھر کہاں ہوتے ہو آج کل؟ کیا مصروفیت ہے؟'' رواں موضوع کے بالکل برعکس بات کر کے شاہ سائیں جیسے ان پر کچھ جتانا چاہ رہے تھے یا پھر میران شاہ کو اس کی ذمہ داریوں سے آگاہ کرنا چاہتے تھے۔
''بابا سائیں۔۔۔! وہ۔۔۔ کچھ خاص تو نہیں ہے بس یونہی۔۔۔'' غیر متوقع سوال پر میران کو کوئی جواب نہیں سوجھا تھا۔
''کتنے کتنے دن شہر میں گزارتے ہو، کبھی تو دن میں دو چکر بھی گاؤں سے شہر کے لگا لیتے ہو، کبھی مین روڈ پر بنی فیکٹری پر نظر نہیں پڑی تمہاری۔'' سگریٹ کو انہوں نے ایش ٹرے میں مسل دیا تھا۔
''جی بابا سائیں۔۔۔! دیکھی ہے میں نے۔ بہت بڑے رقبے کا احاطہ کیا ہے آپ نے فیکٹری کے لیے، اور اس پر قریب ہی موجود رہائشی کالونی بنانے سے نہ صرف ورکرز اپنا کام دھیان سے کرتے ہوں گے بلکہ آنے جانے کی فکر سے بھی آزاد ہوں گے۔''
''ہوں گے'' سے تمہارا کیا مطلب ہے، میں سمجھا

نہیں۔'' ملکانی سائیں جان چکی تھیں کہ ان کے اس طرح بات کرنے کے پیچھے کیا مقصد ہے۔ مگر جب شاہ سائیں بات کر رہے ہوتے تب انہیں بیچ میں بولنے کی اجازت نہیں تھی اور یہی حویلی کا دستور بھی تھا۔ سو خاموشی سے بیٹھی رہیں۔
''میرا مطلب یہ ہے کہ یقیناً ایسا ہو گا۔''
''ہوں۔''
شاہ سائیں نے ہنکارا بھرا۔ ملکانی سائیں نے سونی کو گود سے اتارا تو وہ پھر بھی باہر جانے کے بجائے وہیں ان کے قدموں پر سر رکھ کے کارپٹ پر لیٹ گئی۔
''یہ جو اتنا کچھ بنا رکھا ہے نا یہ صرف تمہارے لیے ہے اور تمہیں چاہیے کہ اگر اب پڑھائی کو خیر باد ہی کہہ چکے ہو تو پھر بزنس کو وقت دو، وہاں شہر میں نہ سہی، اس فیکٹری کی باگ ڈور تو سنبھالو، تمہیں کم از کم کام کرنا نہیں تو کام کروانا تو آنا چاہیے کہ نہیں۔''
''جی بابا سائیں!'' میران کی نظریں نیچے تھیں۔
''شادی کرو، ضرور کرو، اگر تم سمجھتے ہو کہ تم کسی بھی طرح یہ رشتہ نبھا کر اپنی ہونے والی بیوی کو خوش رکھ سکتے ہو تو مجھے اعتراض آج ہے اور نہ کل ہو گا۔ مگر پھر بھی اب تم عمر کے جس دور میں ہو تمہارا یہ لاپروا انداز اور لاابالی پن اس سے مناسبت نہیں رکھتا۔''
''جی بالکل۔۔۔''
''اپنی ماں کے ساتھ مل کر شادی کی تمام تیاریاں کر لو، رشتہ کس طرح اور کب لے کر جانا ہے سب ڈسکس ہو جائے تب مہر بانو کو بھی بلا لیں گے، ابھی سے اسے بلا کر یونہی خوامخواہ میں اس کی پڑھائی کا حرج نہیں چاہتا۔'' بات کرتے ہوئے انہوں نے ملکانی سائیں کو مخاطب قرار دے دیا تھا۔
''جی شاہ سائیں! بالکل ٹھیک ہے۔'' حسب معمول ملکانی سائیں نے ان کی ہر بات سے اتفاق کیا تھا۔
''لیکن ایک بات میں پھر بھی کہوں گا۔'' شاہ سائیں اٹھتے ہوئے بولے۔
''جب رشتہ لے کر جاؤ تو لڑکی والوں کو اس کے متعلق ہر بات سے آگاہ ضرور کر دو، پھر اس کے بعد اگر انہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو وہ بھی خوش اور ہم بھی۔۔۔'' ملکانی سائیں نے ان کی بات پر میران کو دیکھا۔ جو تھا تو خاموش مگر شاہ سائیں کی باتوں سے اختلاف اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں۔ اسی لیے جیسے ہی شاہ سائیں اٹھ کر باہر گئے وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر ملکانی سائیں کے پاس کھسک آیا تاکہ بیٹھ کر آنے والے دنوں کی منصوبہ بندی کی جا سکے۔

☆☆☆

جو درد کے صحرا میں اکیلا بھی بہت ہے
اس کے لیے دیوار کا سایہ بھی بہت ہے
دیکھا نہیں تنہائی میں تم نے بھی اس کو
بچھڑے ہوئے لوگوں کو وہ رویا بھی بہت ہے

شاہ زین، اماں اور ثمینہ کو ساتھ لے کر اپنے سابقہ گھر کے بجائے قبرستان کی طرف رخ کیے ہوئے تھا۔ آفس میں ایک دن کی رخصت کی درخواست وہ پہلے ہی دے چکا تھا۔ اس لیے اب صبح کے وقت وہ آفس کی طرف سے دی گئی گاڑی میں اماں اور ثمینہ کو ساتھ لیے ابا کی آخری آرام گاہ کی طرف بوجھل دل کے ساتھ بڑھ رہا تھا۔ طے یہی پایا تھا کہ پہلے وہ قبرستان جا کر فاتحہ وغیرہ پڑھیں گے اور اس کے بعد گھر جائیں گے۔ سارا رستہ خموشی سے کٹا، اماں کے ہاتھ میں تسبیح تھی اور ثمینہ بھی یقیناً کچھ پڑھ رہی تھی۔
سر پر والد کا سایہ نہ ہونے کی وجہ سے شاہ زین کے ساتھ زندگی جس بے گانگی سے پیش آئی تھی وہ تمام وقت شاہ زین کی آنکھوں کے آگے کسی فلم کی طرح گھوم رہا تھا۔ آج تک زندگی میں کہاں کہاں اور کس موقع پر اسے اپنے سر پر باپ کا سایہ نہ ہونے کا احساس ہوا تھا۔ وہ سب لمحات اس کے ذہن میں پھر سے تازہ ہونے لگے اور یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ ابا سے ان تمام لمحات کی شکایات کر رہا ہو کہ دیکھیں آپ کے نہ ہونے سے ان سب نے کب کب اور کس طرح

مجھے ستایا ہے۔ ساتھ لائی یاسین شریف پڑھنے کے بعد اماں اور ثمینہ بھیگی آنکھوں سے قبر پر اُگی ننھی ننھی ٹہنی نما پودوں کو ہٹا کر صفائی کرنے میں مصروف تھیں۔ اس کے بعد پانی کا چھڑکاؤ کیا، اگربتی مہکائی اور چپ چاپ بس قبر کو دیکھے ہی گئیں۔

''اماں! ایک بات تو بتائیں۔'' خاموشی سے یک ٹک قبر کو دیکھ کر دل ہی دل میں ابا سے باتیں کرتی ثمینہ نے اماں کو پکارا تو ان کی تسبیح کو حرکت دیتی انگلیاں تھم گئیں۔

''مرنے کے بعد کیا واقعی بندہ اتنا بے بس ہو جاتا ہے کہ اپنے لیے نہ سہی اپنے پیاروں کے لیے بھی کچھ کر نہیں پاتا۔''

''تم کیا چاہتی ہو۔۔۔ تمہارے لیے کوئی دنیا سے چلے جانے کے بعد کیا کرے؟''

اماں اُس کے اس عجیب سوال پر حیران ہوئی تھیں۔

''میرا دل چاہتا ہے اماں کہ میں ابا کو کبھی دیکھوں، اُن سے باتیں کروں، دیکھوں کہ وہ کسی بات پر مسکراتے ہوئے کیسے لگتے ہوں گے۔ جب سنجیدہ ہوں تو کیسی متانت اور سنجیدگی ہوتی ہو گی نا اُن کے چہرے پر۔۔۔ پتا ہے اماں۔۔۔! جب مجھے ابا یاد آتے ہیں نا تو پھر بہت رونا آتا ہے، میرے دل کو سکون ہی نہیں ملتا پھر۔۔۔ دل چاہتا ہے بس زور زور سے روؤں اور کوئی مجھے چپ نہ کروائے۔'' بات ختم ہونے سے پہلے ہی وہ رو دی تھی۔ اماں نے اسے گلے لگالیا۔

روتے ہوئے آواز دبانے کی کوشش میں اس کی سانسوں کی رفتار ایسی ہی تھی جیسے میراتھن ریس میں دوڑنے والوں کی ہوتی ہے۔ ثمینہ کی باتیں سن کر خود شاہ زین کو اپنا ضبط کھوتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔ سو وہ بھی وہیں بیٹھ گیا اور ثمینہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے سہارا دینا چاہا۔

''میری جان! دلوں کا سکون تو صرف اور صرف اللہ کے ذکر میں ہے، لیکن ہاں جب بھی دل اس قدر اداس ہونے لگے تو اللہ سے ہم کلام ہو جایا کرو، اپنے دل کی سبھی شکایتیں خواہشیں، حسرتیں سب کچھ اسے کہا کرو اور تم دیکھنا بیٹا۔۔۔! تمہیں درحقیقت جواب موصول ہوں گے، تمہیں محسوس ہو گا جیسے حقیقتاً تم کسی سے محو گفتگو ہو۔۔۔'' ثمینہ نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''آزما کر دیکھنا۔۔۔ چلتے پھرتے ہم نے کئی اکثر لوگ دل ہی دل میں خود سے باتیں کر رہے ہوتے ہیں، وہی باتیں اگر وہ خود سے کرنے کے بجائے اُن کا مخاطب اللہ کریم کو سمجھیں تو اس پاک ذات کا قرب حاصل کرنا کوئی مشکل نہیں رہے گا اور اس کے قرب کا سکون تو قسمت والوں کو ہی ملتا ہے نا مگر کوشش کر لینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔''

''جی اماں!'' آنکھیں صاف کرتے ہوئے ثمینہ نے ایک نظر اس شہرِ خموشاں کی طرف دوڑائی جہاں نہ جانے کتنی داستانیں دم سادھے پڑی تھیں۔

''اور ہاں ایک اور بات۔۔۔''

اماں نے اٹھتے ہوئے ثمینہ اور شاہ زین کے ہاتھ کا سہارا لیا۔

''دنیا سے چلے جانے والے یقیناً اپنے لیے تو کچھ نہیں کر پاتے مگر وہ لوگ جو انہیں ایصالِ ثواب کریں یا اُن کی مغفرت کی دعا کریں اُن کے لیے جواباً دعا ضرور کرتے ہیں۔ اس لیے جتنا ہو سکے بس قرآن شریف پڑھ کر اپنے ابا اور تمام مسلمان ارواح کو ایصالِ ثواب کر دیا کرو۔'' اماں نے الوداعی نظروں سے قبر کو دیکھا اور با آوازِ بلند سلام کرنے کے بعد وہ تینوں گاڑی میں بیٹھے تو تینوں ہی کے دل بوجھل تھے۔

حسب سابق رستہ تو خاموشی سے کٹا مگر اپنے محلے میں داخل ہوتے ہی جیسے من کھلنے سا لگا ہو۔ وہ جگہ جہاں ثمینہ اور شاہ زین پیدا ہوئے، جن گلیوں میں کھیلے کودے، جن رستوں سے ہو کر اسکول کالج گئے وہ رستے بھلا بھولنے کے لائق تھوڑا ہی تھے۔

ایک انجانی سی خوشی جیسے دل کا احاطہ کرنے لگی تھی۔

اس محلے کی ایک ایک چیز لگتا کہ ان کے گھر کی ہے۔ جس جس کو پتا چلتا کہ وہ آج خاص طور پر برسی کے سلسلے میں آئے ہیں تو سبھی آ کر ملتیں اور وضو کرنے کے ساتھ ہی کوئی سپارہ لے کر بیٹھ جاتیں تو کوئی نیاز اور ختم شریف کے اہتمام میں مصروف نظر آتیں۔ انہیں اس بات کی حد درجہ خوشی تھی کہ وہ لوگ اس خاص موقع پر انہیں نہیں بھولے اور یہاں ان کے پاس آ کر ہی برسی کے موقع پر ختم قرآن وغیرہ کا اہتمام کیا۔

اپنا گھر تو اپنا ہی ہوتا ہے، بندہ دنیا میں چاہے کسی بھی جگہ چلا جائے ذہن کو جو سکون اور تازگی اپنے گھر میں ملتی ہے اس کا کوئی نعم البدل نہیں ہو سکتا اور پھر گھر بھی وہ جہاں انسان آنکھ کھولے، پہلا لفظ بولنا اور پہلا قدم چلنا سیکھے۔ اس گھر سے انسیت ہونا ایک فطری بات ہے اور یہی وجہ ہے کہ گھر کا تالا کھول کر اندر قدم رکھتے ہی ذہن میں اترتی تازگی کو سب نے ہی محسوس کیا تھا۔ یوں بھی فیکٹری کی طرف سے چونکہ شاہ زین کو مکمل فرنشڈ گھر ہی ملا تھا اس لیے یہاں پر بھی تقریباً سب کچھ ویسا ہی تھا جیسے وہ لوگ چھوڑ کر گئے تھے اور پھر دوسرا سامان تو ایک طرف شاہ زین تو اپنی کتابیں بھی وہیں چھوڑ گیا تھا کہ ان کتابوں سے اب اسے وحشت ہونے لگی تھی۔

ہر کتاب کے ایک ایک چیپٹر سے ندی کی کوئی نہ کوئی یاد منسوب تھی۔

ختم شریف کے لیے آرڈر کیے گئے کھانے کو پہنچنے میں ابھی وقت تھا۔ سو یوں ہی محض وقت گزاری کے اس نے بلا ارادہ ہی بک ریک میں رکھی مارکیٹنگ کی کتاب اٹھائی تو اس میں ندی کی طرف سے دیا گیا گریٹنگ کارڈ عین اس کے قدموں کے سامنے جا گرا۔

یہ وہ کارڈ تھا جو ندی نے اس کی پہلی پریزنٹیشن کی بھرپور کامیابی پر اسے دیا تھا۔ جھک کر کارڈ اٹھاتے ہوئے شاہ زین کو اپنے کندھوں پر بلا کا بوجھ محسوس ہوا تھا۔ یوں بھی پیار صرف خوشی کے موقعوں پر گریٹنگ کارڈ یا ٹیڈی بیئر دینے کا نام نہیں ہوتا۔ پیار و محبت کے اس لطیف اور نرم و نازک جذبے کو پیار و محبت سے ڈیل نہ کیا جائے تو اس پر گرد جمنے لگتی ہے شکووں کی، بے توجہی کی۔ یکبارگی شاہ زین کو اپنے اندر بڑھتی گھٹن اور حبس کا احساس ہونے لگا تھا۔ سامنے ہی الماری کے دراز میں اس کی پرانی سم رکھی تھی۔ وہی سم جس کے ذریعے وہ اور ندی کتنی ہی دیر چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی ڈسکس کرتے رہتے۔ حال کے خوب صورت حوالوں سے مستقبل کے سنہرے خواب سجاتے۔

وہ دن شاہ زین کی آنکھوں میں گھومنے لگے تو میکانکی انداز میں کارڈ وہیں تکیے پر رکھ کر اس نے دراز کھولی۔ کاغذ کے لفافے کے اندر ٹشو پیپر میں لپٹی سم نکالی اور اپنے موبائل میں ڈال کر ندی کے بھیجے گئے تمام میسجز پڑھنے لگا۔ زبیر کی طرف سے MMS کے ذریعے بھیجی گئی وہ تصویر جس میں شاہ زین ندی کے ہاتھ میں سیاہ بریسلیٹ پہنا رہا ہے۔ دیکھتے ہوئے جانے کیسے اس کا ضبط جواب دے گیا اور سرمئی آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے۔ ذہن کی سلیٹ اس وقت بالکل خالی تھی۔ یاد آ رہا تھا تو بس تصویر میں ندی کی ہتھیلی پر لکھا وہ شعر

ہم تمہیں چاہتے ہیں ایسے
مرنے والا کوئی
زندگی چاہتا ہو جیسے!

ندی کے لیے اس کے جذبات اب بھی وہی تھے اور یوں بھی انسان تو اول روز سے ہی اپنے جذبات کا قیدی رہا ہے، کبھی نفرت کا قیدی اور کبھی محبت کا۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ محبت کا قیدی بننا یا بنانا ایک نہایت مشکل امر اس لیے بھی ہے کہ کیونکہ محبت یا تو ہوتی ہے یا بالکل نہیں ہوتی۔ اس میں تیسری صورت کوئی نہیں ہے جبھی تو اس خوب صورت اور بے لوث جذبے کے تحت انسان اتنا سخت جان ہو جاتا ہے کہ سب کچھ برداشت کر لیتا ہے، بہت کچھ سہہ جاتا ہے۔ چاہے اس محبت کی ہری بھری شاخ کو وصل کی بارش میسر آئے یا نہ بھی آئے تب بھی جھوتے کے خشک پتے

اوران گنت مردہ پتیاں آخری دم تک اسی شاخ سے لٹکی رہتی ہیں اور خزائیں کبھی بھی انہیں اڑا لے جانے کی ہمت نہیں کرتیں۔

سب کچھ ویسا ہی تھا مگر منظر بدل چکا تھا۔

وہ کمرا جہاں ابا نے اپنا آخری وقت گزارا تھا وہاں سے ثمینہ، اماں اور چند دوسری عورتوں کی تلاوت کی آواز آرہی تھی۔ اس نے سامنے ہاتھ میں پکڑے موبائل پر نظر ڈال کر ٹائم دکھا۔ گھر واپس جانے میں ابھی بہت ٹائم تھا مگر اب اس کا دل لمحہ بھر کے لیے بھی یہاں اس کمرے میں بیٹھنے کو نہیں چاہ رہا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ اٹھ کر کہیں باہر نکلتا سم بدلنے کی غرض سے جیسے ہی اس نے فون بند کرنا چاہا آنے والی فون کال نے تو جیسے اسے چونکا کر رکھ دیا۔

''اس نمبر پر کون کال کر سکتا ہے؟'' حیران ہو کر اس نے ذہن دوڑایا۔

''ندی!''

فون پر ہوتی مسلسل بیلز کے درمیان ندی کا نام یونہی بے اختیاری طور پر اس کے منہ سے نکلا تھا اور ندی کا خیال آتے ہی اس نے غور سے نمبر دیکھا کہ اب تک اسے ندی کا نمبر ازبر تھا۔ مگر یہ دیکھ کر انتہائی مایوسی ہوئی کہ وہ کوئی اور انجان نمبر تھا۔ سو اس نے ریسیو کیے بغیر ہی کال کا رابطہ منقطع کر دیا۔

''شاہ زین بیٹا۔۔۔!''

برابر والے کمرے سے اماں کی آتی آواز کے ساتھ ہی موبائل ایک مرتبہ پھر بجنے لگا تھا۔

''کاش! کہ اس وقت ندی کا فون آجاتا۔'' شاہ زین نے بڑی حسرت سے سوچا اور آنے والی اس اجنبی فون کال کو ایک بار پھر منقطع کر کے موبائل کا والیم آف کیا اور اماں کی طرف چل دیا۔ یوں بھی اس کمرے تو کیا گھر میں بھی اس کے لیے رکنا محال تھا جہاں ندی کی موجودگی کے سپنے ساون بھادوں کے بادلوں کی طرح یہاں وہاں اڑتے پھر رہے تھے۔

☆☆☆

یہ کیسے ممکن تھا کہ ندی فون کرے اور شاہ زین اس کی کال سنے بغیر ہی کاٹ دے اور یا پھر وہ فون کر کے ہلکان ہونے لگے مگر شاہ زین کی طرف سے مسلسل بیل جانے کے باوجود فون ریسیو نہ کیا جائے۔

یہ بات خود ندی کے لیے انتہائی حیرت اور اچنبھے کا باعث بن رہی تھی کہ پہلے تو اس کا فون مسلسل بند ملتا رہا اور اب اگر خوش قسمتی سے فون آن ہوا تو آگے سے ریسیو کرنے کے بجائے وہ یا تو فون بند کر دے اور یا اس سے بات نہ کرے۔ یہ بھلا کیسے ممکن تھا اور کیونکر ہو سکتا تھا۔

اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑتی دیکھ کر امی بھی پریشان ہو گئی تھیں اور اس کا بار بار اپنی پلکوں کو جھپکانا انہیں ایسا لگا جیسے برسات کے بعد آدھی رات کو بارش کے قطرے پتوں سے پھسل پھسل کر نیچے زمین پر جا گرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح اب کے تب اس کی خشک آنکھوں سے بھی آنسوؤں کے یہ منجمد قطرے پگھل کر گرنے والے ہوں۔

''ندی! کیا ہوا بیٹا؟ فون بند ہے اب تک؟'' ندی نے خاموش نظروں سے یوں ان کی طرف دیکھا کہ جواب گہرے پانیوں میں چھید دار کشتیوں کی طرح بس ڈوبتا ہی چلا گیا۔ وہ اس کے بالکل قریب آکر بیٹھ گئیں تو ایک بار پھر ندی نے گہرا سانس لے کر انہیں مخاطب کیا۔

''حالات کی آندھیاں اس تیزی سے چل رہی ہیں کہ ٹھیک سے کسی بھی جگہ پر قدم جمنے ہی نہیں دے رہیں۔''

شاہ زین کا اس وقت اس کا فون نہ سننا، ندی کی ہمت کو ختم کیے دے رہا تھا۔ وہ جو اس کی آس دل میں لیے اب تک جیتی آئی تھی جو ہر دفعہ ہونے والے مختلف واقعات پر یہی سوچا کرتی کہ اگر شاہ زین سے اس کی بات ہو پائی تو وہ اسے بتائی کہ اس کے ساتھ زندگی کس طرح اجنبی کا سا برتاؤ کر رہی ہے اور اس کا ساتھ حاصل ہونے پر وہ خود کو کس قدر مضبوط تصور کیا کرتی۔

مگر اب صورت حال بہت مختلف ہو گئی تھی۔ ان چند منٹوں نے اس کے ذہن میں در آنے والے ہر خیال کے سامنے ایک بڑا سا ''اگر'' آویزاں کر دیا تھا۔

اگر ایسا ہوا کہ شاہ زین کہہ دے اب اسے میری کوئی ضرورت نہیں تو پھر۔۔۔؟

اگر اب تک وہ اپنی کوئی نئی دنیا بسا چکا ہو تو۔۔۔؟

اگر شاہ زین اس کی اور اپنی محبت کو محض وقتی جذبات قرار دے دے تو۔۔۔؟

اور اگر ایسا ہوا تو بھلا میرا کیا مقام رہ جائے گا۔۔؟

میں تو پھر چڑیا کے اس گھونسلے کی طرح ایک غیر ضروری اور بن چاہی اور نا مطلوب چیز کی مانند رہ جاؤں گی جس کے ہونے نہ ہونے سے کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پھر میری زندگی میں باقی کیا رہ جائے گا؟ اس لمحے اس کا شدت سے یہ دل چاہا تھا کہ جس طرح ہم فزکس کے اصولوں کے تحت ہر عام مادے کے خواص معلوم کر لینے پر قادر ہیں اسی طرح زندگی میں بھی مستقبل بعید نہ سہی تو قریب کے ہی کچھ ہلکے سے خاکے معلوم ہو پاتے۔

''امی! فرض کریں کہ اگر شاہ زین کو اب میری ضرورت نہ رہی ہو، یا فرض کریں کہ وہ اب تک مجھے بھول کر اپنی دنیا میں مگن زندگی جی رہا ہو تو پھر ظاہر ہے کہ میں تو اس کے گھر جا کر بھی اس مہمان کی طرح ہونق دہلیز پر ہی کھڑی رہوں گی نا جو اتفاقاً پہنچ جائے اور گھر میں پارٹی ہو رہی ہو۔'' یوں گم سم لہجے میں اس کے بات کرنے پر امی نے ایک نظر اس کے ہاتھ میں تھامے موبائل کو دیکھ کر بات کو مکمل طور پر سمجھنے کی کوشش کی اور پھر بولیں۔

''میری جان ایک بات یاد رکھنا کہ کبھی بھی اپنی آنکھوں اور ذہن کو ساون کے اندھے کی طرح بس ایک ہی سمت دیکھتے رہنے کی عادت نہ ڈالنا۔ ہر انسان کو اللہ نے اس دنیا میں کسی مقصد کے تحت بھیجا ہے۔ بظاہر زندگی کتنی ہی بے وقعت کیوں نہ لگنے لگے مگر ہر جان دار کی زندگی قیمتی بھی ہے اور کارآمد بھی۔

ندی نے ہونٹوں کو اوپر تلے دباتے ہوئے حسرت سے انہیں دیکھا۔ اتنی مثبت سوچ، اس قدر پختہ یقین۔۔۔ کاش اس کا بھی اعتقاد کا یہی عالم ہوتا۔

''ہو سکتا ہے تمہاری ذات کے اندر موجود موتیوں کی صفات کے لیے ہر وقت کوئی جوہری مہیا نہ ہو اور تمہیں لگنے لگے کہ شاید تمہارے ساتھ اچھا نہیں ہوا۔ مگر صرف وقت بدلنے کی دیر ہو گی اور خود تمہیں احساس ہو گا کہ ہاں واقعی جو ہوا یہ تو تمہاری سوچ سے بھی کہیں بہتر ہو گیا ہے، کیوں کہ میرا تو ایمان ہے بیٹا کہ اللہ ہم میں سے کسی کا بھی برا نہیں چاہتا، وہ ہم سب سے پیار کرتا ہے اور ہم میں سے کسی کے لیے بھی برا نہیں کرتا۔'' سرد پڑتے مگر دھڑکتے دل کے ساتھ ندی نے انہیں دیکھا۔

''میری جان! چاہے ساری دنیا کے رشتے تمہارا ساتھ چھوڑ جائیں نا میں پھر بھی تمہارے ساتھ ہوں۔'' ندی نے بمشکل تھوک نگلا۔ خود اپنی ہی کیفیت اس کے لیے اجنبی تھی۔ دیوار پر لگی گھڑی پر وقت کا تعین کیا اور آخر تمام تر ہمت جمع کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ سامنے موجود امی کی کپ بورڈ سے سیاہ چادر نکالی، جس پر بڑی خوب صورتی مگر باریک بینی سے ننھے ننھے شیشے لگائے گئے تھے اور یہ چادر ناصر بھائی اپنے ہنی مون سے واپسی پر سوات سے خاص طور پر امی کے لیے لائے تھے۔

کپڑے بدلنے کا کوئی بھی تردد کیے بغیر چادر کو اچھی طرح پھیلا کر لیا تو اس کا صاف شفاف چہرہ سیاہ چادر کا ہالے میں کسی اداس چاند کی طرح لگنے لگا تھا۔ امی نے اٹھ کر اپنے کمزور وجود کی نقاہت کو ندی کے سامنے ظاہر کرنے سے گریز کرتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل کے دراز سے مختلف پنوں والی ایک ڈبیا نکالی اور اس کا نقاب اچھی طرح سیٹ کرنے کی غرض سے چادر پر چند جگہوں پر پنیں لگا کر نقاب کے نہ کھسکنے کا یقین کیا۔

اس دوران ندی بڑے غور سے ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی اس پر بے بسی کے بادبان لہرا رہے تھے۔ وہ تڑپ ہی تو گئی تھی اور شاید اس کی سوچ ان کے ذہن تک جا پہنچی تو انہوں نے ندی کو اپنے ساتھ بھینچ کر اسے حوصلہ دینے کی اپنے تئیں بڑی بھرپور سی کوشش کی۔

"اللہ کے بھروسے گھر سے قدم نکالو اور یقین رکھو کہ جو ہوگا بہتر ہی ہوگا۔"

"جی امی!" فرط جذبات سے ان کے گال پر بوسہ دیتے ہوئے لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی سے بالآخر وہ باہر نکل آئی۔

یوں بھی ثروت آپا اور عائشہ بھابھی کے گھر کے اندر ہونے کا یقین تو امی پہلے ہی کر چکی تھیں اور ناصر بھائی تو ویسے بھی آج کہیں گئے ہوئے تھے۔ تیز قدموں سے نکلتے ہوئے ندی کا دل ساکت اور نبض گویا خاموش تھی۔ اپنے گزرے ہوئے کل اور بیتے جانے والے آج کا موازنہ کرتے ہوئے وہ اندر ہی اندر مر رہی تھی لیکن یہ انتہائی قدم اٹھانا اس کی مجبوری تھا۔ وہ چپ چاپ سر جھکا کر ناصر بھائی کی کوئی بھی بات نہیں مان سکتی تھی۔ اس لیے کہ وہ آنے والے کل کے لیے کسی بھی قسم کا کوئی "کاش" بچا نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ اپنی ہر طرف سے ہر ممکن تدبیر کر لینے کے بعد جو ہوگا اسے البتہ سوچنے کی ہمت ابھی اس میں نہیں تھی۔

اے محبت تیری قسمت کہ تجھے مفت ملے
ہم سے دانا جو کمالات کیا کرتے تھے
خشک مٹی کو امارات کیا کرتے تھے
اے محبت یہ تیرا بخت کہ بن مول ملے ہیں تجھ کو
ہم سے انمول جو ہیروں میں تلا کرتے تھے
ہم سے منہ زور جو بھونچال اٹھا رکھتے تھے
اے محبت میری، ہم تیرے خطاوار سہی
ہم جو لوگوں سے سوالات کیا کرتے تھے
ہم جو سو باتوں کی اک بات کیا کرتے تھے
تیری تحویل میں آنے سے ذرا پہلے تک
ہم بھی اس شہر میں عزت سے رہا کرتے تھے
ہم بگڑتے تو کوئی کام رکا کرتے تھے
اور اب تیری سخاوت کے گھنے سائے میں
خلقت شہر کو ہم زندہ تماشا ٹھہرے
جتنے الزام تھے مقسوم ہمارا ٹھہرے

ماضی اور حال میں گم سم کینچوے کی طرح کبھی آگے اور پیچھے سوچتی، اپنے آپ سے جھگڑتی ہوئی ندی کو رکشے یا ٹیکسی کے لیے بالکل بھی تگ و دو نہیں کرنی پڑی تھی۔

☆☆☆

شہر کے نامساعد حالات کے باعث جہاں رینجرز، پولیس اور دوسری فورسز ہائی الرٹ تھیں وہیں آرمی کے جوان بھی ہر وقت اسٹینڈ بائی رہا کرتے تھے۔ ہیڈ کوارٹرز میں دی جانے والی بریفنگ بھی باقاعدگی سے جاری تھیں اور اوورل آل تمام صورت حال کا بڑی باریک بینی سے جائزہ بھی لیا جا رہا تھا۔

یوں تو ہمیشہ کی طرح بھی آفیسرز اور جوان بڑی مستعدی سے اپنے فرائض کے انجام دہی میں مصروف تھے مگر نئے تقرر شدہ جوانوں اور آفیسرز کا جذبہ واقعی قابل دید تھا۔

پنجوں کے بل کھڑے کوئی بھی آرڈر ملنے اور اسے پورا کرنے کو بے تاب۔۔۔۔

اکمل جب سے یہاں آیا تھا اپنی خوش طبعی کے باعث سب کے ساتھ بڑے دوستانہ انداز میں ملا کرتا۔ یہی وجہ تھی کہ سب سے بہت اچھے طریقے سے سلام دعا ہوا کرتی اور اپنے روم میٹ نبیل کے ساتھ بھی وقت بڑے مزے میں گزرتا اور اکثر اوقات وہ اس کے ساتھ اپنی کئی باتیں شیئر کر لیا کرتا۔ آج کل ندی کے حوالے سے وہ جس پریشانی کا شکار تھا اس سے نبیل بھی اچھی طرح واقف تھا اور اس کا بھی مشورہ یہی تھا کہ اسے براہ راست ندی سے بات کرنا چاہیے۔

تبھی اکمل نے اب ندی کے لیے لینڈ لائن نمبر پر فون کر کے اس سے بات کرنے کا سوچا مگر فون ثروت آپا نے ریسیو کیا، جو اس کی آواز سنتے ہی کھل سی گئیں۔

"بڑی لمبی عمر ہے بھئی تمہاری، میں اس وقت بیٹھی تمہارے ہی بارے میں سوچ رہی تھی۔" ٹی وی کی آواز بند کرتے ہوئے ان کی آواز میں بے حد اپنائیت محسوس ہو رہی تھی۔

"میرے بارے میں سوچ رہی تھیں؟" اکمل حیران ہوا۔

"کیوں آپا! خیر تو ہے نا، مجھ سے کوئی غلطی تو نہیں ہو گئی۔"

"ارے نہیں، تم سے کہاں، غلطی تو ندی سے ہی ہونی تھی جو ہو گئی۔" چند لمحوں پہلے والی تازگی لہجے سے غائب تھی اور اس کی جگہ اب اداسی نے لے لی تھی۔ اکمل نے ان کی بات سن کر گہری سانس لی۔

"ہوں۔۔۔ آپ بھی یہی سمجھتی ہیں آپا؟"

"ارے اکمل! زبان خلق نقارۂ خدا، یونہی خوامخواہ تو نہیں کہلاتی نا۔ مگر سچ کہوں تو میں اپنی چھوٹی اور بہت پیاری بہن سے ناراض بھی بہت ہوں مگر اس کے مستقبل کے لیے پریشان بھی ہوں۔" اکمل کو سکون ہوا کہ کچھ دن پہلے تک ان کی زبانی نکلنے والا ندی کے خلاف جانے والا آتش فشاں اب یقیناً کچھ ٹھنڈا ہونے کو ہے۔

"میں نے عائشہ سے بھی کہا کہ جیسی بھی ہے اور اس نے جو کچھ بھی کیا ہے مگر ہمیں اس کے مستقبل کو محفوظ کرنا چاہیے، یقین مانو اکمل! اسے اور امی کو دیکھ کر میرا تو دل کٹتا ہے۔"

"آپ کس طرح اس کا مستقبل محفوظ کرنا چاہتی ہیں؟"

"میں چاہتی ہوں کہ ٹھیک ہے، بے شک اسے یونیورسٹی نہ جانے دیا جائے مگر کم از کم اس کی شادی تو کسی بہتر جگہ پر کر دیں، مگر کیا کروں، ناصر تو آج کل عائشہ کے سوا کسی کی سنتا ہی نہیں، تو کون بات کرے اس سے۔"

"کوئی اچھا رشتہ دیکھا ہے آپ نے ندی کے لیے؟" ثروت آپا کے دل میں کم از کم ندی کی محبت ایک بار پھر جاگ رہی تھی اور یہ بات اکمل کے لیے بے حد سکون کا باعث تھی۔

"کوئی رشتہ دیکھا تو نہیں مگر۔۔۔" بات ادھوری چھوڑ کر انہوں نے عائشہ بھابھی کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھا اور پھر آواز دباتے ہوئے بولیں۔

"مجھے لگا شاید تم اور ندی ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو۔۔۔" اکمل اُن کی بات پر چونکا۔

"اگر ایسا ہے تو اس کے اپنانے میں ہرگز دیر نہ کرو۔"

"ثروت آپا! ایسا نہیں ہے کہ ہم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ لیکن ہاں پھر بھی اس سب کے باوجود وہ میری بہت اچھی اور مخلص دوست ہے اور میں اسے زندگی کی اتنی مشکل اسٹیج پر تنہا ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔" ثروت آپا کا دل بلیوں اچھلنے لگا تھا۔ یہ بات جو وہ عائشہ کو کہنے کے لیے کتنی دقت محسوس کر رہی تھیں۔ اکمل سے کتنی سہولت کے ساتھ انہوں نے کہہ بھی دی اور اس نے سمجھ بھی لی۔

"یعنی تم۔۔۔؟" بدستور آواز کا دھیما پن قائم رکھتے ہوئے وہ اس کے منہ سے مکمل طور پر کوئی وعدہ سننا چاہتی تھیں۔

"آپ فکر نہ کریں آپا! میں کسی کو بھی اس کی زندگی خراب کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

"اللہ تمہیں خوش رکھے، تم نے تو میرا دل جیت لیا ہے۔" ان کا روم روم اس وقت شکر گزاری کے عمل میں تھا، ورنہ ندی کے ہونے والے شوہر کے بارے میں ان کے ذہن میں جس جس طرح کے ہیولے ابھرتے، کیسے خیالات آتے، وہ یہ سب سوچ کر ہی لرز جاتیں۔

"آپا! آپ میری بات کروا سکتی ہیں ندی سے؟"

"ارے ہاں ہاں، کیوں نہیں۔۔۔" جوش جذبات سے وہ ریسیور لیے کھڑی ہو گئیں — مگر کھڑے ہوتے ہی انہیں یاد آیا کہ وہ لینڈ لائن سے بات کر رہی

ہیں اس لیے دوبارہ بیٹھنا پڑا۔

"وہ اکمل! دراصل میں ندی کے ہی پاس جاتی ہوں وہیں پر فون کر لینا الگ سے، وہ بھی ذرا ایزی ہو کر بات کرلے گی۔"

"لیکن کون سے نمبر پر؟"

"میرا نمبر ہے نا تمہارے پاس؟"

"جی بالکل، چلیں میں پانچ منٹ میں دوبارہ کرتا ہوں۔"

"ہاں یہ صحیح ہے، دراصل میرا فون کل سے ندی کے پاس ہے، یہاں لاؤنج میں بھلا وہ کیا بات کر پائے گی۔"

"جی جی، میں کرتا ہوں دوبارہ۔" ثروت آپا کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ اکمل کو کسی طرح خراج تحسین پیش کریں۔ جلدی جلدی فون کا ریسیور کریڈل پر رکھا اور کشاں کشاں امی کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئیں جہاں امی جائے نماز پر بیٹھی دونوں ہاتھوں کی کٹوری بنائے یقیناً ندی کے بہتر مستقبل کے لیے دعاگو تھیں۔

دروازے کے ایک دم یوں کھلنے پر چونکتے ہوئے بند آنکھوں کو کھولا تو ان میں ہزار سوال پنہاں تھے۔

"امی! ندی کہاں ہے؟" کمرے کے اندر پہلا قدم رکھتے ہی ثروت آپا نے پوچھا تو امی کا دھڑکتا ہوا دل جیسے ان کے حلق میں آکر اٹک گیا۔

"کیوں؟ خیر تو ہے نا؟ تم کیوں پوچھ رہی ہو؟" سرد ہوتے ہاتھ پاؤں کے ساتھ خشک پڑتی زبان کو ہونٹوں پر پھیرتے ہوئے انہوں نے پوچھا تو تمام وسوسے، واہمے اور خدشات، کینگرو مادہ کے پیٹ پر بنی تھیلی میں موجود بچوں کی طرح جھٹ سے سر نکال کر باہر جھانکنے لگے۔

کمرے میں موجود تمام تر آسودہ فضا کے باوجود چاروں اطراف عاشورہ کا سا سوگ پھیلتا محسوس ہوا۔ انہیں یوں لگا جیسے ثروت آپا، ندی کے گھر سے باہر جانے کے متعلق جان گئی ہیں اور اب آن کی آن میں ناصر بھائی اور عائشہ بھابھی بھی کمرے میں آتے ہی ہوں گے۔ دل کے رستے سارے جسم تک رسائی حاصل کرنے والا خون منجمد ہو کر اِدھر اُدھر رک سا گیا تھا اور تب انہیں محسوس ہوا گویا ابھی ابھی انہیں بحری جہاز کے عرشے سے پھسل کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سمندر کی تہہ میں ڈوب جانا ہے اور تب ایک بار پھر کسی معجزے کی امید لیے اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے ندی کا خیال جو آیا تو وہ لرز کر رہ گئیں اور بے اختیار دل سے رب کے حضور مدد کی التجا کی۔

"سب خیر ہی ہے، وہ دراصل اکمل بات کرنا چاہتا ہے ندی سے۔" آگے بڑھتے بڑھتے کچھ یاد آنے پر ایک دفعہ پھر وہ پیچھے مڑیں اور کمرے کا دروازہ بند کرنے کے بعد بولیں۔

"میں نے اسے کہا کہ میرے موبائل پر فون کرے۔۔۔ کہاں ہے موبائل۔" شکرانے کے احساس سے بھیگی ایک گہری سانس ان کے لبوں سے نکلی اور وہ ایک بار پھر سجدے میں گر گئیں۔ ٹپ ٹپ گرتے کئی آنسو لمحہ بھر میں مخملیں جائے نماز میں جذب ہو گئے۔

یعنی ایک مرحلہ تو طے ہو گیا تھا مگر اب ایک اور مشکل ان کے سامنے موجود تھی۔

اک اور دریا کا سامنا ۔ تھا منیر مجھ کو
میں اک دریا کے پار اترا تو میں نے جانا

ثروت آپا موبائل کی تلاش میں یہاں وہاں نظریں دوڑاتی اب بیڈ پر بیٹھ چکی تھیں۔ امی نے سجدے سے سر اٹھانے سے پہلے ایک بار پھر ندی کے خیریت سے واپس آنے کی دعا کی اور اسی رب کے بھروسے آنسو پونچھ کر بیٹھ گئیں۔ یہ ان کی زندگی کے مشکل ترین دن تھے۔ جب وہ اپنی اولاد کے ہوتے ہوئے بھی خود کو بے آسرا، بے اماں اور تنہا سمجھا کرتی تھیں اور تب ان کے ذہن میں یہ سوال بڑی شدت سے اترتا کہ کیا شوہر کو مجازی خدا اسی لیے کہا جاتا ہے کہ شادی کے بعد دنیا میں عورت کو اس کے علاوہ کہیں سے امان نہیں ملتی، پناہ نہیں ملتی کوئی اس کے دکھ درد کو سمجھنے

اور سہارا دینے والا نہیں ہوتا۔

تنہا ہوتیں تو اس بات کو کئی زاویوں سے دیکھتیں اور کئی دلیلوں پر پرکھتیں اور ہمیشہ ہی آخر میں نتیجہ یہی نکلتا کہ ہاں شوہر کو مجازی خدا نہ صرف کہنا بلکہ سمجھنا ہر بیوی پر فرض کی طرح اس لیے لازم ہے کہ اس کے بعد بھری دنیا میں بھی وہ اکیلی تصور کی جائے گی۔

"امی! موبائل کہاں رکھا ہے میرا؟ ایسا تو نہیں کہ سگنلز نہیں آرہے ہوں اور ندی۔۔۔ وہ کہاں ہے؟" ثروت آپا بے صبری ہوئی جارہی تھیں۔ امی نے جائے نماز سے ذرا نیچے کھسک کر بیٹھتے بیٹھتے ہی جائے نماز تہہ کی اور گھٹنے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اٹھ کر بولیں۔

"تمہارا موبائل وہ دیکھو سامنے کتابوں کے اوپر رکھا ہے۔" امی مختصر سا جواب دے کر خاموش ہوگئیں۔

یوں بھی وہ ندی کے علاوہ اور کسی سے اب کم ہی بات کیا کرتی تھیں کہ عائشہ کو تو چلو لاکھ ندی کے برابر سمجھا مگر پھر بھی وہ دوسرے خاندان سے ہی تھی اس لیے اس سے کوئی گلہ نہ تھا البتہ شکوہ تو اپنی سگی اولاد سے تھا جنہوں نے نہ تو ماں کا کوئی لحاظ کیا اور نہ ہی بہن کا کچھ خیال۔ اسی بات پر وہ دکھے ہوئے دل کے ساتھ اُن سے خفا تھیں اور ناراضی کا اظہار کرنے کے لیے ان کے پاس بہترین طریقہ خاموش ہو جانے کا ہی تھا۔ ثروت آپا نے اٹھ کر موبائل ہاتھ میں لیا۔ سگنلز آنے کی یقین دہانی کی اور پھر آرام دہ کرسی پر تسبیح ہاتھ میں لے کر بیٹھی امی کے پاس آگئیں۔

اپنی کرسی کا رخ انہوں نے لان میں کھلتی کھڑکی کی جانب کر رکھا تھا جہاں سے ندی گئی تھی اور واپس بھی وہیں سے آنا تھا۔

ثروت آپا ان کے قدموں کے پاس کارپٹ پر ہی بیٹھ گئیں۔ اپنے تئیں باتھ روم کا دروازہ کھولنے کے بعد انہیں اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ ندی باتھ روم میں ہے اور کسی کے بھی ممکنہ سوالات کے تحت ہی اس نے باتھ روم کو لاک کر رکھا تھا تاکہ نہ وہ کسی کے سوال جواب کا سامنا کریں اور نہ ہی جھوٹ بولنے کی نوبت آئے۔

البتہ اس وقت انہیں ثروت آپا کا بھی اپنے کمرے میں موجود ہونا بری طرح چبھ رہا تھا جو ان کی مانگی جانے والی دعاؤں میں بھی خلل کا باعث بن رہی تھیں اور دل کو ندی کے آنے کا جو دھڑکا سا لگا تھا وہ تو سو تھا ہی۔

"امی! میں نے اکمل سے ندی کے بارے میں بات کی ہے۔ اسے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ ناصر بھائی اس کی شادی کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔" امی ثروت آپا کی بات پر چونکیں۔

"کہہ رہا تھا کہ میں ندی کے ساتھ ایسا کچھ غلط نہیں ہونے دوں گا۔"

"تم کہنا کیا چاہ رہی ہو؟ صاف بات کرو۔" ایک نظر کھڑکی سے گیٹ تک ڈالنے کے بعد وہ ثروت آپا کی طرف پھر سے متوجہ ہوئیں تو انہوں نے عائشہ بھابھی سے ہونے والی بات چیت سے لے کر اکمل سے کی گئی تمام گفتگو بیان کر ڈالی۔

"میری چھوٹی بہن ہے ندی، میں اسے یوں کسی کے بھی ساتھ کیسے وداع کرنے کا حوصلہ کروں امی! اور میں تو کہتی ہوں کہ لوگ تو داغ لگے پھل کو نہیں لیتے یہ تو پھر اکمل کا ظرف ہے نا کہ سب کچھ جاننے کے بعد بھی ندی کو ہمسفر بنانے پر تیار ہے۔" بات شروع ہوئی تو امی کو لگا جیسے ثروت آپا ایک بار پھر پہلے کی طرح ندی کے لیے اپنا دل صاف کر چکی ہیں مگر یہ اُن کا خام خیال تب ثابت ہوا جب انہوں نے اپنی بات مکمل کی، انہیں محسوس ہوا کہ شاید ثروت آپا دوہری کیفیت کا شکار ہیں۔ بہن سے محبت بھی ہے مگر اس محبت میں شاید غلط فہمیوں اور بدگمانی کا راج ہے۔ مگر وہ محبت بھلا کیا مقام رکھتی ہے جس میں بھروسہ اور اعتماد شامل نہ ہو۔

جس طرح کسی گھر کے لیے چاردیواری اہم ہوتی ہے بالکل اسی طرح محبت کے لیے بھروسہ اور اعتماد بھی بنیادی اہمیت رکھتے ہیں اور ان کی غیر موجودگی میں محبت کے گھروندے کو گرتے کچھ زیادہ دیر نہیں لگتی۔

ابھی شاید وہ مزید کچھ کہتیں مگر ہاتھ میں پکڑے موبائل پر ہوتی بیل نے اپنی جانب متوجہ کرلیا۔ ثروت آپا کے پاس پہلے سے اکمل کا نمبر سیو تو نہیں تھا مگر یہ انجان نمبر یقینی طور پر اکمل کا تھا سو انہوں نے فوراً اٹھ کر باتھ روم کا دروازہ بجایا۔

''ندی۔۔۔! جلدی نکلو فون ہے۔'' امی کی سانسوں کی رفتار کے ساتھ ساتھ تسبیح کے دانے گرانے کے عمل میں بھی تیزی آگئی تھی۔

اگر اُن کے سانسوں کے ارتعاش کو کسی کمپیوٹر سے جانچا جاتا تو بڑا ہی پیچیدہ سا گراف بنتا جس کے اتار چڑھاؤ کی لکیروں میں بھی تمیز کرنا یقیناً ایک مشکل عمل ٹھہرتا، کون سا ایسا ورد تھا جو اس وقت ان کی زبان کو چھو نہیں پا رہا تھا۔ اُن کا بس چلتا تو وہ کہیں سے بھی بس ایک پھونک کے زور پر اس وقت ندی کو یہاں حاضر کر دیتیں مگر ان کے بس میں ہی تو نہیں تھا کچھ۔

تسبیح کے دانے گراتی پوریں لمحہ بھر میں دکھنے لگی تھیں اور چہرے پر پڑی سلوٹیں ایک دم نمایاں سی ہو گئیں تو انہوں نے دل ہی دل میں بڑی شدت سے اپنے رب کو پکارتے ہوئے ثروت آپا کو دیکھا جو دروازے کے پاس کھڑی اب آخر اکمل کا فون ریسیو کر چکی تھیں۔ یعنی اب کے تب ثروت آپا کو پتا چل ہی جاتا کہ ندی اس وقت گھر میں نہیں ہے۔

''ہاں اکمل! وہ دراصل ندی باتھ روم میں ہے بس۔۔۔'' اسی دوران ان کے بیٹے کے رونے کی آواز آئی جو یقیناً جاگ چکا تھا اور اب اسے فیڈر چاہیے تھا۔

''یہ تم ایک منٹ امی سے بات کرو، اتنے میں ندی نکل آئے گی پھر میں بھی آتی ہوں بس دو منٹ میں۔''

بیٹے کے رونے کی آواز سنتے ہی ثروت آپا نے ندی کو پس پشت ڈالتے ہوئے فون امی کو پکڑایا اور خود تیز قدموں سے کمرے سے نکل گئیں تو امی نے گہرا سانس لیتے ہوئے خدا کا بے پناہ شکر ادا کیا۔ سر پر دھرا منوں وزن جیسے اتر گیا ہو۔ اب فکر تھی تو یہ کہ کسی طرح ندی جلد از جلد خیر خیریت سے واپس گھر آجائے اور ادھر اکمل ندی سے بات کرنے کو بے چین ہوا جا رہا تھا۔

''آنٹی! اگر ندی اس وقت فارغ نہیں ہے تو میں تھوڑی دیر بعد کرلوں گا۔''

''نہیں بیٹا! وہ دراصل۔۔۔'' امی ایک بار پھر لاجواب ہو گئیں۔

''آنٹی! ایک بات کہوں۔۔۔؟''

''بولو بیٹا۔۔۔! کیا بات ہے؟''

''ندی اس وقت گھر پر نہیں ہے نا۔'' اکمل کے یوں وثوق سے کہنے پر ان کا ہاتھ لرز گیا تھا مگر وہ لمحہ شاید یقین اور اعتماد کے پنپنے کا تھا۔ اس لیے چند سیکنڈ کا توقف کرنے کے بعد آخر وہ بولیں۔

''بیٹا! وہ شاہ زین سے ملنے اور اسے اپنی یوں ہونے والی شادی کے بارے میں بتانا چاہتی تھی۔'' اکمل ان کا دیکھا بھالا اور ان کے ہاتھوں کا پلا ہوا بچہ تھا۔ جانتی تھیں کہ وہ بے حد قابلِ اعتماد ہے اور ندی کے لیے ایک دوست کی حیثیت سے بھی بہت مخلص ہے۔ جبھی انہوں نے کسی بھی قسم کا جھوٹ بولنے اور ندی کے یوں وہاں جانے کے بارے میں بھی اسے بتا کر ندی کی مشکلات کم ہونے کی دعا کی۔

''اور ناصر بھائی۔۔۔؟''

''نہیں، میرے علاوہ اس کے باہر جانے کے بارے میں کوئی نہیں جانتا، بس ابھی آنے ہی والی ہوگی۔'' تفکر ان کے کمزور لہجے میں لفظوں سے بڑھ کر بول رہا تھا۔ خود اکمل ان حالات میں اس کے گھر سے یوں نکلنے کا جان کر پریشان ہو گیا تھا۔

یہ سب کیا ہو رہا تھا اور کیا ہونے جا رہا تھا۔ سبھی کچھ غیر متوقع تھا۔ حالات کس طرح اس موڑ تک پہنچ جائیں گے یہ تو کسی نے سوچا بھی نہیں تھا۔ مگر وقت بھلا سوچنے کی مہلت دیتا بھی کب ہے۔ جب گزر رہا ہوتا ہے تو لگتا ہے کہ کچھ نیا نہیں ہو رہا اور دن اور رات معمول کے مطابق بس گزرتے جا رہے ہیں مگر چند لمحے رک کر مڑ کر دیکھیں تو بہت کچھ بدل چکا ہوتا ہے۔

''آپ فکر نہ کریں آنٹی! سب بہتر ہو جائے گا اور بس وہ بھی ابھی آتی ہی ہوگی۔'' اپنے تئیں اس نے دلاسا دیا تو ان کا دل بھر آیا۔

''کبھی بھی اور کسی بھی مقام پر آنٹی نہ آپ تنہا ہوں گی اور نہ ہی ندی۔۔۔ میرے لیے آپ بھی ماں کا درجہ رکھتی ہیں اور میرے ہوتے ہوئے ان شاء اللہ کوئی دکھ آپ کو مزید اپنے حصار میں لینے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔''

''جیتے رہو بیٹا! اللہ تم سے سدا خوش رہے اور تم کو سدا خوش رکھے۔'' گلوگیر لہجے میں انہوں نے صدقِ دل سے اکمل کو دعا دی۔

یوں لگتا ہے جیسے عصر اور مغرب کا وقت الوداعی گلے مل رہے ہوں، اتنی غم ناک اداسی، موت سا سکون اور دل دہلانے والی خاموشی۔۔ اپنے بیٹے کے ہوتے ہوئے کوئی اور انہیں دلاسا اور تسلی دے رہا تھا اور انہیں ان کے اپنے سگے بیٹے کے ممکنہ اقدامات سے ہونے والے مسائل سے نمٹنے کے لیے خود کو بطور سہارا پیش کر رہا تھا۔

ایک گہرا سانس انہوں نے خارج کیا۔

''میں ندی کو کسی بھی ایرے غیر کے حوالے اس کی اور آپ کی مرضی کے بغیر نہیں ہونے دوں گا، آپ اللہ کے بعد مجھ پر بھروسہ رکھیے اور پلیز پریشان نہ ہوں۔'' اکمل کی دل گرفتگی کا عالم ہی کچھ عجیب تھا۔ اول تو ندی کے حوالے سے حالات جو ملغوبے کی سی شکل اختیار کر گئے تھے وہ اور اب اس کا یوں گھر سے باہر نکلنا وہ بھی اس صورت میں کہ جب ناصر بھائی بھی گھر پر نہیں تھے۔

''اگر ناصر بھائی آج ایک بار پھر اسے کہیں باہر دیکھ لیتے تو۔۔۔'' اکمل نے اضطرابی کیفیت میں بالوں میں انگلیاں پھنسائیں مگر اس کے باوجود وہ امی کو حوصلہ دے رہا تھا اور ان کے سامنے اپنی پریشانی یا خدشات کا اظہار کر کے انہیں مزید کمزور نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اکمل کی طرف سے دی جانے والی تسلی، حوصلے اور سہارے کے پُراثر بول سن کر امی کے ہونٹوں سے نکلنے والی گھٹی گھٹی سسکیاں ان کے سارے بدن پر رینگنے لگی تھیں۔ انہیں لگا کہ ناصر جوان کا اپنا خون ہے اس کے سامنے اب ان کی حیثیت ایک کٹے ہوئے ناخن سے بڑھ کر ہرگز نہیں رہی ہے اور یہ بات ان کے دل پر پڑے بوجھ کو یوں بڑھانے لگی کہ منہ سے الفاظ کی ادائیگی مشکل سی ہو گئی۔

''اچھا بیٹا! میں اب فون بند کر رہی ہوں۔''

''آنٹی! یہ فون اپنے پاس ہی رکھیے گا، میں شام کو ندی سے بات کرنے کے لیے دوبارہ فون کروں گا۔'' اور دونوں اطراف سے فون بند ہونے پر وہ ندی کے خیالوں میں یوں ڈوبے جیسے کنویں میں اگنے والا ننھا پودا سدا نم ہی رہا کرتا ہے۔ دل سے نکلتی سچی اور بے لوث دعائیں کاش کہ جلد از جلد پوری ہوں۔ یہ امی کی خواہش بھی تھی اور اکمل کی حسرت بھی۔

☆☆☆

کہیں دن چڑھے، کہیں شب ڈھلے
کہیں قربتیں کہیں فاصلے
کبھی دور رہ کر جدا نہیں
کبھی ساتھ رہ کر ملے نہیں
کبھی ساتھ دل کے ہو اک جہاں
کبھی دھوپ میں ہیں سائباں
کہیں اک دھنک ہے چہار سو
کہیں لاپتا ہر رنگ و بو
کہیں دیپ ہو کہیں دل جلے
کوئی خالی ہاتھ کہیں سب ملے
کہیں صبح ہے کہیں شام ہے
زندگی اسی کا نام ہے

بارش کے بعد سے ہر منظر نکھرا نکھرا سا لگنے لگا تھا۔ پھول پتوں کے رنگوں میں کھلی تازگی نہ صرف آنکھوں پر اچھا اثر ڈال رہی تھی بلکہ ذہن و دل کو بھی فریش کیے دیتی۔ تمام نفوس کے چہروں پر جہاں بارش برسنے کی وجہ سے ایک رعنائی نظر آنے لگی تھی۔

فرسٹ ہاف کی کلاس ختم ہوئی تو میری، کنول اور

مہربانو ہاتھوں میں کتابیں لیے کلاسوں کے سامنے بنے کوریڈور سے گزرتی لڑکیوں کے رش کا ہی حصہ بن گئیں۔ اب انہیں ڈائی سیکشن کے لیے جانا تھا۔ سو دھیرے دھیرے قدم اٹھانے لگیں۔

"ویسے یار! اللہ کا بہت بڑا شکر ہے نا کہ ہم تینوں لڑکیاں ہیں۔" اچانک یوں ہی بلاوجہ بغیر کسی سابقہ گفتگو کے تسلسل کے کنول نے جو اللہ کا شکر ادا کیا اور وہ بھی اس بات پر کہ وہ لڑکی ہے تو باقی دونوں کا حیران ہونا فطری تھا۔

"خیر تو ہے؟ کیا تمہیں ابھی ابھی پتا چلا ہے کہ تم لڑکی ہو؟" میری نے حیرت سے کنول کو دیکھتے ہوئے سوال داغا تو مہربانو مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

"نہیں بتا تو امی نے بچپن میں ہی دیا تھا مگر اس بات پر شکر کرنے کا مجھے آج احساس ہوا ہے۔" بغیر شرمندہ ہوئے اس نے اپنا موضوع برقرار رکھا تھا۔

"اب آگے بھی کچھ بات کرو گی یا کسی ٹرک کی طرح بس ٹریفک میں ہی پھنسی رہو گی۔" مہربانو نے کہا تو کنول دانشورانہ انداز میں گویا ہوئی۔

"ترس آتا ہے مجھے لڑکوں پر، اب دیکھو ذرا تصور کرو کہ ڈائی سیکشن کرتے ہوئے ڈیڈ باڈیز، میل ٹیچرز، ان کے میل ہیلپرز اور پھر پڑھنے والے بھی اگر صرف میل ہی اسٹوڈنٹ ہوں تو کیا وہ پڑھائی کسی سزا سے کم ہے۔" کنول کی بات پر میری بے اختیار ہنسنے لگی تھی۔ مہربانو بھی سر جھٹک کر مسکرائی اور بولی۔

"اسی لیے تو کہا جاتا ہے نا کہ وجودِ زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ۔"

"اور اسی لیے تو کو ایجوکیشن رکھا جاتا ہے نا تا کہ سب دل لگا کر پڑھیں۔"

"اور واقعی پہلے سب دل لگاتے ہیں اور بعد میں پڑھتے ہیں۔" کنول نے دونوں کی بات کو جس زاویے سے سمیٹا تھا اس پر وہ دونوں ہی ہنسے بغیر نہیں رہ پائی تھیں۔

طے یہ پایا تھا کہ آج کالج سے ذرا جلدی نکلنے کے بعد وہ تینوں چرچ جائیں گی اور اس کے بعد عیاشی کرتے ہوئے شام کا کھانا کہیں باہر کھانے کے بعد ہاسٹل کے مقررہ وقت سے پہلے واپس پہنچ جائیں گی کہ اس کے بعد رات کو مہربانو نے ملکانی سائیں کو فون پر بات کرنے کا ٹائم بھی دے رکھا تھا۔ کیونکہ آج جس وقت ان کا فون آیا تب وہ اپنی کلاس میں تھی اور اس نے کلاس سے چند لمحے کے لیے باہر آکر انہیں بتایا کہ اس وقت وہ بات نہیں کر سکتی کیونکہ وہ کلاس میں ہے۔

مگر ملکانی سائیں کے بات کرنے کے انداز سے لگتا تھا کہ بات کوئی اہمیت رکھتی ہے ورنہ وہ کبھی اس وقت فون نہیں کرتی تھیں۔ جبھی انہوں نے خصوصاً اسے تاکید کی تھی کہ رات کو نو بجے کے بعد وہ انہیں فون کرے تاکہ وہ اس سے چند اہم نوعیت کی باتیں ڈسکس کر سکیں۔ ان کے بات کرنے کے انداز اور شام کو فون کرنے کی اس قدر تاکید پر وہ ٹھٹک گئی تھی کہ ایسا کیا ہے جس کے بارے میں بات کرنے کو وہ اتنی بے چین ہیں مگر اُن کا کہنا تھا کہ یہ بات کیونکہ مہربانو کی آئندہ زندگی سے متعلق ہے اس لیے وہ یوں جلد بازی میں اس سے بات کرکے اس معاملے کی اہمیت اور نزاکت کو گنوانا نہیں چاہتیں۔ جو بات ملکانی سائیں، مہربانو سے کرنا چاہتی تھیں وہ اس کی آئندہ زندگی سے متعلق تھی یہی ایک ایسا جملہ تھا جس پر وہ ٹھٹک گئی تھی۔

اس کی آئندہ زندگی میں تو دور دور تک میڈیکل کی تعلیم کے علاوہ ایسا کچھ پلان نہیں تھا پھر یہ اچانک بیٹھے بٹھائے ملکانی سائیں کو کیا سوجھ رہی ہے؟ وہ کیا سوچ رہی ہیں؟ حویلی کی آسمانوں کو چھوتی دیواروں کے پیچھے کیا آج کل اس کی زندگی کے فیصلے ہو رہے ہیں؟ کیا سابقہ رسم و رواج کے آئینے میں اس کی تقدیر کی آرسی مصحف کی رسم ادا کی جا رہی ہے؟ وہ شدید الجھن کا شکار تھی۔ مگر اپنے دل کی پریشانی کا اظہار ان دونوں کے سامنے کرنے کے بجائے وہ ان کی بات چیت سننے کے دوران بڑے ماہرانہ انداز میں سر ہلاتے ہوئے یہ ثابت کر رہی تھی کہ وہ مکمل طور پر ان کی بات چیت سن رہی ہے مگر ہمیشہ وہ نہیں ہوتا جو نظر آتا ہے۔

☆☆☆

سیاہ چادر کا نقاب کیے وہ کانچ سی آنکھیں بڑی امید سے رکشے کے ٹائروں تلے روندے جانے والے رستوں کو دیکھے جا رہی تھیں۔ اسے امید تھی کہ شاہ زین سے ملتے ہی سب کچھ بس ٹھیک ہونے والا ہے اور زندگی کو اب ایک جینے کی مضبوط وجہ ملنے والی ہے لیکن شہر کی ٹریفک بھی ایسی کہ منہ کے دانتوں کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی گاڑیاں جو کسی طور ایک دوجے کو رستہ دینے پر راضی نہ تھیں، اس کی گھبراہٹ اور پریشانی میں بے طرح اضافہ کیے دے رہی تھیں۔

"چاچا۔۔۔! پلیز ذرا جلدی سے رکشہ چلائیں مجھے دیر ہو رہی ہے۔" دائیں بائیں چیونٹی کی رفتار سے رینگتی گاڑیوں کو دیکھنے کے باوجود اس نے رکشہ ڈرائیور سے التجا کی تو اس نے پہلی دفعہ رکشے کے بیک مرر سے اس کا چہرہ پڑھنا تو چاہا مگر کوشش میں کامیابی یوں نہ ہو سکی کہ بڑی سی چادر میں لپٹی ندی نے پورے چہرے کو نقاب کے ساتھ ڈھانپ رکھا تھا اور آنکھوں پر بھی سیاہ رنگ کا چشمہ لگائے وہ مکمل طور پر ظاہر ہونے کے باوجود بھی پوشیدہ تھی۔

یوں بھی رکشہ ٹیکسی کے ڈرائیور حضرات پولیس والوں کی طرح پہلی ہی نظر میں بندہ پہچان لیا کرتے ہیں۔ سارا دن مختلف قسم کے لوگوں کے ساتھ وقت گزارنے کی وجہ سے ان کی مردم شناسی کی حس اکثر اوقات تیز ہوتی ہے اور اپنے اسی تجربے کی بنیاد پر رکشہ ڈرائیور نے اس کے بارے میں اندازا لگانے کی کوشش میں ناکامی کے بعد اس کی آواز کی لجاجت پر یقین کرتے ہوئے اپنا رکشہ ہر ممکن طریقے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔

☆☆☆

اپنائیت اور یگانگت کا حقیقی مفہوم کیا ہے یہ تو وہی لوگ جانتے ہیں جو کسی کو اپنا بناتے اور کسی کو اپنا سمجھتے ہیں۔ محلے میں موجود تمام لوگوں کی بے لوث محبت سے یوں تو وہ لوگ پہلے ہی واقف تھے مگر جس طرح آج ابا کی برسی کے موقع پر بغیر بلاوے کے سب آکر ان کے ساتھ ایصالِ ثواب میں شریک ہوئے اور قرآن خوانی کی، اس محفل کو باقاعدہ طور پر اپنے گھر کی محفل جانا یہ بات خود اماں کی بھی آنکھیں احساسِ تشکر سے بھگوئے جا رہی تھیں۔

خود بخود آکر سب نے گھر بھر میں رونق ہی تو لگا دی تھی جبکہ اماں کا ارادہ گھر سے نکلتے وقت بس یہی تھا کہ وہاں جا کر چند سورتیں وغیرہ پڑھ کر ایصال کر دیا جائے گا مگر جس طرح ساری خواتین نے آکر باقاعدہ قرآن خوانی کی تو شاہ زین نے اماں ہی کے کہنے پر فون پر ہی پکے پکائے کھانے کا آرڈر کر دیا اور یوں انتہائی خوش اسلوبی سے تمام کام سرانجام دینے کے بعد اب ان کے واپس جانے کا وقت آن پہنچا تھا۔

جب تک تمام خواتین اماں اور ثمینہ سے ملتی رہیں وہ ان کے فارغ ہونے کے انتظار میں اپنے کمرے میں آبیٹھا۔ پرانی بسم کو اسی طرح ٹشو پیپر میں لپیٹ کر وہ پہلے ہی دراز میں ڈال چکا تھا۔ اب تکیے سے ٹیک لگا کر پاؤں بیڈ سے نیچے لٹکائے وہ ایک بار پھر ہر وہ خیال دوہرانے لگا جو اس نے ندی کے حوالے سے اس گھر میں دیکھا تھا۔

صبح کے اجالے میں ڈھونڈتا ہے تعبیریں
دل کو کون سمجھائے خواب خواب ہوتے ہیں

ہسپانوی لیموں جیسی صاف شفاف جلد، چمکتی روشن آنکھیں اور نرم و سیدھے کندھوں کو ڈھانپے رکھنے والے بال لیے ندی کا چہرہ اس کے سامنے تھا۔ ہر قسم کے میک اپ سے بے نیاز اس کا چہرہ کیسا شنگرفی نظر آیا کرتا تھا۔

ندی جو خود لڑکی ہونے کے باوجود اس سے اظہارِ محبت میں پہل کر چکی تھی۔ اب خود ہی کئی قدم پیچھے بھی ہٹ گئی تھی۔ یہ جانے بغیر کہ شاہ زین کا پیار اس کے لیے سچا ہے، بے لوث ہے مگر اب یقیناً وہ کسی اور کی یا تو ہو چکی ہے اور یا ہونے والی ہوگی۔ تکیے سے ٹیک

لگائے شاہ زین کی آنکھیں غیر محسوس طریقے سے نمی کے باعث چمکنے لگی تھیں۔ اپنی محرومی کے احساس سے اسے آنسو اندر ہی اندر کہیں گرتے ہوئے اپنا حلق نمکین لگنے لگا تھا۔ جنگل کا سناٹا اسے اپنے ہی ساتھ اس کمرے میں مقید ہوتا محسوس ہوا اور اپنا آپ کسی جنگلی قیدی کی مانند مجبور اور بدحال۔۔۔ کہ چاہنے کے باوجود نہ تو وہ فرار ہو سکتا تھا اور نہ ہی اس قید میں اس کے لیے زندگی کی کوئی رمق نظر آتی تھی۔

کیا واقعی ندی کو کسی اور سے محبت ہے؟ بالکل ایسی ہی محبت جیسی مجھے اس سے ہے؟ کیا ایسا ممکن ہے؟ اور اگر ہے تو ایسا ممکن کیوں ہوا؟ کہاں تھیں اس وقت اماں کی دعائیں ان کے ورد اور وظیفے۔۔۔ میری خوشیوں کے لیے رات رات بھر جاگ کر کی جانے والی مناجات کیوں عرش تک رسائی حاصل نہیں کر سکیں اور اگر نہیں کر سکیں تو پھر یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ ماں کی دعا سیدھی عرش پر جاتی ہے۔۔۔ میرے لیے اماں کی مانگی جانے والی دعائیں رستہ بھٹک کر کہاں گم ہو گئی ہیں۔ کچھ لوگوں کی قسمت میری ہی طرح صفر کی مانند کیوں ہوتی ہے؟ وہ کسی کے بھی ساتھ جمع کیوں نہیں ہو پاتے؟ ان کی کوئی بھی اہمیت، حیثیت اور جگہ کیوں نہیں ہوتی دنیا میں؟ کیوں انہیں اپنا آپ ثابت کرنے کے لیے کسی کا سہارا لینا پڑتا ہے؟ وہ اکیلے اتنے بے وقعت کیوں ہوتے ہیں کہ ان کے ہونے نہ ہونے سے کسی کو کوئی فرق ہی نہیں پڑتا۔ کسی کی زندگی سے منفی ہو جائیں تو بھی کوئی دلبرداشتہ ہونا تو دور کی بات چونکتا تک نہیں ہے اور اگر کسی کے ساتھ جمع ہوں تب بھی کسی کو احساس تک نہیں ہوتا اور ندی بھی کبھی اتنی سخت دل کی ہو گی۔۔۔ یہ بات اب تک میرا دل کیوں تسلیم نہیں کرتا۔ میں کیوں اب تک کسی کرشمے، کرامت یا کسی معجزے کے پیش آجانے کی حسرت میں ہوں۔۔۔

اپنے اندر کے شور سے گھبرا کر شاہ زین سیدھا ہو بیٹھا تھا۔ جوتے زمین پر ٹکائے وہی تکیہ جس سے کچھ دیر پہلے ٹیک لگا رکھی تھی، گھٹنوں پر رکھ کر ان پر کہنیاں ٹکائیں اور سر جھکا کر دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ صحن سے اماں اور ثمینہ کی الوداعی کلمات کی آوازیں آرہی تھیں۔

یہ سچ تھا کہ واقعی اس نے ندی سے محبت کی تھی۔ اسی لیے تو اس کے معاملے میں سوچتے ہوئے شاہ زین کی انا کا ننھا سا پودا اس پر ابھی پھول پتے بھی نہ آئے تھے سر جھکا کر کھڑا رہتا۔ ویسے بھی جب انا سر اٹھانے لگے تو محبت باقی نہیں رہتی اور محبت کو ہمیشہ قائم و دائم رکھنے کے لیے انا کا خودرو پودا جب تک تراش خراش کے بعد اپنے اصل قد کو نہ پہنچے، محبت مثال بن جاتی ہے وگرنہ دوسری صورت میں ہی خودرو پودا اپنی طاقت کا اعتراف کرتا ہوا باقی ہر جذبے پر حاوی ہو کر انسان کو تنہا کر دیا کرتا ہے۔

''شاہ زین بیٹا! چلیں۔۔۔؟'' اماں نے کمرے میں داخل ہوئے بغیر اسے پکارا تو وہ تکیے کو پرے کر کے نہایت بوجھل قدموں سے گاڑی کی چابی مٹھی میں بھینچتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆

ہم کوئی جگ سے نرالے تو نہیں
ہم بھی دنیا کی طرح ہیں کہ جنہیں
دکھ چھپانا بھی ہے ہنسنا سرِ بازار بھی ہے
ہم پر بھی عہدِ جوانی کا عذاب اترا ہے
ہم نے بھی دور کسی شہر میں
ہنستے ہوئے، بستے ہوئے
اک شخص کو چاہا ہے بہت۔۔۔!

شاہ زین کے گھر کی گلی شروع ہوتے ہی ندی کے دل کی دھڑکنیں عجیب انداز میں اتھل پتھل ہونے لگیں ۔۔۔ رستہ تو جیسے تیسے ایک ایک لمحہ گنتے کٹتا تھا مگر اب اس گلی سے گھر تک کو جاتا رستہ ندی کو کئی میلوں پر محیط ہوتا محسوس ہونے لگا تھا۔ وہ کون سا لمحہ ہو گا جب وہ اس گھر کی دہلیز پر قدم رکھے گی۔ اپنے سارے دکھ، سب مشکلات مسائل شاہ زین کے حوالے کر کے خود کو ہلکی پھلکی محسوس کرے گی اور اگر اس وقت شاہ زین گھر پر نہ ہوا تو وہ اس کی والدہ اور

ثمینہ کو ایک ایک بات بتائے گی۔ یونیورسٹی میں ہونے والے تمام واقعات کے بعد گھر میں ہوئی بے وقتی تک۔۔۔ انہیں بتائے گی کہ بابا کے جانے کے بعد اب وہ اور امی خود کو کتنا تنہا محسوس کرتی ہیں اور یہ بھی کہ اب ناصر بھائی زیادہ سے زیادہ دو دن میں اسے جانے کس کے نکاح میں دے کر کہاں رخصت کریں۔ اور وہ جانتی تھی کہ شاہ زین تک تو شاید بات بعد میں پہنچتی مگر اماں ہی ایسا کچھ نہیں ہونے دیں گی۔ آج سے پہلے وہ اُن سے ملی تو نہیں تھی مگر ہاں شاہ زین کی زبانی ان کے متعلق سنا بہت کچھ تھا۔

سارا راستہ وہ اپنے نرم و گداز سفید ہاتھوں کو کبوتروں کی طرح گود میں ڈالے بیٹھی رہی تھی مگر اب بے چینی اور اضطراب کا یہ عالم تھا کہ کبھی وہ انگلیاں چٹخانے لگتی تو کبھی ہاتھوں کو مسلنے، اور انہیں لمحات میں اس نے وہ کیا جو آج سے پہلے اس نے کبھی نہ کیا تھا۔ ایک دیگ غریبوں کو کھانا کھلانے کے لیے، چالیس نوافل اور روزے اور جانے کیا کیا۔۔۔ وہ بڑی تیز رفتاری سے منتیں یوں مان رہی تھی جیسے اسٹاک ایکسچینج میں ہندسے تیز رفتاری سے بدلا کرتے ہیں۔ لگتا جیسے وہ خدا کے حضور کھڑی ہاتھ باندھے اپنی خواہش کی نیلامی کرتے ہوئے بولی لگانے میں مصروف ہو۔

رکشہ اب سیدھی گلی سے ہوتا ہوا بغلی گلی میں جا مڑا تھا، یہ گلی پچھلی گلی کی نسبت کم کشادہ تھی۔ اس پر سائیکل چلاتے بچے، گوگو کھیلتی ننھی بچیاں جو ایک طرف سے رکشہ اور سامنے سے آتی گاڑی کو دیکھتے ہوئے اب اپنا کھیل ترک کر کے چند لمحوں کا وقفہ لے چکی تھیں۔

''چاچا! خدا کا واسطہ ہے جلدی کریں، میرے پاس وقت بہت کم ہے۔'' ایک بار پھر خود پر قابو نہ رکھتے ہوئے وہ فریاد کر بیٹھی تھی۔ ناصر بھائی کا خوف اب تک اس کو پسینہ پسینہ کیے دے رہا تھا۔ یہ جاننے کے باوجود کہ آج ان کی واپسی شام کو ذرا دیر سے ہونے کا غالب امکان ہے۔ وہ خوامخواہ ''اگر'' کے ہاتھوں بلیک میل ہوئی جا رہی تھی۔

یوں بھی ہم انسانوں کی نفسیات پر حاضر سے کہیں زیادہ غائب کا اثر ہوتا ہے۔ وہ چاہے واقعات ہوں یا واہمات اور اس کی سب سے بڑی مثال خود ہمارا مستقبل ہے جو غائب ہونے کے باوجود ہم پر اس قدر حاوی ہوتا ہے کہ ہم اپنے نظر آنے والے اور گزارے جانے والے ''حال'' کو اُس نظر نہ آنے والے مستقبل کے خوف پر یوں قربان کر دیتے ہیں کہ ''حال'' کی ہر گھڑی پر مستقبل کے چوکیدار کا کڑا پہرہ نظر آنے لگتا ہے اور یوں ہم وقت کے ساتھ ناانصافی کر جاتے ہیں۔ ''حال'' میں مستقبل کے اونچے اور پتھریلے ٹیلے پر چڑھنے کی کوشش میں ننگے پاؤں رہ جاتے ہیں اور وہ بھی بڑے ہی مخفی اور غیر محسوس طریقے سے۔

''بیٹا! پیچھے والی گلی کھلی تھی نا پروا نہیں تھی۔ اب یہاں آپ خود دیکھو گلی اتنی چوڑی نہیں ہے کہ دو گاڑیاں ایک ساتھ گزر سکیں۔''

''ہاں تو آپ اس گاڑی کے آنے سے پہلے اپنا رکشہ لے جائیں نا آگے۔'' ندی نے بچوں جیسی ضد کرتے ہوئے کہا تو وہ رکشہ والا خاموش ہو گیا۔

''چاچا! میری زندگی اور موت کا سوال ہے، آپ بھی بیٹیوں والے ہوں گے، میری مشکل کو سمجھیں اور کسی طریقے جلد از جلد رکشہ آگے لے جائیں۔۔۔ میں۔۔۔ میں آپ کو ڈبل کرایہ دوں گی، بس ذرا جلدی۔۔۔'' ندی کی بات پر رکشہ والا بھی جذباتی سا ہو گیا تھا، جانے وہ کون تھی، کیسی مجبوری میں جا رہی تھی، اس پر کیا بیت چکی تھی۔ آخر رکشہ والے نے سوچا کہ ہر ممکن طریقے سے رکشہ جلد از جلد آگے بڑھایا جائے۔ مگر ذرا سا آگے جانے پر رفتار پھر مدھم پڑنے لگی تھی۔

''بیٹا گاڑی رکی ہوئی ہے اور اندر بیٹھی خاتون باہر کھڑی خاتون سے بات چیت کر رہی ہیں اور پھر بھی بات تو بیٹا یہ ہے کہ گلی ہے ذرا تنگ، اور اگر ذرا سی بھی میرے رکشے سے ان کی گاڑی چھو گئی تو مجھے پیسے بھرنا پڑیں گے۔'' رکشے والی نے اپنی حقیقی مجبوری

بیان کی، باوجود اس کے کہ وہ اس کی ہر ممکن مدد کرنا چاہ رہا تھا مگر اس کی جیب اجازت نہیں دیتی تھی کہ وہ گاڑی کا بھی ممکنہ خرچہ بھرے۔

"چاچا! میں دوں گی نا پیسے، آپ بس فکر نہ کریں اور رکشہ آگے لے جائیں میرے پاس بالکل ٹائم نہیں ہے۔" اس کے لجاجت آمیز لہجے پر رکشے والے نے ایک گہری سانس لے کر آہستہ آہستہ رکشہ آگے بڑھانا شروع کیا۔

آس پاس سے گزرتے لوگ رکشہ آتے دیکھ کر گردن موڑ کر یا چند لمحے نظریں ٹھہرا کر رکشے کے اندر بیٹھے انسان کی شناخت ضرور کرنے کی کوشش کرتے۔ یوں بھی اس وقت اکثر عورتیں شاہ زین کے گھر سے انہیں اللہ حافظ کہہ کر نکلی تھیں اور اپنے اپنے گھروں کو جا رہی تھیں۔ اسی دوران آتے رکشے کو دیکھ کر محض کیوریوسٹی کے طور پر گردن ذرا سی لمبی کر کے اندر ضرور دیکھتیں۔ یہی وجہ تھی کہ اب ندی بالکل ہی سر جھکائے بیٹھی یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ اپنے پرس میں سے کچھ ڈھونڈ رہی ہے۔ رکشہ آگے بڑھنا شروع ہوا تو گاڑی کے ساتھ ہی کھڑی خاتون پیچھے ہٹ گئیں اور گاڑی نے بھی رکشے کو جگہ دیتے ہوئے رستہ سمیٹنا شروع کیا مگر حسب توقع گلی کے تنگ ہونے کے باعث آخر کار رکشہ اور گاڑی ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔

"شاہ زین بیٹا! تم گاڑی کو سائیڈ پر کر کے قریشی صاحب کے گھر کی طرف موڑ لو، ان کا گیٹ ذرا کھلا ہوا ہے گاڑی ذرا اندر ہو جائے گی تو رکشہ کو بھی جگہ مل جائے گی۔" اماں نے اُن کا کھلا ہوا گیٹ دیکھ کر موقع غنیمت جانا تھا۔ ہمیشہ جب اس گلی میں دو گاڑیاں آمنے سامنے آجاتیں تو یہی حکمت عملی اپنائی جاتی۔

"معاف کرنا صاحب، دراصل ایک ایمرجنسی میں جا رہے ہیں، ذرا جلدی پہنچنا تھا نا اس لیے۔" رکشے والے نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا کہ کوئی گاڑی رکشے کے لیے یوں جگہ خالی کر رہی ہے۔ جبھی تو شرمندگی محسوس کرتے ہوئے فوراً وضاحت کر ڈالی۔

مگر شاہ زین نے ہاتھ کے اشارے سے "اٹس اوکے" کہہ کر اسٹیئرنگ موڑتے ہوئے گاڑی کے اگلے دونوں ٹائر قریشی صاحب کے گھر کے اندر کیے جس سے آدھی گاڑی گلی میں اور آدھی ان کے گھر کے اندر جا منتقل ہوئی۔ رکشے والے نے مشکور نظروں سے گاڑی کو دیکھا اور فوراً رکشہ آگے بڑھا دیا۔ زیادہ دور نہیں بس اسی گلی کے آخر میں اگلی گلی کے شروع ہونے سے پہلا آخری گھر ان ہی کا تھا۔ ندی نے حسب وعدہ رکشے والے کو پہلے سے طے شدہ کرایے سے زیادہ روپے دیے تو وہ شش و پنج میں پڑ گیا۔

"نہیں چاچا! آپ کو میں اپنی خوشی سے دے رہی ہوں، آپ کی محنت کے پیسے ہیں۔"

"خوش رہو۔" رکشے والے نے سامنے رکھا چھوٹا سا تولیہ اٹھا کر اس کے نیچے پلاسٹک کی سیاہ تھیلی کھول کر ندی کے دیے ہوئے روپے اس میں ڈالے اور ندی کے نیچے اتر جانے پر ایک بار پھر رکشہ پیچھے موڑ لیا۔

اب جبکہ وہ اپنی منزلِ مقصود کے سامنے کھڑی تھی۔ پھر بھی جانے کیوں وہ اپنے آپ میں وہ مضبوطی محسوس نہیں کر پا رہی تھی جو اس کا خاصہ تھی۔ حالات کے پے در پے وار اسے ذہنی طور پر بے حد کمزور کر چکے تھے۔ ایسے میں شاہ زین کا خیال اسے اندھیری رات میں روشنی کی کرن کی مانند زندگی کی نوید سنا جاتا اور اب بس چند ہی لمحوں میں یقیناً اس کی زندگی سے یہ وقتی کالے بادل چھٹنے ہی والے تھے۔ اسے سامنے دیکھ کر اماں اور ثمینہ کا ممکنہ ردِ عمل سوچتے ہوئے جانے کہاں سے ایک عرصے بعد ہونٹوں پر مسکراہٹ آ کوندی تھی۔ اور اسی کیفیت کو برقرار رکھتے ہوئے اس نے بیل پر انگشتِ شہادت کی مدد سے ہلکا سا دباؤ ڈالا۔

ایک۔۔۔ دو۔۔۔ تین۔۔۔ بجائے اس کے کہ اندر سے گیٹ کھلتا اسے اپنے کندھے پر کسی ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا تھا۔ اس نے ایک دم چونک کر دیکھا وہی خاتون جو گاڑی کے اندر کسی سے بات کرتے

ہوئے رکشہ آجانے کی وجہ سے اپنے دروازے کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھیں، اب اس کے سامنے موجود تھیں۔

"بیٹا! کیا بات ہے؟ میں دیکھ رہی ہوں، کافی دیر سے گھر کے سامنے کھڑی ہو۔" اس کے لپٹے لپٹائے وجود کو جانچتی نظروں سے دیکھتے ہوئے انہوں نے پوچھا تو وہ گڑبڑا گئی۔

کیا کہتی کہ شاہ زین کے لیے آئی ہے۔ یا اماں سے ملنے آئی ہے۔ اس طرح کے سوال کی چونکہ اسے توقع نہیں تھی جبھی ذہن نے اس متعلق کچھ بھی نہیں سوچا تھا کہ اگر کوئی اس سے کچھ پوچھے تو اس کا جواب کیا ہونا چاہیے۔ یوں بھی جس علاقے میں ان کا گھر تھا وہاں تو لوگ تہوار کے تہوار ہی ایک دوجے کو جانا کرتے۔ کس کے گھر کون آرہا ہے؟ کیوں آرہا ہے؟ کتنے بجے آرہا ہے؟ اس طرح کی دردسری کے لیے نہ تو کسی کے پاس وقت تھا اور نہ ہی دلچسپی۔ جبھی تو ان کے یوں بے تکلفانہ انداز میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھنے اور ایک دم ہی کیے گئے سوال کے نتیجے میں وہ گڑبڑا سی گئی تھی۔

"کس سے ملنے آئی ہو؟ گھر تو نہیں بھول گئیں کسی کا؟" وہ زبردستی حقوق العباد پورے کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ ندی نے گلاسز کی اوٹ سے ایک نظر انہیں اور پھر دوبارہ اُس گھر کو دیکھا جو اس وقت دنیا میں اس کی امیدوں کے پورا ہونے کا واحد مرکز نظر آتا تھا۔

"میں دراصل ثمینہ سے ملنے آئی ہوں۔ یہی گھر ہے نا اُن کا۔"

"ثمینہ سے۔۔۔؟" اُن خاتون کو حیرت کس بات پر ہوئی تھی اس بات پر خود ندی کو بھی حیرت ہوئی۔

"جی ثمینہ سے، میں دوست ہوں اس کی۔" اب تک اندر سے اطلاعی گھنٹی کا کوئی بھی جواب نہ آنا ندی کو پریشان کیے دے رہا تھا۔ اس پر اُن خاتون کے سوال جواب۔۔۔

"لیکن وہ تو کب سے یہ گھر چھوڑ کر کہیں دور شفٹ ہو گئے ہیں۔" پرکھتی نظریں اب بھی اس کے چہرے کو دیکھ لینے کی خواہش میں نقاب کے ارد گرد ہی گھوم رہی تھیں۔

"شفٹ ہو گئے ہیں؟ کہیں دور۔۔۔؟" اپنی سماعتوں پر ندی کو ہرگز یقین نہیں آیا تھا۔ مگر جو حقیقت تھی وہ تو تھی۔ فضا میں یکبارگی آکسیجن کے کم ہونے کا احساس ندی کو اپنے سانس کے گھٹنے سے ہوا۔ ایک تو زندگی میں پہلی بار یوں خود کو اتنی بڑی چادر میں لپیٹ کر نکلی تھی اس پر نقاب۔۔۔ اسے سانس لینا ناممکن لگنے لگا تو جی چاہا کہ چہرے پر کیا گیا نقاب نوچ ڈالے۔

ہم تمہیں چاہتے ہیں ایسے
مرنے والا کوئی
زندگی چاہتا ہو جیسے

سماعتوں میں گھومتے پھرتے یہ الفاظ پل بھر میں ایسے الجھے کہ ریشم کے ان دھاگوں کو سلجھانا اسے ناممکن ہی تو لگا تھا۔

تفکرات، غم، انتشار، گمان، وسوسے، خدشات سب گونگے کیا ہوئے ایک بار پھر گہرے سیاہ اور بوسیدہ جبے میں ملبوس "اگر" بڑے پراسرار انداز میں لاٹھی ٹیکتا اس کے سامنے سوچ و بچار کی تمام راہیں مسدود کر کے وہ بھی بھید بھری باتیں جن کو وہ سوچنے سے بھی کترا رہی تھی الم نشرح بیان کرنے لگا۔

(باقی آئندہ)

ظلِ ہما

بلا عنوان

وہ ساری رات گھر سے باہر رہا تھا اور جب صبح کا سورج نمودار ہوا تو گھر میں داخل ہوا اور پھر خود کو اپنے کمرے میں بند کرلیا وہ کسی سے بھی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"رات کو دیر تک باہر ہی رہا صبح آیا ہے۔" بھابھی نے بڑے بھائی کو اطلاع دی تو ان کو تشویش ہوئی۔

"پلیز آپ اس کے پاس جائیں اور پوچھنے کی کوشش کریں کہ آخر ایسا اس کے ساتھ کیا ہوگیا ہے؟"

"گڈ مارننگ عاشر!" بھائی نے پیار سے اس کا کندھا تھپتھپایا تو وہ خیالوں کی دنیا سے باہر آگیا۔

"کیا ابھی تک صبح ہی ہو رہی ہے؟" اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"دس بج رہے ہیں۔" بڑے بھائی اس کے اس طرح پوچھنے پر حیران ہوئے۔

"یہ تو بہت جلدی ہے۔ اداس لمحے بہت طویل ہوجاتے ہیں۔" عاشر نے گہری آہ بھری۔

"ایسی کیا بات ہے جس نے تمہیں اتنا اداس اور غمگین بنادیا ہے؟"

"کوئی ایسی بات بھی تو نہیں جس سے خوشی حاصل ہو۔" عاشر نہایت اداسی سے کہہ گیا۔

"یار کیا تمہیں پیار ہوگیا ہے؟" علی بھائی نے مسکراتے ہوئے اس کے قریب آکر سرگوشی کی۔

"نہیں۔۔۔ نہیں تو لیکن۔۔۔" عاشر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"میں تمہارا بڑا بھائی ہوں مجھے نہیں بتاؤ گے؟ ہوسکتا ہے میں کچھ کرسکوں۔" علی نے معنی خیز نظروں سے اس کو دیکھا۔

"بھائی میں اس سے بہت پیار کرتا ہوں، لیکن شاید اس کو کبھی پا نہ سکوں۔"

"کون ہے وہ جس سے تم اتنا پیار کرتے ہو؟" اب علی کو دلچسپی پیدا ہوگئی۔

"ایک لڑکی!" عاشر نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

"یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ وہ ایک لڑکی ہی ہوگی۔" علی نے تھوڑا ناراضی سے کہا تو عاشر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"سوری بھائی! دراصل میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وہ لڑکی بہت خوب صورت ہے، لیکن اس کا تعلق عیسائی مذہب سے ہے۔" علی نے پیار سے عاشر کا بازو پکڑا اور مسکراتے ہوئے کہا۔

"میری بات مانو تو تم اسے بھول جاؤ۔"

عاشر نے ناراضی سے منہ بنایا اور بولا۔

"صحیح ہے، میں اسے بھول جاؤں گا، لیکن کیا آپ مجھے یہ سمجھا سکتے ہیں کہ میں کیسے اسے بھلا دوں؟" اسے علی کا اس طرح نصیحت کرنا بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔

"وہ اس طرح کہ ہمارے خاندان میں اور بہت سی خوب صورت لڑکیاں ہیں ان کی طرف نظر کرلو تو۔"

"بے شک وہ لڑکیاں بہت خوب صورت ہوں گی، لیکن وہ میرے دل و دماغ میں بس گئی ہے آپ مجھے بھی یہ نہیں سمجھا سکتے کہ میں اس کو کیسے بھلا دوں۔" عاشر اپنا جملہ مکمل کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔

"میں تمہیں ایک دن ضرور سکھا دوں گا۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

"اگر ایسا نہیں کرسکا تو تمہارا بھائی نہیں ہوں گا۔"

☼ ☼ ☼

وہ ابھی اپنی دوست کے ساتھ شاپنگ کرکے گھر لوٹی تو ایک خوبرو نوجوان کو اپنی مما کے پاس بیٹھے دیکھا تو وہیں رک گئی پہلے تو کبھی اس کو نہیں دیکھا تھا۔

"آگئیں ماریہ! ان سے ملو یہ تمہارے ڈیڈی کے دوست جوزف ہیں۔" مما نے تعارف کروایا تو وہ صرف "ہیلو" کہہ کر رہ گئی۔ اس نوجوان کی معنی خیز نظروں نے بہت سارے سوالات اس کے دل و دماغ میں پیدا کردیے تھے۔

"مما میں تھک گئی ہوں تھوڑا آرام کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے وہاں سے کھسکنے میں عافیت جانی۔

کمرے میں آکر وہ آنکھیں بند کرکے لیٹ گئی، اسی وقت مما کمرے میں داخل ہوئیں اور اس کے قریب آکے بولیں۔

"سو رہی ہو بیٹا؟" ماں نے پیار سے پیشانی چومی تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"نہیں مما بس تھوڑی تھکن ہو رہی تھی اس لیے آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔" اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔

"اٹھو نہیں بیٹا! لیٹی رہو مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی تھیں تم فریش ہوجاؤ تو شام کی چائے پر بات کرتے ہیں۔" مما نے پیار سے کہا تو وہ بھی مسکرا دی۔

"جوزف کے گھر میں کل ایک پارٹی ہے اسی پارٹی کے لیے وہ ہمیں انوائٹ کرنے آیا تھا۔"

"لیکن مما آپ تو جانتی ہیں نا مجھے پارٹیوں میں جانے سے کتنی کوفت ہوتی ہے۔ پلیز آپ اور ڈیڈی چلے جائیں نا۔" ماریہ نے اپنی رائے سے آگاہ کیا۔

"لیکن تمہارا وہاں جانا بہت ضروری ہے۔" مما کے منہ سے جملہ مکمل ہوا تو اس کو بڑی حیرت ہوئی کہ آخر اس کا پارٹی میں جانا کیوں ضروری ہے؟ اس سے پہلے کہ وہ مما سے پوچھتی وہ خود بول اٹھیں۔

"ماریہ! بیٹا تم نے شادی کے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

وہ مما کو حیرت سے دیکھنے لگی کہ آج اچانک ہی یہ سوال کیوں پوچھا گیا۔

"لیکن مما آپ یہ کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"ہمارے خاندان کی تمام لڑکیاں جو تمہاری ہم عمر ہیں سب دو دو بچوں کی مائیں بن گئی ہیں۔"

"مما پلیز! آپ تو جانتی ہیں نا کہ ابھی میں نے اس بارے میں کچھ سوچا نہیں ہے اور نہ ہی اگلے دس سال کچھ سوچ سکتی ہوں۔" ماریہ پیار سے اپنی ماں کی بانہوں میں جھول گئی۔

"آپ کو بہت جلدی ہے مجھے گھر سے بھگانے کی۔"

"ایسی بات نہیں ماریہ! کوئی نہیں چاہتا کہ اپنے دل کے ٹکڑے کو اپنے سے جدا کرے، لیکن یہ تو رسم دنیا ہے جس کو نبھانا ہمارا فرض ہے اور ہماری زندگی کا کیا بھروسہ آج ہیں کل نہیں تو۔"

"پلیز آپ ایسی باتیں نہ کریں میرا اس دنیا میں آپ اور ڈیڈی کے سوا کون ہے؟"

"اگر واقعی تمہیں اپنے مما اور ڈیڈی سے پیار ہے تو ہماری بات مان لو۔"

"اوکے میں کوشش کروں گی۔"

"کل جوزف نے اپنے گھر میں ایک دعوت کی ہے بہت سے لوگوں کو انوائٹ کیا ہے تم اس سے مل لو بات کرلو مجھے یقین ہے وہ تمہیں ضرور پسند آئے گا۔ دیکھا بھالا لڑکا ہے اچھا خاندان ہے اپنے باپ کا بزنس سنبھال رہا ہے۔"

"اوکے مما میں آپ کے ساتھ جاؤں گی، لیکن آپ کو بھی میری ایک بات ماننی ہوگی کہ اگر وہ مجھے پسند نہیں آیا تو آپ لوگ زبردستی نہیں کریں گے۔" اس کی مما نے پیار سے اس کو پیشانی چوم لی ان کو اس بات سے خوشی تھی کہ وہ کچھ تو راضی ہوئی۔ رات کو وہ تیار ہو کر کمرے سے نکلی تو مما کو فون پر باتیں کرتے دیکھا۔

"ہم آرہے ہیں بس۔" مما موبائل پر کسی سے بات کررہی تھیں۔ یقیناً وہ جوزف ہی تھا اسے کچھ جھنجلاہٹ سی ہونے لگی نہ چاہتے ہوئے بھی اس کو اس پارٹی میں جانا پڑ رہا تھا۔

"چلو ماریہ! جلدی کرو جوزف کتنی بار فون کرچکا ہے، وہ لوگ ہمارا انتظار کررہے ہیں تمہارے ڈیڈی بھی کب سے تیار ہیں۔"

ماریہ نے پھیکی سی مسکان اپنے چہرے پر سجائی اور کچھ کہے بغیر ماں کے ساتھ باہر آگئی جہاں پر اس کے ڈیڈی گاڑی میں بیٹھے ان دونوں کا ہی انتظار کررہے تھے۔

☼ ☼ ☼

یہ ایک سرد اور چاندنی رات تھی۔ سرد اور خنک ہوا چل رہی تھی۔ سرد موسم کی وجہ سے سڑکیں بھی زیادہ ترسنسان نظر آرہی تھیں۔

"پھر تو چل رہا ہے نا پارٹی میں؟" عاشر کے دوست منیب نے اس کو پھر خیالات کی دنیا سے باہر نکالا۔

"ہوں کیا؟" اس نے تو اس کی بات سنی ہی نہیں تھی۔

"اف ایک تو تیرے ساتھ کیا مسئلہ ہے بھائی ہر وقت تیرے سر پر اس لڑکی کی محبت کا بھوت سوار رہتا ہے۔" منیب اس کی اس لاپرواہی پر بے زار نظر آرہا تھا۔

"میں کہہ رہا ہوں کہ جس کمپنی میں، میں کام کرتا ہوں وہاں کے اونر نے ایک شاندار پارٹی رکھی ہے اپنے تمام ورکرز کو بھی انوائٹ کیا ہے۔"

"پھر میں کیا کروں؟" عاشر نے لاپرواہی سے کہا تو جیسے اس کی جان ہی جل گئی۔

"یار میں جتنی کوشش کررہا ہوں کہ تجھے خوشی کے لمحے دے سکوں تو اتنا ہی انجان بن رہا ہے انسان جب تک خود سے نہ چاہے وہ اپنی حالت درست نہیں کرسکتا۔ یہ دنیا بڑی ظالم ہے یار کسی کو کسی کی فکر نہیں سب اپنی اپنی خواہشات کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ لوگ کسی کی پریشانی کو سنتے تو بہت شوق سے ہیں لیکن ان کے دل میں درد وہی رکھتے ہیں جو کسی کو دل سے چاہتے ہیں۔ کوئی رشتہ خالص نہیں ہے یار۔" ہر وقت ہنسنے ہنسانے والا منیب آج نجانے کیوں اتنی گہری بات کررہا تھا۔

"آئی ایم سوری یار! میری وجہ سے ہمیشہ تمہیں اداسی ملتی ہے۔" عاشر کو اب اپنی بے حسی کا احساس ہو رہا تھا۔

"اچھا چل اب تیار ہو جا ذرا اچھا سا تیار ہونا۔ بڑے لوگوں کی پارٹی ہے ایک بات بتاؤں کھانے کا مینو بھی زبردست ہے۔"

منیب خوش خوراک ہونے کے ساتھ ساتھ مزے دار کھانوں کا بھی دلدادہ تھا۔

پارٹی واقعی بہت ہی شاندار تھی۔ کشادہ لان کو بڑی خوب صورتی کے ساتھ رنگ برنگے قمقموں سے دلہن کی طرح سجایا گیا تھا چاروں طرف راہداری میں پھولوں کی مہک دل و دماغ کو مسحور کررہی تھی۔

لان کے ایک طرف کچھ لڑکے موسیقی کی دھیمی دھن سے سب کو محظوظ کررہے تھے۔

ماریہ اپنے ممی اور ڈیڈی کے ساتھ جب "جوزف ولا" میں داخل ہوئی تو وہاں موجود تمام لوگوں کی نگاہ اس پر رک گئی۔ پنک اور آف وائٹ رنگ کی نیٹ کی فراک میں وہ پری لگ رہی تھی۔ میک اپ سے عاری معصوم چہرہ ایسا چمک رہا تھا جیسے چودھویں رات میں چاند، سب کی اپنی طرف دیکھ کر وہ جھنجلا گئی تھی وہ اتنی ساری نظروں کا سامنا نہیں کرسکتی تھی۔

"پارٹی میں آپ لوگوں کو خوش آمدید، ہمیں بہت خوشی ہوئی کہ آپ لوگ آئے۔" جوزف کے ممی اور ڈیڈی نہایت خوش اخلاق تھے۔

"ارے یہ ماریہ کیوں اتنی خاموش خاموش ہے بیٹا تم نے کچھ نہیں لیا؟" ماریہ کی خالی پلیٹ ہاتھ میں دیکھ کر جوزف کی مما بول پڑیں۔

"اٹس اوکے آنٹی آپ فکر نہ کریں، میں لے لوں گی۔"

دھیمی میوزک میں کپل ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ڈانس کررہے تھے، لیکن وہ بہت بور ہورہی تھی۔

"Can i dance with you" جوزف نے اس کو ڈانس کی پیش کش کی۔

"یار تو کتنا بور رنگ ہے اتنی اچھی پارٹی ہے اور تو ہے کہ..." منیب اب واقعی بے زار لگ رہا تھا۔

"تو کیا کروں؟ کیا اچھلوں کودوں؟ بس یار اب گھر چلتے ہیں۔" عاشر جملہ مکمل کرکے کھڑا ہوا تو جیسے پتھر کا بت بن گیا وہ پری چہرہ اس کو اپنے سامنے نظر آگیا۔

"کیا ہوا اب؟ گھر جانے کا کہہ رہا تھا نا چل اب کھڑا کیوں ہے؟"

منیب نے بھی اس کی کیفیت بھانپ لی تھی اب وہ اس کو چھیڑ رہا تھا۔

"اب اتنی بھی دیر نہیں ہوئی ایسا کرتے ہیں کچھ دیر رک جاتے ہیں۔" عاشر بات تو منیب سے کررہا تھا، لیکن اس کی نظریں ماریہ سے نہیں ہٹ رہی تھیں جو جوزف کے ساتھ دھیمی میوزک میں ڈانس کررہی تھی۔

"یہ وہی لڑکی ہے نا؟ جس کی وجہ سے تو اتنا اپ سیٹ رہتا ہے۔ یار یہ تو بڑے گھرانے کی لگتی ہے اور ہمارے مذہب کی بھی نہیں میرا مشورہ مان تو تو اسے بھول جا۔" منیب اس کو حقیقت سے آگاہ کررہا تھا۔

"اپنا مشورہ اپنے پاس رکھو اور آئندہ اگر ایسی بات کی تو سوچ لینا پھر ہماری دوستی ختم۔" عاشر کو منیب کا اس طرح نصیحت کرنا بہت برا لگا۔

ماریہ کی نظریں اچانک عاشر پر پڑیں جو اسے ہی گھور رہا تھا تو اس نے فوراً" دوسری طرف رخ کرلیا۔

ڈانس کے دوران ماریہ کی نظریں بار بار عاشر کی نظروں سے ٹکراتیں اور پھر جھک جاتیں۔

ڈانس کرنے والے کپل آخر میں بہت زیادہ تیزی سے ایک دوسرے کی بانہوں میں جھول رہے تھے۔ آخر کار موسیقی بجانے والے رک گئے اور سب نے مل کر زوردار تالیاں بجائیں۔ مستقل ڈانس کرنے کی وجہ سے سب کی سانسیں پھول رہی تھیں۔ ماریہ ایک سائیڈ ٹیبل کے پاس آگئی اور اپنی پھولی ہوئی سانسیں سنبھالنے لگی اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ عاشر کی نظریں اب تک اس کے تعاقب میں تھیں۔ جوزف بہت دیر سے اسے ہی نوٹس کر رہا تھا جب برداشت سے باہر ہو گیا تو اس کے قریب آکر بولا۔

"کون ہو تم اور اس پارٹی میں کیا کر رہے ہو؟"

"یہ میرے ساتھ ہیں۔" اس سے پہلے کہ عاشر جواب دیتا منیب نے فوراً" کہا۔

"اوہ! تو یہ تمہارے ساتھ ہے جب ہی تو میں کہوں کہ یہ ہمارے اسٹینڈرڈ کا نہیں ہے۔" جوزف نے حقارت سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیوں کیا تم لوگوں کے سر پر سینگ ہیں جو ہم سے الگ ہو؟" عاشر کو اس کا اس طرح منیب سے بات کرنا بہت برا لگا۔

"کیا کہا تم نے؟ ایک تو ہمارے گھر میں بغیر بلائے آئے ہو دوسرا اکڑ دکھا رہے ہو تم مڈل کلاس لوگ ایسے ہی ہوتے ہو۔" جوزف کو اپنی دولت و مرتبہ پر بڑا غرور تھا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے۔"

اچانک ہی جوزف نے عاشر کا گریبان پکڑ لیا اس کو اپنی بے عزتی پر بہت غصہ آرہا تھا اور اس بات کا افسوس بھی ہو رہا تھا کہ وہ یہاں آیا ہی کیوں؟

"جانے دو بیٹا سارے مہمانوں کے سامنے یہ تماشا کرنا اچھا نہیں لگتا۔" یہ جوزف کے ڈیڈی تھے۔

"اس وقت تو تمہیں چھوڑتا ہوں آئندہ آس پاس بھی نظر آئے تو بہت برا ہوگا۔" جوزف نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

ماریہ کو جوزف کا اس طرح بات کرنا بہت برا لگا اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"بے چارے کو اتنے لوگوں میں ذلیل ہونا پڑا وہ بھی اس کی وجہ سے اس کا قصور ہی کیا تھا صرف اس کو دیکھ ہی رہا تھا۔" دل نہ جانے کیا کیا ملامت کیے جا رہا تھا اور وہ یہ سوچ کر حیران ہو رہی تھی کہ اس کے دل میں اس کے لیے ایسے جذبات کیوں کر پیدا ہو رہے ہیں۔

بہرحال جو کچھ ہوا اچھا نہیں ہوا کاش ایسا کچھ نہیں ہوا ہوتا اس کے جانے کے بعد اس کا دل کسی بھی چیز میں نہیں لگ رہا تھا۔

گھر واپس آکر بھی اس کا چہرہ اس کے سامنے گھوم رہا تھا۔ ہر طرف بس وہی نظر آرہی تھی پوری رات وہ جاگتا رہا۔

زندگی کا دھڑکن سے رابطہ تو ہوتا ہے
چاہتوں کا خوشبو سے سلسلہ تو ہوتا ہے
بے سکون سا رہتا ہے جھوٹ بول کر مجھ سے
آئینوں کا بالآخر سامنا تو ہوتا ہے
عمر بھر نہ مل پائیں ایسا ہو بھی سکتا ہے
جنگلوں کے دامن میں راستہ تو ہوتا ہے
رات کے نجانے کس پہر اس کی آنکھ لگ گئی

☼ ☼ ☼

"عاشر اٹھو تمہاری بھابھی نے ناشتا تیار کرلیا ہے۔" علی نے عاشر کو پیار سے جگایا۔

"اوکے بھائی آپ چلیں میں بس فریش ہو کر آتا ہوں۔"

"رات پارٹی کیسی تھی۔" ناشتے کی ٹیبل پر بھابھی نے اس سے پوچھا تو پھر وہ غزالی آنکھیں اس کی نظروں کے سامنے لہرا گئیں۔

"تمہاری بھابھی کچھ پوچھ رہی ہیں تم سے؟" بھائی نے اسے خیالوں سے جگایا۔

"جی۔۔۔ وہ بس صحیح تھی۔" عاشر کو کوئی جواب نہیں سوجھا کہ وہ کیا کہے۔

"ناشتا کرلو تو بازار سے مجھے کچھ سامان لا دینا شام کو بجو آرہی ہیں مجھے ڈنر کی تیاری کرنی ہے۔" بھابھی نے عاشر کو کہا تو اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

شام کو بجو اور عمران بھائی اپنے دونوں بچوں کے ساتھ آئے تو گھر میں رونق ہو گئی۔ بجو دونوں بھائیوں سے بڑی تھیں۔ اکلوتی ہونے کے باوجود انہوں نے کبھی لاڈ اور نخرے نہیں اٹھوائے تھے۔ بہت چھوٹی تھیں جب ماں کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا تو انہوں نے ہی گھر کو سنبھالا تھا۔ یہ ان کی خوش نصیبی تھی کہ بجو کی شادی کے بعد بھابھی نے بھی اپنے فرائض بڑے خوش اسلوبی سے نبھائے تھے۔

بجو کے آنے سے گھر میں کافی رونق ہو گئی تھی۔ بھابھی نے بریانی، کباب اور کھیر بنائی تھی۔ سلاد اور رائتہ بنانے کے بعد انہوں نے کھانے کی ٹیبل سجائی تھی۔ سب نے مل کر کھانا کھایا۔ رات بہت ہو گئی تھی اس لیے انہوں نے جانے کی اجازت مانگی۔

بجو کے جانے کے بعد گھر میں سناٹا چھا گیا تھا۔ بھابھی سارا دن کی تھکی ہوئی تھیں، تو کچن سمیٹنے کے بعد اپنے روم میں آرام کے لیے چلی گئیں۔ علی کو بھی صبح آفس جانا تھا اس نے بھی سونے کا ارادہ کیا، لیکن ایک عاشر تھا جس کو تو نیند بہت مشکل سے آئی تھی۔

کافی دیر تک کمرے میں ادھر ادھر کروٹ بدلنے کے بعد بھی جب نیند نہیں آئی تو وہ باہر نکل آیا۔

اس کا گھر جانے کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا۔

"میرا دل تو وہیں ہے جہاں پر "وہ" ہے پھر میں کیسے اپنا دل چھوڑ دوں۔" اس نے اپنے آپ سے کہا۔ وہ ایک گارڈن کے بینچ پر بیٹھ گیا۔

"عاشر اوئے عاشر۔" منیب اور شہزاد اس کو پکار رہے تھے۔

"عاشر پاگل دیوانہ عاشق کہاں ہو تم؟ میں تمہیں ماریہ کی خوب صورت آنکھوں کی قسم دیتا ہوں کہ باہر آجاؤ۔"

"تم لوگ اتنی رات گئے یہاں کیا کر رہے ہو؟" عاشر نے حیرانی سے پوچھا۔

"جو تو کر رہا ہے۔" منیب کو تو اس کا ہر وقت سوالات کرنا برا لگتا تھا۔

"ویسے یار ہم تو تمہارے لیے ایک گڈ نیوز لے کر آئے تھے۔" شہزاد نے کہا تو عاشر نے اسے شک بھری نظروں سے گھورا۔

"تجھے یقین نہیں آرہا؟ چل میں بتا دیتا ہوں۔ ہم نے ماریہ کے نئے گھر کا ایڈریس معلوم کرلیا ہے۔" منیب نے اس کے دل کی بات کہہ دی۔

"چلو پھر ابھی چلتے ہیں۔" عاشر تو جیسے پاگل ہو رہا تھا اس کے دیدار کے لیے۔

"او بھائی کیا پاگل ہو گیا ہے؟ وقت دیکھا ہے۔ رات کے بارہ بج رہے ہیں۔" منیب کو تو اس سے اللہ واسطے کا بیر تھا۔

"پلیز یار مجھ پر یہ احسان کردو۔" اب عاشر بہت بے بس معلوم ہو رہا تھا۔

"اوکے۔ چلو چلتے ہیں، لیکن دور سے ہی دیکھ لینا اس کے گھر والے ویسے ہی بڑے خونخوار معلوم ہوتے ہیں۔"

کچھ دور کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک خوب صورت بنگلہ نظر آیا۔

"تو یہ ہے اس کا گھر؟" عاشر نے حسرت سے دیکھا۔

"گھر نہیں محل ہے یار۔" منیب کو تو جیسے اس کی زبان پکڑنے کی عادت تھی۔ اچانک ایک بیڈ روم کی لائٹ روشن ہوئی۔

"یہ کیسی روشنی ہے؟" اس نے رات کی تاریکی سے سرگوشی کی۔

"یہ مشرق ہے اور ماریہ ایک سورج ہے۔ رات کی تاریکی میں باہر آجاؤ اور اس جیلس چاند کی روشنی کو ختم کردو جو پہلے ہی افسردہ ہے کیونکہ تم اس چاند سے زیادہ خوب صورت ہو۔" عاشر بے خودی میں کیا کیا کہے جا رہا تھا۔ خود اس کو بھی اس کی خبر نہ تھی۔

پھر وہ دیوار سے بنگلہ کے بڑے سے لان میں کودا۔ اچانک اس کی نظر اس بالکونی پر پڑی جہاں پر وہ کھڑی

تھی اور حیرت سے چاند کو تک رہی تھی۔

"اوہ یہ تو وہی ہے... میرا پیار۔" اس نے سرگوشی کی۔

"کیا وہ بھی میرے لیے بے چین ہے۔ اس کی آنکھوں کی طرف دیکھو۔ کتنی چمک ہے اس کی آنکھوں میں۔ مجھے یقین ہے کہ آسمان میں چمکنے والے یہ ستارے اس کی آنکھوں کی چمک سے روشن ہیں۔"

اچانک ماریہ کی نظر اس پر پڑی۔

"اوہ تم! تم یہاں کیوں آئے ہو؟" ماریہ نے دھیمی آواز میں پکارا۔

"تم سے یہ کہنے کہ مجھے تم سے بہت پیار ہے۔ کیا تم بھی مجھ سے پیار کرتی ہو؟" عاشر نے اپنے پیار کا اقرار کیا۔

"تم یہاں پر آئے کیسے؟" ماریہ کو حیرت ہو رہی تھی کہ گیٹ پر گارڈ کا سخت پہرہ تھا۔

"تمہاری محبت مجھے یہاں کھینچ لائی ہے۔" ماریہ کے چہرے پر شرم کے کئی رنگ بکھر گئے۔

"ماریہ! کہاں ہو تم؟ کیا کر رہی ہو؟" پیچھے سے ماریہ کی مما نے اسے پکارا۔

"جی مما... میں یہاں ہوں آ رہی ہوں۔" ماریہ کو ڈر تھا کہ اگر مما نے دیکھ لیا تو اچھا نہیں ہوگا۔

"پلیز... اب یہاں سے چلے جاؤ۔"

"چلا جاؤں گا لیکن ایک بار صرف ایک بار کہہ دو تمہیں مجھ سے پیار ہے۔"

"I Love U لیکن..." ماریہ نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"لیکن کیا؟ میں بہت غریب ہوں۔" عاشر بہت بے چین ہو رہا تھا۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ لیکن تم تو جانتے ہو نا کہ ہم دونوں کے درمیان مذہب کی ایک بڑی دیوار ہے۔"

"میں کچھ نہیں جانتا، تم کسی بھی مذہب سے ہو۔ پیار اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے۔"

"کہہ دینا آسان ہے لیکن اس پر عمل کرنا بہت مشکل ہے۔" ماریہ کو تشویش ہو رہی تھی۔

"تمہیں مجھ پر یقین نہیں ہے؟" عاشر کے چہرے پر افسردگی نمایاں تھی۔

"ایسی بات نہیں ہے۔ میں تم سے بہت پیار کرتی ہوں۔ اپنی جان سے زیادہ، لیکن ڈرتی ہوں کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟" ماریہ کہتے کہتے رک گئی۔ اس کے چہرے پر خوف کے آثار تھے۔ وہ پارٹی والی رات بھولی نہیں تھی۔ جب جوزف نے عاشر کو بری طرح پیٹا تھا۔

"پیار کرنے والے انجام کی فکر نہیں کرتے۔ جب تم میرے ساتھ ہو تو میں زمانے سے ٹکرا جاؤں گا۔"

"میں قسم کھاتا ہوں اس خوب صورت اور حسین چاند کی کہ..."

"پلیز اس چاند کی قسم نہ کھاؤ۔ یہ تو ہر مہینے تبدیل ہوتا رہتا ہے۔" ماریہ نے سرگوشی کی۔

"میں نہیں چاہتی کہ میرا پیار بھی اس طرح بدلتا رہے۔"

"پھر میں کس کی قسم کھاؤں؟" عاشر نے بے چینی اور بے قراری سے پوچھا۔

"تمہیں قسم کھانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے تم پر پورا یقین ہے۔ اب تم یہاں سے چلے جاؤ یہاں خطرہ ہے۔ ہم پھر ملیں گے۔" ماریہ نے ادھر ادھر دیکھا اور خوف زدہ ہو کر بولی۔ اسے ڈر تھا کہ کوئی انہیں دیکھ نہ لے۔

"او کے گڈ نائٹ۔ گاڈ تمہارے دل کو سکون دے۔"

"تم مجھے اس طرح چھوڑ کر جا رہی ہو۔" عاشر نے بے قراری سے کہا۔

"تو تم ہی بتاؤ میں کیا کر سکتی ہوں؟" اس کی بے قراری ماریہ کو اور بھی دکھی کر رہی تھی۔

"مجھے تمہارا وعدہ چاہیے۔" عاشر کو اپنی قسمت پر یقین نہیں تھا۔

"لیکن میں تو پہلے ہی تم سے وعدہ کر چکی ہوں ساتھ نبھانے کا۔"

اس کے پیار کو دیکھ کر ماریہ کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"لیکن میں چاہتا ہوں کہ بار بار تم یہ اقرار کرو۔"

عاشر نے اس کے معصوم چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور اس کے بہت قریب آ کر اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ جس میں اس کے لیے بہت زیادہ پیار بھی تھا اور شرم بھی۔

"تمہاری ان جھیل جیسی آنکھوں میں ہمیشہ کے لیے ڈوبنا چاہتا ہوں۔ یہی میری منزل ہے۔" عاشر نے اس کے سرخ ہوتے گالوں کو محبت سے دیکھا۔

عاشر بہت ہی رومانٹک ہو رہا تھا۔

"ماریہ کہاں ہو؟" اس سے پہلے وہ اس سے کچھ کہتی۔ پیچھے سے مما کی آواز سن کر اس نے سکون کا سانس لیا۔

"او کے مما بلا رہی ہیں، پھر ملیں گے۔"

"لیکن کب اور کہاں؟" عاشر کا تو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اس سے الگ ہو۔

"میں تمہیں کال کر لوں گی۔" جملہ مکمل کر کے وہ بالکونی سے کمرے میں داخل ہو گئی۔

"میں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔" اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس کی محبت کو اپنا لے گی۔

وہ بالکونی سے لان میں آیا اور لان کی دیوار پھلانگ کر باہر نکل گیا۔

آج وہ بہت خوش تھا۔ سڑک سے گزرتے ہوئے اسے ہر شے خوب صورت لگ رہی تھی۔ تازہ ہوا اس کے دل و دماغ کو مسحور کر رہی تھی۔

گھر پہنچ کر بھی اس کے دل و دماغ سے اس کے خیالات دور نہیں ہو رہے تھے۔ وہ سونا نہیں چاہتا تھا۔ ماریہ کے ساتھ گزرا ہوا ایک ایک لمحہ اس کو یاد آ رہا تھا۔ وہ ان یادوں میں کھو جانا چاہتا تھا۔

☼ ☼ ☼

مسٹر شاداب نے اپنے گھر کے ایک چھوٹے، لیکن خوب صورت لان میں پودے اور پھول اگائے تھے۔ ان کے اس چھوٹے سے لان میں جڑی بوٹیاں بھی اگائی گئی تھیں۔ جن کی مدد سے وہ مختلف دوائیاں بناتے تھے۔ وہ کچھ جڑی بوٹیوں کو توڑ کر ایک باسکٹ میں جمع کر رہے تھے۔ تب ہی عاشر وہاں پہنچ گیا۔

"گڈ مارننگ بابا!" اس نے ان کے کندھے پر اپنی بانہیں ڈال کر پیار سے کہا۔

"گڈ مارننگ بیٹا! کیا بات ہے۔ آج تو صبح ہی صبح جاگ گئے اور کافی خوش نظر آ رہے ہو۔" اس کے بابا نے اس سے دریافت کیا۔ ورنہ تو وہ ہر وقت منہ بسورے اپنے بیڈ روم میں پڑا رہتا تھا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" اب وہ اسے چھیڑ رہے تھے۔

"جی بابا میں بالکل ٹھیک ہوں اور رات میں بہت اچھی نیند لی۔ اب میں بہت فریش محسوس کر رہا ہوں۔"

"گڈ! میں اس خوشی کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔" مسٹر شاداب نے باسکٹ ایک کونے میں رکھی اور اس کا کندھا تھپتھپایا۔

"کچھ نہیں بس..." رات کا تمام نقشہ آنکھوں کے سامنے لہرا گیا۔ ایک چمک اس کی آنکھوں میں جھلملانے لگی۔

"کچھ بات تو ضرور ہے۔ میں تمہارا باپ ہوں، گودوں میں تمہیں کھلایا ہے۔"

"بابا... اگر میں آپ سے کچھ مانگوں تو آپ وعدہ کریں کہ مجھے دیں گے اور ناراض نہیں ہوں گے۔" ماریہ کے بارے میں بتانے میں اسے جھجک ہو رہی تھی۔

"ایسی کیا بات ہے جس سے میں ناراض ہو سکتا ہوں۔" اب ان کو تشویش ہونے لگی تھی۔

"مجھے پیار ہو گیا ہے میں نے اسے پارٹی میں دیکھا تھا۔ میں اس سے بہت پیار کرتا ہوں اور وہ بھی مجھ سے اتنا ہی پیار کرتی ہے۔" عاشر نے رک رک کر اپنا جملہ مکمل کیا۔

"لیکن اس میں ناراض ہونے والی کیا بات ہے۔" بابا کو اس کی بات سمجھ نہیں آئی۔

"وہ دراصل... وہ مسلمان نہیں ہے۔ عیسائی مذہب سے اس کا تعلق ہے۔" اس کے بابا ایک مذہبی آدمی تھے۔ اس لیے اسے ڈر تھا کہ وہ ناراض ہو جائیں گے۔

"اچھا تو یہ بات ہے۔ کیا اس کے گھر والے یہ سب جانتے ہیں؟ یعنی کہ ان کی بیٹی ایک مسلمان سے شادی کرنا چاہتی ہے؟" اس کے بابا کو اب تجسس ہو رہا تھا۔ وہ سب کچھ جاننا چاہتے تھے۔

"نہیں بابا! وہ نہیں جانتے۔ لیکن مجھے یقین ہے وہ اپنی بیٹی کی خوشی کے لیے مان جائیں گے۔"

"یہ تو تم کہہ رہے ہو نا۔" بابا کو اس کی بات پر یقین نہیں آرہا تھا۔

"وہ میرے لیے مسلمان ہونے کے لیے بھی راضی ہے۔"

"یہ تو اچھی بات ہے کہ ایک عیسائی کو تم مسلمان بناؤ گے۔ لیکن میں تمہیں اجازت تب ہی دوں گا جب اس کے والدین راضی ہوں گے۔ آخر کار انہوں نے اپنی بیٹی کو پال کر اتنا بڑا کیا ہے۔ ان کو پورا حق حاصل ہے اپنی بیٹی کے بارے میں فیصلے کرنے کا۔" بابا نے اپنی بات مکمل کی اور باسکٹ لے کر اپنے کمرے میں داخل ہو گئے۔

اسے صبح سے ماریہ کے فون کا انتظار تھا۔ آخر شام ہو گئی ہے۔ اس نے فون کیوں نہیں کیا۔ عاشر کی طبیعت میں جلد بازی کا عنصر نمایاں تھا۔ وہ ہمیشہ سے یہ چاہتا تھا کہ جو بھی کام وہ کرنا چاہتا ہے وہ فوراً" ہی ہو جائے۔ صبر نام کی کوئی چیز اس کے اندر نہیں تھی اور کئی بار اس وجہ سے وہ نقصان اٹھا چکا تھا۔

کافی انتظار کے بعد جب فون نہیں آیا تو اس نے خود ہی فون کرنے کا ارادہ کیا۔ دوسری طرف اس کی مما تھیں تو اس نے فون کاٹ دیا۔ کئی بار کوشش کی لیکن ہر بار کوئی اور ہی فون ریسیو کرتا۔ اب اس کو غصہ آرہا تھا کہ وعدہ کر کے بھی ماریہ نے اس کو فون نہیں کیا تھا۔

"عاشر کھانا کھالو' ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" بھابھی کئی بار اس کو رات کے کھانے کے لیے بلا چکی تھیں۔ لیکن اس کو تو بھوک ہی نہیں لگ رہی تھی۔

اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ بے قراری سے اس نے فون اٹھایا۔ دوسری طرف ماریہ تھی۔

"ہیلو... ہیلو..." ماریہ مستقل ہیلو ہیلو کہہ رہی تھی اور وہ تھا کہ جواب نہیں دے رہا تھا۔

"فرصت مل گئی آپ کو۔" وہ اپنا سارا غصہ اس پر نکال دینا چاہتا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ گھر میں مہمان آئے ہوئے تھے۔ پورا گھر بھرا ہوا تھا۔ میں کیسے کال کرتی۔" ماریہ کو اس طرح ڈانٹنا برا لگا۔

"کال نہیں کر سکتی تھیں تو ایک میسج کر دیتیں' معلوم ہے صبح سے کتنا انتظار کر رہا ہوں۔" اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو نرم لہجے میں پیار سے بولا۔

"او کے بابا! اب یہ غلطی دوبارہ نہیں ہو گی۔" ماریہ کی طبیعت عاشر سے متضاد تھی۔ اس کے رویہ میں ٹھہراؤ تھا۔

"میں نے اپنے بابا سے بات کی تھی ہمارے بارے میں۔" عاشر نے اس کو بتایا تو وہ کچھ سوچ میں پڑ گئی۔

"تم خاموش کیوں ہو۔" عاشر کو تشویش ہونے لگی۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔ بس میں یہ سوچ رہی ہوں کہ مما اور ڈیڈی کو کس طرح بتاؤں؟" اس نے کبھی اپنے ممی' ڈیڈی مزاج کے خلاف کوئی کام نہیں کیا تھا۔

"تو کیا تم نے ابھی تک بات نہیں کی؟ یار میں تمہارے بغیر اب ایک پل بھی نہیں رہ سکتا ہے۔"

"کل کرسمس ڈے ہے۔ اس کی تیاری میں ہی آج مصروف رہے۔ میں نے بات کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ لیکن کل ضرور مما سے بات کروں گی۔"

☼ ☼ ☼

"ماریہ کیا تم پاگل تو نہیں ہو گئیں؟ وہ لڑکا کسی بھی لحاظ سے تمہارے قابل نہیں ہے۔" مما کو اس پر حیرت ہو رہی تھی۔

"لیکن مما اس میں برائی کیا ہے؟" ماریہ نے دل مضبوط کر کے آخر مما سے پوچھ ہی لیا۔

"سب سے پہلی بات تو یہ کہ وہ ہمارے مذہب کا نہیں دوسرا یہ کہ تم یہاں کتنے لاڈ پیار میں پلی بڑھی ہو۔ آگے پیچھے نوکروں کی لائن لگی رہتی ہے تمہارے اردگرد۔ بیٹا پیار سے پیٹ نہیں بھرتا۔ کیا وہ یہ سب عیش تمہیں دے سکتا ہے؟" اس کی مما کو بہت فکر ہو رہی تھی۔ انہوں نے کبھی بھی ماریہ کی کوئی خواہش رد نہیں کی تھی۔ اب جب اتنا اہم فیصلہ اس نے کیا تو وہ اسے سمجھانے لگیں۔

"لیکن مما وہ پڑھا لکھا ایک سمجھ دار لڑکا ہے۔ خاندان بھی شریف ہے اور سب سے بڑھ کر مجھ سے بہت پیار کرتا ہے۔ مجھے اس کے سوا اور کیا چاہیے۔" ماریہ نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا اور اس کے اٹل فیصلے کے آگے اس کے مما ڈیڈی بھی جھک گئے۔ وہ اپنی بیٹی سے بہت پیار کرتے تھے۔

آخر وہ دن بھی آگیا جب دونوں خاندانوں کی مرضی سے ماریہ اور عاشر کی شادی طے پا گئی۔ شادی بہت سادگی سے ہوئی۔ کیونکہ دونوں کے خاندان ہی اس کے خلاف تھے اور یوں ماریہ دلہن بن کر مریم عاشر کے نام سے اس گھر کی فرد بن گئی۔

گھر میں سب ہی لوگوں سے اس کو بہت پیار ملا۔ پیار کرنے والے بابا' بڑی بہن جیسی بھابھی اور پیار کرنے والا شوہر اس کو تو دنیا میں ہی جنت مل گئی تھی۔

بھابھی نے اس کو بیڈ سے اترنے نہیں دیا۔ اس کی پسند کی ہر شے اس کے آگے رکھ دیتیں۔

"ثنا بیٹا تم سے ایک بات کرنی تھی۔" بابا نے بھابھی سے کہا تو انہیں بہت حیرت ہوئی کہ انہیں اس گھر میں آئے پانچ سال کا طویل عرصہ گزر چکا تھا اور بابا نے کبھی بھی کسی بات کو کرنے کے لیے تمہید پیش نہیں کی تھی۔

"جی بابا بولیں۔" بھابھی نے نہایت عاجزی سے کہا۔

"بیٹا مجھے معلوم ہے۔ تم اپنی ذمہ داری بہت اچھی طرح سے نبھا رہی ہو۔ لیکن اپنے آپ کو اتنا نہ تھکاؤ۔ دوسروں کو بھی ان کی ذمہ داری سنبھالنے کا احساس دلاؤ۔"

بابا کی باتیں ان کی سمجھ میں آگئی تھیں۔ ان کا اشارہ مریم کی طرف تھا۔

"اچھا بابا' میں کوشش کروں گی۔" بھابھی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یار عاشر تم آفس کب سے جاؤ گے۔ میرے خیال سے شادی میں کافی چھٹیاں کر چکے ہو۔ اب تم کو آفس جانا چاہیے۔" کھانے کی میز پر علی نے عاشر کو سمجھایا۔

"جی بھائی ان شاء اللہ کل سے جاؤں گا۔" عاشر مستقل کھانے میں مصروف تھا۔

شام کو بھابھی کے گھر سے فون آیا تو سب ہی افسردہ ہو گئے۔ بھابھی کے والد کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور وہ ICU میں تھے۔ بھائی نے فوراً" ہی لاہور کی فلائٹ کے ٹکٹ بک کروائے اور۔۔۔ صبح کی فلائٹ سے بھائی' بھابھی اپنے دونوں بچوں سمیت لاہور روانہ ہو گئے۔

"مریم... مریم۔" عاشر نے زور سے پکارا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔

"کیا ہو گیا؟ کیوں چلا رہے ہیں؟" اس کو تو صبح دیر تک سونے کی عادت تھی۔

"یار ٹائم تو دیکھو' میں آفس کے لیے لیٹ ہو رہا ہوں ناشتا بنا دو۔" اب اس کو یاد آیا کہ آج تو بھابھی گھر میں نہیں ہیں۔ وہی ناشتا بناتی تھیں۔

"لیکن مجھے تو کچھ بھی نہیں آتا۔ میں چائے بناتی ہوں' آپ ناشتا لے آئیں۔" مریم کو احساس ہوا کہ بھابھی نہیں ہیں تو اس کی ذمہ داری ہے۔

"اتنا ٹائم نہیں ہے میرے پاس' تم مجھے صرف چائے دے دو ایک کپ۔" چائے کا ایک کپ پی کر وہ آفس کے لیے روانہ ہو گیا۔ اس نے یہ نہیں سوچا کہ اس کے جانے کے بعد مریم کیا کرے گی۔

"بابا آپ ناشتے میں کیا کھائیں گے۔" اس کو اپنی کمی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔ اس نے کبھی کچھ

سیکھا نہیں تھا۔

"بیٹا میں ناشتا لے آتا ہوں، تم نے چائے تو بنالی ہے نا؟" وہ بڑے جہاندیدہ شخص تھے۔ اسی لیے وہ کہتے تھے کہ مریم کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہو جائے۔

"جی بابا! میں نے چائے بنالی ہے۔" مریم نے گردن جھکاتے ہوئے جواب دیا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر وہ کچن میں آگئی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کو کچھ بنانا نہیں آتا۔ لیکن بنانا ضروری بھی تھا۔ عاشر بغیر ناشتے کے آفس چلا گیا تھا۔

"کاش میں نے بھابھی سے کچھ سیکھ لیا ہوتا۔" اس نے دل ہی دل میں کہا۔ رات کے کھانے کی تیاری کے لیے اس نے کچن کا رخ کیا۔ فریج میں چکن رکھا ہوا تھا۔ باقی ساری چیزیں بھی وہاں موجود تھیں۔ اس نے اپنی دوست نیہا کو کال ملائی۔

"آج اتنے دنوں بعد ہماری کیسے یاد آگئی۔" نیہا کا شکوہ حق بجانب تھا۔

"یار شکوے شکایات بعد میں کرنا۔ پہلے مجھے چکن بنانے کی ریسیپی بتادو۔"

"اوہ! کیا بات ہے جناب، کھانا پکایا جارہا ہے؟" نیہا جانتی تھی کہ اس کی دوست نے کبھی کچن میں جھانک کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

"یار کیوں ٹائم ضائع کررہی ہے۔ ترکیب بتانی ہے تو بتا، ورنہ میں فون بند کررہی ہوں۔"

"او کے بابا۔۔۔ چل نوٹ کر۔" نیہا اس سے بہت بے تکلف تھی۔

نیہا کی بتائی ہوئی ریسیپی سے اس نے مرغی کا سالن تیار کرلیا تھا۔ وہ بہت خوش تھی۔ ہر کام کو سلیقے سے کرنے کی اس کی عادت تھی۔ چولہے کو ہلکی آنچ پر کرکے وہ اپنے کمرے میں آگئی۔ وہ بہت تھک گئی تھی کبھی بھی اس نے کھانے پکانے کا کام نہیں کیا تھا۔ آج وہ بہت مسرور تھی کہ عاشر اس کے کھانے کو ضرور پسند کرے گا۔

الماری سے خوب صورت کام والا کاٹن کا سوٹ نکالا اور پھر تیار ہوگئی۔

گھڑی میں دیکھا تو عاشر کے گھر آنے میں ابھی دو گھنٹے باقی تھے۔ بیڈ پر نیم دراز ہوگئی اور کب اس کی آنکھ لگ گئی۔ اس کو پتا ہی نہیں چلا۔

"مریم۔۔۔ مریم بیٹا۔" بابا دروازے پر دستک دے رہے تھے۔

"جی بابا اندر آجائیں۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"بیٹا تم نے چولہے پر کچھ پکانے کے لیے رکھا تھا۔" بابا کی یاد دہانی پر اس کو خیال آیا کہ وہ چولہے کو بند کرنا بھول گئی تھی۔

"جی بابا، ایک منٹ میں ابھی آتی ہوں۔" وہ تیزی سے کچن کی طرف دوڑی، جہاں پر کچھ جلنے کی بو آرہی تھی۔ چولہا بند تھا۔ اس نے پتیلی کھول کر دیکھی تو اس کی تمام محنت خاک میں مل چکی تھی۔ سارا سالن جل گیا تھا۔

"بیٹا میں کمرے میں تھا۔ جب جلنے کی بو آئی تو میں نے چولہا بند کردیا۔" بابا نے اس کو بتایا تو وہ روہانسی ہورہی تھی۔ "کوئی بات نہیں بیٹا، تم فکر نہیں کرو تمہارا کوئی قصور نہیں، تم نے تو بہت محنت کی تھی۔" وہ اس کو سمجھانے کی کوشش کررہے تھے۔

"بابا عاشر ابھی آتے ہی ہوں گے۔" اس نے اداسی سے کہا۔

"چلو کوئی بات نہیں، تم عاشر کو کال کرلو۔ وہ آتے ہوئے کھانے کے لیے کچھ لیتا آئے۔"

اس کی ہمت نہیں ہورہی تھی کہ وہ عاشر کو کال کرے۔ ابھی وہ سوچ رہی تھی کہ ڈور بیل بجی۔ عاشر دروازے پر تھا۔

گھر میں داخل ہوتے ہی عاشر صوفے پر نیم دراز ہوگیا۔

"یار آج میں بہت تھک گیا ہوں۔ آفس میں آج میٹنگ تھی۔ باہر سے گیسٹ آئے تھے۔ بہت مصروف دن گزرا۔ کھانے کا بھی ٹائم نہیں ملا۔ میں فریش ہو کر آتا ہوں۔ تم کھانا لگادو۔" مریم کو کہتا ہوا وہ باتھ روم میں داخل ہوگیا۔ اس کو بولنے کا موقع ہی نہیں دیا۔

"کیا بات ہے جناب آج تو آپ غضب ڈھا رہی ہیں۔" مریم کو اتنا بنا سنورا دیکھ کر تعریف کر بیٹھا۔

"عاشر ایک بات کہوں آپ سے۔ آپ ناراض تو نہیں ہوں گے؟" مریم نے ڈرتے ڈرتے عاشر سے کہا۔

"کیا ہوا ہے؟ خیریت ہے نا؟" عاشر کو تشویش ہونے لگی۔

"وہ دراصل کھانا۔۔۔ کیا آپ کھانا ریسٹورنٹ سے لے آئیں گے؟"

مریم نے پوری بات نہیں بتائی تھی کہ کس طرح اس نے کھانا تیار کرلیا تھا۔

"یار تم کو میرا کوئی خیال ہے کہ نہیں؟ صبح بغیر ناشتے آفس گیا اور اب رات کا کھانا بھی تم نے تیار نہیں کیا؟"

"لیکن آپ میری بات تو سنیں۔" مریم صرف یہ کہہ کر رہ گئی۔

"کیا بات سنوں تمہاری؟ یہی کہ بیگم صاحبہ کو کھانا پکانا نہیں آتا۔ عادت نہیں ہے کام کرنے کی۔ جتنی دیر تم نے اپنے آپ کو سنوارنے میں وقت ضائع کیا۔ اگر کھانے پکانے میں تھوڑا سا وقت لگا دیتیں تو قیامت نہیں آجاتی۔" عاشر کی باتیں اس کے دل میں سوراخ کررہی تھیں۔ آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں۔ اس کے ممی ڈیڈی نے بھی کبھی اس کو اس طرح نہیں ڈانٹا تھا۔ اس کو اپنی مما کے وہ الفاظ رہ رہ کر یاد آرہے تھے کہ بیٹا تم لاڈ میں پلی بڑھی ہو اور پیار سے پیٹ نہیں بھرتا۔ آنسو تھے کہ اس کی آنکھوں سے بہے جارہے تھے۔ منہ سے ایک الفاظ بھی ادا نہیں کرپارہی تھی۔ آواز جیسے حلق میں اٹک گئی تھی۔

"کیا بدتمیزی ہے عاشر؟" بابا اس کے اس طرح چیخنے پر وہاں آگئے تھے۔

"کیا میں نے تمہاری تربیت میں کوئی کسر چھوڑی ہے؟ اس طرح بات کرتے ہیں اپنی بیوی سے؟" بابا کو اس پر غصہ آرہا تھا۔

"لیکن بابا۔۔۔؟" عاشر نے بولنا چاہا۔

"پہلے اس کی بات تو پوری سن لو۔ وہ کہہ کیا رہی ہے؟ کھانا پکایا تھا مریم نے تمہارے لیے۔ لیکن اس کی آنکھ لگ گئی اور سالن جل گیا۔ معلوم ہے صبح سے لگی ہوئی تھی وہ تمہارے لیے۔" بابا کی باتیں سن کر تو وہ جیسے بے دم سا ہو گیا اور افسوس کرنے لگا کہ خوامخواہ ہی مریم کو اتنی باتیں سنادیں۔ آج پھر وہ اپنی بے صبری کی وجہ سے شرمندہ ہوا تھا۔ اکثر اس کے ساتھ یہی ہوتا تھا۔ پہلے بغیر سمجھے بول دیتا، پھر بعد میں شرمندگی اٹھانی پڑتی۔ عاشر خاموشی سے ریسٹورنٹ سے چکن بریانی پیک کروا لایا اور گھر لوٹا۔ مریم بیڈ پر آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔

"مریم آؤ کھانا کھالو۔" اس نے اس کو پکارا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔ پلیز مجھے سونے دیں۔" مریم نے آنکھیں کھولیں تو وہ سرخ ہورہی تھیں۔ حقیقت میں اس کی بھوک مرگئی تھی۔

"سوری یار! اب معاف بھی کردو، پلیز۔" عاشر نے دونوں کانوں کو ہاتھ سے پکڑا۔ "ابھی بھوک نہیں ہے۔ آپ رکھ دیں، میں تھوڑی دیر میں کھالوں گی۔"

"چلو پھر میں بھی بعد میں کھالوں گا۔" عاشر بھی پیچھے ہٹنے والا نہیں تھا۔

"ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔" مریم نے دل میں کہا۔

"اچھا بابا، چلیں آپ میں آتی ہوں۔" مریم کو نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھنا پڑا۔

کھانے کی میز پر کھانے کے دوران وہ یہی سوچتی رہی کہ کیا اس نے عاشر کا انتخاب کرنے میں کوئی جلد بازی تو نہیں کی؟ انسان جذبات میں بہہ کر اکثر ایسے فیصلے کر جاتا ہے جو بعد میں پچھتانے کا باعث ہوتے ہیں۔ بڑوں کا کہنا ماننا چاہیے۔ کیونکہ وہ تجربہ کار ہوتے ہیں۔ ویسے بھی لڑکیاں ہر موقع پر سمجھوتہ کرتی ہیں۔ اب اس نے اپنے آپ کو مضبوط بنانا تھا۔ ہر موڑ پر سمجھوتے کے لیے، کیونکہ اسے پیار بھی نبھانا تھا اور رشتہ بھی۔

☆ ☆

شعاع عنبر

کرن کرن خوشبو

بے شک اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے

اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے دعا کی کہ اے پروردگار اس جگہ (مکہ) کو امن کا شہر بنادے اور اس کے رہنے والوں میں سے جو اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان لائیں ان کے کھانے کو میوے عطا فرما۔ تو اللہ نے فرمایا کہ جو کافر ہوگا میں اس کو بھی کسی قدر فائدہ دوں گا (مگر) پھر اس کو (عذاب) دوزخ کے (بھگتنے کے) لیے بے بس کردوں گا اور وہ بری جگہ ہے اور جب ابراہیم (علیہ السلام) اور اسمٰعیل (علیہ السلام) بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کررہے تھے (تو دعا کیے جاتے تھے کہ) "اے ہمارے پروردگار ہم سے یہ خدمت قبول فرما' بے شک تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔"

(سورۃ البقرہ 2..... ترجمہ و آیات 126 تا 127)

صغریٰ یاسین' کراچی

بہترین رہنمائی

سیدنا ابوبکر صدیق رحمتہ اللہ علیہ کا وصال ہوا تو آپ نے ترکے میں ایک چادر اور ایک اونٹ چھوڑا اور یہ دونوں چیزیں بھی آپ کی وصیت کے مطابق خلیفہ' دوم کے پاس بھیج دی گئیں' تاکہ وہ بیت المال میں جمع کرادیں ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل پر حکومت کرنے والے فاروق اعظم نے ترکے میں پانچ اشرفیاں اور ایک اونی جوڑا چھوڑا۔

عظیم سپہ سالار سلطان صلاح الدین ایوبی رحمتہ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو ان کے پاس کچھ نہ تھا' جو کچھ تھا وہ پہلے ہی خیرات کیا جاچکا تھا۔ کفن کے کپڑے اور قبر کی اینٹوں کا انتظام بھی رشتے داروں نے کیا۔

مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کا انتقال ہوا تو ان کے پاس چار روپے دو آنے تھے جو انہوں نے ٹوپیاں سی کر جمع کیے تھے۔ ان سے کفن خریدا گیا' اس کے علاوہ تین سو پانچ روپے جو کتابت کی آمدنی سے جمع کیے گئے تھے۔ وہ وصیت کے مطابق غریبوں میں تقسیم کردیے گئے۔

صابرہ یار محمد' اسلام آباد

کرنیں

☆ ضروریات کو کم کرلینا سب سے بڑی مالداری ہے۔
☆ سچائی کبھی اپنے تلاش کرنے والوں کو ذلیل ہونے نہیں دیتی۔
☆ جو شخص تمہارے سامنے دوسروں کی برائی کرتا ہے جان لو کہ وہ تمہاری برائی دوسروں کے سامنے کرتا ہے۔
☆ جاہل کے خیال اور عمل میں بہت کم وقفہ ہوتا ہے۔
☆ جو لوگ صبح کو فیصلے کرتے اور شام کو بھول جاتے ہیں وہ زندگی میں کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔
☆ جس شخص کے خیالات اور نظریات اچھے ہوں وہ کبھی تنہا نہیں ہوتا۔
☆ زیادہ خوشحالی اور زیادہ بدحالی دونوں برائی کی طرف لے جاتی ہیں۔
☆ زندگی کو سادہ مگر خیالات کو بلند رکھو۔
☆ عقل سے کائنات تسخیر ہوتی ہے لیکن لامکان تک پہنچنے کے لیے عشق کی ضرورت ہوتی ہے۔
☆ جو عالم اپنے علم پر عمل نہ کرے ایسا بیمار ہے جس کے پاس دوا تو ہے مگر استعمال نہیں کرتا۔
☆ تنہائی میں اپنے خیالات پر اور محفل میں اپنی زبان پر قابو رکھو۔
☆ رکاوٹوں کے باوجود آگے بڑھنا اور دکھوں کو ہنس کر جھیلنا ہی زندگی ہے۔
☆ اگر دکھوں کا دریا عبور کرنا ہے تو آنسوؤں کو جذب کرنے کا طریقہ سیکھو۔
☆ علم کی محبت اور استاد کی عزت کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔
☆ رشتے خون کے ہی نہیں' احساس کے بھی ہوتے ہیں اگر احساس ہو تو اجنبی بھی اپنے اور اگر احساس نہ ہو تو اپنے بھی بیگانے بن جاتے ہیں۔

نوشابہ منظور..... بھریا روڈ

اقوال جالینوس

☆ بے وقوف کی پہلی نشانی یہ ہے کہ وہ خود کو واحد عقلمند سمجھتے ہیں۔
☆ علم حاصل کیے بغیر مراد تک نہیں پہنچا جاسکتا۔
☆ عقلمند وہ شخص ہے جو اپنی زبان کو دوسروں کی مذمت سے بچائے رکھے۔
☆ نیک لوگوں کے دشمنی سے بھی نفع حاصل ہوتا ہے۔
☆ حکیم وہ ہے جو باوجود قدرت رکھنے کے ستم نہ کرے۔
☆ آدمی کے عقل کی دلیل اس کا قول ہے اور اس کی اصلیت اسی کی دلیل ہے۔
☆ دشمن کے ساتھ صلح اختیار کرنے میں ہی بہتری ہے۔
☆ ایک خوب صورت آدمی جو عقل نہیں رکھتا وہ بدصورت انسان سے بھی زیادہ بدصورت ہے۔
☆ جو اپنے دیرینہ دوست کو برے کاموں سے پند و نصائح کے ذریعے باز نہیں رکھتا وہ دوستی کے لائق نہیں

(مخزن الاخلاق سے)

سیما ممتاز عباسی..... لاڑکانہ

راز

حضرت خواجہ بختیار الدین کاکی کی نماز جنازہ تیار تھی۔ خلقت جمع تھی' ایک شخص نے ان کی وصیت پڑھی۔ "میری نماز جنازہ وہ شخص پڑھائے جس میں چار صفات ہوں۔ جس نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی نماز قضا نہ کی ہو' عصر سے پہلے کی سنتیں اور تہجد کی نماز نہ چھوڑی ہوں اور جس کی نگاہ کسی نامحرم عورت پر نہ پڑی ہو۔"

مجمع پر سناٹا چھا گیا۔ علامہ' مفتی' قاری سب موجود تھے لیکن کوئی شخص آگے نہ بڑھا۔ دن گزر گیا آخر عصر کے بعد ایک شخص کھڑا ہوا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا آگے بڑھا۔ اس نے نماز جنازہ پڑھائی اور نم ناک آنکھوں سے کہا "مرنے والا مر گیا' دوسروں کا راز افشا کرگیا۔"

نماز جنازہ پڑھانے والا شخص ہندوستان کا شاہ وقت' شمس الدین التمش تھا۔

تبسم یاسمین..... ڈیرہ غازی خان

کچھ رنگ بکھرے ہیں

○ صبر ایسی سواری ہے جو کبھی گرنے نہیں دیتی نہ کسی کے "قدموں" میں نہ کسی کی "نظروں" میں۔
○ ہر خوب صورت چیز حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو کیونکہ چاند ستارے آسمان کی خوب صورتی کے لیے ہیں دامن بھرنے کے لیے نہیں۔
○ زندگی کی الجھنیں شرارتوں کو کم کردیتی ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے ہوچکے ہیں۔
○ ایک ماں دس بچوں کو پال کر جوان بنادیتی ہے لیکن دس جوان بیٹوں سے اک ماں کی خدمت نہیں ہوتی۔

حافظہ سمیرا۔ 157 این بی

محبت کی آگ

میں نے رقیبوں کو محبت کی آگ میں جلتے اور بھسم ہوتے دیکھا ہے۔ پھر ان کی راکھ کو کئی کئی دن مہینے ویرانوں میں اڑتے دیکھا ہے ان لوگوں سے بھی ملا ہوں جو محبت کی آگ میں سلگتے رہتے ہیں اور جن پر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہلکی سی تہہ چڑھ جاتی ہے اور وقت گزرنے پر دور پار سے ہوا کا جھونکا گزرتا ہے تو ان کی یہ راکھ جھڑ جاتی ہے۔ اور انگارے پھر دہکنے لگتے ہیں ایسے لوگ بھی میری زندگی میں گزرے ہیں جو چپ چاپ محبت کے سمندر میں اتر گئے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ وہ لوگ بھی ہیں جو کاروبار کرتے ہیں ٹینک چلاتے ہیں اور محبت کی ایک بند ڈبیا ہر وقت اپنے سینے کے اندر محفوظ رکھتے ہیں۔ مسافر، سیاح، کوہ پیما، دشت نورد، آپ کسی کے بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتے۔

دراصل محبت کے لیے ایک خاص فضا ایک خاص علاقے ایک خاص ایکولوجی کی ضرورت ہوتی ہے اس کے لیے دو لوگوں کی یا دو دلوں کے ملنے کی احتیاج نہیں ہوتی، ایک خاص پس منظر کی ضرورت ہوتی ہے دراصل پس منظر بھی مناسب لفظ نہیں یہ تو آدمی کی سوچ محدود کر دیتا ہے اس کے لیے ایک اور چیز کی ضرورت ہوتی ہے جس کا ابھی تک نام تجویز نہیں کیا جا سکتا۔

(اشفاق احمد کے سفرنامے "سفر در سفر" سے اقتباس)

قسطوں پر آپریشن

ایک ڈاکٹر نے مریض سے کہا "آپریشن بہت نازک ہے اور خطرناک بھی اس لیے اس کی فیس بھی بہت زیادہ ہوگی لیکن فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں آپ 20 ہزار روپے ابھی مجھے دے دیں اور باقی کی رقم پانچ سال تک 3 ہزار ماہانہ قسطوں کی صورت میں ادا کریں۔"

مریض پریشان ہو کر کہنے لگا۔

"ڈاکٹر صاحب یہ تو ایسے ہے جیسے کہ میں کوئی فلیٹ خرید رہا ہوں۔"

ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا "آپ کا خیال درست ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ فلیٹ آپ نہیں میں خرید رہا ہوں۔"

غنوی محمد اکرم ..... لیاری، کراچی

خوشبو کا سفر

اندھیری کاسنی راتیں یہیں سے ہو کے گزریں گی
جلا رکھنا کوئی داغ جگر آسان نہیں ہوتا
نہ بہلاوا نہ سمجھوتا، جدائی ہی جدائی ہے
ادا سوچو تو خوشبو کا سفر آساں نہیں ہوتا

حمیرہ مہتاب، سعودی عرب

کچھ عشق کیا، کچھ کام کیا

وہ لوگ بہت خوش قسمت تھے
جو عشق کو کام سمجھتے تھے
یا کام سے عاشقی کرتے تھے
ہم جیتے جی مصروف رہے
کچھ عشق کیا، کچھ کام کیا
کام عشق کے آڑے آتا رہا
اور عشق سے کام الجھتا رہا
پھر آخر تنگ آ کر ہم نے
دونوں کو ادھورا چھوڑ دیا
(فیض احمد فیض)

رانی، کراچی

اقبالیات

☆ مغرب روحانی قدروں اور غیبی حقائق کو کھو کر روح کو معدے میں تلاش کر رہا ہے، حالانکہ روح کی قوت و حیات کا جسم سے کوئی تعلق نہیں لیکن اشتراکیت کی نظر بطن و معدہ سے آگے جاتی ہی نہیں اور وہ حد سے حد مساوات شکم ہی تک سوچتی ہے۔

☆ یورپ میں علم و ہنر کی روشنی تو بہت ہے لیکن سچ ہے کہ یہ بحر ظلمات چشمہ حیواں نہیں رکھتا اس کی مادہ پرستی کا یہ حال ہے کہ رعنائی تعمیر، رونق اور حسن میں گرجوں کی عمارات سے بنکوں کی تعمیرات اچھی اور بڑھی ہوئی ہیں، اس کی تجارت میں ایک کا نفع اور لاکھوں کی موت پوشیدہ ہے اور یہ علم و حکمت، یہ سیاست و حکومت جس پر یورپ کو ناز ہے خالی خولی مظاہر ہیں جن کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں مغربی قائدین بنی آدم کا خون پیتے ہیں اور اسٹیج پر آ کر انسانی مساوات اور عدالت اجتماعی کی تعلیم دیتے ہیں۔ جس تہذیب میں مشینوں کی حکومت ہو، صنعت و حرفت ہی کی بادشاہی ہو اس میں دلوں کی موت، احساس، مروت اور انسانی شرف و عزت کی ہلاکت یقینی ہے۔

☆ مغربی نظام تعلیم انسان کو مشینوں، صنعتوں اور ترقیوں کے آگے بے قیمت و بے حیثیت بنا دیتا ہے۔ حالانکہ انسان ہی، بحر وجود کا گوہر مقصود اور مزرع ہستی کا حاصل ہے۔ دنیا کو انسان کے تابع ہونا چاہیے نا کہ انسان کو دنیا اور متاع دنیا کے۔

چنانچہ

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر
(اقبال)

نمرہ۔ کراچی

کسک

ساحر سے جب امرتا پریتم اور اس کے موجودہ شوہر امروز کی ملاقات ہوئی تو ساحر بڑا اداس تھا۔ وہ تینوں ایک ہی میز پر بیٹھے مے نوشی کرتے رہے، امرتا اور امروز کے جانے کے بعد بھی خالی گلاس میز پر پڑے رہے۔ اس رات ساحر نے ایک نظم لکھی۔

محفل سے اٹھ جانے والو تم لوگوں پر کیا الزام
تم آباد گھروں کے باسی، میں آوارہ اور بدنام
میرے ساتھی خالی جام

مزے کی بات یہ کہ ساحر نے یہ نظم امرتا پریتم کو فون پر سنائی اور یہ بھی بتایا کہ وہ باری باری تینوں گلاسوں میں وہسکی ڈال کر پی رہا ہے اور پھر دوسری ملاقات میں جب ساحر کو امروز کی بیماری کی اطلاع ملی تو اس نے اسی وقت امروز کے علاج کے لیے اپنا ڈاکٹر بھیج دیا۔ ایک مشاعرے میں ساحر اور امرتا پریتم دونوں شریک تھے مشاعرے کے بعد لوگ ساحر سے آٹوگراف لے رہے تھے۔ لوگ ذرا پرے ہوئے تو امرتا پریتم نے ہنستے ہوئے ہاتھ کی ہتھیلی ساحر کے آگے کر دی اور کہا "آٹوگراف" ساحر نے ہاتھوں میں تھامے ہوئے قلم کی سیاہی اپنے انگوٹھے پر لگائی اور وہ انگوٹھا امرتا کی ہتھیلی پر لگا دیا گویا کہ اس کی ہتھیلی کے کاغذ پر اپنے دستخط کر دیئے ہوں اس کاغذ کی عبارت کیا تھی جس پر اس نے دستخط کیے تھے؟

اس سے متاثر ہو کر امرتا پریتم نے ایک نظم لکھی۔
عمراں دے ایس کاغذ اتے عشق ترے انگوٹھا لایا۔ کون حساب چکائے گا؟

ساحر اور امرتا پریتم کے اس تعلق خاطر کا علم امروز کو بھی تھا اور وہ اس سے ذرا بھی کبیدہ خاطر نہیں تھا، وہ فن کار ہے، جن دنوں وہ ساحر کے تازہ ترین مجموعہ کلام "آؤ کہ کوئی خواب بنیں" کا سرورق تیار کر رہا تھا تو ایک روز ہاتھ میں کاغذ تھامے اپنے کمرے سے باہر آیا۔ باہر امرتا اور دیوندر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ دیوندر ایک ایسا شخص تھا، جس کے ساتھ امرتا کبھی کبھار ساحر کی بات کر لیتی تھی۔ امروز نے سرورق دکھایا اور اس کے ساتھ ہی جیسے ایک فقرہ کسا "سالا خواب بننے کی بات کرتا ہے بننے کی نہیں" امرتا پریتم ہنس دی اور بولی "سالا جو ہوا ساری عمر خواب ہی بنتا رہا، کسی کا خواب نہ بنا۔"

اور اس پر تینوں بڑی دیر تک ہنستے رہے۔ لیکن اس ہنسی میں عجیب سا درد، ایک عجیب سی کسک بھی شامل تھی۔

کلیات ساحر سے اقتباس

حجاب علوی، کراچی

محبت

☆ محبت تاریک جنگل کی طرح ہوتی ہے۔ ایک بار اس کے اندر چلے جاؤ پھر یہ باہر نہیں آنے دیتی۔۔۔ باہر آ بھی جاؤ تو آنکھیں جنگل کی تاریکی کی اتنی عادی ہو جاتی ہیں کہ روشنی میں کچھ بھی نہیں دیکھ سکتیں۔۔۔ وہ بھی نہیں جو بالکل صاف، واضح اور روشن ہوتا ہے۔

☆ جن لوگوں کے دلوں میں محبت کی کونپلیں بغیر کسی صلے یا تمنا کے پھوٹیں وہ بے حس نہیں بے غرض ہوتے ہیں۔

☆ تکلف کی زیادتی محبت کی کمی کا باعث بنتی ہے۔

☆ محبت جن کے ساتھ ہوتی ہے وہ کبھی تنہا نہیں ہوتے کیونکہ محبت انہیں کبھی تنہا ہونے نہیں دیتی۔

حمنہ حبیب۔۔۔ عبدالحکیم

وضو

ایک آدمی وضو کر رہا تھا۔ ایک شخص نے دیکھا وہ وضو ٹھیک طریقہ سے نہیں کر رہا۔ اس آدمی نے وضو کرتے ہوئے آدمی سے کہا "آپ وضو ٹھیک نہیں کر رہے۔ میں آپ کو وضو کا طریقہ بتاتا ہوں۔ اس آدمی نے اسے وضو کرنے کا صحیح طریقہ بتایا پھر وہ چلا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ان دونوں کی پھر ملاقات ہوئی۔ اس شخص نے اس سے پوچھا "اور سنائیں کیا حال ہیں نمازیں تو آپ پڑھتے ہیں نا اور ٹھیک طریقے سے وضو کرنا آپ کو آگیا ہو گا۔" پہلا آدمی بولا۔

"پیرو مرشد، نمازیں تو میں پڑھتا ہوں مگر وضو تو وہی ہے جو آپ کروا گئے تھے۔"

فوزیہ ثمر بٹ، گجرات

مصلحت

میں جامع مسجد کی سیڑھیوں پر بیٹھا تین گمشدہ صدیوں کا ماتم کر رہا تھا۔ تب مسجد کے مینار نے جھک کر میرے کان میں راز کی بات کہہ دی۔ "جب مسجدیں بے رونق اور مدرسے بے چراغ ہو جائیں۔ جہاد کی جگہ جمود اور حق کی جگہ حکایت کو مل جائے، ملک کے بجائے مفاد اور ملت کے بجائے مصلحت عزیز اور جب مسلمانوں کو موت سے خوف آئے اور زندگی سے محبت ہو جائے تو صدیاں یوں ہی گم ہو جاتی ہیں۔"

(مختار مسعود کی آواز دوست سے اقتباس)

فوزیہ ثمر بٹ۔۔۔ ہانیہ عمران گجرات

ہم ایسے آشفتہ سر

محبتوں کو عجیب حیرتوں سے تکتا ہے
کہ جیسے خواب نہ دیکھا ہو آدمی نے کبھی
ہم ایسے شہر میں آشفتہ سر کہاں ہوں گے
جنہیں نہ چین سے رکھا ہو زندگی نے کبھی

بہترین ڈرائیور

میری بیوی پر اس سے بڑا الزام اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ وہ اچھی ڈرائیور نہیں ہے۔ پرسوں شام جب میں دفتر سے فارغ ہو کر گھر پہنچا تو مجھے ڈرائنگ روم میں صوفوں کے نزدیک ایک بڑی کار کھڑی نظر آئی۔

میں نے بیوی سے پوچھا۔ "تم اپنی کار یہاں کیسے لے آئیں؟"

"بڑی آسانی سے۔" اس نے جواب دیا۔ "کچن میں گھس کر کراکری کو بچانے کے لیے الٹے ہاتھ کی طرف گھوم گئی تھی۔"

فوزیہ ثمر بٹ۔۔۔ گجرات

بُشریٰ محمود

امبر گل، کی ڈائری میں تحریر
اعجاز احمد اعجاز کی غزل

ساجن تیرے بن،

عید بھی آدھی، شب رات بھی آدھی
بن ساجن کے برسات بھی آدھی

جی بھر کے دیتا ہے مجھے غم مگر افسوس
ملی دکھوں کی اس سے سوغات بھی آدھی

وقت جدائی، افسردہ چہرہ، جھکی نگاہیں
لرزتے ہونٹوں پہ کہی بات بھی آدھی

عجیب کھیلی پیار کی بازی ہم نے
جیت بھی آدھی، مات بھی آدھی

اعجاز سب عالم ہے محبوب کی خاطر
ورنہ ہوتی تیری ذات بھی آدھی

یاسمین ملک، کی ڈائری میں تحریر
جگر مراد آبادی کی غزل

کوئی یہ کہہ دے گلشن گلشن
لاکھ بلائیں، ایک نشیمن

پھول کھلے ہیں گلشن گلشن
لیکن اپنا اپنا دامن

عشق ہے پیارے کھیل نہیں ہے
عشق ہے کارِ شیشہ و آہن

خیر مزاجِ حسن کی یارب
تیز بہت ہے دل کی دھڑکن

آج نجانے راز یہ کیا ہے
ہجر کی رات اور اتنی روشن

عمریں بیتیں، صدیاں گزریں
ہے وہی اب تک عقل کا بچپن

بیٹھے ہم ہر بزم میں لیکن
جھاڑ کے اٹھے اپنا دامن

کانٹوں کا بھی حق ہے آخر
کون چھڑائے اپنا دامن

چلتی پھرتی چھاؤں ہے پیارے
کس کا صحرا، کس کا گلشن

آسیہ، کی ڈائری میں تحریر
حسرت موہانی کی غزل

لطف کی اُن سے التجا نہ کریں
ہم نے ایسا کبھی کیا، نہ کریں

مل رہے گا جو اُن سے ملنا ہے
لب کو شرمندۂ دُعا نہ کریں

صبر مشکل ہے، آرزو بے کار
کیا کریں عاشقی ہیں، کیا نہ کریں

بھول ہی جائیں ہم کو، یہ تو نہ ہو
کون کہتا ہے، وہ جفا نہ کریں

مرضیٔ یار کے خلاف نہ ہو
لوگ میرے لیے دُعا نہ کریں

شوق اُن کا سو مِٹ چکا حسرتؔ
کیا کریں ہم اگر وفا نہ کریں

حاجرہ خان، کی ڈائری میں تحریر
آزاد انصاری کی غزل

آؤ! پھر موقع ہے، کچھ اسرار کی باتیں کریں
صورتِ منصور بہکیں، دار کی باتیں کریں

آؤ پھر ارمانِ محرابِ عبادت بھول جائیں
آؤ پھر اس ابروئے خمدار کی باتیں کریں

آؤ! پھر ایقانِ اعجاز و کرامت بھول جائیں
آؤ! پھر اس لعلِ افسوں کار کی باتیں کریں

آؤ! پھر کون و مکاں کو قیدِ ظلمت سے چھڑائیں
آؤ! پھر اس روئے مہر آثار کی باتیں کریں

آؤ! پھر دونوں جہاں کو عطرِ جنت میں بسائیں
آؤ! پھر اس زلفِ عنبر بار کی باتیں کریں

آؤ! پھر نظارۂ صد حشر آنکھوں کو دکھائیں
آؤ! پھر اس فتنہ زا رفتار کی باتیں کریں

آؤ! پھر ذکرِ جمیلِ دوست سے مسرور ہوں
آؤ! پھر حسن و جمالِ یار کی باتیں کریں

صغریٰ یاسین، کی ڈائری میں تحریر
اختر شیرانی کی غزل

کچھ تو تنہائی کی راتوں میں سہارا ہوتا
تم نہ ہوتے نہ سہی، ذکر تمہارا ہوتا

ترکِ دُنیا کا یہ دعویٰ ہے فضول اے زاہد
بارِ ہستی تو ذرا سر سے اُتارا ہوتا

زندگی کتنی مسرت سے گزرتی یارب
عیش کی طرح اگر غم بھی گوارا ہوتا

عظمتِ گریہ کو، کوتاہ نظر کیا سمجھیں
اشک اگر اشک نہ ہوتا تو ستارا ہوتا

لبِ زاہد پہ ہے افسانۂ حورِ جنت
کاش اس وقت مرا انجمن آرا ہوتا

غمِ اُلفت جو نہ ملتا غمِ ہستی ملتا
کسی صورت تو زمانے میں گزارا ہوتا

کس کو فرصت تھی زمانے کے ستم سہنے کی
گر نہ اُس شوخ کی آنکھوں کا اشارا ہوتا

کوئی ہمدرد زمانے میں نہ پایا اخترؔ
دل کو حسرت ہی رہی، کوئی ہمارا ہوتا

حجاب علی، کی ڈائری میں تحریر
ظفر اقبال کی غزل

دشت ہو کوئی خیابان سے ملتا جلتا
ایک امکان، بس امکان سے ملتا جلتا

سوچ ہی سکتے ہیں اور چھو نہیں سکتے اس کو
جسم ایسا بھی ہے اک جان سے ملتا جلتا

رہی اپنی ہی طرف ساری توجہ اس کی
میزبان تھا ہی وہ مہمان سے ملتا جلتا

کاروبار اور نہ کر پائے محبت کے سوا
نفع بھی جس میں ہے نقصان سے ملتا جلتا

ساتھ ہی لے گیا وہ ساری امیدیں، یادیں
تھا یہی کچھ سر و سامان سے ملتا جلتا

دامن اپنا بھی نہیں صاف ہمارا جس پر
کوئی دھبہ ہے کسی دھیان سے ملتا جلتا

گھومتے اور ٹہلتے ہیں یہیں شام و سحر
دل جو اپنا ہے یہ دالان سے ملتا جلتا

عاقبت بھی یہی کام آئے تو آئے شاید
کفر اپنا جو ہے ایمان سے ملتا جلتا

ہو تو سکتی ہے ظفرؔ میں بھی کچھ انسانیت
اچھا خاصا ہے یہ انسان سے ملتا جلتا

سحر خان، کی ڈائری میں تحریر
ایک نظم

مجھ سے تو تیری آنکھ کے رشتے وہی تو ہیں

بادل اور بحر کے رشتے عجیب ہیں
کالی گھٹا کے دوش پہ برفوں کا درخت ہے
جتنے زمین پہ بہتے ہیں دریا سبھی کا رُخ
اک بے کنار منزل کی سمت ہے
خوابوں میں ایک بھیگی ہوئی خوشدلی کے ساتھ
ملتی ہے آشنا سے کوئی اجنبی سی موج
بادل بھنور کے ہاتھ سے لیتے ہیں اپنا رزق
اور اس کو بانٹتے ہیں عجب بے رُخی کے ساتھ

جنگل میں، صحنِ باغ میں، شہروں میں، دشت میں
چشموں میں، آبشار میں، جھیلوں کے دشت میں
کھلتے یہ اوس بن کر سنورتے ہیں برگ برگ
کاتے کسی کی آنکھ میں بھرتے ہیں اس طرح
آنسو کی ایک بوند میں دجلہ دکھائی دے
اور دوسرے ہی پل میں جو دیکھو تو دُور تک
ریگِ رواں درد کا صحرا دکھائی دے
بادل کے اور بحر کے جتنے ہیں سلسلے
مجھ سے تو تیری آنکھ کے رشتے وہی تو ہیں!

شگفتہ سلیمان
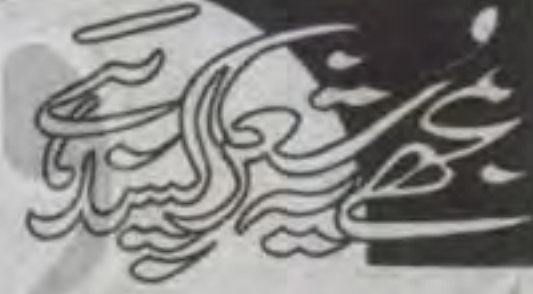
امبر گل ______ جھڈو (سندھ)

دل کسی ماہیٔ بے تاب کی صورت اے دوست
تیری فرقت میں تڑپتا ہی رہا عید کے دن
تیری قربت کا زمانہ، تیری فرقت کا ملال
کسی صورت بھی بھلایا نہ گیا عید کے دن

سمعیہ حبیب ______ عبدالحکیم

مجھ کو اک خواب پریشاں سا لگا عید کا چاند
میری نظروں میں ذرا بھی نہ جچا عید کا چاند
آنکھ نم کر گیا بچھڑے ہوئے لوگوں کا خیال
دردِ دل دے کر ڈوب گیا عید کا چاند

امامہ حبیب ______ عبدالحکیم

بڑی مشکل سے فلک پر نظر آتا ہے
عید کے چاند نے انداز تمہارے سیکھے

صفیہ عباس ______ کروڑ لعل عیسن

بچھڑے ہوؤں کی یاد میں آنکھیں اداس ہیں
اے صبحِ عید گھر کو سجاؤں تو کس طرح

حنیفہ اعوان ______ اٹک

یہ دکھ نہیں کہ اندھیروں سے صلح کی ہم نے
ملال یہ ہے کہ اب صبح کی طلب بھی نہیں

نازیہ رئیس ______ B-48 - کورنگی کراچی

عید کا دن بھی شبِ ہجر کی صورت گزرا
دوست آیا نہ کوئی اور نہ تم آئے

عرفہ رئیس ______ کراچی

جانے کیوں آپ کے رخسار دہک اٹھتے ہیں
جب کبھی کان میں چپکے سے کہا عید کا چاند

ندا، فضہ ______ کراچی

خوشیوں سے ہمکنار رہو تم تا حیات
ہر روز روزِ عید ہو ہر شب شبِ برات

عذرا رسول ______ لیہ

عید کے چاند کہیں اور اجالے لے جا
میرا ویران بسیرا ہی مجھے کافی ہے

اقصیٰ ناصر ______ کراچی

تمہارے چاند سے چہرے کی گر دید ہو جائے
قسم ہے اپنی آنکھوں کی ہماری عید ہو جائے

نوشین اقبال نوشی ______ گاؤں بدر مرجان

اور بڑھ جاتی ہے بھولی ہوئی یادوں کی کسک
عید کا دن تو فقط زخم ہرے کرتا ہے

صفیہ اعوان ______ اٹک

تیرے بغیر عید میں وہ رونقیں کہاں
بے کار سا ہے میرے لیے عید کا سماں

شفق شان شاہ ______ گوجرہ

لوگ کہتے ہیں عید کارڈ جسے
یہ روایت ہے اک زمانے کی
ایک دستک ہے ان کے ذہنوں پر
جن کو عادت ہے بھول جانے کی

نمرہ، اقراء ______ کراچی

اس مہرباں کی نظرِ عنایت کا شکریہ
تحفہ دیا ہے عید پہ ہم کو فراق کا

حافظ سمیرا ______ 157 - این بی

عید کے چاند غریبوں کو پریشاں نہ کر
تجھ کو معلوم نہیں زیست گراں ہے کتنی

ارم آفتاب ______ کراچی

میں نہ ہوں گا تو خزاں کیسے کٹے گی تیری
شوخ پتے نے کہا شاخ سے مرجھاتے ہوئے
سی لیے ہونٹ وہ پاکیزہ نگاہیں سن کر
میلی ہو جاتی ہے آواز بھی، دہراتے ہوئے

ثمینہ اکرم ______ کراچی

کچھ ستارے تری پلکوں پہ بھی روشن ہوں گے
کچھ رلائے گا مجھے بھی ترا غم عید کے دن

مدیحہ یوسف ______ فیصل آباد

عید آئی ہے سلگتی ہوئی یادیں لے کر
آج پھر اپنی اداسی پہ ترس آیا ہے

ثمینہ عطاری ______ ڈوگہ (گجرات)

ہلالِ عید کو دیکھو تو روک لو آنسو
جو ہو سکے تو محبت کا احترام کرو

صائمہ، اقراء ______ وگھ شریف

خط میں لکھا ہے عید کب ہو گی
ہم کو تاریخ لکھ کر بھجوائیں
چونکہ جھگڑا تھا اس لیے ہم نے
لکھ دیا آپ جب بھی آ جائیں

ندا، بشریٰ ______ فیصل آباد

دستور ہے دنیا کا مگر یہ تو بتاؤ
ہم کس سے ملیں کس سے کہیں عید مبارک

رانی ______ کراچی

آنکھیں پہچانتی ہیں آنکھوں کو
درد چہرہ شناس ہوتا ہے
ڈس ہی لیتا ہے سب کو عشق کبھی
سانپ موقع شناس ہوتا ہے

نایاب اسلم ______ لاہور

سہما سہما ڈرا سا رہتا ہے
جانے کیوں جی بھرا سا رہتا ہے
ایک پل دیکھ لوں تو اٹھتا ہوں
جل گیا گھر، ذرا سا رہتا ہے

مہوش اقبال ______ کوئٹہ

سفر میں عشق کے اک ایسا مرحلہ آیا
وہ ڈھونڈتا تھا مجھے اور کھو گیا تھا میں
مجھے گلہ نہ کسی سنگ کا نہ آہن کا
اسی نے توڑ دیا جس کا آئینہ تھا میں

نسرین خان ______ کراچی

ہوتی ہے صداقت میں خامشی کی گہرائی
حرف شور ہوتا ہے حرفِ بے صداقت میں

ندا، فضہ ______ کراچی

مجھ کو تو مانگنے کا سلیقہ بھی نہیں
میرے آنسوؤں نے کہا مدعا میرا

ثنا شہزاد ______ کراچی

ابھی تو ضد ہے اسے راستہ بدلنے کی
وہ روئے گا کبھی بہت میری چاہتوں کے لیے

تسنیم چوہدری ______ میرپور آزاد کشمیر

گرچہ اب ترکِ مراسم کو بہت دیر ہوئی
اب بھی وہ میری اجازت سے مجھے سوچتا ہے
کتنا خوش فہم ہے وہ شخص کہ ہر موسم میں
اک نئے رخ نئی صورت سے مجھے سوچتا ہے

نمرہ، اقراء ______ کراچی

اگر روک لیتے تو جاتا نہ وہ
مگر ہم بھی اپنی ہواؤں میں تھے

کرن، بینش ______ کراچی

مجھے عزیزانِ من محبت کا کوئی تجربہ نہیں ہے
میں اس سفر میں نیا نیا ہوں مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا
مجھے کسی سے بھلائی کی اب کوئی توقع نہیں ہے تابش
میں عادتاً سب سے کہہ رہا ہوں دعاؤں میں یاد رکھنا

نوشابہ منظور ______ بھریا روڈ

جب تیری یاد میں مصرعہ کوئی لکھنے بیٹھا
میں نے کاغذ پہ چھالوں کا گلستان دیکھا
تو نے دیکھا ہے منڈیروں پہ چراغوں کو فقط
میں نے جلتا ہوا ہر دور میں انساں دیکھا

مریم، رخشندہ ______ کراچی

دن تو اس شہر کی رونق میں گزر جاتا ہے
یاد کچھ لوگ سرِ شام بہت آتے ہیں

سدرہ وزیر ______ خوشاب

محبت کا ارادہ اب بدل جانا بھی مشکل ہے
تمہیں کھونا بھی مشکل ہے تمہیں پانا بھی مشکل ہے
اداسی تیرے چہرے کی گوارہ بھی نہیں لیکن
تیری خاطر ستارے توڑ کر لانا بھی مشکل ہے

صائمہ جبیں ______ کراچی

اس نے مٹی کی دیوار پر کچے رنگ کے ساتھ
لکھ کر نام میرا بارش کی دعا مانگی ہے

کرن کا دسترخوان

خالدہ جیلانی

فرائیڈ پیٹیز

ضروری اشیا :

میدہ — 1 کپ
نمک — حسب ذائقہ
چینی — 1 چائے کا چمچہ
تیل — 2 کھانے کے چمچے
ماجرین — 2 کھانے کے چمچے
دودھ — 2 کھانے کے چمچے
تیل — ڈیپ فرائی کے لیے
نیم گرم پانی (گوندھنے کے لیے) — حسب ضرورت

ترکیب :

میدہ چھان کر تسلے میں نکالیں۔ اس میں نمک، چینی، تیل، مارجرین اور دودھ ڈال کر مکس کریں اور نیم گرم پانی سے گوندھ کر تھوڑی دیر کے لیے رکھ دیں۔ اس کے بعد میدے کے پیڑے بنائیں اور اس میں تیار کی ہوئی فلنگ رکھ کر فولڈ کردیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کریں اس میں فلنگ بھرے پیڑے ڈال کر گولڈن براؤن ہونے تک ڈیپ فرائی کرلیں۔ مزے دار فرائیڈ پیٹیز تیار ہیں۔

برائے فلنگ :

مشین کا قیمہ — 1/2 کلو
سیاہ مرچ پاؤڈر — 1 چائے کا چمچہ
نمک — حسب ذائقہ
پیاز (چوپ کرلیں) — 2 عدد
ہری مرچ (کاٹ لیں) — 6-4 عدد
سرکہ — 2 کھانے کے چمچے
تیل — 2 کھانے کے چمچے

ترکیب :

تیل گرم کریں۔ قیمہ، سیاہ مرچ پاؤڈر، پیاز، ہری مرچ، سرکہ اور نمک ڈال کر بغیر پانی ڈالے ڈھک کر پکالیں۔ پانی خشک ہونے پر بھون لیں ٹھنڈا کرکے سرو کریں۔

دہی بڑا اسپیشل

ضروری اشیا :

مونگ کی دال — 2 کھانے کے چمچے
ماش کی دال — 1/2 کپ
(دونوں دالوں کو بھگو کر پیس لیں)
میٹھا سوڈا — 1 چٹکی
تیل — فرائی کرنے کے لیے
دہی — 1 کلو
نمک — حسب ذائقہ
چینی — 1 کھانے کا چمچہ
کارن فلور — 1 کھانے کا چمچہ

ترکیب :

کڑاہی میں درمیانی آنچ پر تیل گرم کریں۔ ایک پیالے میں مونگ کی دال، ماش کی دال، میٹھا سوڈا اور کارن فلور ڈال کر مکس کریں۔

اس آمیزے کی چھوٹی بالز بنا کر کڑاہی میں ڈیپ فرائی کرلیں۔ ہلکا گلابی ہونے پر نکال لیں۔ سادہ پانی میں ڈالیں اور نکال لیں۔ چھلنی میں رکھ کر پانی نکال دیں۔ (نچوڑنا نہیں ہے) دہی میں نمک اور چینی ڈال کر خوب اچھی طرح پھینٹ لیں۔ فرائی کی ہوئی دال کی بالز کو دہی میں ڈال کر مکس کریں۔ چاٹ مسالا ڈال کر سرو کریں۔

چاٹ مسالا بنانے کے لیے :

ثابت لال مرچ — 6 عدد
سفید زیرہ — 1 چائے کا چمچہ
ثابت دھنیا — 1 کھانے کا چمچہ
نمک — حسب ذائقہ
کھٹائی پاؤڈر — 1 چائے کا چمچہ
کالا نمک — 1/4 چائے کا چمچہ
ثابت سیاہ مرچ — 1/4 چائے کا چمچہ
سوکھا پودینہ — 8-6 پتے

ترکیب :

ثابت لال مرچ، ثابت دھنیا اور زیرہ توے پر بھون لیں۔ پلیٹ میں نکال کر ٹھنڈا کرلیں۔ اس کے بعد اسے گرائنڈر میں ڈال کر اس میں نمک، پسی کھٹائی، سوکھا دھنیا، ثابت سیاہ مرچ اور کالا نمک شامل کرکے پیس لیں۔ بوتل میں بند کرکے رکھ دیں۔ حسب پسند مقدار میں دہی بڑوں پر چھڑک کر سرو کریں۔

ملٹی فروٹ کھیر

ضروری اشیاء :

دودھ — 2 لیٹر
کھویا — 1/2 کلو
چینی — 1 کپ
چاول (گرائنڈ کرلیں) — 1/2 کپ
کیلے (تازہ اور بڑے سائز کے) — 6 عدد
سیب (سرخ رنگ کے) — 2 عدد
(تازہ اور بڑے سائز کے انہیں کدوکش کرلیں)
انناس کے سلائس — 3 عدد
(چھوٹے ٹکڑوں میں 2 سلائس کاٹ لیں ایک کو گول یعنی ثابت رہنے دیں)
چیری — 8 عدد
چھوٹی الائچی — 6 عدد
(دانے نکال کر باریک پیس لیں)
بادام — 12 عدد
(گری نکال کر 8 بادام لمبے لمبے کاٹ لیں مگر باریک کاٹ لیں اور 4 بادام درمیان سے کاٹ کر ان کو آدھا

کردیں چھلکا نہ اتاریں)

پستہ 12 عدد

(گری نکال کر باریک کاٹ لیں)

کھوپرا 3 کھانے کے چمچے

(باریک کش کیا ہوا)

ترکیب :

دودھ کو ابال لیں۔ جب دودھ ابل جائے تو اس میں چاول اور چینی ڈال کر پکائیں۔ آمیزہ جب ذرا گاڑھا ہو جائے اور دودھ' چاول' چینی پک کر یک جان ہو جائیں تو باریک پسی ہوئی الائچی ڈال کر کھیر کو اچھی طرح چمچے سے ہلائیں (یاد رہے کہ کھیر بنانے کے دوران چمچہ مسلسل ہلاتی رہیں تاکہ گٹھلیاں نہ بننے پائیں کھیر کو مناسب حد تک گاڑھا اور ملائم ہونا چاہیے لیکن بہت ہی زیادہ گاڑھا نہ کریں) کھویا ڈال کر اچھی طرح ہلائیں اور تھوڑی سی دیر میں کھیر چولہے سے اتار لیں۔ اس کے بعد کھیر کو تھوڑا ٹھنڈا کریں اور شیشے یا کرسٹل کے باؤل میں سب سے پہلے کھیر کی ایک تہہ بچھائیں اس کے بعد گول قتلوں کی صورت میں کٹے ہوئے کیلے کھیر کے اوپر ترتیب سے بچھادیں۔ دوبارہ کھیر کی تہہ بچھا کر کش کیے ہوئے سیب کی تہہ بچھا دیں کہ کھیر Cover ہو جائے۔ آخر میں باقی بچی ہوئی کھیر کی تہہ لگائیں۔ انناس کا ثابت ٹکڑا درمیان میں رکھ کر انناس کے چھوٹے ٹکڑے باؤل کے کنارے خوب صورتی سے سیٹ کریں۔ چیری' بادام' پستہ اور کھوپرے سے گارنش کریں۔ مزے دار ملٹی فروٹ کھیر تیار ہے' خوب ٹھنڈی کرکے سرو کریں۔

کشمیری پلاؤ

ضروری اشیاء :

بکرے کا گوشت	1/2 کلو
چاول	1/2 کلو
نمک	حسب ذائقہ
گرم مسالا پاؤڈر	1 چائے کا چمچہ
ثابت دھنیا	2 چائے کے چمچے
دار چینی	1 انچ ٹکڑا
بڑی الائچی	4 عدد
لونگ	4 عدد
سونف	2 چائے کے چمچے
ادرک لہسن پیسٹ	2 چائے کے چمچے
سیاہ مرچ پاؤڈر	1/2 چائے کا چمچہ
جائفل جاوتری پاؤڈر	1 چٹکی
دہی	1 کپ
تلی ہوئی پیاز	1 عدد
تیل	2 کھانے کے چمچے
بادام' تیل' کشمش	حسب ضرورت (تلے ہوئے)

ترکیب :

ایک پتیلی میں پانی ڈال کر اس میں گرم مسالا' نمک اور چاول ڈال کر ایک کنی رہ جانے تک پکالیں اس کے بعد پانی نتھار کر چاول الگ کرلیں۔

ململ کے کپڑے میں سونف اور ثابت دھنیا ڈال کر پوٹلی بنالیں۔

گوشت میں نمک' دار چینی' بڑی الائچی' لونگ' ادرک لہسن پیسٹ' سیاہ مرچ پاؤڈر' جائفل جاوتری اور مسالے کی پوٹلی ڈال کر پکائیں گوشت گل جانے کے بعد اس میں دہی ڈال کر بھون لیں۔ ایک بڑے پتیلے میں تیل گرم کریں اور اس میں ایک تہہ چاول اور ایک تہہ گوشت کی لگائیں اوپر تلی ہوئی پیاز' بادام' کشمش' زعفران' کیوڑہ اور زرد رنگ ڈالیں۔ 10 منٹ دم پر رکھیں' مزے دار کشمیری پلاؤ تیار ہے گرما گرم سرو کریں۔

☆

☆

حسن و صحت

ادارہ

گردن کا درد' ایک تکلیف دہ صورت حال!

بھرپور زندگی گزارنے کے لیے اچھی صحت کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ اچھی صحت مکمل متوازن غذا اور ورزش کے بغیر نامکمل ہے۔ یہ چیزیں انسان کی ذہنی و جسمانی کارکردگی کو برقرار رکھنے کے لیے توانائی فراہم کرتی ہیں اور بیماریوں کے خلاف جسم میں قوت مدافعت پیدا کرتی ہیں۔ جس سے زندگی پروقار گزرتی ہے۔

تکلیف چاہے کوئی سی بھی زندگی کی خوب صورتی کو متاثر کرتی ہے۔ انسان جو کہ اپنی زندگی کے ہر لمحے سے خوشیاں کشید کرنے کا خواہش مند رہتا ہے وہ ان تکلیفوں اور بیماریوں کے باعث خوشی کے خوب صورت لمحات کو کھو دیتا ہے۔ جدید تحقیق یہ بات ثابت کرتی ہے کہ آج کل انسانی عمر میں تیزی کے ساتھ کمی واقع ہو رہی ہے۔ جس کی اہم وجہ ذہنی انتشار' غیر متوازن غذا' بے جا آرام اور ناقص پانی ہے۔ یہ تمام چیزیں مل کر آہستہ آہستہ انسان کو ختم کرنے لگتی ہیں اور وہ مختلف بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے کچھ بیماریوں کو ہم متوازن غذا اور صحت مند ماحول سے کنٹرول کرسکتے ہیں اور کچھ بیماریوں کو ہم ورزش کے ذریعے ختم کرکے زندگی کی خوشیوں سے بھرپور انصاف کرسکتے ہیں۔ وہ بیماریاں جنہیں ہم ورزش کے ذریعے کنٹرول کرسکتے ہیں ان میں ایک اہم اور توجہ طلب تکلیف' گردن کا درد ہے۔

گردن میں درد کی وجوہات

(1) طویل عرصے تک ایک ہی پوزیشن پر کام کرتے رہنا۔

(2) نامناسب یا غیر متوازن طریقے سے دیر تک جھک کر کام کرنا۔

(3) گردن اور بازوؤں کو روز مرہ کے معمول کی صورت کے خلاف استعمال کرنا۔

(4) غلط یعنی موٹا اور سخت تکیہ استعمال کرنا۔

(5) ذہنی دباؤ کی بدولت۔

(6) گردن کے مہروں میں عمر کے ساتھ ساتھ تبدیلی کے باعث پٹھوں کے کمزور ہونے سے بھی گردن کا درد ہو جاتا ہے۔

(7) کسی چوٹ کے لگنے یا فریکچر ہونے کے باعث۔

احتیاطی تدابیر

(1) لمبے عرصے تک ایک ہی پوزیشن میں گردن کو جھکا کر کام نہ کریں بلکہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد پوزیشن تبدیل کرتے رہیں تاکہ گردن کو آرام مل سکے۔

(2) سخت اور اونچا فوم کا تکیہ ہرگز استعمال نہ کریں' نرم اور تقریباً" تین انچ موٹا تکیہ استعمال کریں۔

(3) ایسی کرسی کا انتخاب کریں جس کی پشت آپ کی گردن کے برابر ہو تاکہ آپ کچھ وقفے کے لیے گردن کو اس پر ٹیک کر آرام کرسکیں۔

(4) لکھنے اور پڑھنے کے لیے اونچی ٹیبل کا انتخاب کریں تاکہ آپ کی گردن سیدھی رہے اور آپ آسانی سے کام کرسکیں۔

(5) زیادہ دیر تک کمپیوٹر کے سامنے نہ بیٹھیں کمپیوٹر ہمیشہ اپنی گردن کے برابر مناسب میز پر رکھیں۔

(6) دن میں دو یا تین بار گردن کی ورزش ضرور کریں۔
(7) روزانہ کم از کم ایک گھنٹے کے لیے چہل قدمی (Walk) ضرور کریں۔

ورزش

(1) گردن کو نیچے سینے کی جانب جھکائیں۔پانچ سیکنڈ ٹھہریں پھر گردن کو اوپر کی طرف اٹھائیں (جتنا آپ آسانی سے اوپر اٹھا سکیں)۔پانچ سیکنڈ اسی طرح رہنے کے بعد اپنی پہلے والی پوزیشن میں آجائیں اس عمل کو دس بار دوہرائیں۔
(2) گردن کو سیدھا رکھتے ہوئے پہلے دائیں جانب موڑیں پانچ سیکنڈ رکنے کے بعد اپنی اصلی حالت میں آتے ہوئے بائیں جانب گردن کو موڑیں اور پانچ سیکنڈ کے لیے رکیں پھر واپس اپنی نارمل پوزیشن میں آجائیں۔یہ عمل بھی دس بار دوہرائیں۔
(3) گردن کو سیدھا رکھتے ہوئے دائیں جانب جھکائیں کچھ سیکنڈ کے لیے اسی طرح رہیں۔پھر واپس گردن کو سیدھا کرتے ہوئے بائیں جانب جھکائیں کچھ دیر کے لیے اسی طرح رہیں پھر واپس اپنی نارمل پوزیشن میں آجائیں یہ عمل دس دس بار کریں۔
(4) گردن کو سیدھا رکھ کر آہستہ آہستہ کلاک اور اینٹی کلاک گھمائیں' کم از کم دس دس بار گھمائیں۔
ان ورزشوں پر عمل کرکے آپ یقیناً" گردن میں ہونے والے درد سے نجات حاصل کرسکتے ہیں۔

بالوں کے مسائل اور ان کے حل

کناروں کا پھٹنا' ڈینڈرف (خشکی) کھوپڑی کی جلد کا خشک ہوجانا' کھجلی کا پیدا ہونا عام مسائل ہیں جو صحت مند بالوں کے لیے مصیبت بن جاتے ہیں۔بیشتر مواقع پر مناسب علاج کے ذریعے ان مسائل پر قابو پایا جاسکتا ہے۔
ڈینڈرف (خشکی) : بالوں کی جڑوں کے پاس

کھوپڑی کی جلد پر خشکی کی چکنی چکنی پرتیں پڑجاتی ہیں اس حالت کو پپڑی پڑجانے والی اور کھجلی پیدا ہونے والی جلد سے مختلف سمجھیں جس کا حال اگلی سطروں میں بیان کیا جائے گا۔
ناقص غذا' نظام ہضم کی خرابی' ذہنی دباؤ' ہارمونز کا عدم توازن اور بعض اوقات انفیکشن' ان حالات میں کھوپڑی کی جلد پر خلیوں کے پیدا ہونے کی رفتار بڑھ جاتی ہے جس کے باعث سیم بھی زیادہ تعداد میں پیدا ہونے لگتے ہیں یہ چکنائی پیدا کرنے والے غدود ہیں۔ بالوں کی جلد اس اضافی چکنائی کو اپنے اندر جذب کرلیتی ہے لیکن اگر اس کا علاج نہ کیا جائے تو مرض بڑھ جاتا ہے۔
اپنی خوراک اور طرز زندگی میں مثبت تبدیلی لائیں اگر یہ مسئلہ ذہنی دباؤ کے باعث ہے تو پرسکون رہنے کی تیکنک سیکھیں۔ شیمپو کرنے سے قبل بالوں میں برش کریں۔ کنگھے اور برش بار بار اچھی طرح دھوتی رہیں۔ہمیشہ ہلکا شیمپو منتخب کریں جس میں ڈینڈرف کو ختم کرنے کی صلاحیت ہو جو پرتوں کو جلد سے اکھاڑ دے اور نئی پرتیں بننے سے روکے۔ اس کے بعد ٹریٹمنٹ لوشن کا استعمال کریں اور انگلیوں کی مدد سے کھوپڑی کی جلد پر اس کا مساج کریں۔ موثر فائدہ کے لیے یہ علاج باقاعدگی سے جاری رکھیں۔ ہیٹ اسٹائلرز کے زیادہ استعمال سے اجتناب برتیں پھر بھی افاقہ نہ ہو تو ڈاکٹر سے مشورہ کریں۔
خشکی اور کھجلی والی کھوپڑی کی جلد : اس پر مردہ جلد کے چھوٹے چھوٹے ذرات پیدا ہوتے ہیں جو جلد سے جھڑنے کے بعد سب سے پہلے کندھوں پر نظر آتی ہے۔ اس حالت کو عموماً" ڈینڈرف سمجھ لیا جاتا ہے لیکن دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ بعض اوقات کھوپڑی کی جلد سرخ ہوجاتی ہے اور اس میں کھجلی پیدا ہونے لگتی ہے۔ بال روکھے اور پھیکے نظر آنے لگتے ہیں۔
نسلی منتقلی' ذہنی دباؤ' بالوں سے شیمپو کو اچھی طرح صاف نہ کرنا' سیم کی کمی' تیز شیمپو کا استعمال' وٹامنز کا عدم توازن' فضائی آلودگی' ایئر کنڈیشننگ اور سینٹرل ہیٹنگ۔
جڑی بوٹیوں کے عرق پر مشتمل موئسچرائزنگ شیمپو اور کنڈیشنرز استعمال کریں تاکہ وہ آپ کی کھوپڑی کی جلد کو سکون دیں اور اسے دوبارہ موئسچرائز کردیں۔
باریک بال : لٹک جاتے ہیں' فلیٹ نظر آتے ہیں' انہیں اسٹائل کرنا مشکل ہوتا ہے۔
بالوں کی بناوٹ موروثی ہے لیکن عموماً" بہت بھاری کنڈیشنرز استعمال کرکے مسئلہ کو اور بھی الجھالیا جاتا ہے' جس کے باعث بالوں کا وزن بڑھ جاتا ہے اور وہ زیادہ لٹک جاتے ہیں۔ اسٹائلنگ مصنوعات کا زیادہ استعمال بھی یہی کیفیت پیدا کرتا ہے۔
ہلکے کلینزرز سے بالوں کو جلدی جلدی دھویا کریں۔ اس کے ساتھ ہلکا کنڈیشنر استعمال کریں۔ بالوں کو پھیلانے والے شیمپو انہیں بھاری بھرکم بناسکتے ہیں۔ ہلکا پرم کرنے سے بھی بال نسبتاً" موٹے نظر آنے لگتے ہیں۔
الجھے ہوئے بال : ہلکی سی بارش میں بالوں کے نمی جذب کرنے کے باعث ایسا ہوتا ہے۔ خشک نظر آتے ہیں' لچک باقی نہیں رہتی اور انہیں کنٹرول کرنا مشکل ہوتا ہے۔
موروثی ہوسکتے ہیں یا بے دردی سے استعمال کے باعث ہوسکتے ہیں جیسے بہت سخت برش کرنا یا بالوں کو ربربینڈ میں ڈال کر کھینچنا۔
بالوں کو دھوتے وقت شیمپو کو ان کی جڑوں میں مساج کریں اور جھاگ کو بالوں کے سروں تک مل کر ان پر اثر انداز ہونے دیں۔ کنڈیشنر کو بالوں کے بیچ کے حصے سے جڑوں تک لگائیں۔یا پھر اچھا کنڈیشنر استعمال کریں یہ بال جیل کی مدد سے بہت اچھے اسٹائل میں ہوتے ہیں' جیل کو گیلے بالوں میں لگانا چاہیے۔ سیرم بھی مدد کرسکتے ہیں یہ سیلیکون پر مشتمل مصنوعات ہوتی ہیں جو کیوٹیکلز کے اطراف ایک شفاف خوردبینی جھلی چڑھادیتی ہیں اس سے بالوں کے تنے زیادہ ہموار ہوجاتے ہیں۔ سیرم نمی کو اڑنے سے بھی روکتے ہیں اور اردگرد کی ہوا سے نمی جذب کرنے کی صلاحیت بھی حاصل کرلیتے ہیں۔
کناروں کا پھٹنا : یہ کیوٹیکل کو نقصان پہنچنے اور کورٹیکس کے ریشوں کے کھل جانے کے باعث وجود میں آتا ہے۔ بال خشک' بے لچک ہوجاتے ہیں اور آپس میں الجھنے لگتے ہیں۔ کناروں یا بیچ کے کسی مقام سے بھی پھٹ جاتے ہیں۔
ضرورت سے زیادہ پرمنگ یا کلرنگ' ناکافی کنڈیشننگ یا بہت زیادہ برشنگ یا پیچھے کی سمت کنگھا کرنا خصوصاً" خراب کوالٹی کے کنگھے یا برش سے۔ اسپائیکی رولرز اور ہیئر پن کا بے احتیاطی سے استعمال' ضرورت سے زیادہ ہیٹ اسٹائیلنگ' بالوں کو باقاعدگی سے ٹرم نہ کرنا اس مسئلے کو جنم دیتا ہے۔
پھٹے ہوئے کناروں کی مرمت نہیں کی جاسکتی۔ طویل عرصے کے علاج کے طور پر ان سروں کا کاٹ دینا ہے۔ بالوں کی لمبائی کا جو نقصان ہوگا اس کا مداوا عمدہ کوالٹی سے ہوجائے گا۔ اگر آپ شیمپو کرنا کم کردیں تو اس سے بھی فائدہ ہوگا کیونکہ یہ بھی بالوں پر دباؤ ڈالتا ہے اور بالوں کے سر پھٹ کر بال کے وسطی حصے تک پہنچ سکتے ہیں۔ بالوں کے بہت قریب ڈرائر مت استعمال کریں یا بہت زیادہ درجہ حرارت پر انہیں سیٹ مت کریں۔ گرم کرنے والے آلات کا استعمال کم سے کم کردیں۔ ایسے کنڈیشنرز اور سیرم استعمال کریں جو پھٹے ہوئے کناروں کو سیل کردیں اور مزید پھٹنے سے انہیں روکیں۔

ریحانہ امجد بخاری

مسکراتی کرنیں

ہم بھی کسی سے کم نہیں

ماسٹر صاحب کا اسکول میں پہلا دن تھا۔ بچوں کو ڈراتے دھمکاتے ہوئے انہوں نے کہا۔ "اگر کسی نے ہوم ورک مکمل نہیں کیا تو میں اس کے والدین کو اسکول میں بلاؤں گا اگر کسی نے کلاس میں شور مچایا تو میں اس کی چھٹی بند کردوں گا اور اگر کوئی ٹیسٹ میں فیل ہوگیا تو میں اسے دو دن تک کلاس میں بیٹھنے نہیں دوں گا۔"

ایک بچے نے پوچھا۔ "ماسٹر صاحب! مستقل طور پر اسکول سے نکالے جانے کا جرم کیا ہوگا؟"

ماروی سومرو۔۔۔ عمرکوٹ

عقل مند

بھارتی فوج کا ایک یونٹ جنگی مشقیں کر رہا تھا۔ میدان میں کچھ دور مختلف نشانات پر مشتمل بورڈ لگے ہوئے تھے، جن پر جوان فائر کر رہے تھے۔ اسی اثنا میں تیز ہوا چلی اور بورڈوں کو اڑا کر لے گئی۔ فائرنگ کرنے والوں نے سوالیہ انداز میں کمانڈر کی طرف دیکھا گویا پوچھ رہے ہوں کہ اب کیا کرنا چاہیے۔

"فائرنگ کرتے رہو بے وقوفو!" کمانڈر چلایا۔ "اس وقت دشمن بھاگ رہا ہے۔"

ماہ میر۔۔۔ بکیرا شریف

حسن سلوک

بس اسٹاپ پر بہت سے مرد اور عورتیں بس کا انتظار کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد بس آکر رکی تو ادھیڑ عمر کا ایک شخص بس کے دروازے کی طرف لپکا لیکن فوراً ہی ایک عورت کے لیے راستہ چھوڑ کر ایک طرف کھڑا ہوگیا۔

وہ عورت اس شخص کے حسن سلوک سے بے حد متاثر ہوئی اور کہنے لگی۔ "آپ جیسے لوگوں کو دیکھ کر پتا چلتا ہے کہ دنیا میں ابھی شرافت باقی ہے۔"

"معاف کیجیے گا! یہ میرے روٹ کی بس نہیں ہے۔" شریف آدمی نے انکساری سے جواب دیا۔

ناصر ادریس۔۔۔ جڑانوالہ

باکمال

دفتر جاتے ہوئے امجد نے دیکھا کہ ایک شخص سڑک کے کنارے زمین سے کان لگائے لیٹا ہے۔ تجسس کے مارے وہ اس شخص کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ وہ شخص بڑبڑایا۔ "ہرے رنگ کی کار جسے ادھیڑ عمر شخص چلا رہا ہے، کراچی کی نمبر پلیٹ ہے اور بمپر پچکا ہوا ہے۔"

امجد نے حیرت سے پوچھا۔ "کمال ہے! آپ زمین سے صرف کان لگا کر بتا سکتے ہیں کہ۔۔۔ ایسی کوئی کار اس جانب آ رہی ہے؟"

وہ شخص کراہ کر بولا۔ "آ نہیں رہی ہے بے وقوف۔۔۔! میں تو تمہیں اس کار کے بارے میں بتا رہا ہوں جو مجھے ٹکر مار کر ابھی یہاں سے گزری ہے۔"

گوہر حبیب۔۔۔ بنیر

ہری مرچیں

ایک صاحب کے پاس کچھ لوگ آکر کہنے لگے۔ "ہم راہ سے بھٹکی ہوئی عورتوں کی مدد کے لیے چندہ جمع کر رہے ہیں۔"

ان صاحب نے جواب دیا۔ "معاف کیجیے گا! میں براہ راست ان کی مدد کرتا ہوں۔۔۔"

☼ ☼ ☼

ایک شخص جنرل اسٹور میں داخل ہوا اور سیلز مین سے مخاطب ہو کر کہا۔ "کیا آپ کے پاس سر درد کی دوا ہے؟"

"کیا آپ شادی شدہ ہیں؟" سیلز مین نے پوچھا۔

اس شخص نے کہا۔ "جی ہاں!"

"معاف کیجیے گا! شادی کے بعد ہونے والے سر درد کی دوا ہمارے پاس نہیں ہے۔" سیلز مین نے جواب دیا۔

☼ ☼ ☼

ایک فرم کے منیجر نے انٹرویو کے دوران ڈرائیور سے پوچھا۔ "کیا تم کسی حادثہ میں کبھی گرفتار ہوئے ہو؟"

"جناب! میں کبھی موقع پر پکڑا ہی نہیں گیا۔" ڈرائیور نے جواب دیا۔

☼ ☼ ☼

"تمہیں علم ہے کہ کل رات تمہارے کتے نے میری ساس کی ٹانگ بھنبھوڑ ڈالی؟"

"اوہ! مجھے افسوس ہے۔ خیر ان کے علاج معالجے پر جو رقم خرچ ہوگی، وہ میں ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"افسوس کی ضرورت نہیں دوست، میں تو صرف یہ پوچھنے آیا ہوں کہ اتنے اچھے کتے کے دام کیا لوگے؟"

☼ ☼ ☼

صبح اٹھ کر وہ جب تک میک اپ نہ کرلے خود اپنی شکل نہیں دیکھتی، لپ اسٹک لگائے بغیر تو وہ فون پر بات بھی نہیں کرتی۔ ایک مرتبہ وہ شدید بیمار ہوئی تو کسی نے کہا۔ "اللہ سے دعا کرو، موت کا فرشتہ آیا چاہتا ہے۔"

اس نے فوراً متوجہ ہو کر پوچھا۔ "کون آیا چاہتا ہے؟ ذرا میری لپ اسٹک دینا۔۔۔"

★ ★ ★

نقل کے بڑھتے ہوئے رجحان کے پیش نظر انتظامیہ نے اعلا تعلیم یافتہ لوگوں پر مشتمل کمیٹی تشکیل دی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کمیٹی کو خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوگی۔۔۔ کیونکہ اس کمیٹی کے تمام ارکان نقل کرنے کے ہر طریقے سے آشنا ہیں۔

☼ ☼ ☼

ایک تحقیقاتی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ جہاں ڈاکٹر، انجینئر اور اساتذہ وغیرہ ناخواندگی کے خلاف جہاد کر رہے ہیں، وہیں بس، ٹرک اور کوچز کے ڈرائیور بے روزگاری کے خلاف مہم میں مصروف ہیں۔

حادثات کی بڑھتی ہوئی شرح اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

☼ ☼ ☼

بھولے میاں نے اس لیے شادی کی تھی کہ اسے ہمدردی اور محبت کی ضرورت تھی۔ شادی کے بعد جب سے اس کے پڑوسیوں نے اس کی ساس کو دیکھا ہے، بھولے میاں کو اپنے پڑوسیوں کی سچی ہمدردی حاصل ہوگئی ہے۔

☼ ☼ ☼

آئرش پادری وعظ کر رہا تھا۔ "شراب نوشی ایک لعنت ہے۔ انسان دوسروں سے جھگڑتا ہے۔ اپنے پڑوسیوں سے لڑتا ہے، اپنے مالک مکان پر گولی چلاتا ہے۔۔۔ اور نشانہ خطا جاتا ہے۔"

فرح مصطفیٰ۔۔۔ اسلام آباد

کم گو

گاؤں میں رہنے والے ننھے میاں کے دادا جان بہت کم گو اور بالکل "ٹو دی پوائنٹ" بات کرنے کے عادی تھے۔ ایک روز وہ صبح سویرے سیر کرنے کے لیے گھر سے نکلے تو شام ڈھلے تک واپس نہیں آئے۔

اندھیرا پھیلنے لگا تو گھر والوں کو پریشانی لاحق ہوئی۔ انہیں تلاش کرنے کے لیے ننھے میاں کو روانہ کیا گیا۔ کافی دیر ادھر ادھر پھرنے کے بعد آخر کار وہ ننھے میاں کو جنگل کے قریب ایک جگہ جھاڑیوں میں کھڑے مل گئے۔

"دادا جان..... شام ہو گئی ہے۔" ننھے میاں نے بات شروع کی۔

"ہاں!" دادا جان نے حسب عادت مختصر جواب دیا۔

"دادا جان..... اب تو رات کے کھانے کا وقت ہو رہا ہے۔" ننھے میاں نے اپنے خیال میں انہیں احساس دلانے کی کوشش کی کہ انہیں گھر سے نکلے کتنی دیر ہو گئی ہے۔

"ہاں!" ساکت کھڑے دادا جان نے اس بار بھی ننھے سے اتفاق کیا۔

"کیا آپ کو بھوک نہیں لگی، دادا جان؟" ننھے میاں نے دریافت کیا۔

"لگی ہے۔"

"تو کیا آپ گھر نہیں چلیں گے؟"

"نہیں۔"

"آخر کیوں؟"

"مجبوری ہے۔"

"کیسی مجبوری.....؟" ننھے میاں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ یہاں کچھ لوگوں کو گیدڑ پکڑنے کا شوق ہے۔"

"جی ہاں۔" ننھے میاں نے جواب دیا۔

"اور اس مقصد کے لیے وہ ادھر ادھر پھندا لگا دیتے ہیں۔"

"جی ہاں..... دادا جان مجھے معلوم ہے۔"

"میرے دونوں پاؤں اس وقت ایسے ہی پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں۔" دادا جان نے ہلکی کراہ کے ساتھ کہا۔

عائشہ اظہر..... ٹنڈو جان محمد

آہ و زاری

ایک صاحب اپنے دوست سے کہہ رہے تھے۔

"یہ بارش تو رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی، میری بیوی کو گھر سے باہر گئے ہوئے تین گھنٹے ہو چکے ہیں، پتا نہیں وہ کہاں ہو گی؟"

دوست نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "فکر نہ کرو، وہ آجائے گی۔"

"فکر کی ہی تو بات ہے، کہیں اسے کوئی حادثہ نہ پیش آگیا ہو یا اسے کسی نے اغوا نہ کر لیا ہو یا پھر ممکن ہے وہ شاپنگ کر رہی ہو۔" ان صاحب نے کراہتے ہوئے بات جاری رکھی۔ "خدا نہ کرے کہ وہ شاپنگ کر رہی ہو۔"

سارہ نواز..... پسنی

بات تو سچ ہے مگر.....!

☆ اگر آپ کسی بے وقوف کی شکل نہیں دیکھنا چاہتے ہیں تو آپ کو سب سے پہلے اپنا آئینہ توڑ دینا چاہیے۔

☆ ایک مرتبہ شادی کرنا فرض ہے، دوسری مرتبہ حماقت اور تیسری مرتبہ پاگل پن۔

☆ مہمان چلے جانے کے بعد اکثر بہت اچھے لگتے ہیں۔

☆ تجربہ بہترین استاد ہے لیکن اس مدرسے کی فیس بہت زیادہ ہے۔

☆ اگر آپ بہت زیادہ شور کرتی ہوئی خواتین کے کسی ہجوم کو چپ کرانا چاہتے ہیں تو صرف ان سے یہ پوچھ لیجیے کہ آپ میں سب سے بڑی عمر کی خاتون کون ہیں؟

☆ شادی کے بعد اسے خبر ہوئی کہ حقیقت میں مسرت بھری زندگی کسے کہتے ہیں مگر افسوس اس وقت تک بہت تاخیر ہو چکی تھی۔

☆ میں پکا عہد کرتا ہوں کہ اس مہینے صرف اور

صرف اپنی آمدنی میں ہی گزارا کروں گا خواہ اس کے لیے مجھے ادھار ہی کیوں نہ لینا پڑے۔

☆ وہ اتنا احمق ہے کہ اس کی صحبت میں بیٹھ کر دوسرے بھی خود کو احمق سمجھنے لگتے ہیں۔

☆ دیکھیے میرے ساتھ مختصر بات کیجیے، میں چند لفظوں میں اپنا مدعا بیان کر دینے کا عادی ہوں۔

ٹھیک ہے جناب! میں آپ کا مطلب سمجھ گیا میں بھی شادی شدہ ہوں۔

☆ سنا ہے آپ کا بیٹا امریکا میں بہت اچھا کما رہا ہے؟

☆ معلوم نہیں! بہرحال امریکی پولیس نے اس کی گرفتاری پر ایک لاکھ ڈالر کا انعام رکھا ہے۔

☆ عوام پر بوجھ ڈالے بغیر ملک کو خوشحال کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ سیاسی تقریروں پر فی لفظ کے حساب سے ٹیکس لگا دیا جائے۔

نجمہ حفیظ..... کراچی

خوفناک خواب

ایک صاحب نفسیاتی معالج کے پاس پہنچے اور انہیں اپنی پریشانی بتائی۔ "ڈاکٹر صاحب! میں گزشتہ کئی راتوں سے ایک ہی خواب دیکھ رہا ہوں جس میں میری ساس ایک ہیبت ناک چڑیل کے ہمراہ میرے کمرے میں داخل ہوتی ہے..... اس کی لال لال آنکھیں، کھچڑی بال، لمبی زبان، بڑے بڑے ناخن....."

نفسیاتی معالج نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"اف..... واقعی نہایت ہولناک خواب ہے۔"

مریض نے ناگواری سے کہا۔ "لیکن ڈاکٹر صاحب! ابھی آپ نے پورا خواب سنا ہی کہاں ہے..... چڑیل کے بارے میں ابھی میں نے آپ کو کہاں بتایا ہے؟"

طاہرہ عزیز..... کالا گوجراں

پکنک

وہ دونوں اتوار کو سارا دن ساحل سمندر پر پکنک منا کر شام کو واپس آرہے تھے کہ اچانک نوجوان نے پریشان ہو کر لڑکی سے پوچھا۔

"میرے خیال میں تم پکنک کے سارے واقعات اپنی ممی کو تو نہیں بتاؤ گی۔"

"اوہ نہیں.....!" لڑکی نے جواب دیا۔ "یہ میرا شوہر ہی ہے، جسے طرح طرح کے سوال کرنے کی عادت ہے میری ممی کو تو ذرا پروا نہیں۔"

رضوانہ عباس..... کہروڑ پکا

قابل دید

ایک سرمایہ دار نے پاگل خانے کی انتظامیہ کو ایک بڑا تالاب تیار کرنے کے لیے معقول رقم دی۔ اس کی خواہش تھی کہ پاگل خانے کے ذہنی مریض پیراکی اور مچھلی کے شکار کا حقیقی لطف اٹھائیں۔

تالاب کی تعمیر کے چند ہفتے بعد اس نے ایک منتظم سے پوچھا۔ "مریضوں نے تالاب کو پسند کیا.....؟"

"بے حد پسند کیا جناب!" منتظم نے کہا۔ "کچھ تو کئی کئی گھنٹے نہاتے ہیں، کچھ تیرتے رہتے ہیں اور کچھ مریض دن بھر ڈور ڈالے بیٹھے رہتے ہیں۔ ان کی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے انتظامیہ سنجیدگی سے غور کر رہی ہے کہ تالاب میں کچھ مقدار میں پانی اور دو چار مچھلیاں بھی ڈلوا دی جائیں۔"

نوری محمد بلوچ..... ساہیوال

لائسنس

ایک خاتون نے اپنی کار کو دوسری کاروں کے ہجوم سے نکالتے ہوئے بڑی زور سے سامنے والی کار کو ٹکر ماری، اس کے بعد بڑی بے دردی سے پیچھے والی کار سے اپنی کار ٹکرا دی۔ جب وہ سڑک پر پہنچیں تو یہاں بھی ایک ٹرک کے ساتھ اپنی کار ٹکرا دی، پھر تھوڑے فاصلے پر ایک ریڑھی الٹا دی، پھر اچانک ایک موٹر سائیکل سوار کو بچاتے بچاتے ایک سائیکل سوار کو سڑک چاٹنے پر مجبور کر دیا۔

ایک ٹریفک کانسٹیبل جو کافی دیر سے ان محترمہ کی

تمام حرکات دیکھ رہا تھا' آگے بڑھا اور خاتون سے مخاطب ہو کر بولا۔ "محترمہ! ذرا اپنا لائسنس تو دکھائیے۔"

"بے وقوف مت بنو میاں کانسٹیبل۔" خاتون نے جھلا کر کہا۔ "بھلا مجھے کون لائسنس دے گا؟"

صائمہ ہاشمی۔۔۔ جھنگ صدر

خواہش

ایک آدمی کی اپنے ایک پرانے دوست سے ملاقات ہوئی۔ اس کا دوست اب معمولی آدمی نہیں رہا تھا بلکہ وہ ایک دیوتا کا روپ دھار چکا تھا۔ آدمی نے اس سے اپنی مفلسی کا رونا رویا۔

دیوتا نے تحمل سے اس کی بپتا سنی' پھر سڑک کے کنارے پڑی ہوئی ایک اینٹ کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔ اینٹ فی الفور سونا بن گئی۔

دیوتا نے اسے مطمئن کرنے کے لیے سونے کا ایک بڑا سا مکان بنا کر دے دیا لیکن اس کی اب بھی تسلی نہیں ہوئی۔

دیوتا نے سوال کیا۔ "دوست۔۔۔! تم اور کیا چاہتے ہو؟"

"تمہاری انگلی۔۔۔!" آدمی نے جواب دیا۔

مائدہ عمران۔۔۔ نارووال

فرمائش

ملزم کو عدالت میں پیش کیا گیا تو اس وقت بھی اس کا خمار نہیں اترا تھا۔ جج صاحب نے ناگواری سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ یہاں تمہیں شراب نوشی کے سلسلے میں لایا گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ تو پھر کرائیے شراب نوشی۔" ملزم نے خوش ہوتے اور لہراتے ہوئے کہا۔

نادیہ اسلم۔۔۔ منڈی بہاالدین

صحیح طریقہ

ایک ڈاکٹر اور ایک پادری ایک دوسرے کے پیشے کو مذاق کا نشانہ بنا رہے تھے۔ باتوں باتوں میں پادری نے شہر کی ایک معزز شخصیت کی صحت کے بارے میں دریافت کیا تو ڈاکٹر نے کہا۔ "صاف بات تو یہ ہے کہ انہیں مجھ سے زیادہ تمہاری ضرورت ہے۔"

پادری نے فکر مند ہو کر پوچھا۔ "اچھا۔۔۔! کیا ان کی حالت اتنی زیادہ خراب ہے؟"

ڈاکٹر بولا۔ "نہیں۔۔۔! یہ بات نہیں ہے۔۔۔ آپ تقریر بہت اچھی کرتے ہیں' دراصل میں چاہتا ہوں کہ وہ کچھ دن کے لیے سو جائیں۔۔۔ مگر وہ ہیں کہ ان کو نیند ہی نہیں آتی۔"

ہاجرہ خان۔۔۔ ملیر' کراچی

برجستگی

اکبر بادشاہ نے شکار کے دوران ایک ہرن کو نشانہ بنایا' تیر چلایا تو نشانہ خطا گیا۔ اس کا وزیر بیربل اس کے ساتھ تھا' اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ "مبارک ہو۔"

بادشاہ کی تیوری پر بل پڑ گئے۔ اس نے بیربل کو مڑ کر دیکھا اور غصے سے کہا۔ "تم میرا مذاق اڑا رہے ہو یا میرے نشانے کا۔۔۔؟"

بیربل نے برجستہ کہا۔ "یہ ناچیز ظل الٰہی کا مذاق کیونکر اڑا سکتا ہے' غلام تو بچ جانے والے ہرن کو مبارک باد دے رہا تھا۔"

فائزہ عزیز۔۔۔ اسلام آباد

سرپرائز

ایک عورت نے نئی سم خریدی اور سوچا کہ اپنے شوہر کو سرپرائز دوں گی۔ شوہر ڈرائنگ روم میں بیٹھا تھا۔ وہ کچن میں گئی اور شوہر کو نئے نمبر سے کال کی۔ "ہیلو ڈارلنگ۔"

شوہر نے مدھم آواز میں جواب دیا۔

"پلیز! تم مجھے بعد میں کال کرنا' ابھی چڑیل کچن میں ہے۔"

کلثوم غفار۔۔۔ کوئٹہ

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جا رہے ہیں۔

نسرین کنول۔۔۔ کراچی

س: خانہ شماری سے علم ہوا کہ بے روزگاروں کی فہرست سے ایک نام کم ہو گیا ہے۔ جب تحقیق کی تو پتا چلا کہ وہ بے روزگار آج کل کرن میں نہلے پہ دہلا مار رہا ہے؟

ج: شکر ہے خدا کا روزگار تو ہے۔

عاصمہ نازلی۔۔۔ راولپنڈی

س: ذوقی بھیا! سنا ہے چیونٹیاں آپس میں ٹکراتی ہیں تو کوئی پیغام دیتی ہیں اور جب جہاز ٹکراتے ہیں تو؟

ج: پھر انہیں زمین پیغام دیتی ہے۔

نورین عزیز۔۔۔ شکارپور

س: پھول ہوتے تو تیرے در پہ سجا بھی دیتے
زخم لے کے تیری دہلیز پہ جاؤں کیسے؟

ج: چلو آ جاؤ' ہم فرسٹ ایڈ بکس منگوا لیتے ہیں۔ آخر انسانیت بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔

ثانیہ تاج۔۔۔ کوئٹہ

س: بھیا! یہ مرد حضرات لڑکیوں کو صحیح طریقہ سے نہیں دیکھ سکتے' کیا ضروری ہے کہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھیں؟

ج: نہیں کوئی خاص ضروری نہیں' بس ویسے دیکھیں جیسے لڑکیاں انہیں دیکھتی ہیں۔

صبا جمیل احمد۔۔۔ کراچی

س: اب تو عینک کی سخت حاجت ہے۔ کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے؟

ج: ایسا کرو' جس چیز کی حاجت ہے اس سے دور رہو' اچھا ہے کہ صورت نظر نہیں آئے گی۔

رضیہ سلطانہ بلوچ۔۔۔ حیدرآباد

س: بیوی تو میکے جانے کی دھمکی دیتی ہے لیکن شوہر؟

ج: رات گئے گھر سے باہر جانے کی۔

صبیحہ ارشاد قریشی۔۔۔ کراچی

س: جو شخص ٹھوکر کھا کر بھی نہ سنبھلے' اسے کیا سمجھنا چاہیے؟

ج: ٹھوکر کھانے کا عادی۔

س: دوست کب دھوکا دیتا ہے؟

ج: یہ پوچھیں کب نہیں دیتا۔

تحسین زیدی۔۔۔ کراچی

س لوگ چاند پر جاتے ہیں، سورج پر کیوں نہیں جاتے؟
ج ایئر کنڈیشنر پلانٹ خراب پڑا ہے وہاں کا ایک عرصے سے۔

س مرد ظالم، عورت مظلوم اور بچے؟
ج کہتے ہیں ان سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔

عینی طفیل..... کراچی

س اگر یہ صحیح ہے کہ صحبت کا اثر ہوتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ کانٹوں پر پھول کی صحبت کا اثر نہیں ہوتا؟
ج دونوں میں ضد چل رہی ہے۔ دلائل اگرچہ زور دار ہیں لیکن نہ پھول کانٹوں کا اثر لینے پر رضامند ہیں اور نہ ہی کانٹے۔

منصوری..... کمرشل سینٹر

س آپ اتنے خوب صورت کیسے ہو گئے۔ کہیں یہ سب فیئر اینڈ لولی کا کمال تو نہیں ذوالقرنین جی؟
ج فیئر اینڈ لولی کا اشتہار دیکھ کر تو کسی سیاہ ترین جلد کے مالک کا بھی دل ایسی کریم استعمال کرنے کو نہیں چاہے گا بی بی۔

عالیہ حرا..... ڈالمیہ کراچی

س تمہیں لکھنا تو آتا نہیں پھر تمہارے ہی لوگ تمہیں نئی نسل کا نمائندہ قلمکار کیوں کہتے ہیں جبکہ میری نظر میں تم میں کوئی ایسی بات نہیں؟
ج مجھ میں کوئی ایسی بات نہیں، میری تحریر میں شاید ضرور ہے۔

رضیہ حمید..... شکارپور

س آسمان پر چمکتی کہکشاں اور دلہن کی جھلملاتی مانگ میں سے آپ کو کون سی چیز پسند ہے؟
ج دونوں بہت دور ہیں مجھ سے۔

ثمینہ کوثر..... ملتان

س نین بھیا! آپ کے ہر ناول کا ہیرو سگریٹ یا سگار ہی کیوں پیتا ہے۔ پچھ اور کیوں نہیں؟
ج پاکستان میں ان دو چیزوں کے ساتھ صرف چائے پینے کی اجازت ہے۔

فرح دیبا..... کراچی

س کہیں الو بولتے تو جگہ ویران ہو جاتی ہے۔ اگر ذوالقرنین بولے تو جگہ کا کیا حال ہوتا ہے؟
ج احباب کو گمان ہوتا ہے کہ جشن بہاراں کا سماں ہے۔

شہناز اختر..... ڈلوال

س آہستہ سے بتادیں۔ جو ناول آپ کے نام سے آرہا ہے۔ وہ آپ کس سے لکھوا رہے ہیں؟
ج ایک ہے مگر نام ہم تمہیں کیوں بتائیں اس کا۔

شبانہ عینی..... کراچی

س ذوقی بھیا! اتنے اہتمام سے تیار ہو کر کیوں بیٹھے ہو کیا بھابھی کا انتظار ہے؟
ج بات یہ نہیں بلکہ معاملہ یوں ہے کہ تمہاری بھابھی کو ہمارا انتظار ہے۔

شیریں رحمٰن..... کوئٹہ

س قابلِ رشک موت تو شہادت ہے۔ یہ بتائیے کہ قابلِ رشک زندگی کیا ہے؟
ج جو جہاد کرتے گزرے۔ اپنے نفس کے خلاف۔

عالیہ ناز..... سندھ

س دیکھیں نین صاحب! اگر میں آپ کی کرسی چھین لوں تو کیا ہوگا؟
ج ہم دوسری کرسی پر بیٹھ جائیں گے۔

صفیہ مشتاق فاروقی..... فیصل آباد

س مرد بیوی کو ہر ماہ تنخواہ دیتا ہے تو بیوی کیا دیتی ہے؟
ج تنخواہ ختم ہونے کے بعد طعنے تشنیع وغیرہ وغیرہ خوش۔

نامے میرے نام

عائشہ خان..... ٹنڈو محمد خان

ٹائٹل اچھا لگا مگر بہت اچھا نہیں بس سو سو تھا۔ نہ برا نہ اچھا "دردل" نہ پا کر سخت مایوسی ہوئی کیونکہ اس دفعہ سب سے زیادہ انتظار دردل کا تھا اور وہ ہی شامل نہیں..... خیر پھر "دست کوزہ گر" کی طرف بڑھے۔ بہت اچھی قسط تھی شگفتہ کا غصہ تو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا۔ جب ماں کا غصہ ختم ہی نہیں ہو رہا تو بے چارہ الیان یہی فیصلہ کرے گا نا..... نمل کا تو کوئی ذکر ہی نہیں ہوا اور بے چاری زوبیہ مجھے تو زوبیہ پر بہت رحم آتا ہے۔ دادی نے کچے ذہن میں من گھڑت باتیں بٹھا دیں اب بھگتنا تو زوبیہ کو پڑ رہا ہے نا یہ سب عائشہ کے کرتوتوں کی سزا ہے..... جو زوبیہ کو بھگتنا پڑ رہی ہے۔ کراچی میں میری بہن ہے صائمہ مکرم، میں نے اس کو بھی کہا ہے کہ "دست کوزہ گر" ضرور پڑھنا اچھا ناول ہے اور اسے کرن ڈائجسٹ بھی بھجوایا ہے۔

افسانوں میں "قرض چکانا ہے" نسرین خالد کا بہت اچھا لگا مگر شہناز رانا کا "محبت مار دیتی ہے" کی کیا ہی تعریف کروں زبردست شہناز، اے ون، بہت اچھا لگا۔

"مقابل ہے آئینہ" میں ثمینہ اکرم پسند آئیں۔ ثمینہ اکرم کا صبر دیکھ کر رشک آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں میں اتنا صبر و تحمل دے آمین۔

انیقہ انا کا انتظار ہے کہ کب مقابل ہے آئینہ میں شرکت کریں گی۔ "میری بھی سنیے" میں جگنو کاظم اپنی سچی پکی اور کھری کھری باتوں کے ساتھ پسند آئیں۔

نوشین سرور "چل دیے اس راہ" پڑھنا شروع کی تو مزاحیہ ناول لگا۔ مونچھیں کاٹنے پر بہت ہنسی..... مگر پڑھتے پڑھتے میرے آنسو بہنے لگے۔ گیاری سیکٹر کا واقعہ آنکھوں میں گھومنے لگا۔ کیا سانحہ تھا..... کہ پل پل جان سولی پر اٹکی ہوئی تھی..... بہت روئی..... اللہ تعالیٰ ہمارے فوجی بھائیوں کو ہمت طاقت عطا فرمائے جو ہماری حفاظت اور ملک کی حفاظت کے لیے دن رات سرحدوں پر جفاکشی اور محنت سے پہرے دے رہے ہیں۔ آج کرن کے توسط سے میں اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہتی ہوں کہ میں اپنے ملک پاکستان اور اپنے پیارے وطن کی فوج سے بے انتہا محبت اور پیار کرتی ہوں۔ یقین کریں کہ میں لفظ پاکستان کہتی ہوں تو میری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں..... ویلڈن نوشین سرور بہت اچھا لکھا۔ اور مجھے اپنے جذبات اجاگر کرنے کا موقع دیا۔ باقی کرن زیرِ مطالعہ ہے۔

"نامے میرے نام" میں تمام بہنوں کے خط پسند آئے، فوزیہ ثمر "مقابل ہے آئینہ" میں آپ کو پڑھا اچھا لگا اور ایک بات آپ کے سوالوں کے برابر میں حوریہ فہیم کی تصویر تھی میں نے جیسے ہی رسالہ کھولا تو حوریہ کی تصویر دیکھ کر کہا فوزیہ ثمر کتنی پیاری ہے۔ ہاہاہا پھر نام کو پڑھا تو وہ حوریہ تھی۔ (ہاہاہا) میں ایسی ہی جلد باز اور بے وقوف ہوں۔ میں سمجھی تھی کہ فوزیہ کی تصویر ہے..... خیر میری ایسی بے وقوفیاں تو چلتی رہتی ہیں..... باقی تمام بہنوں کو سلام، انیقہ انا فوزیہ ثمر امبر گل نواب زادی اور سورٹھ ——— جلدی جلدی انٹری دیا کریں۔

آبرو ملک..... دعولہ

ستمبر کا شمارہ 15 تاریخ کو ملا۔ میرا کسی بھی شمارے میں یہ پہلا خط ہے۔ مہربانی سے اس کو ضرور شامل کیجیے گا۔ ورنہ میں کسی بھی شمارے میں آئندہ شرکت نہیں کر سکوں گی۔ میں تین چار سال سے کرن کی خاموش قاری ہوں۔ مگر یہ شمارہ جب میرے ہاتھ میں آیا تو میں نے اس کو دیکھ کر ہی خط لکھنے کا سوچا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں پڑھنے سے پہلے ایک بار پورے رسالے کو دیکھ لیتی ہوں۔ ایک نظر میں ہی مجھے جو کہانی سب سے اچھی لگتی ہے۔ اس کو سلسلہ وار ناول سے بھی پہلے پڑھتی ہوں۔ ویسے تو کرن کا شمارہ ہمیشہ ہی اچھا بلکہ بہت اچھا تھا مگر جس ناول نے مجھے خط

لکھنے پر مجبور کیا وہ نوشین سرور کا ناول "چل دیے اس راہ" تھا۔ نوشین آپ نے بہت اچھا لکھا ہے کہ لفظوں میں تعریف نہیں ہو سکتی۔ ناول میں سب سے اچھا کردار مجھے علی حمزہ صوبیدار عبدالحی اور مراد کا لگا۔ علی حمزہ کا جوش و ولولہ مریم کے بارے میں خیالات اپنے پھوپھا کی مونچھیں کاٹنے والا واقعہ غرض پوری کہانی لاجواب تھی۔ نوشین سرور کی پہلی کاوش نے ہی ان سے بہت سی امیدیں وابستہ کر دی ہیں۔ امید ہے کہ وہ اپنی معیاری تحریروں سے ہمیں محظوظ کرتی رہیں گی۔

اب تھوڑا سا دوسری کہانیوں پر تبصرہ "شوق شہادت" بھی ایک بہت بہت اچھا ناول تھا۔ مگر خط بہت لمبا ہو گیا ہے اس لیے میں اس کہانی پر تبصرہ نہیں کر رہی۔ ہمیشہ کی طرح دونوں سلسلہ وار ناول بہت اچھے لگے۔ تمام افسانے اچھے تھے۔ اور ہاں "دردل" کو نہ پا کر مجھے تھوڑا غصہ بھی آیا۔ آپی! یہ بہت اچھا ناول ہے اس ماہ میں مجھے انیقہ انا کا شعر بہت زیادہ پسند آیا۔ اب میں اجازت چاہتی ہوں اس دعا کے ساتھ کہ مجھے آئندہ بھی موقع دیں گی خط لکھنے کا۔

صائمہ اقراء۔۔۔ دگھ شریف

کرن رسالہ حسب معمول 16 تاریخ کو ہاتھ لگا۔ سارے کام چھوڑ کر پورے رسالے کا جائزہ لیا۔ ماڈل کی نسبت ماڈل کا ڈریس زیادہ اچھا تھا۔

حمد و نعت سے استفادہ کرنے کے بعد اداریہ کی جانب نگاہ پڑی۔ اداریہ پڑھ کر ایسا لگا جیسے یہ الفاظ میرے اپنے ہی لکھے ہوئے ہوں۔ ایسا لگا جیسے میرے جذبات کو لفظوں میں ڈھال دیا گیا ہو۔ بہت خوب ہمیں اپنے وطن کی سالمیت اور استحکام کے لیے مل کر اور مذہبی لسانی اور علاقائی تعصبات سے پاک ہو کر سوچنا چاہیے اور کام کرنا چاہیے۔ تمام انٹرویوز اچھے لگے۔

اس کے بعد کہانیوں کی طرف چل پڑے۔ مکمل ناولز سبھی اچھے تھے مگر رفاقت جاوید کے مکمل ناول "شوق شہادت" نے تو کمال کر دکھایا۔ ناولٹ میں "اے وطن" کی سرحد پر دور کہیں اک سایہ سا دکھائی دیا مگر دیکھتے ہی اک بازگشت سنائی دی جانے لگی کہ "وہ اک پری ہے" جب پاس جا کے دیکھا تو پری اک ظالم دیو کی قید میں تھی۔ میری موجودگی کے احساس نے اسے چوکنا کر دیا۔ میرے پوچھنے پر اس نے کہا کہ میری تو زندگی "یہ زندگی" ہے جو کہ مسلسل جبر کی داستان ہے۔ میرے واپس آنے پر اس نے کہا کہ پلیز جاتے ہی "میرے ہمنوا کو خبر کر دو" تاکہ وہ مجھے اس قید سے چھڑا کے لے جائے۔

ناولٹ بہت ہی اچھے لگے۔ افسانوں میں سبھی ٹاپک اچھے لگے۔ اس ماہ "دردل" کی قسط نہ دیکھ کر دکھ ہوا۔ نبیلہ آپی کے لیے بہت سی دعائیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت کاملہ عطا فرمائے (آمین) آپی آپ سے گزارش ہے کہ "ایف ایم 98" کے R.J ڈاکٹر کاشف رشید کا انٹرویو بمع تصاویر لازمی شائع کریں۔ میری دوستوں فوزیہ اور صبا کو سلام۔ آخر میں کرن اور کرن کی پوری ٹیم کے لیے بہت سی دعائیں۔

ثمینہ اکرم۔۔۔ لیاری

عیدالاضحیٰ کی ڈھیروں خوشیاں آپ سب کو مبارک ہوں

اللہ پاک سب کو سنت ابراہیمی ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

کرن کا شمارہ اس بار 10 ستمبر کو ملا۔ جبکہ اس کا انتظار میں بہت شدت سے گزشتہ کئی روز سے کر رہی تھی۔ وجہ "مقابل ہے آئینہ" میں اپنے جوابات پڑھنے کی جلدی تھی جس کا علم مجھے بذریعہ "خواتین ڈائجسٹ" کے ہو گیا تھا۔ کرن کا سرورق بہت زیادہ پسند آیا۔ اسپیشلی ماڈل کا ڈریس غنوی کو زیادہ پسند آیا جبکہ مجھے پوری کی پوری ماڈل ۔۔۔۔ اچھی لگی۔ انٹرویوز میں عدم دلچسپی کے سبب سرسری سا انہیں دیکھا جبکہ سید جاسم علی کے انٹرویو پر نگاہیں اٹک گئیں۔ اتنے باصلاحیت اور ٹیلنٹڈ بندے سے مل کر خوشی ہوئی۔

اس بار "دردل" کو نہ پا کر دل میں درد اٹھا پھر "دست کوزہ گر" کو پڑھ کر آرام آیا۔ بے چاری زوبیہ پر بڑا ترس آیا جو گڑھے سے نکل کر کھائی میں گرنے جا رہی ہے ایسا نہ ہو کہ وہ کسی بڑی مصیبت کا شکار ہو جائے۔ جبکہ شائستہ خالہ کی روح کا معمہ بھی ابھی تک حل نہیں ہو سکا۔ دوسری طرف شگفتہ غفار کی رومیلہ سے نفرت اور ناپسندیدگی اب دوسرے لوگوں کی نظروں میں بھی آ گئی ہے۔ اتنی اچھی لڑکی کی زندگی اس کے بھائی کی ذرا سی غلطی کی وجہ سے جہنم بنی ہوئی ہے۔ اللہ کرے کہ رومیلہ اپنے سسرال والوں کے دل میں اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہو جائے جبکہ الیان کے دل میں تو اس کے لیے نرم گوشہ پیدا ہو ہی گیا ہے۔ خرم اور کومل کی کمی اس مرتبہ بہت محسوس ہوئی۔

"مقابل ہے آئینہ" میں اپنے آپ سے مل کر مجھے تو بہت اچھا لگا۔ آپ قارئین کو کیسا لگا؟ جواب کا انتظار رہے گا۔ البتہ معیز اکرم شہید کو یاد کر کے دل بہت اداس ہو گیا۔ جبکہ سب فیملی ممبران نے بھی سراہا۔ میرے لفظوں کو پذیرائی بخشنے پر تہہ دل سے شکریہ اور شکریہ تو میں آج اکرم کا بھی ادا کروں گی جو میرے لیے اتنی دور سے لفافے لاتے ہیں اور میرا خط پوسٹ کر کے آتے ہیں۔ ہر ماہ بخوشی میری تینوں ڈائجسٹ کا بل پے کرتے ہیں اور مجھے کبھی بھی ڈائجسٹ پڑھنے سے منع نہیں کرتے اور اب تو جدید مواصلاتی ذرائع کی وجہ سے خط لکھنے کی روایت دم توڑتی جا رہی ہے جبکہ ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی وجہ سے اب بھی خط لکھنے کی روایت قائم ہے۔ سینکڑوں قارئین ہر ماہ ڈائجسٹ کی کہانیوں پر اپنا تبصرہ بذریعہ خط ارسال کرتے ہیں۔

"نامے میرے نام" میں بھی اپنا خط پا کر سیروں خون بڑھ گیا اس کے لیے بھی تہہ دل سے ممنون ہوں۔

"چل دیے اس راہ پر" نوشین سرور کا مکمل ناول جو کہ شروع میں تو ماں بیٹے کی خالص محبت کے رنگوں سے مزین تھا جبکہ بعد میں یہ ایک شہید کی خوشبو سے مہک اٹھا۔ سیاچن کے فوجی جوان جو گیاری سیکٹر میں شہید ہوئے وہ اصل میں "نشان حیدر" کے مستحق ہیں۔ ناولٹ "میرے ہمنوا کو خبر کرو" اب تک کوئی خاص جگہ نہیں بنا سکا البتہ قاری کو اچھی شاعری پڑھنے کو ضرور مل رہی ہے (معذرت کے ساتھ) فاخرہ گل صاحبہ اس کی کہانی پر زیادہ توجہ دیں ۔۔۔۔

"یہ زندگی" فرح طاہر کا ناولٹ ٹھیک ہی تھا۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ "اپنی ہی ہم جنس سے شدید محبت اور دلچسپی رکھنا دراصل بے راہ روی ہے۔" اس میں ایک غیر مسلم کو مسلمان کرنے کی سعادت عنیحا کے حصے میں آئی۔ یہ نیکی اس نے اپنے بلند کردار اور پردے کی وجہ سے کمائی۔ "خوابوں کا جہاں" ناول کچھ خاص نہیں لگا۔ اس طرح کی کہانیاں پڑھ پڑھ کر بور ہو گئے ہیں۔ جبکہ اس میں کچھ نئے کردار و واقعات ڈال کر نیا بنانے کی کوشش ضرور کی گئی ہے۔ "شوق شہادت" ابھی پڑھی نہیں اس لیے تبصرہ ادھار رہا۔ اس ماہ افسانے کچھ خاص پسند نہیں آئے۔ "جبکہ کرن کتاب" میں بچوں کی تربیت سے متعلق مفید معلومات حاصل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نیک راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری زندگیوں میں امن پیدا کرے۔ (آمین)

ام رباب عاشق۔۔۔ کوٹ جہانگیر گوجرانوالہ

ڈیئر قارئین اور تمام کرن اسٹاف کو میرا پیار بھرا سلام۔ امید ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے۔

میں 7th میں تھی جب میں نے پہلی بار آنچل پڑھا پھر تو سلسلہ شروع ہی ہو گیا اور اب میں باقاعدگی سے ــــ کرن، شعاع، خواتین ــــ پڑھتی ہوں۔ بہت عرصے سے سوچ رہی تھی کہ خط لکھوں لیکن ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ مگر اب حوصلہ کر کے لکھ ہی ڈالا کہ چلو جو ہو گا دیکھا جائے گا۔

"حمد" اور "نعت" دونوں پر ماشاء اللہ بہت اچھی تھیں۔ ایمان تازہ ہو گیا۔ عینی جعفری کو پڑھا اچھا لگا۔ جگن کو اگنور کر دیا۔ افسانے بہت ہی زبردست تھے خاص کر "قرض چکانا ہے" اشعر نے بہت اچھا فیصلہ کیا کیونکہ گھر تو آخر اپنا ہے۔

ناولٹ میں فرح طاہر کا "یہ زندگی" اچھا تھیم تھا بہت منفرد تھا۔ یعنی ایسا ناولٹ ہیرو کے بغیر ہی مکمل ہو گیا۔ لیکن اس میں ایک چیز بہت الجھن کا باعث بنی یعنی ہیروئین فبیحا نام کی بہت تکرار تھی۔ مکمل ناول "چل دیے اس راہ" نوشین سرور صاحبہ نے بہت خوب صورت لکھا۔ علی کی حب الوطنی نے بہت متاثر کیا۔ توحید بیگم کا کردار بہت زیادہ پسند آیا۔

"خوابوں کا جہاں" بہت بہت زبردست تحریر تھی۔ فوزیہ ثمر بٹ، انیقہ انا اور ثمینہ اکرم کے تبصرے غور سے پڑھتی ہوں "مقابل ہے آئینہ" میں فوزیہ ثمر بٹ کو پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ ثمینہ بہت ہی اچھی ہیں اور ان کو پڑھ کر بہت رونا آیا اللہ ان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ہمارے وطن کو سلامتی عطا فرمائے اللہ حافظ ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

نواب زادی سولنگی ..... مورو سندھ

کرن کے اسٹاف، قاری اور رائٹرز کو محبت بھرا سلام قبول ہو۔ بہت عرصے بعد "کرن" کی بزم میں داخل ہونے کی کوشش کر رہی ہوں اس امید کے ساتھ جگہ ملے گی۔ لیٹر بھی بہت لیٹ لکھ رہی ہوں اب پتا نہیں یہ میرا غریب سا لیٹر اکتوبر کے شمارے میں شائع ہو گا یا نہیں مگر امید پہ دنیا قائم ہے!

سب سے پہلے تو پیاری مدیرہ ریحانہ جی کا بہت شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جنہوں نے بہت پیار سے مجھ ناچیز سے بات کی اور میں نے آپ سے بات کر کے دلی خوشی محسوس کی۔

کرن میں لکھنے سے لے کر تبصرہ کرنے والے سب لوگ تقریباً "نئے ہیں جو کہ "کرن" کی حوصلہ افزائی کا نتیجہ ہے، مگر پھر بھی پرانے رائٹرز اور ان کی شاہکار اسٹوریز کی ویلیو اپنی جگہ ہے تو پلیز آپ ان سے کچھ لکھوائیں کرن کے لیے نایاب جیلانی، انیلا کرن یا سمین نشاط اختر، نبیلہ عزیز، ام مریم، مریم عزیز سب سے زیادہ بیسٹ رائٹر نادیہ امین جو کہ جب بھی لکھتی ہیں ہمیں دنیا کے ہوش سے بے گانہ کر دیتی ہیں تو پلیز آپ جلدی لکھا کریں کرن میں، ہاں اپنی نبیلہ ابر راجہ کو بھی کہیں کہ "زرد زمانوں کا سویرا" جیسا ناول کرن کے لیے جلدی لکھیں۔

اگر میں علیزہ اور دلاور شاہ کا ذکر نہ کروں تو لگتا ہے کہ کچھ کمی سی رہ گئی ہے کرن کی تعریف میں تو نبیلہ عزیز آپ سے اتنا کہنا تھا کہ آپ کا یہ ناول ایک بہترین تحفہ ہے کرن کے پڑھنے والوں کے لیے مگر میں بھی اس بات سے ایگری ہوں کہ طوالت زیادہ ہو گئی ہے ناول کی۔

مجھے ان قاری دوستوں کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے جنہوں نے کبھی میری کمی کرن میں محسوس کر کے مجھے یاد کیا اور آج میں اسی یاد کا دامن تھام کر قاضیاں محلے سے لکھنے والی سونیا ربانی کو کہنا چاہتی ہوں کہ آپ کہاں ہیں؟ پلیز کرن میں واپس آ کر جلدی لکھیں اور کیا میں آپ کو لیٹر لکھ سکتی ہوں؟ پلیز سونیا آپ مجھے جواب ضرور دینا کرن کے ذریعے۔

آخر میں سب کو آنے والی عید کی مبارک باد ایڈوانس میں قبول ہو۔ خدا ہم کو اور ہمارے پیارے وطن کو اپنے امان میں رکھے (آمین)

حنا زین ..... واہ کینٹ

سب سے پہلے کرن میں خط لکھنے کی وجہ میرے خیال میں کسی تحریر کو پڑھ کر دل میں سراہنے کے بجائے ادارے اور مصنفین تک اس کی تعریف پہنچانا میرا اخلاقی فرض ہے۔ ویسے یہ میرا ذاتی خیال ہے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ سب سے پہلے "در دل" جو اس مہینے غیر حاضر ہے کے متعلق کہنا چاہوں گی کہ سسپنس اس قدر طویل ہو گیا ہے کہ ناول پڑھتے ہوئے کسی نصابی کتاب کا گماں گزرتا ہے کہ پڑھنا ضروری ہے نہیں پڑھا تو فیل ہو جائیں گے۔ ویسے میرے خیال میں ایسا لگتا ہے نبیلہ عزیز ابھی تک خود بھی دونوں خاندانوں کی وجہ اختلاف کا تعین نہیں کر سکیں، خیر.....

رابعہ افتخار کا "مور کے پر" ایک اچھی مختصر تحریر تھی ایک ہی جست میں محلوں میں پناہ لینے والی لڑکیوں کے لیے نصیحت آموز تحریر، شازیہ جمال نیر کا "خوابوں کا جہاں" پرانا موضوع مگر ناول پر گرفت خوب رہی زبردست شازیہ، نوشین سرور نیا نام مگر کام بہت زبردست ویسے بھی جہاں

اپنے وطن پاکستان سے متعلق بات ہو جذبات خود بہ خود اونچی اڑان بھرنے لگتے ہیں اور ساتھ ساتھ آنکھ کا کونا نم ہونا فطری بات ہے۔ بہت خوب صورتی سے مکمل گرفت رکھتے ہوئے اپنی پاک آرمی کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ناول کا اختتام جوش و ولولے کو اجاگر کر گیا۔ نوشین نیا نام بڑا کام اللہ آپ کو اور ترقی دے آمین۔ "دست کوزہ گر" زبردست تحریر شروع میں یکسانیت کا شکار مگر رائٹر کی کامیابی کہ اب رسالے کا انتظار قسط وار کہانیوں کی وجہ سے کرتی ہوں۔ آخر میں کرن میں پہلی بار خط لکھنے پر تمام ادارہ کو سلام اور مبارک باد کہ اتنی بہترین کاوش ہر ماہ ہمارے سامنے آتی ہے۔ خط کا چھپنا اہم نہیں ہے اہم میری رائے ہے جو آپ تک پہنچ گئی یہ ہی بہت ہے۔

فوزیہ ثمر بٹ ..... گجرات

ستمبر کا شمارہ پندرہ کی شام میں عمران کے ساتھ خود لینے گئی - سرورق تقریباً" اچھا ہی تھا ویں کوئی نقص نکال کر میں ماڈل گرل کا دل نہیں دکھانا چاہتی۔

سب سے پہلے حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبولؐ سے دل و ذہن کو منور کیا۔ جو سرور ان میں ہے اور کہاں اس بار دل سے کہہ رہی ہوں شاہین صاحبہ نے بہت اچھے انٹرویو کیے۔ عینی جعفری کمال کی اداکاری کرتی ہیں۔ اسیر زادی میں ثانیہ سعید کی ٹکر کی اداکاری کر رہی ہیں۔ خیر وہ تو ہیں ہی سپر ہٹ میرے خیال میں اگلے ماہ ثانیہ سعید کا انٹرویو ہو جائے میری صنبیے جگن سے بھی ملاقات ٹھیک رہی اچھا لگا جگن کا اپنے بیٹے سے لگاؤ ورنہ تو شوبز میں ایسا کم ہی ہوتا ہے اگر آپ کا بریک اپ ہو جائے تو.....

"مقابل ہے آئینہ" ثمینہ اکرم آپ کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ آپ نے پہلے بھی اپنے بیٹے کی شہادت کا ذکر کیا تھا۔ ہے تو ناقابل برداشت دکھ مگر اللہ پاک کی یہی مصلحت تھی۔ رب عظیم آپ کے دل کو صبر عطا فرمائے اولاد بھولنے والی چیز تو نہیں پھر بھی اللہ تعالیٰ آپ کے دل کو سکون عطا فرمائے۔

مکمل ناول میں مجھے رفاقت جاوید کا "شوق شہادت" اچھا لگا۔ اس ماہ ہماری رائٹرز نے 6 ستمبر کے حوالے سے تحریریں لکھیں جو کہ سب کی سب حب الوطنی کے شیرے میں ڈوبی ہوئی تھیں "میرے ہمنوا کو خبر کرو" تحریر کے دو نئے کردار اب یہ کیا نیا گل کھلانے آئے ہیں ندرت کی زندگی میں۔ اس ماہ مجھے ساری تحریریں ایک جیسی لگیں۔ پتا نہیں کیوں شاید آج کل میرے ذہن میں ٹینشن چل رہی ہے اس لیے۔

افسانے میں مجھے "مور کے پر" اچھا لگا۔ خواب زندگی کا حصہ ہوتے ہیں۔ مگر زویا الیاس نے خوابوں کی تعبیر پانے کے لیے بہت اوچھا طریقہ اختیار کیا۔ وہ تو سدرہ شاہ اچھا نکلا ورنہ تو زویا کے خوابوں کی تعبیر بہت بھیانک نکلتی۔ مستقل سلسلے لاجواب تھے "یادوں کے دریچے" سے کوئی بھی شاعری متاثر نہ کر سکی۔ ہاں اس بار مسکراہٹیں مسکرانے کے قابل تھیں۔ شاعری میں اس بار عائشہ تحریم اور کرن شفق کی شاعری بھلی لگی۔

"نامے میرے نام" میں انیقہ نے بہت اچھا تبصرہ کیا تحریروں پر۔ امبر گل تم کہاں غائب ہو جاتی ہو۔ سب خیر ہے نا "نامے میرے نام" میں اپنا خط سب سے آخر میں دیکھ کر ایسا لگا جیسے میرا خط ٹرین کا وہ مسافر ہے جس نے بھاگتے ہوئے ٹرین پکڑی ہو۔ ہے ناصد شکر ٹرین چھوٹی نہیں۔ سب کو عید الضحیٰ کی مبارک باد۔ خوش رہیں اور ہاں پلیز 10 اکتوبر کو مابدولت کی ہیپی ٹوں ٹوں وش کرنا نہ بھولیے گا انتظار رہے گا۔

فوزیہ زبیر ..... چشتیاں

ستمبر کا دلکش شمارہ ۔۔ خلاف معمول 10 تاریخ کو ہی ہاتھوں میں آ کر خوشگوار حیرت میں مبتلا کر دیا۔ سونے پہ سہاگہ اتنا دلکش اور ریفریشنگ سرورق، مزاج اور ماحول ایک دم ترو تازہ ہوتا محسوس ہوا، مگر یہ کیا؟ "در دل" کو غائب پا کر ساری خوش مزاجی پر اوس پڑ گئی اور کچھ بھی پڑھنے کو دل نہ چاہا حالانکہ یہ بات ہم بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ ناگزیر وجوہات ہی ہوتی ہیں جن کی بنا پر شمارے میں سے کوئی نہ کوئی چیز غائب ہوتی ہے بلکہ اب تو ہمیں اس کا عادی ہو جانا چاہیے کیونکہ تینوں پرچوں میں کم و بیش یہی روٹین بنتی جا رہی ہے آخر رائٹرز بھی تو ہمارے جیسے انسان ہی ہیں نا کہ رائٹنگ مشین۔

"دست کوزہ گر" میں زوبیہ نے ایک انتہائی فیصلہ اور اقدام کر ڈالا جس کی ہمیں اس سے بالکل بھی توقع نہ تھی مگر نہیں زوبیہ جیسے نفسیاتی کیس میں کسی بھی اقدام کی توقع کی جا سکتی ہے۔ رومیلہ اور الیان کے لیے دعا گو ہیں کہ ان کی زندگی میں مثبت تبدیلی آئے الیان کا شگفتہ غفار کے

ساتھ دو ٹوک انداز گفتگو اچھا لگا۔ خرم اور نمل کی کمی بھی محسوس ہوئی۔

فاخرہ گل کے ناول "میرے ہمنوا کو خبر کرو" نے تو ہمیں اداس اور پریشان ہی کرنا تھا سو وہ ہم ہو گئے ویسے آپی زندگی میں پہلے ہی پریشانیاں تھوڑی ہیں جو رہی سہی کسر ادھر سے پوری ہو جائے ناصر جیسے بھائیوں کی بھی سمجھ نہیں آتی کہ یا تو بہن کو ہتھیلی کا چھالا بنا لیتے ہیں کوئی روک ٹوک نہیں اور بدگمان ہونے پر آئیں تو کوئی حد نہیں اور عائشہ جیسی بھابیوں کو جلتی پہ تیل ڈالنے کا خوب موقع ہاتھ آتا ہے۔

ریحانہ امجد بخاری کا ناولٹ اپنے بہترین شعری انتخاب کے باعث ہمارا پسندیدہ ہے۔ فرزان کی بے حسی پر حیرت ہوتی ہے کیا کوئی خود سے جڑے رشتوں سے بھی اس حد تک غافل ہو سکتا ہے۔ ایسے فرزانوں سے تو دیوانگی ہی بھلی۔

اس ماہ کا شمارہ تو یوم دفاع پاکستان اسپیشل تھا تو اس کی ہر تحریر ہی خاص تھی "نوشین سرور' رفاقت جاوید' حیا بخاری' نسرین خالد" کی وطن سے محبت کی چاشنی سے لبریز تحریریں بہت خاص تھیں ہمیں نوشین سرور کا مکمل ناول "چل دیے اس راہ" بہت پسند آیا۔ کرن سے پہلے شعاع اور خواتین آئے مگر 6 ستمبر کے حوالے سے کوئی تحریر نہ تھی اور اب کرن نے ساری کمی پوری کردی بحیثیت مجموعی تمام' رسالہ بہترین کاوش تھا۔

آسیہ عارف تارڑ۔۔۔ منڈی بہاؤالدین

کرن اس بار 19 تاریخ کو ملا' کسی نخریلی حسینہ کی طرح بہت انتظار کروایا' لیکن کرن پہ یہ نخرہ جچتا بہت ہے اور ہم دل و جان سے اس کے نخرے اٹھاتے ہیں سب سے پہلے نامے میرے نام دیکھے' یہ کیا؟ کہیں پہ بھی میرا نام نہیں بہت دھچکا لگا۔ پتا تو مجھے تھا کہ اتنا لیٹ خط بھیجنے پر شائع نہ ہو سکے گا' لیکن اس دل نادان کی خوش فہمیاں کہ شاید شائع ہو ہی جائے۔

پھر وہ "اک پری ہے" کو پڑھا' فی الوقت تو اس پہ تبصرہ کرنے سے قاصر ہوں' جب اس کا اختتام ہوا پھر بات کروں گی' ابھی صرف اتنا ہی کہ اس ناولٹ کو ادب میں بہت خاص مقام ملے گا ان شاءاللہ۔

"دست کوزہ گر" بہت اچھی رہی لگتا ہے دو تین اقساط تک ختم ہو جائے گی۔ میرے خیال کے مطابق شگفتہ غفار' رومیلہ کو بہو مان لیں گی اور زوبیہ بھی شائستہ آنٹی کے چنگل سے نکل جائے گی اگر کہیں اور نہ پھنس گئی تو۔

ارے یہ کیا "درِ دل" غائب؟ اوہو! انبیلہ یہ ظلم نہ کیا کریں بھئی۔ "خوابوں کا جہاں" شازیہ نے بہت خوب صورت لکھا گو موضوع بہت ہی پرانا اور گھسا پٹا تھا' لیکن اس ٹینشن کے دور میں ایسی کہانیاں بہت اچھی لگتی ہیں جنہیں پڑھ کر انسان کا موڈ خوشگوار ہو جائے پچھلے مہینے شعاع یا شاید خواتین کی مدیرہ صاحبہ نے ایک خط کے جواب میں ایک بات کہی تھی جو ٹھاہ کرکے میرے دل پہ لگی میں ان سے بالکل متفق ہوں' انہوں نے لکھا تھا "کہانیوں میں آپ لوگ ہیرو اور ہیروئن کو الگ الگ ہوتا نہیں دیکھ سکتے جب کہ حقیقی دنیا میں کوئی پیار کرنے والوں کو ایک نہیں ہونے دیتا" انہوں نے یہ بات بالکل ٹھیک کہی۔ اصل میں کہانیوں میں قاری ہیرو ہیروئن کے کردار میں اپنے آپ کو تلاش کر رہا ہوتا ہے اور اپنے ساتھ کون برا چاہتا ہے۔ باقی صرف اداریہ پڑھا ہے اور انیقہ انا کا خط' اس لیے مزید تبصرہ کرنے سے قاصر ہوں۔

نوشابہ منظور۔۔۔ بھریا روڈ

اس ماہ کا کرن 13 کی شام کو ابو جی نے لا دیا سب سے پہلے دست کوزہ گر پڑھا پھر عشاء کی نماز کے بعد کرن لے کے بیٹھی تو آس پاس کا کوئی ہوش نہ رہا رفاقت جاوید کا "شوق شہادت" بہت اچھا تھا مگر ارسلان کی شہادت کے بعد جواد کا بدل جانا اچھا نہیں لگا۔ نوشین سرور کا مکمل ناول "چل دیے اس راہ" آپی مجھے نہیں پتا کہ اس ناول کو پڑھتے وقت میرے کیا احساسات تھے مگر جب بارہ بجے میں نے یہ ناول پڑھ کے آنکھیں بند کیں تو میری آنکھوں سے آنسو تواتر سے گرنا شروع ہوئے خاص طور پہ جب کیپٹن علی منوں برف کے نیچے دبا ہوا تھا آپی میرے تایا کے بیٹے سیاچن میں تھے جب وہاں برفانی تودا گرا تھا پورا ہفتہ ہمیں پتا نہیں چل سکا تھا وہ کس حال میں ہیں میرے چھوٹے چاچو بھی آرمی میں ہیں چاچو جب سیاہ چن سے واپس آئے تھے تو ہمیں وہاں کی اتنی باتیں سناتے تھے اسکردو میں بھی چاچو دو سال رہے تھے۔ باقی رسالہ ابھی پڑھا نہیں ان دو ناول کو پڑھنے کے بعد ابھی تک دل نہیں کر رہا اس لیے معذرت۔

☆ ☆